تحقیقی، اِصلاحی اور علمی

جلد چہارم

تالیف

حافظ زبیر علی زئی

الکتاب اِنٹرنیشنل

جامعہ نگر، نئی دھلی ۱۱۰۰۲۵

تحقیقی، اِصلاحی اور علمی

مقالات

(جلد چہارم)

تالیف

حافظ زبیر علی زئی

الکتاب انٹرنیشنل

جامعہ نگر، نئی دھلی ۱۱۰۰۲۵

نام کتاب	:	مقالات تحقیقی، اصلاحی اور علمی
تالیف	:	حافظ زبیر علی زئی
ناشر	:	سید شوکت سلیم سہسوانی
جلد	:	چہارم
اشاعت	:	اپریل ۲۰۱۳ء
قیمت	:	-/350 روپے

ناشر

الکتاب انٹرنیشنل

F-50 B، مرادی روڈ، بٹلہ ہاؤس، جامعہ نگر، نئی دہلی۔ ۲۵

Phone:. 9312508762, 011-26986973

E-mail:. alkitabint@gmail.com

ملنے کے پتے

۱۔ مکتبہ دارالسلام، گاؤکدل، سرینگر، کشمیر

۲۔ القرآن پبلیکیشنز، میسومہ بازار، سرینگر، کشمیر

۳۔ مکتبہ دارالسلام، اننت ناگ، کشمیر

۴۔ مکتبہ المعارف، محمد علی روڈ، ممبئی

۵۔ مکتبہ ترجمان، اردو بازار، دہلی۔ ۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست

عقائد (توحید وسنت)

نماز سے متعلق مسائل

اصولِ حدیث اور تحقیق الروایات

تحقیق و تنقید

تذکرۃ الراوی وعلمائے حدیث

باطل مذاہب اوران کارد

متفرق مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقدیم

الحمد للّٰہ ربّ العالمین والصّلوٰۃ والسّلام علٰی رسولہ الأمین ،أمابعد:

راقم الحروف نے ماہنامہ الحدیث کے آغاز (عدد حضرو نمبرا) سے لے کر مقالات کی اس جلد تک اپنے منہج کو کتاب وسنت، اجماع واجتہاد (اور آثارِ سلف صالحین) پر قائم رکھا ہے، جیسا کہ ((لایجمع اللّٰہ أمتي علٰی ضلالۃ أبدًا)) والی حدیث اور دیگر دلائل کا تقاضا اور لازمی نتیجہ ہے۔ امیر المومنین خلیفۂ راشد سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے قاضی شریح بن الحارث رحمہ اللہ کو حکم دیتے ہوئے فرمایا: ''کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کر، کتاب اللہ میں نہ ملے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق فیصلہ کر، سنت میں نہ ملے تو اس کے مطابق فیصلہ کر جس پر لوگوں کا اجماع ہو، اور اگر اس میں بھی نہ ملے تو اجتہاد کر یا نہ کر اور میں سمجھتا ہوں کہ تمھارے لئے نہ کرنا بہتر ہے۔''

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۲۴۰ ح ۲۲۹۸۰ وسندہ صحیح، ورواہ الضیاء المقدسی فی المختارہ ۱/ ۲۳۸ ح ۱۳۴)

یہی وہ منہج اور دستور العمل ہے جس پر جلیل القدر اہلِ حدیث علماء یعنی سلف صالحین ہمیشہ گامزن رہے اور اسی پر ایمان واصول اور احکام واعمال میں ثابت قدم رہنے والوں کے لئے نجات ہے۔ ان شاء اللہ

سید نذیر حسین محدث دہلوی کے مشہور شاگرد حافظ عبداللہ غازیپوری رحمہما اللہ نے اجماع کے حجت ہونے کا اعلان کیا۔ (دیکھئے ابراء اہل الحدیث والقرآن ص ۳۲، الحدیث: ۱ص ۴)

حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''اہلحدیث کے اصول کتاب وسنت، اجماع اور اقوال صحابہ وغیرہ ہیں، یعنی جب کسی ایک صحابی کا قول ہو اور اس کا کوئی مخالف نہ ہو، اگر اختلاف ہو تو ان میں سے جو قول کتاب وسنت کی طرف زیادہ قریب ہو، اس پر عمل کیا جائے اور اس پر کسی عمل، رائے یا قیاس کو مقدم نہ سمجھا جائے، اور بوقت ضرورت قیاس پر عمل کیا جائے۔

قیاس میں اپنے سے اَعلم پر اعتماد کرنا جائز ہے، یہی مسلک امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ، دیگر ائمہ اور اہل حدیث کا ہے۔'' (الاصلاح حصہ اول ص ۱۳۵)

یہ کتاب استاذ محترم حافظ عبدالمنان نور پوری کی مراجعت، حافظ محمد شریف کی زیرِ نگرانی، حافظ صلاح الدین یوسف اور ڈاکٹر عبدالرحمٰن فریوائی حفظہم اللہ کی تقدیم وحمایت کے ساتھ شائع ہوئی ہے، گویا یہ کتاب عصرِ حاضر کے عظیم ومحترم اہلِ حدیث علماء کی مساعی جمیلہ کا نچوڑ ہے۔ مولانا محمد حسین بٹالوی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''اس معیار کے دوسرے درجہ پر جہاں صحیح حدیث نبوی نہ پائی جاتی ہو، دوسرا معیار سلفیہ آثار صحابہ کبار وتابعین ابرار ومحدثین اخیار ہیں، جس مسئلہ اعتقادیہ وعملیہ میں صریح سنت نبوی کا علم نہ ہو، اس مسئلہ میں اہل حدیث کا متمسک آثار سلفیہ ہیں اور وہی مذہب اہل حدیث کہلاتا ہے''

(تاریخ اہلحدیث جلد اول ص ۱۵۷، از مؤرخ اہلِ حدیث ڈاکٹر محمد بہاؤالدین)

نیز ۱۳۲۲ھ (آج سے ۱۱۰ سال پہلے) جماعت اہل حدیث کے اعیان وارکان لاہور شہر میں جمع ہوئے، جن میں مولانا محمد حسین بٹالوی رحمہ اللہ بھی تھے۔

اس اجلاس میں طویل بحث ومباحثہ کے بعد قرار دیا گیا کہ

''اہل حدیث وہ ہے جو اپنا دستور العمل والاستدلال، احادیث صحیحہ اور آثار سلفیہ کو بناوے اور جب اس کے نزدیک ثابت ومحقق ہو جائے کہ اِن کے مقابلہ میں کوئی معارض مساوی یا اس سے قوی نہیں تو وہ ان احادیث وآثار پر عمل کرنے کو مستعد ہو جاوے اور اس عمل سے اس کو کوئی امام یا مجتہد کا قول بلا دلیل مانع نہ ہو۔'' (تاریخ اہلحدیث جلد اول ص ۱۵۱)

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے تحقیقی مقالات کی چوتھی جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس میں مطبوعہ مضامین بھی ہیں اور غیر مطبوعہ بھی، نیز تازہ ترین تحقیقات بھی ہیں اور آخر میں حسن لغیرہ (ضعیف +ضعیف +ضعیف) روایات کے حجت نہ ہونے پر ''تلک الغرانیق کا قصہ اور اس کا رد'' کے عنوان سے ایک مفید مضمون کا اضافہ بھی کر دیا گیا ہے۔ والحمد للہ

حافظ زبیر علی زئی (۲۰/فروری ۲۰۱۱ء)

عقائد (توحید وسنت)

اللہ تعالیٰ پر ایمان

کسی بات پر پکے یقین، دل سے تصدیق، زبان سے اقرار اور جسم سے اس کے مدلول پر عمل کو ایمان کہا جاتا ہے، جیسا کہ شیخ الاسلام ابوعثمان اسماعیل بن عبدالرحمٰن الصابونی رحمہ اللہ (متوفی ۴۴۹ھ) نے فرمایا: " **ومن مذهب أهل الحديث :**

أن الإيمان قول وعمل و معرفة ، يزيد بالطاعة و ينقص بالمعصية "

اور اہلِ حدیث کے مذہب میں سے ہے کہ ایمان قول، عمل اور معرفت ہے، اطاعت سے زیادہ ہوتا ہے اور نافرمانی سے کم ہوتا ہے۔

(عقیدۃ السلف واصحاب الحدیث ص ۲۶۴، دوسرا نسخہ تحقیق بدر البدر ص ۶۷ فقرہ: ۱۰۴، تیسرا نسخہ ص ۴۰)

امام ابوعثمان الصابونی سے پہلے امام ابوبکر محمد بن الحسین الآجری رحمہ اللہ (متوفی ۳۶۰ھ) نے فرمایا: ایمان دل سے تصدیق، زبان سے اقرار اور جسمانی اعضاء کے ساتھ عمل ہے اور جب تک یہ تین چیزیں جمع نہ ہوں مومن نہیں بن سکتا۔

(کتاب الشریعہ ص ۱۱۹، دوسرا نسخہ ص ۱۲۰، تیسرا نسخہ ج ۲ ص ۶۱۱)

امام مالک بن انس، معمر بن راشد، سفیان ثوری اور سفیان بن عیینہ وغیرہم نے کہا: ایمان قول اور عمل ہے، زیادہ اور کم ہوتا ہے۔ (کتاب الشریعہ للآجری ص ۱۳۲ ح ۲۶۱ وسندہ حسن)

امام شافعی بھی اس کے قائل تھے کہ ایمان قول وعمل ہے، زیادہ اور کم ہوتا ہے۔ (دیکھئے آداب الشافعی ومناقبہ لابن ابی حاتم ص ۱۴۷، وسندہ صحیح، الاعتقاد للبیہقی نسخہ محققہ ص ۲۳۲ وسندہ حسن، فیہ أبوالحسن یوسف بن عبدالاحد بن سفیان القمنی المصری، قال الذہبی: "ولا أعلم به بأساً" تاریخ الاسلام ۵۰۶/۲۳)

امام احمد بن حنبل نے فرمایا: ایمان قول وعمل ہے، زیادہ اور کم ہوتا ہے۔

(مسائل الامام احمد روایۃ ابی داود ص ۲۷۲، الشریعہ للآجری ص ۱۳۲ ح ۲۶۲ وسندہ صحیح)

یہی قول عام علمائے اہلِ سنت سے ثابت ہے اور اس کے خلاف علمائے اہلِ سنت سے کچھ

بھی ثابت نہیں، بلکہ امام وکیع بن الجراح بن ملیح (متوفی ۱۹۷ھ) رحمہ اللہ نے فرمایا:

"أهل السنة يقولون: الإيمان قول وعمل، والمرجئة يقولون: الإيمان قول، والجهمية يقولون: الإيمان المعرفة" اہلِ سنت کہتے ہیں: ایمان قول وعمل ہے، مرجیہ کہتے ہیں: ایمان قول ہے، اور جہمیہ کہتے ہیں: ایمان معرفت ہے۔

(الشریعہ ص ۱۳۱ ح ۲۵۹ وسندہ صحیح)

امام محمد بن یحییٰ بن ابی عمر العدنی رحمہ اللہ (متوفی ۲۴۳ھ) نے اپنے استاذ امام وکیع بن الجراح سے نقل کیا: اہلِ سنت کہتے ہیں: ایمان قول وعمل ہے، مرجیہ کہتے ہیں: ایمان قول بلاعمل ہے اور جہمیہ کہتے ہیں: ایمان (دل کی) معرفت ہے۔

(کتاب الایمان لابن ابی عمر العدنی: ۲۹ وسندہ صحیح)

امام حسن بصری رحمہ اللہ (متوفی ۱۱۰ھ) نے فرمایا: ایمان قول ہے اور عمل کے بغیر قول نہیں ہوتا اور نہ قول وعمل نیت کے بغیر ہوتے ہیں، قول، عمل اور نیت (تینوں) سنت کے بغیر نہیں ہوتے۔ (الشریعہ ص ۱۳۱ ح ۲۵۸ وسندہ حسن لذاتہ)

سیدنا عمیر بن حبیب الانصاری رضی اللہ عنہ (صحابی) نے فرمایا: **"الإيمان يزيد وينقص"** ایمان زیادہ ہوتا ہے اور کم ہوتا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱۱/۱۳ ح ۳۰۳۱۸ وسندہ حسن، نیز دیکھئے مسائل الامام الصدوق محمد بن عثمان ابن ابی شیبہ: ۲۵ بتحقیقی)

سلف صالحین کے بہت سے آثار ہیں جن سے صاف ثابت ہے کہ ایمان قول وعمل کا نام ہے، کم ہوتا ہے اور زیادہ ہوتا ہے۔ ان کے مقابلے میں عمر بن محمد بن احمد بن لقمان النسفی الماتریدی (م ۵۳۷ھ) نے کہا: **"والإيمان لايزيد ولاينقص..."**

اور ایمان نہ زیادہ ہوتا ہے اور نہ کم ہوتا ہے...

(شرح العقائد النسفیہ ص ۹۴، دوسرا نسخہ ص ۲۹۵، سراج العقائد ص ۳۰۶، بیان الفوائد حصہ دوم ص ۱۵۶، جواہر الفرائد ص ۵۱۴، شرح عقائد نسفی ۲۳۴، متن العقائد النسفیہ ص ۲۱۱، دوسرا نسخہ ص ۳۹)

امام احمد بن حنبل نے ایسے لوگوں کو مرجیہ میں سے قرار دیا جو "ایمان قول وعمل ہے"

کے قائل نہیں ہیں۔ (السنۃ للخلال: ۹۶۳ وسندہ صحیح)

امام اوزاعی رحمہ اللہ (متوفی ۱۵۷ھ) نے فرمایا: جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ ایمان زیادہ اور کم نہیں ہوتا، وہ شخص بدعتی ہے، اس سے بچو۔

(جزء رفع الیدین للبخاری: ۱۰۸، وسندہ حسن، الشریعۃ للآجری ص ۱۱۷ ح ۲۴۴)

امام ابو حاتم الرازی اور امام ابو زرعہ الرازی دونوں نے فرمایا: ہم نے حجاز، عراق، مصر، شام اور یمن کے تمام شہروں میں علماء کو اس مذہب پر پایا کہ ایمان قول و عمل ہے، زیادہ ہوتا ہے اور کم ہوتا ہے۔ (اصول الدین: ۱، میری کتاب: تحقیقی مقالات ۲/ ۱۸)

آیاتِ مبارکہ: اس تمہید کے بعد چند آیاتِ مبارکہ پیشِ خدمت ہیں۔

۱: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَ بَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ ﴾ اور خوش خبری دے دو اُن لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک اعمال کئے، بے شک ان کے لئے (جنت کے) ایسے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ (البقرہ: ۲۵)

اس آیت کے آخر میں فرمایا: ﴿ وَ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴾ اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ (البقرہ: ۲۵)

۲: اور فرمایا: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴾
بے شک جو لوگ ایمان لائے، نیک اعمال کئے، نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی ان کے لئے ان کے رب کے پاس اجر ہے، نہ انھیں خوف ہوگا اور نہ غم ہوگا۔ (البقرہ: ۲۷۷)

۳: ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ﴾ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے ہم عنقریب انھیں ایسے باغات میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ (النساء: ۵۷)

۴: نیز فرمایا: ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لا لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴾ اللہ نے وعدہ کیا ہے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کئے، ان کے لئے مغفرت (بخشش) اور اجر عظیم ہے۔ (المائدہ:۹)

۵: اور فرمایا: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِ o خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ط وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ط وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴾ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے، ان کے لئے نعمتوں والے باغات ہیں، ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ کا وعدہ سچا ہے اور وہ عزیز حکیم ہے۔ (لقمٰن:۸۔۹)

۶: فرمایا: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ o اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ج جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ بے شک جن لوگوں نے کہا: ہمارا رب اللہ ہے، پھر وہ ثابت قدم رہے تو انھیں نہ خوف ہوگا اور نہ غم ہوگا۔ یہ لوگ جنت والے ہیں، اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے، یہ اس کا بدلہ ہے جو وہ اعمال کرتے تھے۔ (الاحقاف:۱۳۔۱۴)

۷: اور فرمایا: ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ لا كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَ اَصْلَحَ بَالَهُمْ ﴾ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے اور محمد (ﷺ) پر جو نازل ہوا ہے اس پر ایمان لائے اور وہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے، وہ (اللہ) ان کی غلطیاں معاف کر دے گا اور ان کی حالت کو بہتر بنا دے گا۔ (محمد:۲)

۸: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ مَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَ يَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ط ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴾ اور جو شخص اللہ پر ایمان لائے اور نیک اعمال کرے، وہ اس کی خطائیں معاف کر دے گا اور اس جنت میں داخل کرے گا جس کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، یہ بڑی کامیابی ہے۔ (التغابن:۹)

۹: نیز فرمایا: ﴿ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ ○ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ ﴾
سن لو! بے شک اللہ کے ولیوں کو نہ خوف ہوگا اور نہ غم ہوگا، جو ایمان لائے اور تقویٰ پر عمل پیرا تھے، ان کے لئے دنیا کی زندگی اور آخرت (دونوں میں) خوش خبری ہے۔ (یونس:۶۲-۶۴)
۱۰: اور فرمایا: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ○ جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ﴾
بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے، یہی لوگ مخلوقات میں سب سے بہتر جماعت ہے، ان کے رب کے پاس ان کا بدلہ عدن کے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں، وہ اس (جنت) میں ہمیشہ رہیں گے۔ (البینہ:۷-۸)
احادیث صحیحہ: ایمان کے بارے میں دس احادیث صحیحہ پیش خدمت ہیں:
۱: عن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ: ((الإيمان بضع وسبعون أو بضع وستون شعبة، فأفضلها قول لا إله إلا الله وأدناها إماطة الأذى عن الطريق والحياء شعبة من الإيمان .)) ایمان کے ستر سے یا ساٹھ سے زیادہ درجے ہیں، ان میں سب سے افضل: لا الہ الا اللہ ہے اور سب سے کم تر: راستے سے کسی تکلیف دہ چیز کو ہٹانا ہے اور حیا ایمان کا ایک درجہ ہے۔ (صحیح مسلم:۳۵، ترقیم دارالسلام:۱۵۳)
۲: عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال قال رسول الله ﷺ: ((لا يؤمن أحدكم حتى أكون أحب إليه من والده وولده والناس أجمعين .))
تم میں سے کوئی آدمی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک اپنے والد، اپنے بیٹے اور تمام لوگوں سے زیادہ مجھ سے محبت کرے۔ (صحیح بخاری:۱۵، صحیح مسلم:۴۴، دارالسلام:۱۶۹)
۳: عن أبي هريرة أن رسول الله ﷺ سئل: أي العمل أفضل ؟
قال: ((إيمان بالله ورسوله)) قيل: ثم ماذا؟ قال: ((الجهاد في سبيل الله .))
قيل: ثم ماذا ؟ قال: ((حج مبرور .)) رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون سا عمل

سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ اور اس کے رسول پر ایمان، پوچھا گیا: پھر کیا ہے؟
آپ نے فرمایا: اللہ کے راستے میں جہاد۔ پوچھا گیا: پھر کیا ہے؟
آپ نے فرمایا: مقبول حج۔ (صحیح البخاری: ۲۶ صحیح مسلم: ۸۳، دارالسلام: ۲۴۸)

۴: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالقیس (قبیلے) کے وفد سے کہا: کیا تم جانتے ہو کہ ایک اللہ پر ایمان لانا کیا ہے؟ انھوں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول سب سے زیادہ جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((**شهادة أن لا إله إلا الله وأن محمدًا رسول الله و إقام الصلوة وايتاء الزكوة وصيام رمضان وأن تعطوا من المغنم الخمس ...**))

لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی گواہی دینا، نماز قائم کرنا، زکوۃ ادا کرنا، رمضان کے روزے (رکھنا) اور یہ کہ تم مالِ غنیمت میں سے پانچواں حصہ (بیت المال میں) دے دو...
(صحیح بخاری: ۵۳، صحیح مسلم: ۱۷، دارالسلام: ۱۱۵)

۵: سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
((**من رأى منكم منكرًا فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه فإن لم يستطع فبقلبه وذلك أضعف الإيمان .**)) اگر تم میں سے کوئی منکر (برائی) دیکھے تو اپنے ہاتھ سے اسے بدل دے، اگر وہ اس کی طاقت نہ رکھے تو زبان سے (منع کرے) پھر اگر وہ اس کی طاقت بھی نہ رکھے تو دل سے (برا سمجھے) اور یہ سب سے کمزور ایمان ہے۔
(صحیح مسلم: ۴۹، دارالسلام: ۱۷۷)

۶: سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
((**ما من نبي بعثه الله في أمة قبلي إلا كان له من أمته حواريون وأصحاب يأخذون بسنته ويقتدون بأمره، ثم إنها تخلف من بعدهم خلوف، يقولون مالا يفعلون ويفعلون مالا يؤمرون فمن جاهدهم بيده فهو مؤمن ومن جاهدهم بلسانه فهو مؤمن ومن جاهدهم بقلبه فهو مؤمن وليس وراء ذلك**

من الإيمان حبة خردل .)) اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پہلے جو بھی نبی جس امت میں بھیجا تو اس کی امت میں اس کے حواری اور صحابہ ہوتے تھے جو اس کی سنت پر عمل کرتے اور اس کے احکامات کی پیروی کرتے ، پھر ان کے بعد ایسے اخلاف ہوئے جو کہتے وہ کرتے نہیں تھے اور وہ کرتے جس کا انھیں حکم نہیں دیا گیا تھا، پس جس نے ان کے خلاف اپنے ہاتھ سے جہاد کیا تو وہ مومن ہے اور جس نے اپنی زبان سے جہاد کیا تو وہ مومن ہے اور جس نے اپنے دل کے ساتھ جہاد کیا تو وہ مومن ہے اور اس کے بعد رائی کے دانے جتنا ایمان بھی نہیں ہے۔ (صحیح مسلم:۵۰، دارالسلام:۱۷۹)

۷: سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((من أحب لله وأبغض لله وأعطي لله ومنع لله فقد استكمل الإيمان .))

جو اللہ کے لئے محبت کرے، اللہ کے لئے بغض رکھے، اللہ کے لئے (مال و دولت) دے اور اللہ کے لئے روک لے تو اس کا ایمان مکمل ہے۔ (سنن ابی داود:۴۶۸۱ وسندہ حسن)

۸: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((والذي نفس محمد بيده! لايسمع بي أحد من هذه الأمة يهودي ولا نصراني ثم يموت ولم يؤمن بالذي أرسلت به إلا كان من أصحاب النار .))

اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے! اس امت (امتِ دعوت) میں سے جو بھی میرے بارے میں سن لے، چاہے یہودی ہو یا نصرانی (عیسائی) پھر مرنے سے پہلے اس پر ایمان نہ لائے جو (دین) مجھے دے کر بھیجا گیا ہے تو وہ دوزخیوں میں سے ہے۔ (صحیح مسلم:۱۵۳، ترقیم دارالسلام:۳۸۶)

۹: سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لا يدخل النار أحد في قلبه مثقال حبة خردل من إيمان ولا يدخل الجنة أحد في قلبه مثقال حبة خردل من كبرياء .)) کوئی شخص جہنم میں (ہمیشہ کے لئے) داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانے برابر ایمان ہے اور کوئی شخص جنت میں داخل

نہیں ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانے برابر تکبر ہے۔ (صحیح مسلم:۹۱، دارالسلام:۲۶۶)

۱۰: سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں غار (ثور) میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا کہ میں نے مشرکین (کفارِ مکہ) کے نشانات دیکھ لئے تو کہا: یا رسول اللہ! اگر ان میں سے کوئی اپنا قدم اٹھائے تو ہمیں دیکھ لے گا۔ آپ نے فرمایا:

((ما ظنك باثنين الله ثالثهما؟)) تمھارا ان دو آدمیوں کے بارے میں کیا خیال ہے جن کا تیسرا (ساتھی) اللہ ہے؟ (صحیح بخاری:۴۶۶۳)

پوری کائنات میں ایمان کے سب سے اعلیٰ درجے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، پھر انبیاء ورسل اور صحابہ کرام ہیں۔

ایک دفعہ ایک اعرابی (غالباً غورث بن الحارث) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تلوار تان کر پوچھا: مجھ سے تجھے کون بچائے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (انتہائی اطمینان سے) فرمایا: اللہ! تو اس اعرابی کے ہاتھ سے تلوار (زمین) پر گر گئی۔

(مسند احمد ۳/۳۹۰ ح ۵۱۹۰، صحیح ابن حبان، الاحسان: ۲۸۷۲ دوسرا نسخہ: ۲۸۸۳ وھو حدیث صحیح)

یہ قصہ اختصار کے ساتھ صحیح بخاری (۲۹۱۰) اور صحیح مسلم (۸۴۳) میں بھی موجود ہے۔

غورث بن الحارث الاعرابی نے واپس جا کر اپنی قوم سے کہا تھا:

''میں اس کے پاس سے آیا ہوں جو سب سے بہتر ہے۔'' یہ اس بات کی دلیل تھی کہ غورث بعد میں مسلمان ہو گئے تھے اور غالباً یہی وجہ ہے کہ حافظ ذہبی نے انھیں صحابہ میں ذکر کیا ہے۔ (دیکھئے تجرید اسماء الصحابہ ج ۲ ص ۳)

آثار: آیات مبارکہ اور احادیث صحیحہ کے بعد چند آثار پیش خدمت ہیں:

۱: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جاہلیت میں عمرو بن اقیس کا کسی کے ذمہ سود بقایا تھا، لہٰذا انھوں نے سود وصول کرنے سے پہلے اسلام لانا پسند نہیں کیا، پھر غزوہ احد کا دن آگیا تو عمرو نے کہا: میرے چچا کے بیٹے کہاں ہیں؟ کہا گیا کہ وہ احد میں ہیں۔ اس نے کہا: فلاں کہاں ہے؟ کہا: وہ احد میں ہے، تو عمرو بن اقیس نے اپنے ہتھیار پہن لئے اور اپنے

گھوڑے پر سوار ہوکر احد کی طرف چلے، جب مسلمانوں نے انھیں دیکھا تو کہا: اے عمرو! ہم سے دور رہو۔ انھوں نے جواب دیا: میں ایمان لا چکا ہوں۔ پھر انھوں نے جہاد کیا حتیٰ کہ زخمی ہوکر گھر لائے گئے پھر (سیدنا) سعد بن معاذ (رضی اللہ عنہ) نے ان کی بہن سے کہا: ان سے پوچھو، کیا انھوں نے اپنی قوم کی حمایت اور قومی غصے کے لئے جنگ کی ہے یا اللہ کے لئے؟ عمرو بن اقیس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بلکہ اللہ اور اس کے رسول کے لئے دفاع کرتے ہوئے جنگ کی ہے، پھر وہ شہید ہوئے اور جنت میں داخل ہوگئے، حالانکہ انھوں نے کوئی نماز نہیں پڑھی تھی۔

(سنن ابی داود: ۲۵۳۷ وسندہ حسن، وصححہ الحاکم علی شرط مسلم ۲/۱۱۳ ووافقہ الذہبی وحسنہ الحافظ فی الاصابہ)

۲: عبداللہ بن فیروز الدیلمی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ میں نے (سیدنا) ابی بن کعب (رضی اللہ عنہ) سے ملاقات کی تو کہا: اے ابوالمنذر! میرے دل میں تقدیر کے بارے میں کوئی چیز کھٹک گئی ہے، لہٰذا مجھے کوئی حدیث سنائیں، ہوسکتا ہے کہ میرے دل سے شک وشبہ دور ہوجائے۔ انھوں (سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین والوں کو عذاب دینا چاہے اور عذاب دے تو وہ ظالم نہیں ہوگا اور اگر وہ رحم کرے تو اس کی رحمت ان لوگوں کے اعمال سے بہتر ہے۔ اگر تم احد پہاڑ کے برابر بھی سونا اللہ کے راستے میں خرچ کردو تو اللہ اس وقت تک قبول نہیں کرے گا جب تک تم تقدیر پر ایمان نہ لے آؤ اور یہ نہ سمجھ لو کہ جو مصیبت تمھیں پہنچی ہے وہ کسی حالت میں بھی رک نہیں سکتی تھی اور جس مصیبت سے بچ گئے ہو وہ کسی حالت میں بھی تمہیں پہنچ نہیں سکتی تھی، اگر تم اس کے بغیر کسی دوسرے عقیدے پر مر گئے تو جہنم میں داخل ہوگے۔ عبداللہ بن فیروز الدیلمی نے کہا: پھر میں نے عبداللہ بن مسعود اور حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہما سے پوچھا تو انھوں نے بھی اسی طرح کہا اور زید بن ثابت (رضی اللہ عنہ) نے یہی بات مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے بیان کی۔

(سنن ابی داود: ۴۶۹۹، مسند احمد ۵/۱۸۲۔۱۸۳ ح ۲۱۵۸۹ وسندہ صحیح، وصححہ ابن حبان، الموارد: ۱۸۱۷)

۳: سیدنا عبداللہ بن مسعود اور سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''المومن یطبع

علی الخلال کلھا إلا الخیانة والکذب .'' مومن کی طبیعت میں ہر عادت ہو سکتی ہے لیکن خیانت اور جھوٹ نہیں ہو سکتا۔ (الایمان لابن ابی شیبہ: ۸۰۔۸۱ وسندہ قوی)

۴: امام حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا: اے ابن آدم! اللہ کی قسم اگر تم قرآن کی تلاوت کرو، پھر اس پر (کامل) ایمان لاؤ تو دنیا میں تمھارا غم زیادہ ہو جائے، شدید خوف میں مبتلا ہو جاؤ اور کثرت سے روتے رہو۔ (کتاب الزھد، زوائد عبداللہ بن احمد: ۱۴۵۶، وسندہ حسن)

۵: امام حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا: اس کا ایمان (کامل) ہے جو غیب (تنہائی) میں اللہ سے ڈرے، جسے اللہ پسند کرتا ہے، اسے پسند کرے اور جسے اللہ ناپسند کرتا ہے اسے ناپسند کرے۔ پھر حسن رحمہ اللہ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿كَذٰلِكَ ؕ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ﴾ اسی طرح اللہ سے اس کے صرف وہی بندے ڈرتے ہیں جو علماء (علم والے) ہیں۔ [فاطر: ۲۸] (کتاب الزہد، زوائد عبداللہ: ۱۵۴۷، وسندہ حسن)

آخر میں ایک نوجوان صحابی کا واقعہ پیشِ خدمت ہے، جن کی وفات کے وقت رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا: تم اپنے آپ کو کیسا پاتے ہو؟ انھوں نے کہا: یا رسول اللہ! اللہ کی قسم! مجھے اللہ سے (مغفرت کی) امید ہے اور اپنے گناہوں کا ڈر ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس مقام پر جس انسان کے دل میں یہ دو چیزیں جمع ہو جائیں تو وہ جس کی امید رکھتا ہے اللہ اسے دے دیتا ہے اور جس سے خوف رکھتا ہے اللہ اسے اس سے بچا لیتا ہے۔ (سنن ترمذی: ۹۸۳ وقال: ''ھذا حدیث حسن غریب...'' وسندہ حسن)

اے اللہ! ہمیں خوف و امید والا سچا ایمان عطا فرما اور اس میں مسلسل اضافہ فرما۔ ہماری دنیا بہتر کر دے اور ہمیں قبر، حشر اور جہنم کے عذاب سے بچا۔ آمین (۱۴/ جنوری ۲۰۱۱ء)

❀❀❀

صفاتِ باری تعالیٰ اور صحیح خبر واحد

(عبداللہ بن) عروہ بن الزبیر (رحمہ اللہ) سے روایت کہ " أن الزبير بن العوّام سمع رجلاً يحدّث حديثاً عن النبيّ ﷺ فاستمع له الزبير حتى إذا قضىٰ الرجل حديثه قال له الزبير : أنت سمعت هذا من رسول الله ﷺ ؟ فقال الرجل : نعم ، قال: هذا و أشباهه مما يمنعنا أن نحدّث عن النبي ﷺ ، قد لعمري سمعت هذا من رسول الله ﷺ و أنا يومئذ حاضر، و لكن رسول الله ﷺ ابتدأ هذا الحديث فحدثناه عن رجل من أهل الكتاب حدثه إياه ، فجئت أنت يومئذ بعد أن قضى صدر الحديث و ذكر الرجل الذي من أهل الكتاب فظننت أنه من حديث رسول الله ﷺ ."

بے شک (سیدنا) زبیر بن العوام (رضی اللہ عنہ) نے ایک آدمی کو نبی ﷺ سے ایک حدیث بیان کرتے ہوئے سنا تو زبیر (رضی اللہ عنہ) نے اُس کی طرف اپنے کان لگا دیئے، حتیٰ کہ اس آدمی نے اپنی حدیث بیان کر کے ختم کر دی۔ زبیر (رضی اللہ عنہ) نے اُس سے کہا: تم نے رسول اللہ ﷺ سے یہ (حدیث) سُنی ہے؟ تو اس آدمی نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: یہ اور اس طرح کی باتیں ہمیں نبی ﷺ سے حدیث بیان کرنے سے روکتی ہیں، قسم ہے کہ تُو (یا میں) نے رسول اللہ ﷺ سے یہ حدیث سنی ہے اور میں اُس دن حاضر تھا، لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث کی ابتدا (شروع) میں ہمیں اہل کتاب کے ایک آدمی سے حدیث سنائی، تم اُس دن اُس وقت آئے جب حدیث کا ابتدائی حصہ اور اہلِ کتاب کے آدمی کا ذکر ختم ہو چکا تھا، لہٰذا تم یہ سمجھے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے۔

(کتاب الاسماء والصفات للبیہقی ص ۲۵۸، دوسرا نسخہ ص ۴۵۰، تیسرا نسخہ بحاشیۃ الکوثری ص ۳۵۷، چوتھا نسخہ ج ۲ ص ۲۰۱ ح ۷۶۴، پانچواں نسخہ ج ۲ ص ۳۰۳ ح ۷۳۹)

اس روایت کے متصل بعد کتاب الاسماء الصفات میں لکھا ہوا ہے کہ

"قال الشيخ و لهذا الوجه من الاحتمال ترك أهل النظر من أصحابنا الإحتجاج بأخبار الآحاد في صفات الله تعالىٰ ، إذا لم يكن لما انفرد منها أصل في الكتاب أو الإجماع و اشتغلوا بتأويله، و ما نقل في هذا الخبر إنما يفعله في الشاهد من الفارغين من أعمالهم من مسه لغوب ، أو أصابه نصب مما فعل ، ليستريح بالاستلقاء ووضع إحدى رجليه على الأخرى، و قد كذّب الله تعالىٰ اليهود ، حين وصفوه بالاستراحة بعد خلق السمٰوات والأرض و ما بينهما فقال: ﴿ و لقد خلقنا السموات والأرض و ما بينهما في ستة ايام و ما مسنا من لغوب فاصبر على ما يقولون ﴾"

شیخ (غالباً بیہقی) نے کہا: احتمال کی اس وجہ سے ہمارے اصحاب (متکلمین اشاعرہ) کے اہلِ نظر (!) نے اللہ تعالیٰ کی صفات میں اخبارِ احاد سے حجت پکڑنا ترک کر دیا، اگر جس میں تفرد ہو، اس کی اصل (اللہ کی) کتاب یا اجماع میں نہ ہو، اور وہ اس کی تاویل میں مشغول ہوئے، اور اس روایت (جس کا ذکر اس ترجمے کے بعد آ رہا ہے) میں جو نقل کیا گیا ہے، یہ تو وہ لوگ کرتے ہیں جو اپنے کاموں سے فارغ ہو کر تھک جاتے ہیں، یا عمل سے تھکان پہنچتی ہے تا کہ لیٹ کر اور اپنی ٹانگیں ایک دوسرے پر رکھ کر آرام کریں، یہودیوں نے جب اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا کہ اُس نے زمین و آسمان پیدا کرنے کے بعد آرام فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے انھیں جھوٹا قرار دیا اور فرمایا: اور یقیناً ہم نے آسمان و زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے چھ دنوں میں پیدا فرمایا اور ہمیں کوئی کمزوری لاحق نہیں ہوئی۔ پس یہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں اُس پر صبر کرو۔ (الاسماء والصفات ص ۴۵۰)

[روایتِ مذکورہ (جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے) سے مراد وہ منکر (ضعیف) روایت ہے، جس میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب مخلوقات پیدا کیں تو لیٹ گیا اور ایک ٹانگ پر دوسری ٹانگ رکھ دی۔ دیکھئے الاسماء والصفات (ص ۴۴۸ وقال: فهذا حديث منكر ...)

ہمارے علم کے مطابق کسی محدث نے اس روایت کو صحیح یا حسن نہیں کہا، لہٰذا یہ روایت منکر ومردود ہے۔]

امام بیہقی کی اس عبارت میں مذکورہ کلام: ''اللہ تعالیٰ کی صفات میں اخبارِ آحاد سے حجت پکڑنا ترک کردیا...'' کئی وجہ سے غلط ہے۔ مثلاً:

۱) امام بیہقی کی پیش کردہ روایت ضعیف ومردود ہے۔ اس روایت کی سند درج ذیل ہے:

'' أخبرنا أبو جعفر العرابي : أنا أبو العباس الصبغي : نا الحسن بن علي بن زياد: نا ابن أبي أويس : حدثني ابن أبي الزناد عبدالرحمٰن عن هشام بن عروة عن (عبدالله بن) عروة بن الزبير ''

اس روایت کی سند تین وجہ سے ضعیف ہے:

اول: ابوجعفر العرابی (یا العزائی) نامعلوم (مجہول) ہے۔ شیخ عبدالرحمٰن بن یحییٰ المعلمی الیمانی رحمہ اللہ نے فرمایا: '' لم أعرفه '' میں نے اسے نہیں پہچانا۔ (الانوار الکاشفہ ص ۶۰)

دوم: اس کے دوسرے راوی ابوالعباس الصبغی محمد بن اسحاق بن ایوب کی توثیق نامعلوم ہے بلکہ اس پر اس کے ثقہ بھائی امام ابوبکر احمد بن اسحاق الصبغی النیسابوری رحمہ اللہ تنقید کرتے تھے، وہ اسے داداگیری یعنی بدمعاشی (الفتوة) کی وجہ سے سماعِ حدیث سے منع کرتے تھے۔ دیکھئے سیر اعلام النبلاء (۱۵/۴۸۹)

سوم: یہ روایت عروہ بن الزبیر نے نہیں بلکہ ان کے بیٹے عبداللہ بن عروہ بن الزبیر نے بیان کی ہے، جیسا کہ الاسماء والصفات للبیہقی کے قلمی نسخے (مخطوطۃ الحرم المکی رقم: ۲۰۳) میں لکھا ہوا ہے۔ (دیکھئے الانوار الکاشفہ مع الحاشیہ ص ۶۰)

عبداللہ بن عروہ رحمہ اللہ ۴۵ھ میں پیدا ہوئے۔ (تقریب التہذیب: ۳۴۷۵)

اور سیدنا زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ ۳۶ھ میں جنگ جمل سے واپسی پر شہید ہو گئے تھے۔

(دیکھئے تقریب التہذیب: ۲۰۰۳)

لہٰذا یہ روایت منقطع بھی ہے اور منقطع روایت ضعیف ہوتی ہے۔

نیز دیکھئے تیسیر مصطلح الحدیث (ص ۷۹، المنقطع)

طحاوی حنفی نے ایک حدیث کے خلاف امام ابوحنیفہ کا قول ذکر کیا اور پھر لکھا:

" و کان من الحجة لهم في ذلك أن هذا الحديث منقطع ..." اور (اس حدیث کو رد کرنے کے لئے) ان (امام ابوحنیفہ وغیرہ) کی دلیل یہ ہے کہ یہ حدیث منقطع ہے... (شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۱۶۴، باب الرجل یسلم فی دار الحرب...)

معلوم ہوا کہ بقولِ طحاوی امام ابوحنیفہ بھی منقطع روایت کو حجت نہیں سمجھتے تھے۔

۴) صحیح احادیث میں اللہ تعالیٰ کی صفات کا ذکر ہے، مثلاً قدم، رِجل اور اصابع۔

محدثین کرام نے ان احادیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ مثلاً:

حدیثِ قدم: صحیح بخاری (کتاب التوحید باب ۷ ح ۷۳۸۴) صحیح مسلم (کتاب الجنۃ و صفۃ نعیمها و أهلها باب ۱۳ ح ۲۸۴۸) سنن ترمذی (۳۲۷۲ وقال: "هذا حديث حسن صحيح") صحیح ابی عوانہ (ج ۱ ص ۱۸۷ ح ۳۴۴) المختارۃ للضیاء المقدسی (۷/۶ ح ۲۴۸۶ وقال الحافظ ابوالقاسم اسماعیل بن محمد بن الفضل: قوام السنہ [احد رواۃ الحدیث]: "هذا حدیث صحیح...") صحیح ابن حبان (الاحسان ۱/۵۰۱ ح ۲۶۸ وتاولہ تاویل مرجوح)

امام اسحاق بن منصور الکوسج نے امام احمد بن حنبل سے قدم وغیرہ والی احادیث کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا: " كلّ هذا صحيح " یہ سب صحیح ہے یعنی یہ ساری حدیثیں صحیح ہیں۔ امام اسحاق بن راہویہ نے فرمایا: " هذا صحيح ولا يدفعه إلا مبتدع أو ضعيف الرأي " یہ صحیح ہے اور بدعتی یا کمزور رائے والے شخص کے علاوہ کوئی بھی اس کا انکار نہیں کرتا۔

(کتاب الشریعہ للآجری ۳/۱۱۲۷-۱۱۲۸ ح ۶۹۷ وسندہ صحیح، دوسرا نسخہ ص ۳۲۰، تیسرا نسخہ ص ۳۰۷)

ابوعبداللہ ابن مندہ نے فرمایا: " و هذا حديث ثابت باتفاق " اور یہ حدیث باتفاق (بالاجماع) ثابت ہے۔ (الرد علی الجہمیہ ج ۱ ص ۱۹ ح ۱۰/۲)

حافظ اسماعیل بن محمد الاصبہانی یعنی قوام السنہ رحمہ اللہ (متوفی ۵۳۵ھ) نے فرمایا:

" هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ ، و ذكر القدم فيه مما يجب الإيمان به و لا يتعرض لَهُ بالتأويل و التكييف " یہ حدیث صحیح ہے اور اس میں جو قدم کا ذکر ہے تو اس پر ایمان لانا واجب (فرض ہے) اس کی تاویل یا تکییف (یہ سوال کہ یہ کیسے ہے؟) کی جسارت نہیں کرنی چاہئے۔ (المختارہ ۷/۶۷ ح ۲۴۸۶)

قدم والی حدیث کو امام ابن خزیمہ نے کتاب التوحید (۱/۲۲۷) میں، ابن مندہ نے کتاب الایمان (۲/۷۹۷ ح ۸۱۵) میں اور بیہقی نے الاسماء والصفات (ص ۴۴۱، دوسرا نسخہ ص ۳۴۸۔ ۳۴۹) میں روایت کیا ہے۔

ائمہ اسلام کا اس حدیث کے صحیح ہونے پر اجماع ہے اور اس اجماع کی مخالفت کسی ایک امام یا عالم سے (ہمارے علم کے مطابق) ثابت نہیں ہے، لہٰذا نتیجہ یہ نکلا کہ صحیح خبرِ واحد کے ساتھ صفاتِ باری تعالیٰ میں سے کسی صفت کا اثبات بالکل صحیح ہے اور اس پر ایمان لانا بھی فرض ہے۔

حدیثِ رِجل: صحیح بخاری (۴۸۵۰) صحیح مسلم (۲۸۴۶) الصحیفہ الصحیحہ یعنی صحیفہ ہمام بن منبہ (۵۱) اور صحیح ابی عوانہ (۱/۱۸۸ ح ۳۴۷) وغیرہ۔

حدیث الاصابع: صحیح بخاری (۷۴۱۴۔ ۷۴۱۵) صحیح مسلم (۲۷۸۶) اور سنن ترمذی (۳۲۳۸ وقال: ھذا حدیث حسن صحیح) وغیرہ۔

۴) خود امام بیہقی نے مشہور ثقہ محدث اور امام ابو عبید القاسم بن سلام رحمہ اللہ سے (قوی سند کے ساتھ) نقل کیا کہ یہ احادیث (پھر صفاتِ باری تعالیٰ کے بارے میں کچھ احادیث مثلاً حدیثِ قدم وغیرہ ذکر کر کے فرمایا:) ہمارے نزدیک حق ہیں، انھیں ثقہ راویوں نے ایک دوسرے سے روایت کیا ہے، سوائے اس کے کہ جب ہمیں ان کی تفسیر (یا تاویل) کے بارے میں پوچھا جاتا ہے تو ہم تفسیر بیان نہیں کرتے اور ہم نے کسی کو ان کی تفسیر بیان کرتے ہوئے نہیں پایا۔ (الاسماء والصفات ص ۳۵۵ ملخصاً)

اسے ابن مندہ نے کتاب التوحید (۳/۱۱۶ ح ۵۲۲ وسندہ صحیح) اور خلال نے السنہ

(۳۱۱ وسندہ صحیح) میں مطولاً ومختصراً بیان کیا ہے اور یہ اثر عباس بن محمد الدوری رحمہ اللہ سے مختلف سندوں کے ساتھ درج ذیل کتابوں میں بھی موجود ہے:

۱: الشریعہ للآجری (ص ۲۵۵)

۲: اصول السنہ لابن البناء (۷۰)

۳: ابطال التأویلات لأبی یعلیٰ (۱۷)

۴: سیر اعلام النبلاء للذہبی (۱۰/ ۵۰۵)

۵: العلو للعلی الغفار (۲/ ۱۰۹۹ ح ۴۳۱)

۶: کتاب الصفات (المنسوب للدارقطنی: ۵۷)

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ (فتاویٰ الحمویہ الکبریٰ ص ۳۰)

امام ابو عبید رحمہ اللہ کے کلام میں الکرسی موضع القدمین کا بھی ذکر ہے، جو اخبار احاد میں سے ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ جلیل القدر محدثین کرام کے نزدیک صفاتِ باری تعالیٰ میں صحیح و ثابت خبرِ واحد حجت ہے اور اس پر بغیر تشبیہ اور بغیر تاویل و تعطیل ایمان لانا ضروری ہے، لہٰذا بعض مجہول اہلِ کلام سے امام بیہقی کی نقل مرجوح، منسوخ یا مردود ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا:

اہلِ علم میں سے کئی علماء نے اس حدیث، صفات کے بارے میں اس جیسی روایات اور آسمانِ دنیا پر ہر رات نزولِ باری تعالیٰ والی احادیث کے بارے میں فرمایا: اس میں روایات ثابت ہیں اور ان پر ایمان لایا جاتا ہے اور انھیں وہم (غلط) نہیں قرار دیا جاتا اور نہ یہ کہا جاتا ہے کہ یہ کیسے ہے؟ اسی طرح (امام) مالک، سفیان بن عیینہ اور عبداللہ بن المبارک سے روایت ہے کہ انھوں نے ان احادیث کے بارے میں فرمایا: ''کیسے'' کے بغیر انھیں (بیان کرنا اور ایمان لانا) جاری رکھو، اہلِ سنت والجماعہ کا یہی قول ہے، لیکن جہمیہ (اہلِ بدعت کے ایک انتہائی گمراہ اور غالی فرقے) نے ان روایات کا انکار کیا اور کہا: یہ تشبیہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب (قرآن مجید) میں کئی جگہ ید (ہاتھ) سمع (سننا) اور بصر

(دیکھنا) کا ذکر فرمایا تو جہمیہ نے ان آیات کی تاویل کی اور اہلِ علم کے خلاف دوسری تفسیر بیان کی اور کہا: ''اللہ نے آدم کو اپنے ہاتھ سے پیدا نہیں کیا'' اور کہا: ید (ہاتھ) کا معنی (مراد) قوت ہے۔

اسحاق بن ابراہیم (امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ) نے فرمایا:

تشبیہ تو اس وقت ہوتی ہے جب کہا جائے (اللہ کا) ہاتھ (مخلوق کے) ہاتھ کی طرح یا مثل ہے، (اللہ کا) سننا (مخلوق کے) سننے کی طرح یا مثل ہے، تو یہ تشبیہ ہے، لیکن اگر یہ کہا جائے کہ جیسے اللہ نے فرمایا: ید (ہاتھ) سمع (سننا) اور بصر (دیکھنا) یہ نہ کہا جائے کہ کیسے؟ اور نہ یہ کہا جائے کہ (مخلوق کی طرح) سننا ہے یا اس جیسا سننا ہے تو یہ تشبیہ نہیں ہوتی اور یہ اسی طرح ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا: اس کی مثل کوئی چیز نہیں اور وہ سمیع (سننے والا) بصیر (دیکھنے والا) ہے۔ (سنن ترمذی، کتاب الزکاۃ باب ماجاء فی فضل الصدقۃ ح ۶۶۲)

اس طویل کلام سے کئی باتیں ثابت ہوئیں:

۱: اہلِ سنت کا یہ عقیدہ ہے کہ ایمان یعنی عقیدہ ہو یا احکام، صفاتِ باری تعالیٰ ہوں یا اُمورِ مغیبات، ان سب میں صحیح خبر واحد حجت ہے اور اس پر ایمان لانا فرض ہے۔

۲. صفات پر بغیر تشبیہ اور بغیر تاویل و تعطیل ایمان لانا ضروری ہے۔

۳ صفات باری تعالیٰ کی تاویل کرنا، مثلاً ید (ہاتھ) سے مراد قدرت لینا گمراہوں اور اہلِ سنت سے خارج یعنی جہمیہ و مبتدعین کا طریقہ ہے۔

٤) خود امام بیہقی نے ''باب ما ذکر فی القدم والرجل'' کے تحت صفاتِ باری تعالیٰ کے بارے میں اخبار احاد کو ذکر کیا ہے۔

مثلاً دیکھئے کتاب الاسماء والصفات (ص ۴۴۱۔۴۴۲، دوسرا نسخہ ص ۳۴۸۔۳۴۹)

لہٰذا ان کا کلام: ''اللہ تعالیٰ کی صفات میں اخبار احاد سے حجت پکڑنا ترک کر دیا۔'' منسوخ ہے۔

٥) خیر القرون (۳۰۰ھ تک) کے کسی قابلِ اعتماد عالم سے یہ ثابت نہیں ہے کہ صفاتِ

باری تعالیٰ میں خبرِ واحد (صحیح حدیث) حجت نہیں بلکہ صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور محدثین کے اقوال و افعال سے یہی ثابت ہے کہ صحیح حدیث (خبر واحد) حجت ہے، چاہے دین کا کوئی سا بھی مسئلہ ہو اور صفاتِ باری تعالیٰ پر ایمان بھی دین کا ہی مسئلہ ہے۔

تنبیہ: امام بیہقی کی ذکر کردہ ضعیف و مردود روایت سے محمود ابوریہ (ایک غالی گمراہ) اور دیگر منکرینِ حدیث نے استدلال کر کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی بیان کردہ احادیث میں شک پیدا کرنے کی کوشش کی ہے اور عدالتِ صحابہ پر حملہ کیا ہے، حالانکہ اہلِ سنت کا یہ متفقہ اصول ہے کہ ''الصحابة کلھم عدول ''یعنی تمام کے تمام صحابہ عادل (روایتِ حدیث میں سچے اور قابلِ اعتماد) ہیں۔

عوام اور علماء کو چاہیئے کہ وہ ضعیف و مردود روایات سے کلی اجتناب کریں، ان سے دُور رہیں اور کسی مسئلے میں بھی ایسی روایات سے استدلال نہ کریں، تاکہ ہر قسم کے شر و فساد سے محفوظ رہیں اور یہی وہ راستہ ہے جس پر چل کر گمراہوں کی گمراہیوں سے بچا جا سکتا ہے۔

(۲/ستمبر ۲۰۱۰ء)

ہر اختلاف کا حل.....؟

مشہور ثقہ تابعی عبداللہ بن عبید اللہ بن ابی ملیکہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ عروہ بن الزبیر نے (سیدنا عبداللہ) ابن عباس (رضی اللہ عنہ) سے کہا: ''أضللت الناس'' آپ نے لوگوں کو غلطی میں مبتلا کر دیا ہے۔! انھوں (ابن عباس رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: اے عُریہ! کیا بات ہے؟ عروہ نے کہا: آپ (ذوالحجہ کے) ان دس دنوں میں عمرے کا حکم دیتے ہیں اور ان (دنوں) میں عمرہ نہیں ہے۔ (ابن عباس رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: کیا تو اپنی ماں (اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما) سے اس بارے میں نہیں پوچھتا؟ (یعنی وہ بتا دیں گی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دی ہے۔) عروہ نے کہا: بے شک ابوبکر اور عمر دونوں نے ایسا نہیں کیا تھا۔!

تو ابن عباس (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا ''هذا الذي أهلككم والله! ما أرى إلا سيعذبكم، إني أحدثكم عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم و تجيئوني بأبي بكر و عمر.''
اللہ کی قسم! اسی بات نے تمھیں ہلاک کیا ہے، میں یہی سمجھتا ہوں کہ وہ (اللہ) تمھیں عذاب دے گا، میں تمھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سناتا ہوں اور تم میرے سامنے ابوبکر اور عمر (رضی اللہ عنہما کے اقوال و افعال) پیش کرتے ہو۔ پھر عروہ نے کہا: اللہ کی قسم! وہ دونوں آپ سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو جاننے والے اور زیادہ اتباع کرنے والے تھے۔

اس روایت کے راوی خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے عروہ بن الزبیر رحمہ اللہ کے کلام پر رد کرتے ہوئے فرمایا: ''قلت: قد كان أبو بكر و عمر على ما وصفهما به عروة إلا أنه لا ينبغي أن يقلد أحد في ترك ما ثبتت به سنة رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم''
میں نے کہا: ابوبکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) انھی صفات کے ساتھ موصوف تھے جیسا کہ عروہ نے کہا، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ثابت شدہ سنت ترک کرنے کے لئے کسی کی تقلید نہیں کرنی چاہئے۔ (الفقیہ والمتفقہ ج ۱ص ۱۴۵، وسندہ صحیح)

اس سچے قصے سے کئی باتیں معلوم ہوئیں:

۱: قرآن وحدیث کے خلاف ہر شخص کی بات مردود ہے۔

۲: رسول اللہ ﷺ معصوم ہیں، لیکن آپ کے علاوہ دوسرا کوئی شخص معصوم عن الخطاء نہیں، لہٰذا بڑے سے بڑے عالم کی بات غلط ہوسکتی ہے، لیکن رسول اللہ ﷺ کی صحیح حدیث کبھی غلط نہیں ہوتی۔

۳: حجِ تمتع بالکل جائز ہے بلکہ دوسرے دلائل کی رُو سے بہتر اور افضل ہے۔

۴: حجِ تمتع کی ممانعت سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں بلکہ عروہ کی سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما دونوں سے روایت منقطع ہے، کیونکہ وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں پیدا ہوئے تھے۔

۵: تقلید جائز نہیں ہے۔

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: '' ما کنتُ لأدع سنة النبي ﷺ لقول أحد . ''
میں رسول اللہ ﷺ کی سنت کسی کے قول کی وجہ سے نہیں چھوڑ سکتا۔ (صحیح بخاری:۱۵۶۳)

ابراہیم بن یزید النخعی رحمہ اللہ کے سامنے کسی نے سعید بن جبیر رحمہ اللہ (تابعی) کا قول پیش کیا تو انھوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے مقابلے میں تم سعید بن جبیر کے قول کا کیا کرو گے؟ (الاحکام لابن حزم ج۶ ص ۲۹۳ وسندہ صحیح)

امام حکم بن عتیبہ رحمہ اللہ نے فرمایا: لوگوں میں سے ہر آدمی کی بات آپ لے سکتے ہیں اور رد بھی کر سکتے ہیں سوائے نبی ﷺ کے۔ (الاحکام لابن حزم ۲۹۳/۶، سندہ صحیح)

امام عامر الشعبی رحمہ اللہ (تابعی) نے فرمایا: یہ لوگ تجھے رسول اللہ ﷺ کی جو حدیث سنائیں تو اسے پکڑ لو اور جو وہ اپنی رائے سے کہیں اسے کوڑے کرکٹ پر پھینک دو۔
(سنن الدارمی ۶۷/۱ ح ۲۰۶ وسندہ صحیح)

یہ ہے سلف صالحین کا منہج کہ اللہ اور اس کے رسول کے مقابلے میں ہر شخص کی بات مردود ہے اور ہر قسم کے اختلاف کی صورت میں کتاب وسنت کی طرف ہی رجوع کرنا چاہئے۔

اجماع، اجتہاد اور آثارِ سلف صالحین

۱) مولانا محمد حسین بٹالوی رحمہ اللہ نے فرمایا:

''اس معیار کے دوسرے درجہ پر جہاں صحیح حدیث نبوی نہ پائی جاتی ہو، دوسرا معیار سلفیہ آثار صحابہ کبار و تابعین ابرار و محدثین اخیار ہیں، جس مسئلہ اعتقادیہ وعملیہ میں صریح سنت نبوی کا علم نہ ہو، اس مسئلہ میں اہل حدیث کا متمسک آثار سلفیہ ہوتے ہیں اور وہی مذہب اہل حدیث کہلاتا ہے، جس کو متون و شروح کتب حدیث وفقہ وغیرہ میں اہل حدیث سے منسوب کیا گیا ہے، اور جس قول کا قائل بجز اہل بدعت معتزلہ وغیرہ یا فلاسفہ یا متکلمین کوئی معلوم نہ ہو، اور سلف صالحین صحابہ و تابعین اور ان کے اتباع محدثین سے کسی ایک شخص سے بھی وہ قول مروی و منقول نہ ہو، وہ مذہب اہل حدیث نہ ہوگا۔''

(تاریخ اہلحدیث ج ا ص ۱۵۷، از قلم ڈاکٹر محمد بہاؤ الدین)

۲) ''اہلِ حدیث وہ ہے جو اپنا دستور العمل والاستدلال، احادیث صحیحہ اور آثار سلفیہ کو بناوے اور جب اس کے نزدیک ثابت و محقق ہو جائے کہ ان کے مقابلہ میں کوئی معارض مساوی یا اس سے قوی نہیں پایا جاتا تو وہ ان احادیث و آثار پر عمل کرنے کو مستعد ہو جاوے اور اس عمل سے اس کو کسی امام یا مجتہد کا قول بلا دلیل مانع نہ ہو۔'' (تاریخ اہلحدیث ج ا ص ۱۵۱)

۳) مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ نے فرمایا:

''ہاں ہم اجماع و قیاس کو اسی طرح مانتے ہیں جس طرح ائمہ مجتہدین مانتے تھے۔''

(آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی ص ۶۴)

٤) مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ نے فرمایا:

''ائمہ سنت کے نزدیک بنیادی اصول چار ہیں۔ تمام دینی مسائل میں ان کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ قرآن سنت، اجماع امت اور قیاس۔ ان میں بھی اصل قرآن اور سنت ہے۔

اجماع اور قیاس کا ماخذ بھی قرآن اور سنت ہے کتاب وسنت کے خلاف نہ اجماع ہو سکتا ہے اور نہ قیاس۔ قرآن اور سنت اور دونوں کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے لیا ہے۔''

(معیار الحق کا پیش لفظ ص ذ، دوسرا نسخہ بتحقیق مولانا محمد یحییٰ گوندلوی رحمہ اللہ ص ۱۲)

۵) مشہور اہلِ حدیث عالم اور شیخ الشیوخ حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

''اہلحدیث کے اصول کتاب وسنت، اجماع اور اقوال صحابہ وغیرہ ہیں، یعنی جب کسی ایک صحابی کا قول ہو اور اس کا کوئی مخالف نہ ہو، اگر اختلاف ہو تو ان میں سے جو قول کتاب و سنت کی طرف زیادہ قریب ہو، اس پر عمل کیا جائے اور اس پر کسی عمل، رائے یا قیاس کو مقدم نہ سمجھا جائے، اور بوقت ضرورت قیاس پر عمل کیا جائے۔ قیاس میں اپنے سے اعلم پر اعتماد کرنا جائز ہے، یہی مسلک امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ، دیگر ائمہ اور اہل حدیث کا ہے۔''

(الاصلاح حصہ اول ص ۱۳۵)

حافظ ابن الجوزی اور تقلید کا رد

ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب قبر میں سوال ہوتا ہے کہ تُو اس آدمی محمد ﷺ کے بارے میں کیا کہتا تھا؟ تو کافر یا منافق جواب دیتا ہے: ''**کنت أقول ما یقول الناس**'' میں تو وہی کہتا تھا جو لوگ کہتے تھے، پھر اسے کہا جاتا ہے: ''**لا دریتَ و لا تلیتَ**'' تُو نے نہ تو (اپنی عقل سے) کچھ سمجھا اور نہ پیروی کی۔ (صحیح بخاری:۱۳۳۸)

اس حدیث کی تشریح میں علامہ ابن الجوزی نے لکھا ہے: ''**فیه دلیل علٰی تحریم التقلید في أصول الدین و أنه ینبغي للعاقل أن یکون عارفًا بما یعتقده علٰی یقین من ذلك، لا یقلّد فیه أحدًا فإن المقلد کالأعمی یتبع القائد**''

اس (حدیث) میں دلیل ہے کہ اُصولِ دین میں تقلید حرام ہے، اور عاقل کو چاہئے کہ وہ جو عقیدہ رکھتا ہے، یقین کے ساتھ اس کی معرفت رکھے، اس میں کسی کی تقلید نہ کرے، کیونکہ مقلد تو اندھے کی طرح ہوتا ہے جو اپنے گائیڈ کے پیچھے چلتا ہے۔

(کتاب المشکل من حدیث الصحیحین ج ۱ ص ۸۳۳، المکتبة الشاملة)

اس عبارت میں حافظ ابن الجوزی نے مروّجہ تقلید کا زبردست رد کیا ہے اور بطورِ خیر خواہی عرض ہے کہ جب اُصولِ دین میں تقلید حرام ہے تو پھر فروعِ دین میں تقلید کس طرح جائز ہو سکتی ہے؟ مسلمانوں کو چاہئے کہ ابن الجوزی (متوفی ۵۹۷ھ) کی اس تشریح کو مضبوطی سے پکڑیں اور ہر قسم کی تقلید سے اجتناب کر کے کتاب و سنت اور اجماع کے راستے پر سلف صالحین اور صحیح العقیدہ علماء کے فہم کی روشنی میں گامزن رہیں۔ ان شاء اللہ ہمیشہ کامیاب رہیں گے۔ ہمارے علم کے مطابق کسی ایک مستند عالم نے بھی یہ نہیں کہا کہ لوگو! ائمۂ اربعہ میں سے ایک امام کے مقلدین بن جاؤ، بلکہ سب علماء تقلید سے قولاً یا فعلاً دُور رہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے سلف صالحین اور تقلید (الحدیث:۵۔۷۶)

نماز سے متعلق مسائل

سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ اور نماز میں رفع یدین

الحمد لله ربّ العالمين و الصّلوٰة و السّلام علٰى رسوله الأمين و رضي الله عن أصحابه أجمعين و رحمة الله علٰى التابعين و من تبعهم بإحسان إلٰى يوم الدين . أما بعد:

اہلِ سنت یعنی اہلِ حدیث کا نماز میں رفع یدین کے بارے میں دعویٰ درج ذیل ہے:

سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ شروع نماز، رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے اور اس رفع یدین کا منسوخ یا ممنوع ہونا یا آخری عمر میں متروک ہونا کسی صحیح و مقبول حدیث سے ثابت نہیں ہے۔

اس دعویٰ کی تائید میں بہت سے دلائل ہیں، جن میں سے بعض کا میری کتاب ''نور العینین فی اثبات مسئلہ رفع الیدین'' میں مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ فی الحال ((فعليكم بسنتي و سنة الخلفاء الراشدين المهديين .)) کو مدِنظر رکھتے ہوئے سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ ایک عظیم الشان حدیث کا ترجمہ، تحقیق اور مفہوم پیشِ خدمت ہے، جس سے رفع یدین کا مسلسل اور غیر منقطع عمل ہونا ثابت ہے:

مشہور عالم امام بیہقی رحمہ اللہ (متوفی ۴۵۸ھ) نے فرمایا: "أخبرنا أبو عبد الله الحافظ: ثنا أبو عبد الله محمد بن عبد الله الصفار الزاهد إملاءً من أصل كتابه . قال قال أبو إسماعيل محمد بن إسماعيل السُّلَمي : صليت خلف أبى النعمان محمد بن الفضل فرفع يديه حين افتتح الصلوٰة و حين ركع و حين رفع رأسه من الركوع . فسألته عن ذلك فقال: صلّيت خلف حماد بن زيد فرفع يديه حين افتتح الصلوٰة و حين ركع و حين رفع رأسه من الركوع . فسألته عن ذلك فقال: صلّيت خلف أيوب السختياني فكان يرفع يديه إذا افتتح

الصلٰوة و إذا ركع و إذا رفع رأسه من الركوع . فسألته فقال : رأيت عطاء بن أبي رباح يرفع يديه إذا افتتح الصلٰوة و إذا ركع و إذا رفع رأسه من الركوع. فسألته فقال: صلّيت خلف عبد اللّٰه بن الزبير فكان يرفع يديه إذا افتتح الصلٰوة و إذا ركع و إذا رفع رأسه من الركوع. فسألته فقال عبد اللّٰه بن الزبير: صلّيت خلف أبي بكر الصديق رضي اللّٰه عنه فكان يرفع يديه إذا افتتح الصلٰوة و إذا ركع و إذا رفع رأسه من الركوع . وقال أبو بكر : صلّيت خلف رسول اللّٰه ﷺ فكان يرفع يديه إذا افتتح الصلٰوة و إذا ركع و إذا رفع رأسه من الركوع. رواته ثقات ''

ہمیں ابوعبداللہ الحافظ نے خبر (حدیث) بیان کی۔ (کہا:) ہمیں ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الصفار الزاہد نے اپنی اصل کتاب سے املاء کراتے ہوئے حدیث بیان کی، انھوں نے کہا: ابواسماعیل محمد بن اسماعیل السلمی نے فرمایا: میں نے ابوالنعمان محمد بن الفضل کے پیچھے نماز پڑھی تو انھوں نے رفع یدین کیا جب نماز شروع کی اور جب رکوع کیا اور جب رکوع سے سر اُٹھایا، پھر میں نے اُن سے اس کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا: میں نے حماد بن زید کے پیچھے نماز پڑھی تو انھوں نے رفع یدین کیا جب نماز شروع کی اور جب رکوع کیا اور جب رکوع سے سر اُٹھایا، پھر میں نے اُن سے اس کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا: میں نے ایوب السختیانی کے پیچھے نماز پڑھی تو وہ رفع یدین کرتے تھے جب نماز شروع کرتے اور جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے سر اُٹھاتے۔ پھر میں نے اُن سے اس کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا: میں نے عطاء بن ابی رباح کو دیکھا، وہ رفع یدین کرتے تھے جب نماز شروع کرتے اور جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے سر اُٹھاتے، پھر میں نے اُن سے اس کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا: میں نے عبداللہ بن زبیر (رضی اللہ عنہ) کے پیچھے نماز پڑھی تو وہ رفع یدین کرتے تھے جب نماز شروع کرتے اور جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے سر اُٹھاتے۔ میں نے اُن سے اس کے بارے میں پوچھا تو عبداللہ بن زبیر

(رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: میں نے ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی تو وہ رفع یدین کرتے تھے جب نماز شروع کرتے اور جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے سر اُٹھاتے۔

اور ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی تو آپ رفع یدین کرتے تھے جب نماز شروع کرتے اور جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے سر اُٹھاتے۔

اس کے راوی ثقہ ہیں۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۲/۷۳)

حافظ ذہبی نے فرمایا: ''رواته ثقات'' اس کے راوی ثقہ ہیں۔

(المہذب فی اختصار السنن الکبیر ۲/۴۹ ح ۱۹۴۳، دوسرا نسخہ ۱/۵۲۲ ح ۲۲۵۷)

حافظ ابن حجر العسقلانی نے فرمایا: ''و رجاله ثقات'' اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

(التلخیص الحبیر ج۱ ص۲۱۹ ح۳۲۸)

عرض ہے کہ اس حدیث کی سند اُصولِ حدیث اور اسماء الرجال کی رُو سے بالکل صحیح ہے۔ اس حدیث کے تمام راویوں کے مختصر اور جامع حالات درج ذیل ہیں:

۱) امام ابوبکر احمد بن الحسین البیہقی رحمہ اللہ (متوفی ۴۵۸ھ)

اُن کے ثقہ وصدوق ہونے پر اجماع ہے اور ان کے بارے میں محدثین کرام کی دس گواہیاں پیشِ خدمت ہیں:

۱: حافظ ابوالحسن عبدالغافر بن اسماعیل الفارسی (متوفی ۵۲۹ھ) نے فرمایا:

''الإمام الحافظ الفقيه الأصولي الديّن الورع ، واحد زمانه في الحفظ و فرد أقرانه في الإتقان و الضبط .'' امام حافظ فقیہ اُصولی دیندار پرہیزگار، حفظ میں یکتائے رُوزگار اور اپنے زمانے میں ضبط واتقان (ثقاہت) میں یکہ وتنہا تھے۔

(الحلقۃ الاولیٰ من تاریخ نیسابور، المنتخب من السیاق ص۱۲۷ ت۲۳۱)

۲: ابن الجوزی (متوفی ۵۹۷ھ) نے کہا: ''و كان واحد زمانه في الحفظ والإتقان ، حسن التصنيف'' وہ اپنے زمانے میں حافظے اور اتقان (ثقہ ومتقن ہونے) میں اکیلے تھے، اچھی کتابیں لکھنے والے تھے۔ (المنتظم ج۱۶ ص۹۷ وفیات ۴۵۸ھ)

۳: ابوالقاسم زاہر بن طاہر بن محمد الشحامی (متوفی ۵۳۳ھ) نے فرمایا:

" الشيخ الإمام الحافظ أبو بكر أحمد بن الحسين بن علي البيهقي رحمه الله"

(السنن الکبریٰ کا مقدمہ ج ۱ص ۲)

۴: ابوسعد عبدالکریم بن محمد بن منصور السمعانی (متوفی ۵۶۲ھ) نے کہا:

" كان إمامًا فقيهًا حافظًا جمع بين معرفة الحديث و فقهه و كان تتبع نصوص الشافعي و جمع كتاباً فيها ... "

وہ امام فقیہ حافظ تھے، انھوں نے معرفتِ حدیث اور فقہ الحدیث جمع کر لی اور شافعی کے اقوال اکٹھے کر کے ان میں ایک کتاب لکھی تھی... (الانساب ۱/۴۳۸ بیہق)

۵: ابن نقطہ بغدادی (متوفی ۶۲۹ھ) نے کہا: "الحافظ الإمام" حافظ امام۔

(التقیید ج ۱ص ۱۴۷، ترجمہ ۱۵۷)

۶: یاقوت الحموی (متوفی ۶۲۶ھ) نے کہا:

"و هو الإمام الحافظ الفقيه في أصول الدين ، الورع ، أوحد الدهر فى الحفظ و الإتقان مع الدين المتين ... "اور وہ امام حافظ، اصولِ دین میں فقیہ، پرہیز گار، مضبوط دینداری کے ساتھ اپنے زمانے میں حافظ اور ثقہ ہونے میں اکیلے (یعنی بے مثال) تھے۔ (معجم البلدان ج ۱ص ۵۳۸، بیہق)

۷: مورخ ابن خلکان (متوفی ۶۸۱ھ) نے کہا: " الفقيه الشافعي الحافظ الكبير المشهور ، واحد زمانه و فرد أقرانه فى الفنون "فقیہ شافعی حافظ کبیر مشہور، اپنے زمانے میں اکیلے اور فنون میں اپنے ساتھیوں پر مقدم تھے۔ (وفیات الاعیان ۱/۷۵)

تنبیہ: شافعی کا مطلب مقلد ہونا نہیں ہے، جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ ان شاء اللہ

۸: حافظ ذہبی نے فرمایا: "هو الحافظ العلامة الثبت الفقيه ، شيخ الإسلام "

وہ حافظ علامہ ثقہ فقیہ، شیخ الاسلام ہیں۔ (سیر اعلام النبلاء ۱۸/۱۶۳)

۹: حافظ ابن کثیر (متوفی ۷۷۴ھ) نے فرمایا:

''وكان واحد زمانه في الإتقان والحفظ و التصنيف ، فقيهًا محدّثًا أصوليًا'' وہ ثقاہت، حفظ اور تصنیف میں اپنے زمانے میں یکہ وتنہا تھے،فقیہ محدث (اور) اُصولی تھے۔ (البدایہ والنہایہ نسخہ محققہ ۱۳/ ۱۶۵، وفیات ۴۵۸ھ)

۱۰: حافظ ابن ناصر الدین الدمشقی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''كان واحد زمانه و فرد أقرانه حفظًا و اتقانًا و ثقة و عمدة وهو شيخ خراسان ... '' وہ اپنے زمانے میں یکہ وتنہا اور حفظ، اتقان، ثقہ اور قابلِ اعتماد ہونے میں اپنے ساتھیوں میں اکیلے (بے مثال) تھے اور وہ خراسان کے شیخ ہیں۔ (شذرات الذہب ج ۳ ص ۳۰۴۔۳۰۵)

امام بیہقی پر روایتِ حدیث میں کسی قسم کی کوئی جرح نہیں، لہٰذا اُن کے ثقہ ہونے پر اجماع ہے۔

اگر کوئی کہے کہ'' امام بیہقی تو امام شافعی کے مقلد تھے'' تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام بیہقی امام شافعی کے مقلد نہیں تھے اور اس کی دس (۱۰) دلیلیں پیشِ خدمت ہیں:

۱: امام بیہقی نے قاضی کے بارے میں لکھا ہے: ''فإنه غير جائز له أن يقلّد أحدًا من أهل دهره '' إلخ پس بے شک اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے زمانے والوں میں سے کسی ایک کی تقلید کرے... (السنن الکبریٰ ج ۱۰ ص ۱۱۳)

جب قاضی کے لئے اپنے زمانے کے علماء کی تقلید ناجائز ہے تو سابقہ زمانے والے علماء کی تقلید بدرجۂ اولیٰ ناجائز ہے اور یہ معلوم ہے کہ امام بیہقی قاضی کے درجے سے افضل تھے۔

۲: امام بیہقی نے صحیح سند کے ساتھ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فتویٰ نقل کیا کہ ''لا تقلّدوا دينكم الرجال ... '' اور اپنے دین میں مَردوں کی تقلید نہ کرو...

(السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۱۰، میری کتاب: دین میں تقلید کا مسئلہ ص ۳۵)

اس فتوے کی مخالفت امام بیہقی سے اُن کی کسی کتاب میں ثابت نہیں ہے، لہٰذا یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ اس حکماً مرفوع حدیث کے مقابلے میں وہ تقلید کرتے ہوں گے۔

۳: امام بیہقی نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا حکم حسن لذاتہ سند کے ساتھ نقل کیا کہ کتاب اللہ کے

مقابلے میں لوگوں کی طرف التفات نہ کرو۔ (السنن الکبریٰ ۱۰/۱۱۵)

بیہقی سے اس فاروقی فتوے کی مخالفت ثابت نہیں ہے۔

۴: امام بیہقی بہت بڑے عالم تھے اور عالم کا مقلّد ہونا محال ہے، کیونکہ مقلّد تو جاہل ہوتا ہے۔ سرفراز خان دیوبندی نے لکھا ہے:

''اور تقلید جاہل ہی کیلئے ہے'' (الکلام المفید فی اثبات التقلید ص ۲۳۴)

۵: امام بیہقی سے یہ قطعاً ثابت نہیں کہ انھوں نے فرمایا ہو: ''میں مقلّد ہوں''

۶: امام بیہقی کے کسی شاگرد سے ان کے بارے میں یہ ثابت نہیں ہے کہ ''میرے استاذ مقلّد تھے۔''

۷: کسی عالم کو شافعی قرار دینا اُس کے مقلد ہونے کی دلیل نہیں ہے، مثلاً ابوبکر القفال الشافعی، ابوعلی الشافعی اور قاضی حسین الشافعی سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا:

''لسنا مقلّدين للشافعي، بل وافق رأينا رأيه ''ہم شافعی کے مقلد نہیں ہیں بلکہ ہماری رائے اُن کی رائے کے موافق ہوگئی ہے۔

(تقریرات الرافعی ۱/۱۱، التقریر والتحبیر ۳/۴۵۳، دین میں تقلید کا مسئلہ ص ۴۶)

۸: امام بیہقی نے فرمایا کہ میں نے ہر ایک کے اقوال کو کتاب وسنت اور آثار پر پیش کیا ہے پھر (امام) شافعی کو اتباع (یعنی اتباع کتاب وسنت) میں سب سے زیادہ پایا ہے...

(معرفۃ السنن والآثار ج ۱ ص ۱۲۵۔ ۱۲۶، مخطوط ۲۸۔ ۲۹)

معلوم ہوا کہ بیہقی نے شافعی کے اقوال کو اپنے اجتہاد کے ساتھ ترجیح دی۔

۹: امام بیہقی نے امام ابن ابی حاتم کی کتاب آداب الشافعی ومناقبہ سے امام شافعی کا قول نقل کیا: '' و لا تقلدوني ''اور میری تقلید نہ کرو۔ (مناقب الشافعی للبیہقی ج ۱ ص ۴۷۳)

یہ کس طرح ہوسکتا تھا کہ اس قول کے باوجود امام بیہقی تقلید کرتے؟!

۱۰: تقلید کی بدعت چوتھی صدی ہجری میں شروع ہوئی۔ دیکھئے اعلام الموقعین لابن القیم (۲/۲۰۸) الرد علیٰ من اخلد الی الارض (ص ۱۳۳) اور دین میں تقلید کا مسئلہ (ص ۳۲)

امام بیہقی کا بدعتِ تقلید میں مبتلا ہونا ثابت نہیں بلکہ انھوں نے اپنی کتاب میں (اگر نماز چار یا تین رکعتوں والی ہوتو) دو رکعتوں سے قیام پر رفع یدین کا باب لکھ کر امام شافعی کی تقلید کے پرخچے اُڑا دیئے ہیں: **باب رفع الیدین عندا لقیام من الر کعتین**

(السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۱۳۶)

۲) ابوعبداللہ الحافظ (الحاکم النیسابوری صاحب المستدرک)

درج ذیل محدثین وعلماء سے آپ کی توثیق وتعریف ثابت ہے:

۱: خطیب بغدادی

۲: ابن الجوزی

۳: ذہبی

۴: ابن کثیر

۵: ابوسعد السمعانی

۶: حافظ ابن حجر

۷: عبدالغافر بن اسماعیل الفارسی

۸: عبدالوہاب بن علی السبکی

۹: ابوالخیر محمد بن محمد الجزری

۱۰: بیہقی

ان کے مقابلے میں حافظ محمد بن طاہر المقدسی کی جرح مردود ہے۔

تنبیہ: امام حاکم پر ابن الفلکی کی طرف منسوب جرح: ''**یمیل إلی التشیع**'' اور شیخ الاسلام ابواسماعیل الہروی کی طرف منسوب جرح: ''حدیث میں امام اور رافضی خبیث'' ان دونوں علماء سے باسند صحیح ثابت نہیں، لہٰذا یہ جرح تین وجہ سے مردود ہے:

① باسند صحیح ثابت نہیں ہے۔

② جمہور کی توثیق کے خلاف ہے۔

③ حاکم کی کتابوں مثلاً مستدرک وغیرہ سے یہ ظاہر ہے کہ وہ شیعہ نہیں بلکہ سنی تھے۔
تفصیلی حوالوں کے لئے دیکھئے میری کتاب: توضیح الاحکام (فتاویٰ علمیہ ج۱ص۲ ۵۷۔ ۵۷۸) اورالمستدرک (۳؍۸۰ قبل ح ۴۴۷۷ ومن مناقب امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ)

ماسٹر امین اوکاڑوی دیوبندی نے امام حاکم کے بارے میں لکھا ہے کہ ''جس کو تذکرۃ الحفاظ میں رافضی خبیث لکھا ہے۔'' (تجلیات صفدر ج۲ص ۲۵۹)

عرض ہے کہ اوکاڑوی کی یہ جرح چار وجہ سے مردود اور باطل ہے:

۱: تذکرۃ الحفاظ للذہبی میں محمد بن طاہر المقدسی سے منقول ہے کہ میں نے ابواسماعیل الانصاری سے حاکم کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا: ''ثقة في الحديث، رافضي خبيث'' وہ حدیث میں ثقہ تھے، رافضی خبیث تھے۔ (ج۳ص ۱۰۴۵ ت۹۶۲)

یہ جرح محمد بن طاہر سے باسند صحیح ثابت نہیں ہے۔

۲: یہ جرح جمہور کی توثیق کے مقابلے میں ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

۳: حاکم نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب لکھے ہیں اور یہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی شیعہ ان صحابہ کی فضیلت کا قائل ہو، بلکہ شیعہ تو ان صحابہ کو بُرا کہتے ہیں۔ (العیاذ باللہ)

۴: اوکاڑوی کے استاد اور حیاتی دیوبندیوں کے ''امام'' سرفراز خان صفدر دیوبندی نے امام حاکم کے بارے میں لکھا ہے کہ: ''یہ وہی امام ہیں جن کو الحاکم کہتے ہیں۔ اور جن کی کتاب مستدرک شائع ہو چکی ہے علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ وہ الحافظ الکبیر اور امام المحدثین تھے (تذکرۃ الحفاظ ۳ص ۲۲۷)'' (احسن الکلام ج۱ص ۱۰۴، دوسرا نسخہ ج۱ص ۱۳۴۔۱۳۵)

اوکاڑوی پارٹی کی خدمت میں عرض ہے کہ اگر جمہور محدثین کی تحقیق آپ لوگ نہیں مانتے تو اپنے خودساختہ ''امامِ اہلِ سنت'' کی تحقیق ہی مان لیں۔!

۳) امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ بن احمد الزاہد الصفار الاصفہانی رحمہ اللہ کی توثیق وتعریف دس محدثین وعلماء سے پیشِ خدمت ہے:

۱: بیہقی نے روایتِ مذکورہ میں انھیں ثقہ کہا۔

۲: حاکم نے اُن کی بیان کردہ ایک حدیث کو"صحیح علی شرط الشیخین" کہہ کر اُن کی توثیق کر دی۔ (دیکھئے المستدرک ۳۰/۱ ح ۸۲)

حاکم نے تاریخ نیساپور میں انھیں اپنے زمانے میں خراسان کا محدث (اور) مجاب الدعوۃ قرار دیا یعنی آپ کی دعائیں قبول ہوتی تھیں۔ (الانساب ۵۴۴/۳)

۳: ذہبی نے انھیں ثقہ کہا اور فرمایا:" الشیخ الإمام المحدث القدوۃ "

(سیر اعلام النبلاء ۴۳۷/۱۵)

۴: حافظ ابن حجر العسقلانی نے انھیں ثقہ کہا۔

۵: ابونعیم الاصبہانی نے کہا:"أحد العباد " وہ عبادت گزار لوگوں میں سے ایک تھے۔

(اخبار اصبہان ج ۲ ص ۲۷۱)

۶: ابوسعد السمعانی نے فرمایا:"و کان زاھدًا حسن السیرۃ ورعًا کثیر الخیر" اور وہ زاہد، اچھی سیرت والے، پرہیز گار (اور) بہت نیکی کرنے والے تھے۔

(الانساب ج ۳ ص ۵۴۴)

۷: ابن الجوزی نے انھیں خراسان کا محدّث اور مجاب الدعوۃ قرار دیا۔

(منتظم ج ۱۴ ص ۸۳ ت ۲۵۲۷، وفیات ۳۳۹ھ)

۸: حافظ ابن کثیر نے انھیں خراسان کا محدّثِ عصر اور مجاب الدعوہ (یعنی مستجاب الدعوات) قرار دیا ہے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱۲ ص ۱۸۴)

۹: ابن الاثیر الجزری (متوفی ۶۳۰ھ) نے فرمایا:" کان زاھدًا حسن السیرۃ ورعًا" وہ زاہد، اچھی سیرت والے پرہیز گار تھے۔ (اللباب فی تہذیب الانساب ۵۱/۲)

۱۰: صلاح الدین خلیل بن ایبک الصفدی (متوفی ۷۶۴ھ) نے انھیں خراسان کا محدثِ عصر قرار دیا۔ (الوافی الوفیات ج ۳ ص ۲۵۶ ت ۱۳۶۹)

آپ نے اپنے استاذ ابواسماعیل السلمی سے حدیث سُنی ہے۔

دیکھئے المستدرک (ج ۱ ص ۱۱۷ ح ۴۰۳)

اور آپ کا مدلس ہونا بھی ثابت نہیں، لہٰذا یہ حدیث متصل اور صحیح ہے۔

تفصیل کے لئے دیکھئے استاذ محترم مولانا فیض الرحمٰن الثوری رحمہ اللہ کا حاشیہ بر: جلاء العینین بتخریج روایات جزء رفع الیدین (ص ۱۸)

فائدہ: محمد بن عبداللہ الصفار اگرچہ متابعت کے محتاج نہیں، لیکن عرض ہے کہ عبداللہ بن یحییٰ بن مہران بن خالد بن عثمان بن عبداللہ الحرشی: ابن ابی زکریا القاذی رحمہ اللہ نے بعینہ یہی حدیث: "ثنا أبو إسماعیل محمد بن إسماعیل الترمذي" کہہ کر اُن کی متابعت تامہ کر رکھی ہے۔ دیکھئے منتقیٰ حدیث ابی الحسن احمد بن ابراہیم بن عبدویہ العبدوی النیسابوری یعنی جزء العبدوی (ح ۲۴) مجموعہ اجزاء حدیثیہ تحقیق مشہور بن حسن (ج ۲ ص ۳۱۶)

۴) ابو اسماعیل محمد بن اسماعیل بن یوسف السلمی الترمذی رحمہ اللہ کی توثیق جمہور محدثین سے ثابت ہے، جس میں سے دس حوالے درج ذیل ہیں:

۱: ان کے بارے میں امام دارقطنی نے فرمایا: "ثقة صدوق"

(سوالات الحاکم النیسابوری للدارقطنی: ۵۲۶)

۲: حافظ ابن حبان نے انھیں کتاب الثقات میں ذکر کیا۔ (ج ۹ ص ۱۲۲)

۳: خطیب بغدادی نے فرمایا: "و کان فهمًا متقنًا مشهورًا بمذهب السنة" اور آپ سمجھ دار، ثقہ (اور) اہلِ سنت کے مذہب کے ساتھ مشہور تھے۔ (تاریخ بغداد ۴۲/۲)

۴: حاکم نیشاپوری نے محمد بن اسماعیل السلمی کی بیان کردہ حدیث کو "صحیح الإسناد" کہا۔ (المستدرک ج ۱ ص ۲۷ ح ۲۴۴ ووافقہ الذہبی)

۵: حافظ ابو عوانہ نے اُن سے اپنی صحیح ابی عوانہ میں بہت سی روایتیں بیان کیں۔ مثلاً دیکھئے صحیح ابی عوانہ (ج ۱ ص ۳۰۲ ح ۶۷۶، ج ۲ ص ۳۱۲ ح ۱۸۱۸)

۶: ابو سعد السمعانی نے کہا: "فقیه عالم ثقه صدوق..." فقیہ عالم ثقہ صدوق

(الانساب ج ۱ ص ۴۶۱ ترمذی)

۷: حافظ ذہبی نے فرمایا: ''الإمام الحافظ الثقة '' (سیر اعلام النبلاء ۱۳/۲۴۲)
اور ابن ابی حاتم کی جرح نقل کر کے فرمایا: ''انبرم الحال علٰی توثیقه و إمامته ''ان کی توثیق اور امامت پر حال مستحکم (یعنی قطعی فیصلہ) ہو چکا ہے۔ (النبلاء ۱۳/۲۴۳)
۸: حافظ ابن حجر العسقلانی نے فرمایا: ''ثقة حافظ لم یتضح قول أبي حاتم فیه .''
ثقہ حافظ ہیں ابو حاتم (یعنی ابن ابی حاتم) کا قول اُن کے بارے میں واضح نہیں ہوا ہے۔
(تقریب التہذیب: ۵۷۳۸)
۹: ابن ناصر الدین الدمشقی نے فرمایا: ''ثقه متقن '' (شذرات الذہب ج ۲ ص ۱۷۶)
۱۰: محمد بن علی بن احمد الداوودی (متوفی ۹۴۵ھ) نے کہا: ''ثقه حافظ '' إلخ
(طبقات المفسرین ص ۳۷۳ ت ۴۶۴)

اس عظیم الشان توثیق کے مقابلے میں امام عبدالرحمٰن بن ابی حاتم الرازی نے کہا:
''سمعت منه بمکة و تکلموا فیه ''میں نے اس سے مکہ میں سنا اور انھوں نے اس میں کلام کیا ہے۔ (الجرح والتعدیل ۷/۱۹۱)

یہ جرح چار وجہ سے مردود اور باطل ہے:
① ان میں کلام کرنے والے (جارحین) نامعلوم یعنی مجہول ہیں اور مجہول کی جرح کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔
② ان میں کیا کلام کیا گیا تھا؟ معلوم نہیں یعنی جرح نامعلوم ہے۔
③ یہ جرح جمہور محدثین کی توثیق کے خلاف ہے۔
④ علمائے کرام مثلاً حافظ ابن حجر وغیرہ نے اس جرح کو رد کر دیا اور حاکم نیشاپوری نے فرمایا: ''لم یتکلم فیه أبو حاتم ''ابو حاتم (الرازی) نے اُن پر کوئی کلام نہیں کیا۔
(سوالات الحاکم للدارقطنی: ۱۷۵)

جب امام ابن ابی حاتم کے والد امام ابو حاتم نے امام محمد بن اسماعیل السلمی پر کوئی جرح نہیں کی تو پھر مجہول جارحین کی مجہول جرح کا کیا اعتبار ہے؟

فائدہ: خطیب بغدادی نے محمد بن اسماعیل السلمی الترمذی کے بارے میں فرمایا:
"و روی عنه أیضًا أبو عیسی الترمذي و أبو عبدالرحمٰن النسائي في صحیحیهما "اوراُن سے ابوعیسیٰ الترمذی اورابوعبدالرحمٰن النسائی دونوں نے بھی اپنی اپنی صحیح کتابوں میں روایت کی ہے۔ (تاریخ بغداد ج ۲ ص ۴۲ ت ۴۳۵)
معلوم ہوا کہ وہ امام ترمذی اور امام نسائی دونوں کے نزدیک صحیح الحدیث ثقہ تھے۔

۵) امام ابوالنعمان محمد بن الفضل السدوسی البصری: عارم رحمہ اللہ کو کئی محدثین نے ثقہ و صدوق قرار دیا، جن میں سے دس حوالے درج ذیل ہیں:

۱: ابوحاتم الرازی نے فرمایا: "ثقة "اور فرمایا: جب عارم تجھے حدیث بیان کریں تو اُس پر مہر لگادو۔

۲: محمد بن مسلم بن وارہ نے فرمایا: "الصدوق المأمون " (الجرح والتعدیل ۸/۵۸)

۳: امام عجلی نے فرمایا: "بصري ثقة رجل صالح ... و کان ثقة یعد من أصحاب الحدیث "بصری ثقہ نیک آدمی...اور آپ ثقہ تھے، اصحاب الحدیث میں شمار کئے جاتے تھے۔ (معرفۃ الثقات/ التاریخ: ۸۰۶ ترجمہ عارم)

۴: امام محمد بن یحییٰ الذہلی رحمہ اللہ نے فرمایا: " و کان بعیدًا من العرامة ثقة صدوقًا مسلمًا "وہ بداخلاقی سے دُور تھے، ثقہ صدوق مسلمان تھے۔

(منتقی ابن الجارود: ۱۹۸)

۵: امام نسائی نے فرمایا: " و کان أحد الثقات قبل أن یختلط " اور وہ اختلاط سے پہلے ثقہ راویوں میں سے ایک تھے۔ (السنن الکبریٰ للنسائی: ۹۵۹۳)

۶: حاکم نیشاپوری نے فرمایا: " حافظ ثقة " (المستدرک ۱/۱۰۰ ح ۳۴۱)

۷: محدث خلیلی قزوینی نے فرمایا: " ثم من بعدهم من المتقنین أبو النعمان عارم، معتمد في حدیثه " پھر ان کے بعد ثقہ راویوں میں سے ابوالنعمان عارم، ان کی حدیث پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ (الارشاد فی معرفۃ علماء الحدیث ۲/۴۹۸ ت ۲۱۳)

۸:   عقیلی نے کہا:" فمن سمع من عارم قبل الإختلاط فهو أحد ثقات المسلمين و إنما الكلام فيه بعد الإختلاط ." پس جس نے عارم سے (اُن کے) اختلاط سے پہلے سنا تو وہ مسلمانوں کے ثقہ راویوں میں سے ایک ہیں اور ان پر کلام تو اختلاط کے بعد پر ہی ہے۔ (کتاب الضعفاء ج۴ ص۱۲۴، دوسرا نسخہ ص۱۲۷۸)

۹:   امام بخاری نے صحیح بخاری میں ابوالنعمان سے بہت سی روایتیں بیان کیں جو اس کی دلیل ہے کہ وہ امام بخاری کے نزدیک ثقہ وصدوق اور صحیح الحدیث تھے۔

۱۰:   امام مسلم نے صحیح مسلم میں ابوالنعمان السدوسی سے حدیثیں بیان کیں، جو اُن کی طرف سے ابوالنعمان کی توثیق ہے۔

اگر کوئی کہے کہ" ابوالنعمان آخری عمر میں اختلاط کا شکار ہو گئے تھے، لہٰذا یہ حدیث ضعیف ہے" تو عرض ہے کہ یہ اعتراض پانچ وجہ سے مردود ہے:

①   حافظ ذہبی نے ابوالنعمان کے بارے میں فرمایا:" ثقة شهير ، يقال :اختلط بآخره " مشہور ثقہ، کہا جاتا ہے کہ وہ آخر میں اختلاط کا شکار ہو گئے تھے۔

(معرفۃ الرواۃ المتکلم فیہم بمالا یوجب الرد ص۱۶۹)

اور فرمایا:" تغير قبل موته فما حدّث " وہ اپنی وفات سے پہلے تغیر (اختلاط) کا شکار ہوئے تو کوئی حدیث بیان نہیں کی۔ (الکاشف ۳/۷۹ ت۵۱۹۷)

جب اختلاط کے بعد امام ابوالنعمان نے کوئی حدیث بیان ہی نہیں کی تو پھر اعتراض کیسا؟

②   ابوالنعمان کو اختلاط کیسا ہوا تھا؟ اس کی تشریح میں ابوحاتم الرازی کا قول پیشِ خدمت ہے:" و زال عقله " اور اُن کی عقل زائل ہو گئی تھی۔ (الجرح والتعدیل ج۸ ص۵۹)

جس کی عقل زائل ہو جائے وہ پاگل ہوتا ہے، لہٰذا اگر ایک ثقہ راوی آخری عمر میں پاگل ہو گئے تھے تو وہ مرفوع القلم ہیں، اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ کسی قسم کے مجرم نہیں۔

جو شخص پاگل ہو جائے وہ حدیثیں بیان نہیں کرتا اور نہ کوئی ہوش مند شخص کسی پاگل سے حدیثیں سنتا ہے، لہٰذا حدیث مذکور پر اختلاط کا اعتراض غلط ہے۔

④ ثقہ حافظ امام ابواسماعیل السلمی نے فرمایا کہ ''میں نے ابوالنعمان کے پیچھے نماز پڑھی''
اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ابوالنعمان اس وقت اختلاط کا شکار نہیں ہوئے تھے اور نہ پاگل
ہوئے تھے بلکہ لوگوں کو نمازیں پڑھاتے تھے۔ پاگل کے پیچھے وہی نماز پڑھتا ہے جو خود
پاگل ہو۔

④ امام بیہقی نے ''رواتہ ثقات'' کہہ کر اور اس حدیث سے استدلال کر کے یہ گواہی
دے دی ہے کہ اس حدیث کے راوی ایک دوسرے سے روایت کرنے میں ثقہ ہیں، لہٰذا
ثابت ہوا کہ یہاں اختلاط کا اعتراض مردود ہے۔

⑤ امام عبدالرزاق نے فرمایا: مکے والوں نے شروع نماز میں رفع یدین، رکوع کے وقت
اور رکوع سے سر اُٹھاتے وقت (رفع یدین) ابن جریج سے لیا، انھوں نے عطاء (بن ابی
رباح) سے، عطاء نے ابن الزبیر (رضی اللہ عنہ) سے اور ابن الزبیر نے ابوبکر الصدیق (رضی اللہ عنہ)
سے، انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے لیا ہے۔

(الاوسط لابن المنذر ۳/ ۱۴۷ ح ۱۳۸۸، وسندہ صحیح، دوسرا نسخہ ۳/ ۳۰۴ ح ۱۳۸۳)

عقیلی کے نانا ابوخالد یزید بن محمد بن حماد العقیلی المکی رحمہ اللہ نے فرمایا: میں نے بصرہ میں
ابوالنعمان عارم سے زیادہ اچھی نماز پڑھنے والا کوئی نہیں دیکھا، اور لوگ کہتے تھے: انھوں
نے حماد بن زید سے نماز سیکھی اور حماد نے ایوب سے سیکھی تھی۔ الخ

(کتاب الضعفاء ۴/ ۱۲۲، دوسرا نسخہ ۴/ ۱۲۷۷ - ۱۲۷۸)

فائدہ: طاہر القادری صاحب نے بھی ابوالنعمان پر اختلاط کے الزام کا زبردست جواب
دیا ہے۔ دیکھئے کتاب: عقیدۂ توسُّل (مطبوعہ منہاج القرآن لاہور، ص ۲۳۲ - ۲۳۴)

٦) حماد بن زید صحیحین کے بنیادی راوی، بہت بڑے امام، فقیہ اور بالاجماع ثقہ تھے۔
انھیں ابن سعد، عجلی اور ابن حبان وغیرہم نے ثقہ کہا بلکہ امام یحییٰ بن معین نے فرمایا: ''لیس
أحد في أيوب أثبت من حماد بن زيد'' ایوب سے روایت میں حماد بن زید سے
زیادہ ثقہ کوئی نہیں ہے۔ (کتاب الجرح والتعدیل ۳/ ۱۳۹، وسندہ صحیح)

یہ روایت بھی ایوب السختیانی سے ہی ہے۔

۷) ایوب بن ابی تمیمہ السختیانی رحمہ اللہ صحیحین کے بنیادی راوی، بہت بڑے امام، فقیہ اور بالاجماع ثقہ تھے۔ انھیں امام یحییٰ بن معین، ابن سعد، ابو حاتم الرازی اور ابن حبان وغیرہم نے ثقہ قرار دیا۔

۸) امام عطاء بن ابی رباح المکی جلیل القدر تابعی، صحیحین کے بنیادی راوی، بہت بڑے امام، فقیہ اور بالاجماع ثقہ تھے۔ انھیں ابن سعد، عجلی ابو زرعہ الرازی اور ابن حبان وغیرہم نے ثقہ قرار دیا۔

فائدہ: ایک اور روایت سے بھی ثابت ہے کہ عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے۔ (جزء رفع الیدین: ۶۲ وسندہ حسن)

۹) سیدنا عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ مشہور صحابی اور جلیل القدر امام تھے۔

فائدہ: ابوالزبیر رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ میں نے ابن عمر اور عبداللہ بن الزبیر (رضی اللہ عنہما) دونوں کو دیکھا، وہ رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے۔

(کتاب الاثرم بحوالہ التمہید ۹/ ۲۱۷ وسند الاثرم صحیح)

سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے ترک رفع یدین کسی روایت میں بھی ثابت نہیں ہے۔

۱۰) سیدنا ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ خلیفۂ اول، امیر المومنین اور یقیناً جنتی ہیں۔

تنبیہ: سیدنا ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ سے ترک رفع یدین کسی صحیح یا مقبول روایت سے ثابت نہیں ہے۔ محمد بن جابر الیمامی والی روایت ضعیف، مردود اور باطل ہے۔

محمد بن جابر کو جمہور محدثین نے ضعیف قرار دیا۔ دیکھئے مجمع الزوائد (۵/ ۱۹۱)

خلاصۃ التحقیق: اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ سیدنا ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ مسلسل رفع یدین والی حدیث بلحاظِ اصول الحدیث و اسماء الرجال اور بلحاظِ سند و متن بالکل صحیح ہے۔

حدیث کی تشریح: اس حدیث اور اس کی تشریح سے درج ذیل باتیں ثابت ہیں:

۱: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شروع نماز، رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے

تھے۔

۲: رسول اللہ ﷺ کے بعد سیدنا ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے۔

۳: سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بعد سیدنا عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے۔

۴: سیدنا ابن الزبیر رضی اللہ عنہ کے بعد امام عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے۔

۵: امام عطاء کے بعد امام ایوب السختیانی رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے۔

۶: امام ایوب السختیانی کے بعد امام حماد بن زید رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے۔

۷: امام حماد بن زید کے بعد امام بخاری کے مشہور استاذ امام ابوالنعمان السدوسی (متوفی ۲۲۴ھ) رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے۔

معلوم ہوا کہ خیر القرون کے بہترین دور میں رسول اللہ ﷺ سے لے کر تیسری صدی ہجری تک رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد والے رفع یدین پر اہلِ سنت کے جلیل القدر اماموں اور ثقہ راویانِ حدیث کا مسلسل اور غیر منقطع عمل رہا ہے، لہٰذا رفع یدین کو منسوخ، ممنوع یا متروک سمجھنا غلط اور باطل ہے۔ اگر رفع یدین منسوخ ہوتا تو سیدنا ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد یا آپ کی زندگی کے آخری زمانے میں کبھی رفع یدین نہ کرتے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے آخری نمازیں پڑھی تھیں بلکہ آپ کے مصلے پر آخری نماز پڑھائی بھی تھیں۔ کیا انھیں رفع یدین کے منسوخ یا متروک ہونے کا علم نہ ہو سکا تھا؟ اگر رفع یدین منسوخ یا متروک ہوتا تو سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بعد اُن کے نواسے سیدنا ابن الزبیر رضی اللہ عنہ کبھی رفع یدین نہ کرتے، انھوں نے نماز اپنے نانا سے سیکھی تھی اور نانا بھی

وہ جو نبی کریم ﷺ کے بعد سب سے افضل ہیں۔

۸: محدثینِ کرام میں سے کسی نے بھی اس حدیث کو ضعیف نہیں کہا۔

۹: جو لوگ رفع یدین کے منسوخ یا متروک ہونے کے قائل ہیں، وہ قیامت تک ایسی کوئی حدیث مسلسل پیش نہیں کر سکتے جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ نبی ﷺ نے آخر میں رفع یدین ترک کر دیا تھا، پھر آپ کے صحابی نے رفع یدین ترک کر دیا، پھر صحابی کے شاگرد تابعی نے رفع یدین ترک کر دیا، پھر اس تابعی کے شاگرد تبع تابعی نے رفع یدین ترک کر دیا تھا۔ الخ

۱۰: یہ حدیث اس بات پر فیصلہ کن ہے کہ رفع یدین آخر میں نہ تو متروک ہوا تھا اور نہ منسوخ ہوا تھا۔

اس صحیح حدیث پر بعض الناس کے اعتراضات اور ان کے جوابات

۱) ایک شخص نے امام بیہقی کے بارے میں لکھا ہے کہ ''جو امام شافعیؒ کے مقلد ہیں اور احناف کے خلاف سخت تعصب رکھتے تھے اور تقلیدِ امام شافعیؒ میں اتنے سخت تھے کہ ابو محمد الجوینی جیسے عظیم محدث نے جب امام شافعیؒ کی تقلید چھوڑ کر خود اجتہاد کا ارادہ فرمایا تو امام بیہقی نے انہیں خط لکھ کر منع کیا کہ آپ کے لیے تقلیدِ امام شافعیؒ کو چھوڑنا ہرگز جائز نہیں (طبقات الشافعیہ)...'' (تجلیاتِ صفدر ج ۲ ص ۳۸۴)

ان جھوٹے اعتراضات کے علی الترتیب جوابات درج ذیل ہیں:

۱: امام بیہقی مقلد نہیں تھے بلکہ بہت بڑے عالم تھے۔ دیکھئے یہی مضمون (ترجمۂ حدیث کے بعد) فقرہ: ۱

۲: امام بیہقی احناف کے خلاف کسی قسم کا تعصب نہیں رکھتے تھے۔

۳: امام بیہقی نے ابو محمد الجوینی کو تقلید چھوڑنے سے ہرگز منع نہیں کیا بلکہ انھوں نے بعض شافعیہ پر رد کیا جو کتب المتقدمین کو ''تقلیداً'' لے لیتے تھے۔

دیکھئے طبقات الشافعیہ للسبکی (ج ۳ ص ۲۰۴، ترجمہ عبداللہ بن یوسف الجوینی)

اور فرمایا: ''و اجتهادي في طلبه ''اور میں طلبِ حدیث میں اجتہاد (خوب محنت) کرتا ہوں۔ (ص ۱۰۴)

بیہقی نے یہ نہیں فرمایا کہ ''تقلید امام شافعی کو چھوڑنا ہرگز جائز نہیں'' لہٰذا تجلیاتِ صفدر والے نے صریح جھوٹ بولا ہے۔

بیہقی نے تو ابو محمد الجوینی کی بیان کردہ بعض ضعیف روایات پر رد کیا اور انھیں تحقیق کی ترغیب دی۔

۲) بعض الناس نے امام حاکم کو رافضی خبیث اور غالی شیعہ لکھا ہے۔

(دیکھئے تجلیاتِ صفدر ج ۲ ص ۳۸۵)

یہ دونوں الزامات باطل ہیں، جیسا کہ تحقیق روایاتِ حدیث فقرہ نمبر۲ کے تحت گزر چکا ہے۔

۳) بعض الناس نے لکھا ہے: ''دوسرے راوی الصفار کا سماع آپ اس کے استاد السلمی سے ثابت نہ کر سکتے تھے۔ اگر ہمت ہے تو کر کے دکھاؤ۔'' (تجلیاتِ صفدر ج ۲ ص ۲۵۹)

عرض ہے کہ ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ الصفار نے فرمایا:

''ثنا أبو إسماعيل محمد بن إسماعيل ... ''(المستدرک ج ۱ ص ۱۷ ح ۴۰۳)

سماع ثابت ہو گیا، لہٰذا اعتراض باطل ہے۔

٤) بعض الناس نے لکھا ہے: ''پھر یہ سلمی خود متکلم فیہ راوی ہے۔''

(تجلیاتِ صفدر ج ۲ ص ۲۵۹)

عرض ہے کہ سلمی رحمہ اللہ کو دس سے زیادہ محدثین نے ثقہ و صدوق قرار دیا، لہٰذا ان پر مجہول جارحین کی مجہول جرح مردود ہے۔ دیکھئے یہی مضمون توثیق روایانِ حدیث فقرہ نمبر۴

۵) ابو نعیم الفضل بن دکین الکوفی رحمہ اللہ ۲۱۸ھ یا ۲۱۹ھ میں فوت ہوئے۔

دیکھئے تہذیب الکمال (۶/ ۳۵)

امام ابو اسماعیل السلمی نے فرمایا: ''ثنا الفضل بن دكين '' ہمیں فضل بن دکین

نے حدیث بیان کی۔

(کتاب الاسماء والصفات للبیہقی ص ۱۸۰۔۱۸۱، دوسرا نسخہ ص ۲۳۵ باب ماجاء فی اثبات صفۃ البصر والرؤیۃ)

معلوم ہوا کہ ۲۱۸ ہجری میں ابو اسماعیل سمجھدار نوجوان تھے۔

محمد بن الفضل السدوسی ۲۲۳ھ یا ۲۲۴ھ میں فوت ہوئے۔ (تقریب التہذیب: ۶۲۲۶)

امام ابو حاتم الرازی نے فرمایا:

''**فمن کتب عنہ قبل سنۃ عشرین و مأتین فسماعہ جید .**'' جس نے اُن (ابوالنعمان) سے ۲۲۰ھ سے پہلے لکھا ہے تو اس کا سماع اچھا ہے۔ (الجرح والتعدیل ۵۹/۸)

جو طالب علم ۲۱۸ھ میں حدیثیں پڑھ رہا تھا کیا وہ ۲۲۰ھ سے پہلے ابو النعمان کی مجلس میں نہیں پہنچ سکتا تھا؟ معلوم ہوا کہ سلمی کا ابو النعمان سے سماع اُن کے اختلاط سے پہلے کا ہے۔

نیز دیکھئے توثیق راویانِ حدیث فقرہ: ۵

۶) بعض الناس نے کہا: ''گویا اسے بھی ساری زندگی میں ایک ہی آدمی رفع یدین کرنے والا ملا۔'' (تجلیاتِ صفدر ج ۲ ص ۲۶۰)

عرض ہے کہ یہ بات بلا دلیل ہے اور عدمِ ذکر نفی ذکر کی دلیل نہیں ہوتا۔

دوسرے یہ کہ اگر حماد بن زید رحمہ اللہ کو ترکِ رفع یدین کی کوئی صحیح حدیث کسی راوی سے پہنچتی تو وہ اسے ضرور بیان کرتے اور کبھی حق نہ چھپاتے۔ ان کا ترکِ رفع یدین والی کوئی حدیث بیان نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ۱۷۹ھ تک بصرے میں ترکِ رفع یدین کا نام و نشان تک نہیں تھا۔

۷) بعض الناس نے لکھا ہے کہ ''اور میں نے اس سے پوچھا یہ کیا ہے؟ اس سے معلوم ہوا کہ دوسری صدی کے نصف اول میں ساری دنیا میں صرف بصرہ میں ہی ایک شخص رفع یدین کرنے والا تھا۔'' (تجلیات صفدر ج ۲ ص ۲۶۰)

انھوں نے یہ نہیں پوچھا تھا کہ یہ کیا ہے؟ بلکہ ''**فسألتہ عن ذلك**'' کا مطلب ہے:

میں نے اُن سے اس کے بارے میں پوچھا۔

اس کا مطلب ہے کہ حماد بن زید نے اپنے اطمینان اور روایتِ حدیث محفوظ کرنے کے لئے اپنے استاد سے اُن کے عمل کی دلیل پوچھی تھی، دلیل پوچھنا کوئی جرم نہیں ہے اور نہ اس کی دلیل ہے کہ باقی سارے لوگ اس کے بالکل الٹ چل رہے تھے۔

شاگرد کا اپنے اُستاد سے سوال کرنا اس بات کی قطعاً دلیل نہیں کہ اُس زمانے میں تمام مسلمانوں کا اس مسئلے کے خلاف عمل تھا یا یہ کہ یہ مسئلہ عجیب اور نرالا ہے۔

اس بات کی فی الحال تین دلیلیں پیشِ خدمت ہیں:

① سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے والد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے موزوں پر مسح کے بارے میں سوال کیا تھا۔ (دیکھئے صحیح بخاری:۲۰۲)

کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ اُن کے زمانے میں تمام صحابہ و تابعین یا عام علماء موزوں پر مسح کے قائل نہیں تھے؟ ہرگز یہ مطلب نہیں لہٰذا "تجلیاتی" منکرِ حدیث کا اعتراض باطل ہے۔

② چار رکعتوں والی نماز میں بائیس (۲۲) تکبیریں ہوتی ہیں، جب سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نماز میں بائیس تکبیریں کہیں تو عکرمہ تابعی نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر اعتراض کیا تھا۔ (دیکھئے صحیح بخاری:۷۸۸، اور الحدیث حضرو:۶۶ ص۲۱۔۲۲)

③ ابو جمرہ الضبعی رحمہ اللہ نے حجِ تمتع کیا تھا، پھر سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مسئلہ پوچھا تھا۔ دیکھئے صحیح مسلم (۱۲۴۲، دارالسلام:۳۰۱۵)

کیا مسئلہ پوچھنے کی وجہ سے حجِ تمتع بھی ممنوع، متروک یا منسوخ ہو جائے گا؟

معلوم ہوا کہ یہ اصول ہی باطل ہے کہ پوچھنے یا دلیل مانگنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کا اس مسئلے پر عمل نہیں تھا۔!!

بعض الناس نے میمون مکی (مجہول) وغیرہ کی ضعیف و مردود روایتیں پیش کر کے سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث کا جواب دینے کی کوشش کی ہے جو کہ اصولاً باطل اور مردود ہے۔ وما علینا إلا البلاغ (۲۹/مئی ۲۰۱۰ء)

تحریر: محمد ادریس ظفر　　　　تہذیب واضافہ: حافظ زبیر علی زئی

سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث اور تشہد میں اشارے سے سلام

تمیم بن طرفہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ (سیدنا) جابر بن سمرہ (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا:
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے تو فرمایا: کیا بات ہے کہ میں تمھیں ہاتھ اُٹھائے ہوئے دیکھتا ہوں جیسا کہ شریر گھوڑوں کی دُمیں ہیں؟ نماز میں سکون اختیار کرو! پھر آپ باہر تشریف لائے تو دیکھا کہ ہم مختلف حلقوں میں بکھرے ہوئے ہیں تو آپ نے فرمایا: کیا وجہ ہے کہ میں تمھیں جدا جدا دیکھ رہا ہوں؟ پھر آپ دوبارہ تشریف لائے تو فرمایا: تم اس طرح صفیں کیوں نہیں بناتے جس طرح فرشتے اپنے رب کے سامنے صفیں بناتے ہیں؟ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: وہ (فرشتے) پہلی صفوں کو پورا کرتے ہیں اور صفوں میں خوب مل کر کھڑے ہوتے ہیں۔

عبید اللہ بن القبطیہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ (سیدنا) جابر بن سمرہ (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے تو ہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ، السلام علیکم و رحمۃ اللہ کہتے، اور انھوں (سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ) نے دائیں اور بائیں طرف اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ہاتھوں سے کیا اشارہ کرتے ہو جیسے شریر گھوڑوں کی دُمیں ہیں؟ تم میں سے ہر آدمی کے لئے یہی کافی ہے کہ اپنی ران پر ہاتھ رکھے پھر دائیں اور بائیں طرف اپنے بھائی پر سلام کہہ دے۔

ابن القبطیہ رحمہ اللہ سے ہی روایت ہے کہ جابر بن سمرہ (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا:
میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (یعنی آپ کے پیچھے) نماز پڑھی تو ہم سلام کے وقت اپنے ہاتھوں کے ساتھ السلام علیکم، السلام علیکم کہتے تھے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دیکھا تو فرمایا: تمھیں کیا ہوا ہے کہ تم اپنے ہاتھوں سے اشارہ کرتے ہو جیسے شریر گھوڑوں کی دُمیں ہیں؟ جب تم میں سے کوئی شخص سلام پھیرے تو اپنے ساتھی کی طرف چہرہ کرے اور ہاتھ

سے اشارہ نہ کرے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۸۱ ح ۴۳۰-۴۳۱، ترقیم دارالسلام: ۹۶۸-۹۷۱)

تمیم بن طرفہ کی دوسری روایت میں آیا ہے کہ (سیدنا) جابر بن سمرہ (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا:

نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ کے پاس تشریف لائے تو فرمایا: کیا وجہ ہے کہ میں تمھیں جدا جدا دیکھ رہا ہوں؟ اور وہ (صحابہ) بیٹھے ہوئے تھے۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۹۳ ح ۲۰۸۷۴ وسندہ صحیح، الموسوعۃ الحدیثیہ ج ۳۴ ص ۴۴۶)

ایک ہی صحابی سے دونوں شاگردوں (تمیم بن طرفہ اور عبیداللہ بن القبطیہ) کی روایت ایک ہی حدیث ہے اور اس سے ترکِ رفع یدین کا مسئلہ کشید کرنا کئی وجہ سے غلط ہے۔ مثلاً:

۱) زمانۂ تدوینِ حدیث میں محدثین کرام میں سے کسی ایک محدث نے بھی اس حدیث کو ترکِ رفع یدین کے استدلال میں نقل نہیں کیا اور ان کے مقابلے میں بعض فقہائے اہل الرائے کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

۲) محدثین کرام نے اس حدیث کو تشہد کے وقت سلام کے بارے میں ذکر کیا ہے۔ مثلاً:

۱: امام شافعی رحمہ اللہ (کتاب الام ج ۱ ص ۱۲۲) باب السلام فی الصلوٰۃ

۲: ابوداود رحمہ اللہ (سنن ابی داود قبل ح ۹۹۸، ۹۹۹) باب فی السلام

۳: نسائی رحمہ اللہ (المجتبیٰ قبل ح ۱۱۸۵) باب السلام بالأيدي فی الصلوٰۃ

(المجتبیٰ قبل ح ۱۳۱۹) باب موضع الیدین عند السلام

(المجتبیٰ قبل ح ۱۳۲۷) باب السلام بالیدین

(السنن الکبریٰ للنسائی ۱/ ۳۵۳ قبل ح ۱۱۰۷) السلام بالأيدي فی الصلوٰۃ

(السنن الکبریٰ ۱/ ۳۹۴ قبل ح ۱۲۴۹) السلام بالیدین

۴: ابن خزیمہ رحمہ اللہ (صحیح ابن خزیمہ ۱/ ۳۶۱ قبل ح ۷۳۳) باب الزجر عن الإشارۃ بالید یمیناً و شمالاً عند السلام من الصلوٰۃ

(صحیح ابن خزیمہ ۳/۱۰۳ قبل ح ۱۷۰۸) باب نية المصلي بالسلام من عن يمينه إذا سلم عن يمينه و من عن شماله إذا سلم عن يساره .

۵: عبدالرزاق رحمہ اللہ (مصنف عبدالرزاق ۲/۲۲۰ ۳۱۳۵) باب التسليم

۶: ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق رحمہ اللہ (مسند ابی عوانہ ۲/۲۳۸۔۲۴۰ قبل ح ۱۶۲۶)

بيان الدليل على أن التسليمة الواحدة غير كافية في جماعة من تسليم التشهد حتى يسلّم تسليمتين ... إلخ

۷: بیہقی (السنن الکبریٰ ۲/۱۸۱)

باب كراهة الإيماء باليد عند التسليم من الصلاة .

۸: بغوی (شرح السنہ ۳/۲۰۶ قبل ح ۶۹۶) باب التسليم في الصلاة .

۹: ابونعیم الاصبہانی (المسند المستخرج علیٰ صحیح الامام مسلم ۲/۵۴ ح ۹۶۲)

باب الكراهية أن يضرب الرجل بيديه عن يمينه و عن شماله في الصلاة

۱۰: عبدالحق الاشبیلی (الاحکام الشرعیۃ الکبریٰ ۲/۲۸۳، مکتبہ شاملہ)

باب كيفية السلام من الصلاة و كم يسلّم ؟

ان کے علاوہ بعض حنفی حضرات نے بھی اس حدیث پر اسی قسم کے ابواب باندھے ہیں۔ مثلاً:

۱۱: طحاوی (شرح معانی الآثار ۱/۲۶۸۔۲۶۹)

باب السلام في الصلاة كيف هو ؟

۱۲: ابن فرقد شیبانی (کتاب الحجہ ج ۱ ص ۱۴۵، إن صح سند الكتاب إليه)

باب التشهد والسلام والصلاة على النبي ﷺ

۳) محدثین کرام اور علمائے عظام نے صراحت کی ہے کہ اس حدیث کا تعلق رفع یدین کے ساتھ نہیں بلکہ تشہد کے وقت سلام سے ہے۔ مثلاً:

۱: امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ (متوفی ۲۵۶ھ) نے فرمایا:

" فإنما كان هذا في التشهد لا في القيام ، كان يسلّم بعضهم على بعض فنهى النبي ﷺ عن رفع الأيدي في التشهد و لا يحتج بهذا من له حظ من العلم ، هذا معروف مشهور لا اختلاف فيه . " یہ روایت تو صرف تشہد کے بارے میں ہے، قیام کے بارے میں نہیں ہے۔ بعض لوگ (نماز میں) دوسرے لوگوں کو (ہاتھوں کے اشارے سے) سلام کہتے تھے تو نبی ﷺ نے تشہد میں ہاتھ اُٹھانے سے منع فرما دیا۔ جس کے پاس علم کا تھوڑا سا بھی حصہ ہے، وہ اس روایت سے (ترکِ رفع یدین پر) حجت نہیں پکڑتا۔ یہ بات (تمام علمائے حدیث میں) مشہور ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ (جزء رفع الیدین: ۳۷ ص ۶۱۔۶۲)

۲: اس حدیث کی تشریح میں حافظ ابن حبان نے اپنی تبویب کے ذریعے سے فرمایا:

" ... بأن القوم إنما أمروا بالسّكون في الصلٰوة عند الإشارة بالتسليم دون رفع اليدين عند الركوع " یہ کہ لوگوں کو تو نماز میں رکوع کے رفع یدین (سے منع) کے بجائے سلام کے اشارے کے وقت سکون کا حکم دیا گیا تھا۔

(الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان ۱۹۹/۵ قبل ح ۱۸۷۷، دوسرا نسخہ ح ۱۸۸۰)

۳: حافظ ابن عبدالبر اندلسی (متوفی ۴۶۳ھ) نے فرمایا:

" و قد احتج بعض المتأخرين للكوفيين و من ذهب مذهبهم في رفع اليدين بما حدثنا ... و هذا لاحجة فيه لأن الذي نهاهم عنه رسول الله ﷺ غير الذي كان يفعله لأنه محال أن ينهاهم عما سن لهم و إنما رأى أقوامًا يعبثون بأيديهم و يرفعونها في غير مواضع الرفع فنهاهم عن ذلك . "

بعض متاخرین نے کوفیوں اور رفع یدین کے بارے میں ان کے ہم مذہب لوگوں کے لئے اس حدیث سے حجت پکڑی ہے جو ہمیں بیان کی... (پھر انھوں نے سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بسندِ تمیم بن طرفہ ذکر کی اور فرمایا:) اور اس میں (ان کے لئے) کوئی حجت (دلیل) نہیں ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے تو انھیں اس فعل سے روکا ہے جو آپ خود نہیں

کرتے تھے، کیونکہ یہ محال ہے کہ آپ انھیں اس فعل سے منع کرتے جسے آپ نے اُن کے لئے خود جاری فرمایا تھا، اور آپ نے (بعض) لوگوں کو ہاتھوں کے ساتھ عبث (فضول) کام کرتے ہوئے دیکھا اور رفع یدین کے بغیر دوسرے مقامات پر ہاتھ اُٹھاتے دیکھا تو انھیں اس سے منع فرمادیا۔ (التمہید لمافی الموطأ من المعانی والاسانید ۹/۲۲۱)

۴: علامہ نووی نے کہا:

" و أما حديث جابر بن سمرة فاحتجاجهم به من أعجب الأشياء و أقبح أنواع الجهالة بالسنة لأن الحديث لم يرد في رفع الأيدي في الركوع و الرفع منه ولكنهم كانوا يرفعون أيديهم في حالة السلام من الصلاة و يشيرون بها إلى الجانبين يريدون بذلك السلام على من عن الجانبين ، و هذا لا خلاف فيه بين أهل الحديث و من له أدنىٰ اختلاط بأهل الحديث "

رہی جابر بن سمرہ (رضی اللہ عنہ) کی حدیث تو ان (لوگوں) کا اس سے حجت پکڑنا بہت عجیب چیزوں میں سے ہے اور سنت سے جہالت کی اقسام میں سے بدترین قسم ہے، کیونکہ یہ حدیث رکوع سے پہلے اور بعد والے رفع یدین کے بارے میں وارد (اور متعلق) نہیں، لیکن وہ (ممانعت سے پہلے صحابہ) نماز میں حالتِ سلام کے وقت ہاتھ اُٹھاتے تھے اور دونوں طرف ان کے ساتھ اشارے کرتے تھے. اس طرح سے وہ دونوں طرف اپنے قریبی ساتھیوں کو سلام کہنے کا ارادہ کرتے تھے اور اس میں محدثین اور جس کا اہلِ حدیث (محدثین) سے معمولی تعلق ہو، کوئی اختلاف نہیں ہے۔ (المجموع شرح المہذب ج۳ ص۴۰۳)

۵: ابن سید الناس الیعمری (متوفی ۷۳۴ھ) نے فرمایا:

" و أما حديث جابر بن سمرة فلا تعلق له برفع اليدين في التكبير و لكنه ذكر للرد على قوم كانوا يرفعون أيديهم في حالة السلام من الصلوٰة و يشيرون بها إلى الجانبين مسلّمين على من حولهم فنهوا عن ذلك ... "

اور رہی حدیث جابر بن سمرہ (رضی اللہ عنہ) تو اس کا تکبیر کے وقت رفع یدین سے کوئی تعلق نہیں

ہے، لیکن اسے ان لوگوں کے رد میں ذکر کیا گیا ہے جو نماز میں حالتِ سلام کے وقت اپنے ہاتھ اُٹھاتے تھے اور دونوں طرف سلام پھیرتے ہوئے اپنے ساتھیوں کی طرف اشارہ کرتے تھے، لہٰذا انھیں اس سے منع کر دیا گیا۔ (العرف الشذی شرح جامع الترمذی ج۴ص ۳۹۸)

۶: حافظ ابن الملقن (متوفی ۸۰۴ھ) نے کہا: " ... من أقبح الجهالات لسنة سيدنا رسول ﷺ لأنه لم يرد في رفع الأيدي في الركوع والرفع منه وإنما كانوا يرفعون أيديهم في حالة السلام من الصلوٰة... وهٰذا لا (اختلاف) فيه بين أهل الحديث ومن له أدنى اختلاط بأهله"

اس حدیث سے استدلال انتہائی بُری جہالت ہے جسے سیدنا رسول اللہ ﷺ کی سنت کے ساتھ روا رکھا گیا ہے، کیونکہ یہ حدیث رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد والے رفع یدین کے بارے میں وارد نہیں ہوئی۔ وہ تو نماز کی حالتِ سلام میں ہاتھوں سے اشارہ کرتے تھے... اس میں اہلِ حدیث (محدثین) کے درمیان کوئی اختلاف نہیں اور جس شخص کا حدیث کے ساتھ ذرہ برابر تعلق ہے وہ بھی تسلیم کرتا ہے (کہ اسے رفع یدین قبل الرکوع و بعدہ کے خلاف پیش کرنا غلط ہے۔) [البدر المنیر ج۳ص ۴۸۵]

۷: حافظ ابن حجر العسقلانی نے کہا:

" ولا دليل فيه على منع الرفع على الهيئة المخصوصة في الموضع المخصوص وهو الركوع و الرفع منه ، لأنه مختصر من حديث طويل"

مخصوص مقام پر مخصوص حالت میں رفع یدین یعنی رکوع سے پہلے اور بعد والے رفع یدین کی ممانعت کی اس حدیث میں کوئی دلیل نہیں، کیونکہ یہ طویل حدیث سے مختصر ہے۔

(التلخیص الحبیر ج۱ص۲۲۱ تحت ح ۳۲۸)

۸: علی بن ابی العز الحنفی (متوفی ۷۹۲ھ) نے فرمایا:

" و ما استدل به من حديث جابر بن سمرة رضي الله عنه ... لا يقوي ...
و أيضًا فلا نسلّم أن الأمر بالسكون في الصلوة ينا في الرفع عند الركوع و

الرفع منه لأن الأمر بالسكون ليس المراد منه ترك الحركة فى الصلوة مطلقًا بل الحركة المنافية للصلاة بدليل شرع الحركة للركوع والسجود و رفع اليدين عند تكبيرة الافتتاح و تكبيرة القنوت و تكبيرات العيدين، فإن قيل :خرج ذلك بدليل ، قيل : و كذلك خرج الرفع عند الركوع والرفع منه بدليل فعلم أن المراد منه الإشارة بالسلام باليد والله أعلم "

اور (سیدنا) جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے جو استدلال کیا گیا ہے...قوی نہیں ہے...اور ہم یہ بھی تسلیم نہیں کرتے کہ نماز میں سکون کے حکم سے رکوع سے پہلے اور بعد والے رفع یدین کی نفی ہوتی ہے، کیونکہ سکون کے حکم سے نماز میں حرکت کا قطعاً ترک کر دینا مراد نہیں بلکہ نماز کے مخالف حرکت سے منع مراد ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ رکوع اور سجود کے لئے حرکت مشروع (بلکہ ضروری) ہے، تکبیر افتتاح، تکبیر قنوت اور تکبیراتِ عیدین میں رفع یدین (کیا جاتا) ہے، پھر اگر کہا جائے کہ یہ چیزیں دلیل سے (اس حدیث کے مزعوم استدلال سے) خارج ہیں تو کہا جائے گا: اس طرح رکوع سے پہلے اور بعد والا رفع یدین اس (حدیث کے مزعوم استدلال) سے خارج ہے، پس معلوم ہو گیا کہ اس سے مراد سلام کے وقت ہاتھ سے اشارہ ہے۔ واللہ اعلم (التنبیہ علیٰ مشکلات الہدایہ ج ۲ ص ۵۷۰۔۵۷۱)

۹: ابن الجوزی (متوفی ۵۹۷ھ) نے فرمایا:

" و قد احتج بعض أصحاب أبي حنيفة بهذا الحديث في منعهم رفع اليدين فى الركوع و عندالرفع منه و ليس لهم فيه حجة لأنه قد روي مفسرًا بعد حديثين " بعض اصحابِ ابی حنیفہ (یعنی بعض حنفیہ) نے اس حدیث کے ساتھ رکوع سے پہلے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کی ممانعت کی دلیل پکڑی ہے اور اس میں اُن کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے، کیونکہ ان دو حدیثوں کے بعد (صحیح مسلم میں) مفسر (تفصیل سے) مروی ہے۔

(المشكل من حديث الصحيحين لابن الجوزي ۲۹۵/۱ ح ۳۲۹ ۵۲۲، المكتبة الشاملة)

۱۰: حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کرنے کے بعد اس کی شرح میں فرمایا:" و أحق الناس باتباع هذا : هم أهل الحديث . من ظن أن نهيه عن رفع الأيدي هو النهي عن رفعها إلى منكبه حين الركوع و حين الرفع منه و حمله على ذلك فقد غلط ... "

اور لوگوں میں اس (حدیث سے ثابت شدہ باتوں) کی اتباع کے سب سے زیادہ حقدار اہلِ حدیث (محدثین اور حدیث پر عمل کرنے والے یعنی محدثین کے عوام) ہیں۔ اور جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ اس (حدیث) میں ہاتھ اٹھانے کی ممانعت سے مراد رکوع سے پہلے اور بعد والا رفع یدین ہے اور وہ اسے اس پر محمول کرتا ہے تو اس شخص نے غلطی کی ہے۔

(القواعد النورانیہ الفقہیہ لابن تیمیہ ج ۱ ص ۴۷، مجموع فتاویٰ ج ۲۲ ص ۵۶۱، جلاء العینین لشیخنا ابی محمد بدیع الدین شاہ الراشدی السندھی رحمہ اللہ نقلہ عن القواعد النورانیہ ص ۴۸)

اس کے بعد ابن تیمیہ نے بتایا کہ سرکش گھوڑا تو دائیں اور بائیں طرف دُم ہلاتا ہے اور یہ ایسی حرکت ہوتی ہے جس میں سکون نہیں ہوتا۔ رہا رکوع سے پہلے اور بعد والے رفع یدین کا مسئلہ تو اس کے مشروع (شریعتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام میں ثابت) ہونے پر مسلمانوں کا اتفاق ہے، لہٰذا اس حدیث سے وہ کیسے ممنوع ہو سکتا ہے؟

(مجموع فتاویٰ ج ۲۲ ص ۵۶۲)

☆ ابو العباس احمد بن عمر بن ابراہیم القرطبی (متوفی ۶۵۶ھ) نے اس حدیث کی شرح میں کہا:" كانوا يشيرون عند السلام من الصلاة بأيديهم يمناً و شمالاً و تشبيه أيديهم بأذناب الخيل الشمس تشبيه واقع ، فإنها تحرّك أذنابها يميناً و شمالاً . فلما رآهم على تلك الحالة أمرهم بالسكون فى الصلاة و هذا دليل على أبي حنيفة في أن حكم الصلاة باق على المصلي إلى أن يسلّم ، و يلزم منه : أنه إن أحدث في تلك الحالة ـ أعني في حالة الجلوس الأخير للسلام ـ أعاد الصلاة " وہ نماز میں سلام کے وقت اپنے ہاتھوں کے ساتھ دائیں اور

بائیں طرف اشارے کرتے تھے اور ان کے ہاتھوں کو سرکش گھوڑوں کی دموں سے تشبیہ دینا حقیقت (یعنی صحیح) ہے، کیونکہ وہ (سرکش گھوڑے) اپنی دموں کو دائیں اور بائیں طرف حرکت دیتے ہیں، پس جب آپ نے انھیں اس حالت میں دیکھا تو نماز میں سکون کرنے کا حکم دیا اور یہ ابوحنیفہ کے خلاف دلیل ہے کہ نمازی پر سلام پھیر لینے تک نماز کا حکم باقی رہتا ہے، اور اس حدیث سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ اگر اس حالت یعنی سلام والے آخری تشہد میں وضو ٹوٹ جائے تو نماز دوبارہ پڑھنی پڑے گی۔

(المفہم لما اشکل من تلخیص کتاب مسلم ج۲ ص۶۱ تحت ح ۳۴۰۔۳۴۱)

۴) بہت سے حنفی اور حنفیت کی طرف منسوب فرقوں کے علماء نے بھی اپنے قول یا فعل سے یہ صراحت کی ہے کہ اس حدیث کا تعلق رکوع والے رفع یدین سے نہیں بلکہ تشہد کے وقت سلام سے ہے۔ مثلاً:

۱: علی بن علی بن ابی العز الحنفی رحمہ اللہ کا قول فقرہ نمبر ۳ کی شق نمبر ۸ کے تحت گزر چکا ہے۔

۲: ابوالحسن محمد بن عبدالہادی السندھی (متوفی ۱۱۳۸ھ) نے سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی شرح میں کہا: "و بهذه الرواية تبين أن الحديث مسوق للنهي عن رفع الأيدي عند السلام اشارة إلى الجانبين ولا دلالة فيه على النهي عن الرفع عند الركوع و عند الرفع منه" اور اس روایت سے واضح ہوگیا کہ یہ حدیث سلام کے وقت ہاتھ اُٹھا کر دونوں طرف اشارہ کرنے سے ممانعت کے بارے میں بیان کی گئی ہے اور اس میں رکوع سے پہلے اور بعد والے رفع یدین کی ممانعت کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ (حاشیۃ السندھی علی سنن النسائی ج۱ ص۱۷۶، کتاب السھو)

ابوالحسن السندھی کی حنفیت کے لئے دیکھئے سنن نسائی (ترقیم عبدالفتاح ابی غدۃ الحنفی ج۱ ص ح قبل ص۱)

۳: محمود حسن دیوبندی نے کہا:

''باقی اذناب خیل کی روایت سے جواب دینا بروئے انصاف درست نہیں۔ کیونکہ وہ سلام کے بارہ میں ہے کہ صحابہؓ فرماتے ہیں کہ ہم بوقت سلام نماز میں اشارہ بالید بھی کرتے تھے۔ آپ نے منع فرمادیا۔'' (تقاریر شیخ الہند ترتیب عبدالحفیظ بلیاوی ص ۶۵)

اسی عبارت کا دوسرا حوالہ: الورد الشذی علیٰ جامع الترمذی (جمع اصغر حسین دیوبندی ص ۶۳)

۴: اشرفعلی تھانوی دیوبندی نے کہا: ''مسلم کی حدیث مالی اراکم رافعی ایدیکم الـــخ میں مولانا محمد یعقوب صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس سے رفع یدین حالت سلام میں مراد ہے اور یہ حنفیہ کو زیادہ مفید ہے کیونکہ حالت سلام میں من وجہ داخل اور من وجہ خارج ہے...'' (ملفوظات حکیم الامت ج ۲۶ ص ۳۹۷، الکلام الحسن ج ۲ ص ۲۷۶)

تنبیہ: اس کے بعد یعقوب نانوتوی کا جو فلسفہ مذکور ہے، وہ صحیح اور متواتر احادیث کے مقابلے میں ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

۵: محمد تقی عثمانی دیوبندی نے سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث کے بارے میں کہا:

''لیکن انصاف کی بات یہ ہے کہ اس حدیث سے حنفیہ کا استدلال مشتبہ اور کمزور ہے، کیونکہ ابن القبطیہ کی روایت میں سلام کے وقت کی جو تصریح موجود ہے اس کی موجودگی میں ظاہر اور متبادر یہی ہے کہ حضرت جابرؓ کی یہ حدیث رفع عند السلام ہی سے متعلق ہے، اور دونوں حدیثوں کو الگ الگ قرار دینا جب کہ دونوں کا راوی بھی ایک ہے اور متن بھی قریب قریب ہے بُعد سے خالی نہیں، حقیقت یہی ہے کہ حدیث ایک ہی ہے، اور رفع عند السلام سے متعلق، ابن القبطیہ کا طریق مفصل ہے، اور دوسرا طریق مختصر و مجمل، لہٰذا دوسرے طریق کو پہلے طریق پر ہی محمول کرنا چاہئے، شاید یہی وجہ ہے کہ حضرت شاہ صاحب نور اللہ نے اس حدیث کو حنفیہ کے دلائل میں ذکر نہیں کیا''

(درس ترمذی، ترتیب رشید اشرف سیفی دیوبندی ج ۲ ص ۳۶۔۳۷)

شاہ صاحب سے مراد انور شاہ کشمیری دیوبندی ہیں اور عبارتِ مذکورہ میں اُن کی کتاب نیل الفرقدین کی طرف اشارہ ہے۔

۶: مغلطائی حنفی نے کہا:" و أما استدلال بعض الحنفية بحديث جابر بن سمرة من عند مسلم : مالی أراكم رافعي أيديكم كأنها أذناب شمس ، فليس بصحيح لأنهم إنما كان ذلك حالة السلام فيما ذكره البخاری وغيره " اور رہا بعض حنفیہ کا صحیح مسلم سے جابر بن سمرہ (رضی اللہ عنہ) کی حدیث سے استدلال: مجھے کیا ہے کہ میں تمھیں ہاتھ اُٹھائے ہوئے دیکھتا ہوں جیسا کہ سرکش (گھوڑوں کی) دُمیں ہیں، تو (یہ) صحیح نہیں ہے، کیونکہ یہ بات حالتِ سلام کے بارے میں ہے جیسا کہ بخاری وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ (شرح سنن ابن ماجہ لمغلطائی ج ۱ ص ۱۴۷۴ [شاملہ] دوسرا نسخہ ۸۱/۲ [شاملہ] تیسرا نسخہ ۲۹۸/۵، چوتھا نسخہ ۱۴۷۴/۵)

شرح سنن ابن ماجہ لمغلطائی کا تیسرا نسخہ میری معلومات کے مطابق ادارة العلوم الاثریہ (فیصل آباد) کے کتب خانے میں موجود ہے اور مکتبہ ابن عباس سے ۲۰۰۸ء میں پہلی دفعہ (طبعہ اولیٰ) چھپا ہے۔ چوتھا نسخہ مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز (مکہ، ریاض) نے پہلی دفعہ ۱۹۹۹ء (۱۴۱۹ھ) میں کامل عویضہ کی تحقیق سے شائع کیا تھا۔ [ز ع]

۷: طحاوی حنفی نے اس حدیث کو ترکِ رفع یدین کے دلائل میں ذکر نہیں کیا۔

دیکھئے شرح معانی الآثار (۱/۲۲۲۔۲۲۸ باب التكبير للركوع والتكبير للسجود والرفع من الركوع هل مع ذلك رفع أم لا ؟)

بلکہ نماز میں سلام والے باب میں ذکر کیا ہے۔ دیکھئے یہی مضمون فقرہ نمبر ۲ شق نمبر ۱۱

معلوم ہوا کہ طحاوی کے نزدیک اس حدیث کو ترکِ رفع یدین کے مسئلے میں پیش کرنا صحیح نہیں ہے۔

۸: محمد عابد بن احمد علی السندھی نے کہا:" أما حديث :مالي أراكم رافعي أيديكم إلخ فلا يليق الاستدلال بهذا الحديث في نفي الرفع فافهم "

رہی حدیث: کیا ہے کہ میں تمھیں ہاتھ اُٹھائے ہوئے دیکھتا ہوں الخ تو اس حدیث کے ساتھ رفع (یدین) کی نفی پر استدلال مناسب نہیں ہے، لہٰذا اس بات کو سمجھ لیں۔

(المواہب اللطیفہ بحوالہ مرعاۃ المفاتیح ج ۳ ص ۱۸، دوسرا نسخہ ج ۲ ص ۲۵۷)

محمد عابد سندھی کی حنفیت کے لئے دیکھئے حدائق الحنفیہ (ص ۴۹۰)

۹: امیر علی حنفی نے کہا: " أجمع المحدثون على هذا التأويل والسلام من تتمة الصلوة ، نازع بعض الناس فيه فقال : بل هذا النهي عن رفع اليدين في الصلاة عند الركوع والرفع منه ... " إلخ اسی تفسیر پر محدثین کا اجماع ہے اور سلام نماز کا اختتام ہے۔ بعض لوگوں نے اس میں نزاع (اختلاف) کیا اور کہا: بلکہ اس حدیث میں رکوع سے پہلے اور بعد والے رفع یدین سے منع کیا گیا ہے۔ الخ

(حاشیہ صحیح مسلم طبعہ نولکشور لکھنو ج ۱ ص ۱۸۲، بحوالہ مرعاۃ المفاتیح ج ۳ ص ۱۸، دوسرا نسخہ ج ۲ ص ۲۵۷)

بعض لوگوں نے امیر علی کے حنفی ہونے کا انکار کیا ہے، لیکن شیر محمد دیوبندی (مماتی) نے کہا:

''حضرت مولانا سید امیر علی حنفی فرماتے ہیں کہ...'' (آئینہ تسکین الصدور ص ۱۹۹، دوسرا نسخہ ص ۲۰۶)

(محمد ادریس ظفر صاحب نے کہا:) محمد حسن قلندرانی بریلوی نے کہا:

''حضرت علامہ مولانا امیر علی حنفیؒ مترجم فتاویٰ عالمگیری اور مترجم تفسیر مواہب الرحمٰن''

(غائبانہ نماز جنازہ کی شرعی حیثیت ص ۱۷)

۱۰: رفع یدین کو منسوخ سمجھنے والے عابد الرحمٰن صدیقی کاندھلوی (تقلیدی) نے سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی شرح میں کہا: "(فائدہ) یعنی سلام کے وقت ہاتھ اٹھانے کی حاجت نہیں. بندہ مترجم کہتا ہے کہ ان احادیث سے آج کل کے دستور کی بھی تردید ہوتی ہے۔ کہ جب ملاقات کے وقت سلام کرتے ہیں۔ تو ہاتھ ضرور اُٹھاتے ہیں۔"

(صحیح مسلم مترجم ج ۱ ص ۴۰۴ مطبوعہ قرآن منزل مقابل مولوی مسافر خانہ، کراچی)

اس مضمون میں ذکر شدہ حوالوں کا خلاصہ درج ذیل ہے:

جن محدثین کرام اور علمائے حنفیہ نے اس حدیث کو سلام اور تشہد کے ابواب میں ذکر کیا ہے، ان کے نام درج ذیل ہیں:

شافعی، ابو داود، نسائی، ابن خزیمہ، عبدالرزاق، ابو عوانہ، بیہقی، بغوی، ابو نعیم الاصبہانی،

عبدالحق اشبیلی، طحاوی حنفی اور ابن فرقد شیبانی حنفی۔ دیکھئے فقرہ نمبر۲

درج ذیل محدثین کرام اور علمائے عظام نے یہ صراحت کی ہے کہ اس حدیث کا تعلق رفع یدین کے ساتھ نہیں بلکہ تشہد کے وقت سلام سے ہے:

بخاری، ابن حبان، ابن عبدالبر، نووی، ابن سید الناس، ابن الملقن، ابن حجر عسقلانی، علی بن ابی العز الحنفی، ابن الجوزی اور ابن تیمیہ۔ دیکھئے فقرہ نمبر۳

ابوالعباس احمد بن عمر القرطبی نے بھی اس حدیث کو تشہد والے سلام سے متعلق قرار دیا ہے۔

درج ذیل حنفی اور حنفیت کی طرف منسوب علماء نے یہ صراحت کی ہے، یا اُن کے کلام سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ اس حدیث کا تعلق سلام سے ہے اور رفع یدین سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے:

علی بن ابی العز الحنفی، ابوالحسن محمد بن عبدالہادی السندھی، محمود حسن دیوبندی، محمد یعقوب نانوتوی، محمد تقی عثمانی، مغلطائی حنفی، طحاوی، محمد عابد سندھی، امیر علی حنفی اور عابد الرحمٰن صدیقی کاندھلوی تقلیدی۔ دیکھئے فقرہ نمبر۴

تیس سے زیادہ ان اہلِ حدیث اور غیر اہلِ حدیث جمہور علماء کے مقابلے میں قدوری (التجرید ۲/۵۱۹۔۵۲۰ فقرہ: ۲۲۲۳) زیلعی، عینی اور بعض متاخرینِ آلِ تقلید کا اس حدیث کو رفع یدین کے خلاف پیش کرنا غلط اور مردود ہے۔

۵) نبی کریم ﷺ سے رفع یدین قبل الرکوع و بعدہ کا ثبوت احادیث صحیحہ متواترہ سے ہے اور کسی ایک صحیح حدیث سے بھی یہ ثابت نہیں کہ آپ نے تشہد میں سلام کے وقت اپنے ہاتھوں سے دونوں طرف اشارہ کیا ہو اور نہ یہ ثابت ہے کہ آپ نے اپنے عمل کو شریر گھوڑوں کی دُمیں ہلنے سے تشبیہ دی ہے، لہٰذا جو لوگ ایسی تشبیہ دینے کی جرأت کرتے ہیں، وہ آپ ﷺ کی گستاخی کے مرتکب ہیں۔

٦) امام ابوحنیفہ سے یہ قطعاً ثابت نہیں کہ انھوں نے ترکِ رفع یدین کے مسئلے پر سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہو، لہٰذا ایسا استدلال کرنے والے امام ابوحنیفہ

کے باغی اور مخالف ہیں۔

۷) سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث کی کسی سند میں رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد والے رفع یدین کی صراحت نہیں، لہٰذا مفسر کے مقابلے میں غیر مفسر کو پیش کرنا غلط ہے۔

۸) بعض آلِ تقلید اس بات پر بضد ہیں کہ اس حدیث سے نماز میں ہر رفع یدین کی ممانعت ثابت ہوتی ہے، تو عرض ہے کہ آپ جیسے لوگ تکبیر تحریمہ، تکبیرِ وتر اور تکبیراتِ عیدین میں کیوں رفع یدین کرتے ہیں؟

اگر ان مقامات پر رفع یدین کی تخصیص دلیل سے ثابت ہے تو پھر رکوع سے پہلے اور بعد والے رفع یدین کی تخصیص بھی یقینی اور قطعی صحیح دلائل سے ثابت ہے، لہٰذا آپ لوگ وہاں کیوں نہیں مانتے؟

۹) خیر القرون (۳۰۰ھ تک) میں کسی ایک ثقہ وصدوق سُنی عالم سے اس حدیث کے ساتھ ترکِ رفع یدین پر استدلال ثابت نہیں، لہٰذا خیر القرون کے اجماع کے مقابلے میں شر القرون والے بعض علماء اور بعض اہلِ تقلید کی کیا حیثیت ہے؟!

۱۰) سرکش گھوڑوں کی دُمیں حالتِ سرکشی میں اوپر نیچے نہیں بلکہ دائیں بائیں ہلتی ہیں، جیسا کہ قرطبی اور ابن تیمیہ کی تشریح سے ثابت ہے اور اس بات کا مشاہدہ اب بھی سرکش گھوڑوں کو دیکھ کر کیا جا سکتا ہے، لہٰذا حدیثِ مذکور کو رکوع سے پہلے اور بعد والے رفع یدین کے خلاف پیش کرنا عقلاً بھی باطل ہے۔

۱۱) مسند احمد میں سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں آیا ہے کہ ''وھم قعود'' اور وہ بیٹھے ہوتے تھے۔ (ج ۵ ص ۹۳ وسندہ صحیح)

رفع یدین حالتِ قیام میں رکوع سے پہلے اور بعد میں ہوتا ہے، حالتِ قعود (یعنی حالتِ تشہد) میں نہیں ہوتا، لہٰذا اس حدیث سے آلِ تقلید کا استدلال اصلاً باطل و مردود ہے۔

وما علینا إلا البلاغ (۲۱/ستمبر ۲۰۱۰ء)

نماز میں قرآن مجید دیکھ کر قراءت کرنا

الحمد لله رب العالمین والصّلوٰة والسّلام علیٰ رسوله الأمین ، أما بعد :

حالتِ نماز میں قرآن مجید (ہاتھ میں) پکڑ کر قراءت کرنا جائز ہے، جیسا کہ دو صحابۂ کرام (رضی اللہ عنہما) سے ثابت ہے:

۱) سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے امام قاسم (بن محمد بن ابی بکر) رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ " **كان يؤمّ عائشة عبد يقرأ في الصحف** " عائشہ (رضی اللہ عنہا) کی امامت ایک غلام کرتا تھا، جو قرآن دیکھ کر پڑھتا تھا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۳۳۸ ح ۷۲۱۵ وسندہ صحیح)

ثقہ تابعی ابوبکر عبداللہ بن عبیداللہ بن ابی ملیکہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ " **أن عائشة أعتقت غلامًا لها عن دبر فكان يؤمّها في رمضان في المصحف**"

بے شک عائشہ (رضی اللہ عنہا) نے ایک غلام کے بارے میں وصیت فرمائی تھی کہ وہ اُن کی وفات کے بعد آزاد ہے، وہ رمضان میں قرآن دیکھ کر آپ کی امامت کرتا تھا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۳۳۸ ح ۷۲۱۶ وسندہ صحیح، نیز دیکھئے صحیح بخاری قبل ح ۶۹۲)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے امام عروہ بن الزبیر رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ " **أن ذكوان أبا عمرو و كان عبدًا لعائشة زوج النبي ﷺ فأعتقته عن دبر منها ، كان يقوم يقرأ لها في رمضان** " بے شک ذکوان ابو عمرو نبی ﷺ کی بیوی (سیدہ) عائشہ (رضی اللہ عنہا) کے غلام تھے، جن کے بارے میں انھوں (عائشہ رضی اللہ عنہا) نے وصیت فرمائی تھی کہ وہ اُن کی وفات کے بعد آزاد ہے، وہ رمضان میں آپ کے لئے قیام میں قراءت کرتے تھے۔ (موطأ امام مالک ص ۹۹ دوسرا نسخہ ۱/۱۱۶ ح ۲۵۳ وسندہ صحیح)

اس حدیث کے راوی امام مالک نے قرآن دیکھ کر قراءت کے بارے میں فرمایا:

" **لا بأس بذلك إذا اضطروا إلى ذلك ... و كان العلماء يقومون لبعض**

الناس في رمضان في البيوت " اگر لوگ اس پر مجبور ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے...رمضان میں علماء بعض لوگوں کو گھروں میں قیام کراتے تھے۔

(کتاب المصاحف لابن ابی داود بتحقیق سلیم الہلالی: ۸۳۷ وسندہ صحیح)

۲) ثابت البنانی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ " **كان أنس يصلّي و غلامه يمسك المصحف خلفه فإذا تعايا في آية فتح عليه** "انس (بن مالک رضی اللہ عنہ) نماز پڑھتے اور آپ کے پیچھے آپ کا غلام قرآن پکڑے (کھڑا) ہوتا، پھر جب آپ کسی آیت پر رُک جاتے تو وہ لقمہ دیتا تھا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۳۳۸/۲ ح ۷۲۲۲ وسندہ حسن، السنن الکبریٰ للبیہقی ۲۱۲/۳)

کسی صحابی سے ان کی مخالفت ثابت نہیں ہے اور جمہور تابعین سے اس کا جواز ثابت ہے۔

مشہور ثقہ تابعی امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ کے نزدیک قرآن مجید دیکھ کر امامت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۷۲۱۴ وسندہ صحیح)

امام حسن بصری رحمہ اللہ بھی اسے جائز سمجھتے تھے۔ (ابن ابی شیبہ: ۷۲۱۹ وسندہ صحیح)

امام ابن شہاب زہری رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ کیا قرآن مجید دیکھ کر نماز پڑھائی جا سکتی ہے؟ تو انھوں نے فرمایا: جی ہاں، جب سے اسلام ہے، لوگ یہ (یعنی اسی طرح) کر رہے ہیں۔

(المصاحف لابن ابی داود ص ۲۲۲ وسندہ حسن)

امام عطاء بن ابی رباح المکی التابعی رحمہ اللہ نماز میں قرآن دیکھ کر قراءت کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ (المصاحف لابن ابی داود ص ۲۲۲ وسندہ حسن)

تنبیہ: بعض علماء مثلاً حماد اور قتادہ وغیرہما مصحف دیکھ کر قرآن پڑھنا ناپسند کرتے یا مکروہ سمجھتے تھے۔ یہ قول اس پر محمول ہے کہ صحیح العقیدہ حافظ ہونے کے باوجود جان بوجھ کر قرآن دیکھ کر نماز میں قراءت کی جائے۔ دوسرے یہ کہ صحابہ اور کبار تابعین کے مقابلے میں ان اقوال کی کیا حیثیت ہے؟ (تفصیل کے لئے دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو: ۳۵ ص ۵۴۔۵۵)

خلاصۃ التحقیق: اگر کوئی عذر ہو تو حالتِ نماز میں قرآن مجید اُٹھا کر قراءت کرنا یا قراءت سننا جائز ہے اور اس کی ممانعت پر کوئی صریح شرعی دلیل نہیں ہے۔ (۱۹/ اگست ۲۰۱۰ء)

غالی بدعتی کے پیچھے نماز کا حکم؟

[یہ مضمون استاد محترم کے ایک مفصل مضمون کی تلخیص ہے، جسے عام فہم انداز میں احاطۂ تحریر میں لایا گیا ہے اور اسی فائدے کے تحت اسے برقرار رکھا گیا ہے۔ مفصل مضمون کے لئے دیکھئے صفحہ ۸۴ (حافظ ندیم ظہیر)]

تمام حمد وثنا اللہ رب العالمین کے لئے ہے اور صلوٰۃ وسلام ہو سیدنا محمد رسول اللہ امام المرسلین وخاتم النبیین ﷺ پر، اللہ راضی ہو تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے اور اُس کی رحمتیں ہوں تمام صحیح العقیدہ تابعین، تبع تابعین اور سلف صالحین پر۔ امابعد:

شریعتِ اسلامیہ میں بدعت اور اہلِ بدعت کی مذمت میں بہت سے دلائل ہیں۔ مثلاً:

۱) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اور اُس دن کچھ چہرے کالے سیاہ ہوں گے۔''

(آل عمران: ۱۰۶)

اس کی تشریح میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: وہ خوارج ہیں۔ (مسند احمد ۵/۲۶۲ وسندہ حسن)

۲) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: '' و کل بدعة ضلالة '' اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

(صحیح مسلم: ۸۶۷، ترقیم دارالسلام: ۲۰۰۵)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہر بدعت گمراہی ہے، اگرچہ (بعض) لوگ اسے اچھا سمجھتے ہوں۔ (السنہ للمروزی: ۷۰ وسندہ صحیح)

۳) نبی کریم ﷺ کی ایک مشہور اور متواتر حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کی اُمت میں تہتر (۷۳) فرقے ہو جائیں گے، جن میں صرف ایک فرقہ جنتی ہے اور باقی سب جہنم میں جائیں گے۔ دیکھئے سنن الترمذی (۲۶۴۰ وقال: حسن صحیح) سنن ابی داود (۴۵۹۷) اور سنن ابن ماجہ (۳۹۹۲) وغیرہ

۴) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((من وقّر صاحب بدعة فقد أعان علٰی هدم

الإسلام .)) جس نے کسی بدعتی کی عزت وتکریم کی تو اُس نے اسلام کو گرانے میں مدد کی۔

(الشریعہ للآجری ص۹۶۲ ح۲۰۴۰ وسندہ حسن)

۵) سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اُن مبتدعین سے براءت کا اعلان فرمایا جنھوں نے تقدیر کا انکار کر دیا تھا۔ دیکھئے صحیح مسلم (ح۸، ترقیم دارالسلام:۹۳)

آپ رضی اللہ عنہ نے ایک بدعتی شخص کے سلام کا جواب نہیں دیا تھا۔

دیکھئے سنن الترمذی (۲۱۵۲ وقال: ھذا حدیث حسن صحیح) اور اضواء المصابیح (۱۰۶)

٦) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بدعتیوں کو مسجد سے نکال دیا تھا۔

دیکھئے سنن الدارمی (ح۲۱۰ وسندہ حسن)

۷) مشہور تابعی اور ثقہ بالاجماع امام ابو قلابہ الجرمی الشامی رحمہ اللہ نے فرمایا: بے شک بدعتی لوگ گمراہ ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ وہ دوزخ میں ہی جائیں گے۔

(سنن الدارمی:۱۰۱، وسندہ صحیح)

۸) ثقہ تابعی امام ابو ادریس الخولانی رحمہ اللہ نے فرمایا: اگر میں دیکھوں کہ مسجد میں آگ لگی ہوئی ہے جسے میں بجھا نہیں سکتا، تو یہ میرے نزدیک اس سے بہتر ہے کہ میں مسجد میں کوئی بدعت دیکھوں جسے میں مٹا نہ سکوں۔ (السنہ للمروزی:۸۸ وسندہ حسن، دوسرا نسخہ:۹۹)

۹) تابعی صغیر ابراہیم بن یزید النخعی الکوفی رحمہ اللہ نے محمد بن السائب سے فرمایا: جب تک تو اپنی اس رائے پر ہے تو ہمارے قریب بھی نہ آنا۔

محمد بن السائب مرجی تھا۔ (البدع والنھی عنہا لمحمد بن وضاح:۱۲۷، وسنده صحيح ، رواية مغيرة بن مقسم عن إبراهيم محمولة على السماع إذا روى عنه محمد بن فضيل بن غزوان ، انظر مسند علی بن الجعد ۱/۴۳۰ ح۶۶۳، والنسخة الثانية:۶۴۴)

۱۰) ایک شخص بدعتی تھا، پھر اُس نے اپنی رائے سے رجوع کر لیا۔ جب امام ایوب سختیانی نے امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ (ثقہ تابعی مشہور) کو بتایا تو اُنھوں نے فرمایا: دیکھو وہ کدھر جاتا ہے؟ کیونکہ (اہلِ بدعت کے خلاف) حدیث کے آخری الفاظ بہت سخت ہیں:

وہ اسلام سے نکل جائیں گے، پھر اس میں واپس نہیں آئیں گے۔

(البدع والنھی عنھا: ۱۴۷، وسندہ صحیح أو حسن لذاتہ)

بدعت کی دو بڑی قسمیں ہیں:

اول: بدعتِ صغریٰ، مثلاً تشیع یسیر (سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے افضل سمجھنا)

دوم: بدعتِ کبریٰ، مثلاً منکرینِ تقدیر، جہمیہ، روافض، معتزلہ اور منکرینِ حدیث وغیرہ

اسے بدعت مکفرہ بھی کہتے ہیں۔ دیکھئے میزان الاعتدال (۶/۱، دوسرا نسخہ ۱۱۸/۱) اختصار علوم الحدیث لابن کثیر (ص ۸۳ نوع: ۲۳) فتح الباری (۴۶۶/۱۰) ہدی الساری (ص ۳۸۵، ۴۵۹) اور میری کتاب: بدعتی کے پیچھے نماز کا حکم (ص ۸)

قسم دوم کے بارے میں صحیح تحقیق یہ ہے کہ اس قسم والے بدعتی کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔

ایک شخص نے قبلے کی طرف تھوکا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے اُسے امامت سے ہٹا دیا تھا، آپ نے فرمایا: یہ تمھیں نماز نہ پڑھائے۔

(سنن ابی داود: ۴۸۱ وسندہ حسن، صحیح ابن حبان، الموارد: ۳۳۴، الاحسان: ۱۶۳۴، دوسرا نسخہ: ۱۶۳۶)

جب ایک خطا پر نماز سے ہٹا دیا گیا تو معلوم ہوا کہ بدعتِ کبریٰ والے یعنی غالی بدعتی کے پیچھے نماز نہیں پڑھنی چاہئے۔ اس سلسلے میں سلف صالحین اور عصرِ حاضر کے صحیح العقیدہ علماء کے تیس (۳۰) حوالے پیشِ خدمت ہیں:

۱) امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: قدریہ (منکرینِ تقدیر) کے پیچھے نماز نہیں پڑھنی چاہئے۔ (کتاب القدر للفریابی: ۲۱۹ وسندہ صحیح، الکفایہ للخطیب ص ۱۲۴)

۲) امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ جسے یہ ڈر ہو کہ وہ ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھتا ہے جسے وہ نہیں جانتا؟ تو انھوں نے فرمایا: نماز پڑھ لے پھر جب اسے معلوم ہو جائے کہ وہ (امام) بدعتی تھا تو وہ نماز دوبارہ پڑھے۔ (مسائل صالح بن احمد بن حنبل ۲/۲۵ فقرہ ۵۶۲)

امام احمد نے فرمایا: جہمیہ اور معتزلہ جیسوں کے پیچھے نماز نہیں پڑھنی چاہئے۔

(کتاب السنہ لعبداللہ بن احمد ۱/۱۰۳ ح ۵، مخطوط مصور ص ۲)

امام احمد نے فرمایا کہ لفظی بالقرآن مخلوق کہنے والے کے پیچھے نماز نہیں پڑھنی چاہئے۔
(مسائل احمد روایۃ ابن ہانی ۱/۶۰ فقرہ: ۲۹۵)

اس طرح کے مزید اقوال کے لئے دیکھئے السنۃ لعبداللہ بن احمد (۴) شرح مذاہب اہل السنۃ لابن شاہین (۲۰) سیرۃ الامام احمد لصالح بن احمد (۱/ ۶۷ بحوالہ المکتبۃ الشاملہ) مسائل ابن ہانی (۲۹۶، ۳۰۹) السنۃ للخلال (۷۸۵، ۱۳۷) اور تاریخ الاسلام للذہبی (۱۸/ ۸۴) وغیرہ۔

۳) ثقہ امام سلام بن ابی مطیع البصری رحمہ اللہ نے فرمایا: جہمیہ کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے۔ (مسائل احمد روایۃ ابی داود ص ۲۶۸ ملخصاً وسندہ صحیح، السنہ لعبداللہ بن احمد: ۹)

۴) ثقہ امام وکیع رحمہ اللہ (متوفی ۱۹۷ھ) نے فرمایا: ان (جہمیہ) کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے۔ (السنہ لعبداللہ بن احمد: ۳۳ وسندہ صحیح)

۵) ثقہ امام یزید بن ہارون رحمہ اللہ (متوفی ۲۰۶ھ) نے فرمایا کہ جہمیہ کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے۔ اُن سے مرجیہ کے پیچھے نماز کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: بے شک وہ خبیث ہیں۔ (السنہ: ۵۵ وسندہ صحیح)

۶) امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: مجھے کوئی پروا نہیں کہ میں جہمی اور رافضی کے پیچھے نماز پڑھوں یا یہود و نصاریٰ کے پیچھے نماز پڑھوں۔! (خلق افعال العباد ص ۲۲ فقرہ: ۵۳)

معلوم ہوا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک جہمیہ اور روافض کے پیچھے نماز نہیں ہوتی، جس طرح کہ یہود و نصاریٰ کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔

۷) ایک آدمی نے امام سفیان ثوری رحمہ اللہ (متوفی ۱۶۱ھ) سے پوچھا: میرے گھر کے دروازے پر (بالکل قریب یا سامنے) ایک مسجد ہے جس کا امام صاحبِ بدعت ہے؟ اُنھوں نے فرمایا: تُو اس کے پیچھے نماز نہ پڑھ۔ اُس نے کہا: بارش والی رات (بھی) ہوتی ہے اور میں بوڑھا آدمی ہوں؟ انھوں نے فرمایا: تُو اُس کے پیچھے نماز نہ پڑھ۔

(حلیۃ الاولیاء ۷/ ۲۸ وسندہ حسن)

۸) امام ابوضمرہ انس بن عیاض المدنی رحمہ اللہ (متوفی ۲۰۰ھ) نے فرمایا: جہمیہ کے پیچھے نماز نہ پڑھ۔ (السنۃ لعبداللہ بن احمد: ۲، وسندہ صحیح)

۹) ثقہ عابد زہیر بن نعیم البابی رحمہ اللہ نے فرمایا: اگر تمھیں یقین ہو جائے کہ وہ (امام) جہمی ہے تو نماز دوبارہ پڑھو، چاہے جمعہ ہو یا دوسری کوئی نماز ہو۔

(السنۃ لعبداللہ بن احمد: ۳/۱، وسندہ صحیح)

۱۰) امام ابوعبید القاسم بن سلام رحمہ اللہ کے نزدیک بدعتی کے پیچھے پڑھی ہوئی نماز دوبارہ پڑھنی چاہئے۔ (السنۃ لعبداللہ بن احمد: ۵، وسندہ صحیح)

۱۱) جب قرآن مجید کو مخلوق کہا جانے لگا تو پھر امام یحییٰ بن معین اپنی نمازِ جمعہ دوبارہ پڑھتے تھے۔ (السنۃ لعبداللہ بن احمد: ۶، وسندہ صحیح)

۱۲) ثقہ امام احمد بن عبداللہ بن یونس رحمہ اللہ نے فرمایا: جو شخص قرآن کو مخلوق کہے تو اس کے پیچھے نماز نہیں پڑھنی چاہئے۔ الخ (مسائل ابی داود ص ۲۶۸ وسندہ صحیح)

۱۳) امام ابوالحسن احمد بن محمد بن ثابت بن عثمان الخزاعی المروزی عرف ابن شبویہ رحمہ اللہ نے کلامِ باری تعالیٰ یا اللہ کے علم کو مخلوق کہنے والے کے بارے میں فرمایا: نہ اس کا جنازہ پڑھا جائے اور نہ اس کے پیچھے نماز پڑھی جائے۔ (السنۃ لعبداللہ بن احمد: ۱۷۹، وسندہ صحیح)

۱۴) امام ابوجعفر محمد بن علی بن الحسین الباقر رحمہ اللہ نے منکرینِ تقدیر کے بارے میں فرمایا: اس کے پیچھے نماز نہ پڑھو... جس نے ایسے لوگوں کے پیچھے نماز پڑھی تو اسے اپنی نماز دوبارہ پڑھنی چاہئے۔ (الشریعۃ للآجری ص ۲۲۴ ح ۴۹۵ وسندہ حسن، القدر للفریابی: ۲۹۳)

۱۵) امام لیث بن سعد المصری رحمہ اللہ (متوفی ۱۷۵ھ) نے منکرِ تقدیر کے بارے میں فرمایا: وہ اس کا مستحق نہیں کہ اس کی بیمار پرسی کی جائے، اُس کے جنازے میں حاضری کو ناپسند کیا جاتا ہے اور اس کی دعوت کو قبول نہیں کیا جاتا۔ (الشریعۃ للآجری ص ۲۲۷ ح ۵۰۹ وسندہ حسن)

۱۶) امام ابوبکر محمد بن الحسین الآجری رحمہ اللہ (متوفی ۳۶۰ھ) نے خوارج، قدریہ، مرجیہ، جہمیہ، معتزلہ، تمام روافض، تمام نواصب اور گمراہ مبتدعین (کا عقیدہ رکھنے والے)

کے بارے میں فرمایا: اسے سلام نہیں کہنا چاہئے اور اس کے پیچھے نماز نہیں پڑھنی چاہئے۔
(الشریعہ طبعہ محققہ ص ۹۶۰ قبل ح ۲۰۳۹)

۱۷) قوام السنہ اسماعیل بن محمد بن الفضل الاصبہانی رحمہ اللہ (متوفی ۵۳۵ھ) نے فرمایا:
اور اصحابِ حدیث کی رائے میں اہلِ بدعت کے پیچھے نماز نہیں پڑھنی چاہئے، تاکہ عوام اسے دیکھ کر خراب نہ ہو جائیں۔ (الحجہ فی بیان المحجہ وشرح عقیدہ اہل السنہ ۲/ ۵۰۸)

۱۸) ابو اسحاق ابراہیم بن الحارث بن مصعب العبادی رحمہ اللہ (امام احمد کے نزدیک پسندیدہ) نے فرمایا: اگر وہ اہلِ بدعت میں سے ہو تو اسے سلام نہ کیا جائے، اس کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے اور نہ اُس کا جنازہ پڑھا جائے۔ (السنۃ للخلال: ۹۴۸ وسندہ صحیح)

۱۹) جو شخص صفاتِ باری تعالیٰ کا اقرار نہ کرے تو اس کے بارے میں امام ابو العباس محمد بن اسحاق بن ابراہیم السراج الثقفی رحمہ اللہ (متوفی ۳۱۳ھ) نے فرمایا: اس کا جنازہ نہ پڑھا جائے۔ الخ (العلو للعلی الغفار تصنیف الحافظ الذہبی ص ۱۵۶، نسخہ محققہ ۲/ ۱۲۳۱، فقرہ: ۴۹۲ وسندہ صحیح، مختصر العلو للعلی الغفار ص ۲۳۲ فقرہ: ۲۸۲)

۲۰) مشہور واعظ اور صالح شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ (متوفی ۵۶۱ھ) نے قرآن کو مخلوق یا لفظی بالقرآن مخلوق کہنے والے بدعتی کے بارے میں فرمایا: اور اس کے پیچھے نماز نہیں پڑھنی چاہئے۔

(الغنیۃ لطالبی طریق الحق ۱/ ۵۸، غنیۃ الطالبین ترجمہ محبوب احمد ۱/ ۱۰۴، ترجمہ عبدالدائم جلالی ص ۱۰۰)

ان کے علاوہ اور بھی بہت سے حوالے ہیں، مثلاً امام زائدہ بن قدامہ الثقفی رحمہ اللہ (متوفی ۱۶۰ھ) کسی منکرِ تقدیر اور کسی بدعتی کو، معلوم ہو جانے کے بعد حدیث نہیں پڑھاتے تھے۔ (الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع ۱/ ۱۳۳ ح ۱۵۰ وسندہ صحیح)

امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جو شخص قرآن کو مخلوق کہے تو اس کا جنازہ نہیں پڑھنا چاہئے اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں کرنا چاہئے۔ الخ

(عقیدۃ اصحاب الحدیث للصابونی: ۷ وسندہ صحیح)

اب عصرِ حاضر کے اہل حدیث علماء کے حوالے پیشِ خدمت ہیں:

۲۱) استاذ محترم شیخ ابو محمد بدیع الدین الراشدی السندھی رحمہ اللہ کے نزدیک بدعتی کے پیچھے نماز نہیں پڑھنی چاہئے۔ دیکھئے اُن کی کتاب: ''امام صحیح العقیدہ ہونا چاہئے''

۲۲) حافظ عبداللہ بہاولپوری رحمہ اللہ بھی غیر اہلِ حدیث کے پیچھے نماز کے قائل نہیں تھے۔ دیکھئے ان کی کتاب: ''اہلِ حدیث کی نماز غیر اہلِ حدیث کے پیچھے''

(رسائل بہاولپوری ص ۵۹۱۔۶۲۲)

۲۳) شیخ صالح بن فوزان الفوزان السعودی سے پوچھا گیا کہ کیا ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے جس کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ ہر جگہ میں ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا: اسے نصیحت کی جائے، ہوسکتا ہے کہ وہ توبہ کرلے، اگر وہ توبہ کرلے تو اُس کے پیچھے نماز پڑھنی چاہئے اور اگر وہ توبہ نہ کرے اور ڈٹا رہے تو اس کے پیچھے نماز نہیں پڑھنی چاہئے، کیونکہ یہ جہمیہ اور حلولیہ (فرقوں) کا عقیدہ ہے اور یہ اللہ کے ساتھ کفر ہے۔

(عقیدۃ الحاج فی ضوء الکتاب والسنۃ ص ۳۳)

۲۴) سعودی شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ الراجحی نے فرمایا:

اگر بدعت یا فسق کفرِ اکبر یا شرکِ اکبر کی طرف لے جاتے ہوں تو (اس کے پیچھے) نماز صحیح نہیں ہے اور اگر پڑھ لے تو اعادہ واجب ہے۔ الخ

(اجوبہ مفیدہ عن اسئلہ عدیدہ [الصلوۃ خلف الفاسق والمبتدع] ۳۶/۱، شاملہ)

انھوں نے فرمایا کہ بدعتِ مکفرہ والے کے پیچھے نماز کے صحیح نہ ہونے پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ الخ (شرح رسالہ کتاب الایمان ۲۵۳/۱ شاملہ)

۲۵) جامعہ اسلامیہ صادق آباد کے مہتمم اور شیخ الحدیث، اُصول کے امام اور غیور، مشہور سلفی عالم حافظ ثناء اللہ زاہدی حفظہ اللہ کے نزدیک بھی اہلِ بدعت کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔

۲۶) ثقہ وصالح اور مسلکِ حق کا دفاع کرنے والے عظیم شیخ ابو صہیب محمد داود ارشد حفظہ اللہ کے نزدیک بھی بدعتیوں کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔

۴۷) ابوالحسن مبشر احمد ربانی صاحب کا بھی یہی موقف ہے۔
دیکھئے آپ کے مسائل اوران کا حل (ج ۱ص ۱۵۱)

۴۸) پروفیسر عبداللہ ناصر رحمانی صاحب کا بھی یہی موقف ہے۔

۴۹) علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمہ اللہ بھی آخری عمر میں بدعتیوں کے پیچھے نماز کے قائل نہیں تھے جیسا کہ عمر فاروق قدوسی بن مولانا عبدالخالق قدوسی رحمہ اللہ نے مجھے بتایا ہے، انھوں نے کہا: ''علامہ صاحب نے دیوبندیوں کے پیچھے نماز نہیں پڑھی بلکہ علیحدہ پڑھی اور یہ واقعہ اُن کی شہادت سے تین دن پہلے کا ہے۔'' اس آخری روایت سے معلوم ہوا کہ علامہ صاحب کا اس مسئلے میں ہر قول وفعل منسوخ ہے جس سے اس آخری روایت کی مخالفت ہوتی ہے اور راجح یہی ہے کہ وہ آخری عمر میں بدعتیوں کے پیچھے نماز کے قائل وفاعل نہیں تھے۔

۳۰) ہمارے شیخ ابوالرجال اللہ دتہ بن کرم الٰہی بن احمد دین السوھدروی اللاھوری رحمہ اللہ بھی بدعتی کے پیچھے نماز کے قائل نہیں تھے اور اس بارے میں وہ بڑا مضبوط موقف رکھتے تھے۔

ان کے علاوہ دوسرے حوالے بھی ہیں۔ مثلاً دیکھئے فتاویٰ محمدیہ (از مفتی محمد عبداللہ عفیف حفظہ اللہ ج ۱ص ۳۰۴)

آثارِ سلف صالحین اور تحقیقاتِ علمائے اہلِ حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ غالی بدعتیوں کے پیچھے نماز نہیں ہوتی، لہٰذا اہلِ حدیث کو چاہئے کہ وہ صحیح العقیدہ اماموں کے پیچھے ہی نماز پڑھیں۔

آخر میں عرض ہے کہ بریلویوں اور دیوبندیوں کا حنفی اور صحیح العقیدہ ہونا ثابت نہیں بلکہ یہ لوگ ماتریدی، جہمی، وجودی صوفی اور غالی بدعتی ہیں۔ تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب: بدعتی کے پیچھے نماز کا حکم (www.ircpk.com)
اور ماہنامہ دعوت اہلِ حدیث (حیدرآباد سندھ) شمارہ: ۱۰اص ۱۷۔۲۴ (اگست ۲۰۱۰ء)

نمازِ جمعہ کی حالت میں فوت ہوجانے والے حافظ محمد قاسم خواجہ بن خواجہ عبدالعزیز بن

اللہ دتہ کشمیری رحمہ اللہ (متوفی ۱۹۹۷ء) نے فرمایا:

''ثابت ہوا کہ دیوبندی اور بریلوی اصل میں دونوں ایک ہیں۔ ان کی لڑائی آپس میں شریکوں کی لڑائی ہے۔'' (معرکۂ حق و باطل ص ۷)

اس سلسلے میں بعض اہلِ حدیث علماء مثلاً حافظ عبداللہ روپڑی، مشہور مناظر اور شیخ ثناء اللہ امرتسری، شیخ عبدالغفار حسن رحمہم اللہ اور حافظ ابو محمد عبدالستار الحماد (فتاویٰ اصحاب الحدیث ۱۱۵/۴) وغیرہم کے فتاویٰ جات قضیۂ مذکورہ سے عدمِ علم اور شاذ کے حکم میں ہیں۔

دیوبندیوں کے ''حکیم الامت'' تھانوی صاحب نے اہلِ حدیث کو ''غیر مقلد'' کے ناپسندیدہ لقب سے ملقب کر کے فتویٰ جاری کیا: ''غیر مقلد بہت طرح کے ہیں۔ بعضے ایسے ہیں کہ اُن کے پیچھے نماز پڑھنا خلاف احتیاط یا مکروہ یا باطل ہے۔ چونکہ پورا حال معلوم ہونا فی الفور مشکل ہے اس لئے احتیاط یہی ہے کہ اُن کے پیچھے نماز نہ پڑھی جاوے۔''

(امداد الفتاویٰ ج ۱ ص ۲۴۹ جواب سوال نمبر ۲۹۳)

اہلِ حدیث کو چاہئے کہ وہ صرف صحیح العقیدہ اماموں کے پیچھے نماز پڑھیں اور اپنی نمازوں کو فاسد، غیر مقبول اور باطل ہونے سے بچائیں۔

غالی اہلِ بدعت سے بغض رکھنا ایمان کی نشانی ہے اور اُن کے پیچھے نماز پڑھنا اس کے منافی ہے، نیز عرض ہے کہ اگر غالی مبتدعین اور ضالین مضلین کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے تو پھر اہلِ حدیث کو اپنی علیحدہ مسجدیں بنانے کی کیا ضرورت ہے؟ سبحان اللہ!

(۱۰/ جولائی ۲۰۱۰ء)

❁❁❁

کیا بدعتِ کبریٰ والے یعنی غالی بدعتی کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے؟

شریعتِ اسلامیہ میں بدعت اور اہلِ بدعت کی مذمت میں بہت سے دلائل ہیں۔

مثلاً:

۱) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ تَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ﴾ اور اُس دن (کچھ) چہرے کالے سیاہ ہوں گے۔ (آل عمران:۱۰۶)

اس کی تشریح میں نبی ﷺ نے فرمایا: ((هم الخوارج .)) وہ خوارج ہیں۔

(مسند الامام احمد ۵/۲۶۲ ح ۲۲۲۵۹ وسندہ حسن وأخطأ من ضعفہ)

سیدنا ابوامامہ الباہلی صُدَی بن عجلان رضی اللہ عنہ نے اس آیت کریمہ کو خوارج کے خلاف پیش کیا اور انھیں "کلاب النار" یعنی جہنم کے کتے قرار دیا۔

(سنن الترمذی: ۳۰۰۰ وقال: "هذا حدیث حسن" وسندہ حسن)

معلوم ہوا کہ قیامت کے دن خاص طور پر خوارج اور عام طور پر اہلِ بدعت کے چہرے کالے ہوں گے۔

۲) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَن أحدث في أمرنا هذا ما ليس فيه فهو رد .))

جس نے ہمارے اس امر (دین) میں بدعت نکالی تو وہ رد (یعنی مردود) ہے۔

(صحیح بخاری: ۲۶۹۷، صحیح مسلم: ۱۷۱۸، ترقیم دارالسلام: ۴۴۹۲)

ایک روایت میں آیا ہے کہ ((من أحدث في ديننا ما ليس فيه فهو رد .))

جس نے ہمارے دین میں کوئی نئی بات (بدعت) نکالی تو وہ مردود ہے۔

(جزء فیہ من حدیث لوین: ۱۷ وسندہ صحیح)

۳) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((و شر الأمور محدثاتها و كل بدعة ضلالة .))

اور بُرے اُمور بدعات ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ (صحیح مسلم: ۸۶۷، ترقیم دارالسلام: ۲۰۰۵)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "كل بدعة ضلالة و ان رأها الناس حسناً." اور ہر بدعت گمراہی ہے اور اگرچہ لوگ اسے حَسن (اچھا) سمجھتے ہوں۔

(السنۃ للمروزی: ۷۰ وسندہ صحیح)

۴) نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((**و إياكم و محدثات الأمور فإن كلّ محدثة بدعة و إن كلّ بدعة ضلالة .**)) اور (دین) میں مُحدَث کاموں سے بچو، کیونکہ ہر مُحدَث بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ (مسند الامام احمد ۴/۱۲۶ ح ۱۷۱۴۴، وسندہ حسن)

اسے ابو داود (۴۶۰۷) ترمذی (۲۶۷۶) حاکم (۱/۹۵۔۹۶) اور ابن ماجہ (۴۲ وسندہ صحیح) وغیرہم نے مختلف سندوں اور اس مفہوم کے ساتھ روایت کیا ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے کتاب السنۃ للامام محمد بن نصر المروزی (بتحقیق سلیم الہلالی ص ۲۱۵۔۲۲۸)

۵) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((**و إنه سيخرج في أمتي أقوام تجارى بهم تلك الأهواء كما يتجارى الكلب لصاحبه .**)) بے شک میری اُمت میں ایسی قومیں نکلیں گی جن میں بدعات اس طرح سرایت کر جائیں گی جیسے باؤلے کتے کے کاٹے ہوئے شخص میں باؤلے پن کی بیماری سرایت کر جاتی ہے۔

(سنن ابی داود: ۴۵۹۷ وسندہ حسن، نیز دیکھئے اضواء المصابیح: ۱۷۲)

۶) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے نزدیک سب سے ناپسندیدہ تین آدمی ہیں الخ پھر آپ نے ان تینوں میں اسلام میں جاہلیت کا طریقہ تلاش کرنے والے شخص کا ذکر کیا۔ دیکھئے صحیح بخاری (۶۸۸۲) اور اضواء المصابیح (۱۴۲)

۷) نبی کریم ﷺ کی ایک مشہور متواتر حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کی اُمت میں تہتر فرقے ہو جائیں گے، جن میں صرف ایک جنتی ہے اور باقی سب جہنم میں جائیں گے۔

دیکھئے سنن ابی داود (۴۵۹۷ وسندہ حسن) سنن ابن ماجہ (۳۹۹۲ وسندہ حسن) المعجم الکبیر

للطبرانی (۳۲۱/۸ ح ۸۰۳۵ وسندہ حسن) اور سنن ترمذی (۲۶۴۰ وقال: حسن صحیح) وغیرہ۔

امام ابوبکر محمد بن الحسین الآجری رحمہ اللہ (متوفی ۳۶۰ھ) نے فرمایا: اللہ اُس بندے پر رحم کرے جس نے ان فرقوں سے ڈرایا اور بدعات سے دُوری اختیار کی، اس نے اتباع کی اور بدعات کی پیروی نہیں کی، اس نے آثار کو لازم پکڑا اور صراطِ مستقیم کی طلب کی اور اپنے مولیٰ کریم (اللہ) سے مدد مانگی۔ (الشریعہ ص ۱۸، دوسرا نسخہ ص ۲۰، الحدیث حضرو: ۴۷ ص ۸)

۸) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((من وقر صاحب بدعة فقد أعان علٰی هدم الإسلام .)) جس نے کسی بدعتی کی عزت کی تو اس نے اسلام کو گرانے میں مدد کی۔

(الشریعہ للآجری ص ۹۶۲ ح ۲۰۴۰ وسندہ حسن، الحدیث حضرو: ۶۰ ص ۵)

۹) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((فمن رغب عن سنتي فليس مني .))

پس جس نے میری سنت سے رُوگردانی کی (یعنی کوئی دوسرا راستہ اختیار کیا) تو وہ مجھ سے نہیں ہے۔ (صحیح بخاری: ۵۰۶۳، صحیح مسلم: ۱۴۰۱)

ہر صحیح العقیدہ آدمی کو معلوم ہے کہ اہلِ بدعت کی یہ خاص نشانی ہے کہ وہ سنت سے رُوگردانی کرتے ہیں اور اپنے چہرے سنت سے پھیر کر دوسری طرف رواں دواں رہتے ہیں۔

۱۰) نبی ﷺ نے اپنی سنت کے تارک پر لعنت بھیجی ہے۔ دیکھئے سنن الترمذی (۲۱۵۴ وسندہ حسن) صحیح ابن حبان (الاحسان: ۵۷۱۹، دوسرا نسخہ: ۵۷۴۹) اور الحدیث حضرو: ۳۹ ص ۷ (اضواء المصابیح: ۱۰۹)

اس باب میں اور بھی کئی دلائل ہیں اور اسی منہج (بدعات سے نفرت اور سنت سے محبت) پر صحابہ کرام، تابعین عظام اور سلف صالحین گامزن رہے۔ مثلاً:

☆ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بدعتی شخص کے سلام کا جواب نہیں دیا۔

دیکھئے سنن الترمذی (۲۱۵۲ وقال: ھذا حدیث حسن صحیح) اور اضواء المصابیح (۱۰۶)

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اُن مبتدعین سے براءت کا اعلان فرمایا، جنھوں نے تقدیر کا انکار کیا تھا۔ دیکھئے صحیح مسلم (۸، ترقیم دارالسلام: ۹۳)

☆ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا:" فإياكم و ما ابتدع فإن ما ابتدع ضلالة"
پس تم اپنے آپ کو بدعات سے بچائے رکھنا، کیونکہ جو بھی بدعت نکالی گئی وہ گمراہی ہے۔
(سنن ابی داود: ۴۶۱۱ وسندہ صحیح)

☆ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:" وشرّ الأمور محدثاتها " اور سب سے بُرے کام بدعتیں ہیں۔ (صحیح بخاری: ۷۲۷۷)

آپ نے بدعتیوں کو مسجد سے نکال دیا تھا۔ دیکھئے سنن الدارمی (۲۱۰ وسندہ حسن)

☆ ثقہ تابعی امام ابوقلابہ الجرمی الشامی رحمہ اللہ نے فرمایا: بے شک بدعتی لوگ گمراہ ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ وہ دوزخ میں ہی جائیں گے۔ (سنن الدارمی: ۱۰۱، وسندہ صحیح)

☆ امام حسان بن عطیہ رحمہ اللہ نے فرمایا: جو لوگ اپنے دین میں بدعت نکالتے ہیں تو اللہ اُس کے بدلے میں اُن سے سنت اُٹھالیتا ہے۔ (سنن الدارمی: ۹۹ وسندہ صحیح، ملخصاً مفہوماً)

☆ امام ابوادریس الخولانی رحمہ اللہ نے فرمایا: اگر میں دیکھوں کہ مسجد میں آگ لگی ہوئی ہے جسے میں بجھا نہیں سکتا تو یہ میرے نزدیک اس سے بہتر ہے کہ میں مسجد میں کوئی بدعت دیکھوں جسے میں مٹا نہ سکوں۔ (السنۃ للمروزی: ۸۸ وسندہ حسن، دوسرا نسخہ: ۹۹)

اس طرح کے اور بھی بہت سے آثار ہیں۔

بدعت کی کئی اقسام میں سے دو قسمیں بہت زیادہ مشہور ہیں:

۱: بدعتِ صغریٰ مثلاً سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے افضل سمجھنا یعنی تشیع۔

۲: بدعتِ کبریٰ مثلاً معتزلہ، جہمیہ، روافض اور منکرینِ حدیث وغیرہ۔

حافظ ذہبی نے رفض (رافضیت) کو بدعتِ کبریٰ قرار دیا ہے۔

دیکھئے میزان الاعتدال (ج ۱ ص ۶، دوسرا نسخہ ج ۱ ص ۱۱۸)

بدعتِ کبریٰ کو بدعتِ مکفرہ بھی کہتے ہیں۔ نیز دیکھئے اختصار علوم الحدیث لابن کثیر (ص ۸۳ نوع: ۲۳) فتح الباری (۱۰/ ۴۶۶) ہدی الساری (ص ۳۸۵، ۴۵۹) اور میری کتاب: بدعتی کے پیچھے نماز کا حکم (ص ۸)

بدعتِ مکفر ہ یعنی بدعتِ کبریٰ والے بدعتی امام کے بارے میں راجح تحقیق یہی ہے کہ اُس کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔ ایک شخص نے قبلے کی طرف تھوکا تو رسول اللہ ﷺ نے اُسے امامت سے ہٹا دیا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا:

((لا يصلي لكم .)) یہ تمھیں نماز نہ پڑھائے۔

(سنن ابی داود: ۴۸۱ وسندہ حسن، صحیح ابن حبان، موارد الظمآن: ۳۳۴، الاحسان: ۱۶۳۴، دوسرا نسخہ: ۱۶۳۶)

جب ایک خطا کار کے پیچھے نماز ممنوع ہے تو کٹر اور غالی بدعتی کے پیچھے بدرجۂ اولیٰ نماز نہیں پڑھنی چاہئے، جیسا کہ اس حدیث کے مفہوم سے ثابت ہے۔

بدعت کبریٰ والے یعنی غالی بدعتی کے پیچھے نماز نہ پڑھنے کے بارے میں سلف صالحین کے بیس (۲۰) حوالے پیشِ خدمت ہیں:

۱) مدینہ طیبہ کے مشہور امام مالک بن انس المدنی رحمہ اللہ (صاحب الموطأ) نے فرمایا:
" لا يصلّى خلف القدرية " قدریہ (یعنی منکرینِ تقدیر) کے پیچھے نماز نہیں پڑھنی چاہئے۔ (کتاب القدر للفریابی: ۲۱۹ وسندہ صحیح، الکفایہ للخطیب ص ۱۲۴)

۲) امام عبداللہ بن احمد بن حنبل نے اپنے والد (امام اہلِ سنت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ) سے اہلِ بدعت کے پیچھے نماز پڑھنے کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا: " لا يصلّي خلفهم مثل الجهمية والمعتزلة . " ان کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے، جیسے جہمیہ اور معتزلہ۔ (کتاب السنۃ لعبداللہ بن احمد ج ۱ ص ۱۰۳ ح ۵، مخطوط مصور ص ۲)

صالح بن احمد بن حنبل نے امام احمد بن حنبل سے پوچھا: جسے یہ ڈر ہو کہ وہ ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھتا ہے جسے وہ نہیں جانتا؟ تو امام احمد نے فرمایا: " يصلّي فإن تبين له أنه صاحب بدعة أعاد " نماز پڑھ لے، پھر جب اسے معلوم ہو جائے کہ وہ (امام) بدعتی تھا تو وہ نماز دوبارہ پڑھے۔ (مسائل صالح ج ۲ ص ۲۵ ح ۵۶۲)

حافظ ذہبی نے صالح بن احمد (یعنی مسائل صالح) سے نقل کیا کہ امام احمد نے فرمایا: واقفی اور لفظی کے پیچھے نماز نہیں پڑھنی چاہئے۔ (تاریخ اسلام ج ۱۸ ص ۸۴)

واقفی اسے کہتے ہیں جو قرآن کے بارے میں توقف کرے یعنی مخلوق یا غیر مخلوق نہ کہے اور لفظی سے مراد وہ شخص ہے جو کہے: لفظی بالقرآن مخلوق ہے۔

امام احمد سے پوچھا گیا کہ لفظی بالقرآن مخلوق کہنے والے کے پیچھے نماز پڑھنی چاہئے؟ تو انھوں نے فرمایا: " لا یصلّی خلفه ولا یجالس ولا یکلّم ولا یسلّم علیه . "

نہ اُس کے پیچھے نماز پڑھی جائے، نہ اس کے پاس بیٹھا جائے، نہ اس سے کلام کیا جائے اور نہ اسے سلام کہا جائے۔ (مسائل احمد، روایۃ ابن ہانی ج ۱ ص ۶۰ فقرہ: ۲۹۵)

جو شخص سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو گالی دے تو اس کے بارے میں امام احمد نے فرمایا: اس کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے۔ (مسائل ابن ہانی: ۲۹۶)

اس طرح کے اقوال کہ "بدعتی کے پیچھے نماز نہیں پڑھنی چاہئے" امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے متواتر ثابت ہیں۔ نیز دیکھئے السنۃ لعبداللہ بن احمد (۴) شرح مذاہب اہل السنۃ لابن شاہین (۲۰) سیرۃ الامام احمد لصالح (۱/۶۷، شاملہ) مسائل ابن ہانی (۳۰۹) السنۃ للخلال (ص ۴۹۴ فقرہ: ۷۸۵ وسندہ صحیح، النھی عن الصلوٰۃ علی الخوارج فقرہ: ۱۳۷، وسندہ صحیح) اور دیگر متعلقہ کتب

۳) صحیحین کے راوی اور ثقہ امام سلام بن ابی مطیع البصری صاحبِ سنت نے فرمایا: " الجھمیة کفار لا یصلّی خلفھم " جہمیہ کفار ہیں، ان کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے۔ (مسائل احمد روایۃ ابی داود ص ۲۶۸ وسندہ صحیح، السنۃ لعبداللہ بن احمد: ۹)

نیز دیکھئے بدعتی کے پیچھے نماز کا حکم (۸۔۹ طبعہ اولیٰ)

٤) امام وکیع بن الجراح رحمہ اللہ (متوفی ۱۹۷ھ) نے فرمایا: " لا یصلّی خلفھم " ان (جہمیہ) کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے۔ (السنۃ لعبداللہ بن احمد: ۳۳ وسندہ صحیح)

۵) ثقہ امام یزید بن ہارون الواسطی رحمہ اللہ (متوفی ۲۰۶ھ) سے جہمیہ کے پیچھے نماز پڑھنے کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: " لا " یعنی اُن کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے۔ اُن سے مرجیہ کے پیچھے نماز پڑھنے کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا:

بے شک وہ خبیث ہیں۔ (السنہ:۵۵ وسندہ صحیح)

۶) امیر المومنین فی الحدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: " ما أبالي صليت خلف الجهمي و الرافضي أم صليت خلف اليهود و النصارى ... " مجھے کوئی پروانہیں کہ جہمی اور رافضی کے پیچھے نماز پڑھوں یا یہود ونصاریٰ کے پیچھے نماز پڑھوں...

(خلق افعال العباد ص ۲۲ فقرہ:۵۳)

یعنی امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک جہمیوں اور رافضیوں کے پیچھے نماز نہیں ہوتی، جس طرح کہ یہود ونصاریٰ کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔

۷) امام سفیان ثوری رحمہ اللہ (متوفی ۱۶۱ھ) سے ایک آدمی نے پوچھا: میرے گھر کے دروازے پر (یعنی بالکل قریب یا سامنے) ایک مسجد ہے جس کا امام صاحبِ بدعت (بدعتی) ہے؟ انھوں نے فرمایا: " لا تصلّ خلفه " تُو اُس کے پیچھے نماز نہ پڑھ۔

اُس نے کہا: بارش والی رات ہوتی ہے اور میں بوڑھا آدمی ہوں؟ انھوں نے فرمایا: تُو اُس کے پیچھے نماز نہ پڑھ۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۷ ص ۲۸ وسندہ حسن)

۸) امام انس بن عیاض ابوضمرہ المدنی رحمہ اللہ (متوفی ۲۰۰ھ) سے پوچھا گیا کہ کیا میں جہمیہ کے پیچھے نماز پڑھوں؟ تو انھوں نے فرمایا: نہیں۔ (السنہ لعبداللہ بن احمد:۲۷ وسندہ صحیح)

۹) ثقہ عابد وزاہد امام زہیر بن نعیم البابی رحمہ اللہ نے فرمایا: اگر تمھیں یقین ہو جائے کہ وہ (امام) جہمی ہے تو نماز کا اعادہ کرو (یعنی اپنی نماز دوبارہ پڑھو) چاہے جمعہ ہو یا دوسری کوئی نماز ہو۔ (السنۃ لعبداللہ بن احمد:۱/۷۳، وسندہ صحیح)

زہیر البابی کو احمد بن ابراہیم الدورقی یا عبداللہ بن احمد (السنہ: ۹) اور ابن حبان (الثقات ۸/۲۵۶) نے ثقہ قرار دیا اور اُن پر کسی محدث کی کوئی جرح نہیں ہے۔

۱۰) مشہور ثقہ امام ابوعبید القاسم بن سلام رحمہ اللہ کے نزدیک بدعتی کے پیچھے پڑھی ہوئی نماز دہرانی چاہئے۔ (السنہ لعبداللہ بن احمد:۷۵ وسندہ صحیح)

۱۱) جب قرآن مجید کو مخلوق کہا جانے لگا تو پھر امام یحییٰ بن معین اپنی نمازِ جمعہ دوبارہ

پڑھتے تھے۔ (السنۃ لعبداللہ بن احمد:۷۶ وسندہ صحیح)

۱۲) ثقہ امام احمد بن عبداللہ بن یونس رحمہ اللہ نے فرمایا: " لا یصلّی خلف من قال : القرآن مخلوق ، ھولاء کفار " جو شخص قرآن کو مخلوق کہے تو اس کے پیچھے نماز نہیں پڑھنی چاہئے، یہ کفار ہیں۔ (مسائل ابی داود ص ۲۶۸ وسندہ صحیح)

۱۳) امام ابوالحسن احمد بن محمد بن ثابت بن عثمان الخزاعی المروزی عرف ابن شبویہ رحمہ اللہ نے اس شخص جو کلامِ باری تعالیٰ یا اللہ کے علم کو مخلوق کہے، کے بارے میں فرمایا:
" لا یصلّی علیہ ولا یصلّی خلفہ ... " نہ اس کا جنازہ پڑھا جائے اور نہ اُس کے پیچھے نماز پڑھی جائے... (السنۃ لعبداللہ بن احمد:۱۷۹، وسندہ صحیح)

۱۴) حرب بن سریج ابوسفیان البزاز (حسن الحدیث وثقہ الجمہور) نے امام ابوجعفر محمد بن علی (بن الحسین الباقر) رحمہ اللہ سے منکرینِ تقدیر کے بارے میں نقل کیا کہ " فمن رأیتم منھم إمامًا یصلّي بالناس فلا تصلّوا وراءہ ... من صلّی خلف أولئك فلیعد الصلوۃ ." پس اگر تم ان میں سے کسی کو دیکھو کہ امام بن کر لوگوں کو نماز پڑھاتا ہے تو اس کے پیچھے نماز نہ پڑھو... جس نے ان لوگوں کے پیچھے نماز پڑھی تو اسے اپنی نماز دوبارہ پڑھنی چاہئے۔ (الشریعۃ للآجری ص ۲۲۴ ح ۴۹۵ وسندہ حسن، القدر للفریابی:۲۹۳ وسندہ حسن)

۱۵) امام لیث بن سعد المصری رحمہ اللہ (متوفی ۱۷۵ھ) نے منکرِ تقدیر کے بارے میں فرمایا:" ما ھو بأھل أن یعاد في مرضہ ولا یرغب فی شھود جنازتہ ولا تجاب دعوتہ " وہ اس کا مستحق نہیں کہ اُس کی بیمار پرسی کی جائے، اس کے جنازے میں حاضری کو ناپسند کیا جاتا ہے اور اس کی دعوت کو قبول نہیں کیا جاتا۔

(الشریعۃ للآجری ص ۲۲۷ ح ۵۰۹ وسندہ حسن)

جس کا جنازہ نہیں پڑھا جاتا تو اس کے پیچھے نماز کیوں کر پڑھی جا سکتی ہے؟ لہٰذا اس اثر کے مفہوم سے معلوم ہوا کہ امام لیث بن سعد بھی اہلِ بدعت کے پیچھے نماز کے قائل نہیں تھے۔

۱۶) امام ابوبکر محمد بن الحسین الآجری رحمہ اللہ (متوفی ۳۶۰ھ) نے خوارج، قدریہ،

مرجیہ، جہمیہ، معتزلہ، تمام روافض، تمام نواصب اور گمراہ مبتدعین (والے شخص) کے بارے میں فرمایا:" ولا یسلّم علیه ولا یصلّی خلفه ... " اسے سلام نہیں کہنا چاہئے اور اس کے پیچھے نماز نہیں پڑھنی چاہئے... (الشریعہ طبعہ محققہ ص ۹۶۰ قبل ح ۲۰۳۹)

۱۷) قوام السنہ اسماعیل بن محمد بن الفضل الاصبہانی رحمہ اللہ (متوفی ۵۳۵ھ) نے فرمایا:" و أصحاب الحدیث لا یرون الصلوة خلف أهل البدع لئلا یراه العامة فیفسدون بذلك " اور اصحاب حدیث (یعنی اہل حدیث) کی رائے (یعنی نتیجۂ تحقیق) میں اہلِ بدعت کے پیچھے نماز نہیں پڑھنی چاہئے تاکہ عوام اسے دیکھ کر خراب نہ ہو جائیں۔ (الحجہ فی بیان المحجہ وشرح عقیدہ اہل السنہ ۲/۵۰۸)

اس اثر میں قوام السنہ نے بدعتِ صغریٰ والوں کے پیچھے نماز پڑھنے کی نفی فرمائی ہے تاکہ صحیح العقیدہ عوام کے عقیدے خراب نہ ہو جائیں۔

۱۸) امام احمد بن حنبل کے نزدیک پسندیدہ ابو اسحاق ابراہیم بن الحارث بن مصعب العبادی رحمہ اللہ نے فرمایا:" إذا کان صاحب بدعة فلا یسلّم علیه ولا یصلّی خلفه ولا علیه ." اگر وہ اہلِ بدعت میں سے ہو تو اسے سلام نہ کیا جائے، اس کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے اور نہ اُس کا جنازہ پڑھا جائے۔ (السنہ للخلال: ۹۴۸ وسندہ صحیح)

۱۹) امام ابو العباس محمد بن اسحاق بن ابراہیم السراج الثقفی رحمہ اللہ (متوفی ۳۱۳ھ) نے فرمایا: جو شخص اس کا اقرار نہ کرے اور ایمان نہ لائے کہ "اللہ تعالیٰ تعجب اور ضحک (جیسا کہ حدیث میں آیا ہے) فرماتا ہے، ہر رات کو آسمانِ دنیا پر نازل ہو کر فرماتا ہے: کون ہے جو مجھ سے سوال کرے تو میں اُسے دے دوں؟" تو وہ زندیق کافر ہے، اسے توبہ کرائی جائے، اگر توبہ کرے (تو خیر) ورنہ اس کی گردن اُڑا دی جائے، نہ اس کا جنازہ پڑھا جائے اور نہ اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے۔ (العلو للعلی الغفار تصنیف الحافظ الذہبی ص ۱۵۶، نسخہ محققہ ۲/۱۲۳۱، فقرہ: ۴۹۲ وسندہ صحیح مختصر العلو للعلی الغفار تصنیف الالبانی ص ۲۳۲ فقرہ: ۲۸۲)

جب ان صفاتِ باری تعالیٰ کے منکر (جو صحیح حدیث اور آیات کا علم ہو جانے کے

باوجود انکار کرے) کی نمازِ جنازہ امام ابوالعباس السراج رحمہ اللہ کے نزدیک جائز نہیں تو ایسے منکر کے پیچھے نماز کس طرح جائز ہو سکتی ہے؟ یعنی اس قول کے مفہوم سے معلوم ہوا کہ مسند سراج اور حدیث السراج وغیرہما مفید کتابوں کے مصنف امام السراج الثقفی کے اصول پر بدعتِ مکفرہ کے مرتکب کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے۔

۲۰) مشہور واعظ شیخ عبدالقادر بن ابی صالح الجیلانی الحسنی الحنبلی (متوفی ۵۶۱ھ) نے قرآن کو مخلوق یا لفظی بالقرآن مخلوق کہنے والے بدعتی کے بارے میں فرمایا:

"ولا یصلّی خلفہ" اور اس کے پیچھے نماز نہیں پڑھنی چاہئے۔ (الغنیۃ لطالبی طریق الحق ج۱ ص ۵۸، غنیۃ الطالبین ترجمہ محبوب احمد ج۱ ص ۱۰۴، غنیۃ الطالبین ترجمہ عبدالدائم جلالی ص ۱۰۰)

بیس حوالے پورے ہوئے اور ان کے علاوہ اور بھی کئی حوالے تلاش کئے جا سکتے ہیں۔ مثلاً: امام ابوداود الطیالسی رحمہ اللہ نے زبردست ثقہ امام زائدہ بن قدامہ الثقفی (متوفی ۱۶۰ھ) کے بارے میں فرمایا: "و کان لا یحدّث قدریاً و لا صاحب بدعۃ یعرفہ"

وہ کسی منکرِ تقدیر اور کسی بدعتی کو حدیث نہیں پڑھاتے تھے، جسے وہ جانتے تھے۔

(الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع للخطیب ۱/۳۳۱ ح ۷۵۰ وسندہ صحیح)

کئی حوالے جو میری شرط پر نہیں تھے مثلاً شرح السنۃ للبربہاری، السنۃ للالکائی وغیرہما، تو میں نے انھیں چھوڑ دیا ہے۔

سلف صالحین کے اس فہم کا خلاصہ یہ ہے کہ غالی بدعتی اور کٹر گمراہ کے پیچھے نماز نہیں ہوتی، لہٰذا اہلِ حدیث کو چاہئے کہ وہ صحیح العقیدہ اماموں کے پیچھے ہی نماز پڑھیں۔

حنفی، شافعی، حنبلی اور مالکی ہونا اور فقہی مذاہب کی طرف منسوب ہونا بدعتِ کبریٰ نہیں بلکہ بدعتِ صغریٰ اور بعض حالتوں میں اجتہادی خطا ہے، لیکن یاد رہے کہ دیوبندی اور بریلوی فرقوں کا حنفی ہونا ثابت نہیں بلکہ یہ دونوں فرقے ماتریدی، وحدت الوجودی اور بدعتِ کبریٰ والے غالی بدعتی ہیں۔

تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب: بدعتی کے پیچھے نماز کا حکم (www.ircpk.com)

دیوبندیوں (آلِ دیوبند) کے چند عقائد کا مختصر تعارف درج ذیل ہے:

۱: آلِ دیوبند عقیدۂ وحدت الوجود کے قائل ہیں۔ دیکھئے شمائم امدادیہ (ص۳۲) کلیاتِ امدادیہ (ص۲۱۸) اور مقالات سواتی (حصہ اول ۳۷۴۔۳۷۸)

۲: آلِ دیوبند کے نزدیک ائمہ اربعہ میں سے صرف ایک امام (مثلاً ابوحنیفہ) کی تقلیدِ شخصی واجب ہے۔

۳: آلِ دیوبند عقائد میں ماتریدی، جہمی اور وجودی صوفی ہیں۔
نیز دیکھئے تقریر ترمذی للتھانوی (ص۲۰۳۔۲۰۴)

۴: آلِ دیوبند اہلِ حدیث (یعنی اہلِ سنت) سے سخت بغض رکھتے ہیں اور اہلِ حدیث کو غیر مقلدین وغیرہ القاب سیئہ سے یاد کرتے ہیں۔

۵: آلِ دیوبند نے بعض مقامات پر (مثلاً بنگرام میں) اہلِ حدیث مساجد کو شہید بھی کیا ہے۔

۶: آلِ دیوبند کے پیر کے نزدیک رسول اللہ ﷺ مشکل کشا ہیں۔ مثلاً دیکھئے کلیاتِ امدادیہ (ص۹۰۔۹۱) اور محمد زاہد الحسینی دیوبندی کی کتاب: عقائد حقہ

''عقائدِ حقہ'' پوری کتاب شرکیہ اور غلط عقائد سے لبریز ہے اور اُن لوگوں کے چہرے پر زبردست طمانچہ ہے جو یہ کہتے ہیں کہ دیوبندیوں کی عقائد کی کتابوں میں شرکیہ عبارات اور غلط و باطل عقائد نہیں ہیں۔

۷: آلِ دیوبند استواء الرحمٰن علی العرش پر ایمان نہیں لاتے بلکہ کہتے ہیں: ''خدا ہر جگہ موجود ہے۔'' دیکھئے محمود حسن گنگوہی کی ملفوظات فقیہ الامت (ج۲ ص۱۴)

۸: آلِ دیوبند سخت اکابر پرست ہیں۔

۹: آلِ دیوبند بدعت کی طرف علانیہ دعوت دیتے ہیں۔

۱۰: آلِ دیوبند معتزلہ اور خوارج وغیرہما کی طرح منکرینِ حدیث اور اہلِ باطل ہیں۔
مثلاً: دیکھئے احسن الفتاویٰ (۵۰/۳) تقلید کی شرعی حیثیت (ص ۸۷) اور ایضاح الادلہ

(ص ۲۷۶ طبع قدیم) وغیرہ

نیز تفصیل کے لئے دیکھئے بدعتی کے پیچھے نماز کا حکم (ص ۵ تا ۴۴)

بعض اہلِ حدیث علماء وعوام بریلویوں کے بارے میں بہت سخت موقف رکھتے ہیں، انھیں مشرکین اور مبتدعین وغیرہ القاب سے یاد کرتے ہیں، لیکن دیوبندیوں کے بارے میں بڑا نرم گوشہ رکھتے ہیں اور انھیں اہلِ توحید میں سے سمجھتے ہیں۔ ان کے لئے دو حوالے پیشِ خدمت ہیں:

۱: نمازِ جمعہ کی حالت میں فوت ہو جانے والے مولانا وحبنا حافظ محمد قاسم خواجہ بن خواجہ عبدالعزیز بن اللہ دتہ کشمیری رحمہ اللہ (متوفی ۱۹۹۷ء) نے فرمایا:

''ثابت ہوا کہ دیوبندی اور بریلوی اصل میں دونوں ایک ہیں۔ ان کی لڑائی آپس میں شریکوں کی لڑائی ہے۔'' (معرکۂ حق و باطل ص ۷)

۲: سید طالب الرحمٰن صاحب نے ایک کتاب لکھی ہے: ''بریلوی + دیوبندی اصل میں دونوں ایک ہیں'' مطبوعہ ادارہ احیاء السنہ گرجاکھ۔ گوجرانوالہ

جن اہلِ حدیث علماء نے دیوبندیوں کو حنفیت، اہلِ سنت یا اہلِ توحید میں ذکر کیا اور اُن کے پیچھے نماز پڑھنے کے جواز کا فتویٰ دیا، انھیں دیوبندیوں کے اصل عقائد اور اعمال معلوم نہیں تھے، ورنہ وہ ایسا فتویٰ ہرگز نہ دیتے، لہٰذا ایسے تمام فتاویٰ منسوخ اور شاذ کے حکم میں ہو کر ناقابلِ قبول ہیں۔

عصرِ حاضر کے بہت سے اہلِ حدیث علمائے کرام کے نزدیک غالی بدعتیوں کے پیچھے نماز نہیں ہوتی، جن میں سے بعض کے حوالے درج ذیل ہیں:

۱: شیخ ابو محمد بدیع الدین شاہ الراشدی رحمہ اللہ۔

دیکھئے اُن کی کتاب: ''امام صحیح العقیدہ ہونا چاہئے''

۲: پروفیسر حافظ عبداللہ بہاولپوری رحمہ اللہ۔ دیکھئے اُن کی کتاب: ''اہل حدیث کی نماز غیر اہل حدیث کے پیچھے'' (رسائل بہاولپوری ص ۵۹۱ تا ۶۲۲)

۳: شیخ صالح بن فوزان السعودی سے پوچھا گیا: کیا ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے جس کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ ہر جگہ میں ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا: اسے نصیحت کی جائے، ہوسکتا ہے کہ وہ توبہ کر لے، اگر وہ توبہ کر لے تو اُس کے پیچھے نماز پڑھنی چاہئے اور اگر وہ توبہ نہ کرے اور ڈٹا رہے تو اُس کے پیچھے نماز نہیں پڑھنی چاہئے کیونکہ یہ جہمیہ اور حلولیہ (فرقوں) کا عقیدہ ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر ہے۔

(عقیدۃ الحاج فی ضوء الکتاب والسنۃ ص ۳۳)

۴: سعودی شیخ عبدالعزیز الراجحی نے فرمایا:

" أما إذا كانت البدعة أو الفسق يوصلانه إلى الكفر الأكبر أو الشرك الأكبر فلا تصح الصلوة و إذا صلّى يجب إعادتها كما لو صلّى خلف من يدعو غير اللّٰه أو من يذبح للأولياء أو طلب المدد من غيره أو ينذر للصالحين أو ينكر وجود اللّٰه أو أن اللّٰه حال في المخلوقات فلا تصح الصلوة و إذا صلّى يجب إعادتها ." اگر بدعت یا فسق کفرِ اکبر یا شرکِ اکبر کو لے جاتے ہوں تو (اس کے پیچھے) نماز صحیح نہیں ہے اور اگر پڑھ لے تو اعادہ (دوبارہ پڑھنا) واجب ہے، جس طرح غیر اللہ کو پکارنے والے، اولیاء کے لئے ذبح کرنے والے، غیر اللہ سے (مافوق الاسباب) مدد مانگنے والے، صالحین کے لئے نذر ماننے والے، اللہ کی ذات کا انکار کرنے والے یا اس شخص کے پیچھے کوئی نماز پڑھے جو یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوقات میں حلول کئے ہوئے ہے تو نماز نہیں ہوتی اور اگر پڑھ لے تو نماز کا دہرانا واجب ہے۔

(اجوبۃ مفیدہ عن اسئلہ عدیدہ، الصلوٰۃ خلف الفاسق والمبتدع ۱/۳۶، شاملہ)

۵: جامعہ اسلامیہ صادق آباد کے مہتمم اور شیخ الحدیث، اُصول کے امام، غیور اور مشہور سلفی عالم حافظ ثناء اللہ زاہدی حفظہ اللہ کے نزدیک بھی غالی بدعتیوں اور خاص طور پر دیوبندیوں اور بریلویوں کے پیچھے نماز نہیں ہوتی، جیسا کہ انھوں نے مجھے خود بتایا ہے۔

۶: ثقہ وصالح اور مسلکِ حق کا دفاع کرنے والے شیخ محمد داود ارشد حفظہ اللہ کے نزدیک

بدعتیوں اور خاص طور پر دیوبندیوں و بریلویوں کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔

۷: مشہور عالم اور مناظر ابوالحسن مبشر ربانی صاحب کے نزدیک بھی بدعقیدہ کے پیچھے نماز نہیں ہوتی، مثلاً انھوں نے لکھا ہے: ''تو جب امام مشرک ہوگا اور اس کا اپنا عمل اللہ کے ہاں مقبول نہیں تو اس کی اقتدا میں ادا کی جانی والی نماز بھی کیونکر مقبول ہو گی۔ امام کے لئے ضروری ہے کہ وہ صحیح العقیدہ ہو۔ جس شخص کا عقیدہ صحیح نہیں وہ امامت کے لائق کیسے ہوسکتا ہے۔'' (مجلۃ الدعوۃ، جولائی ۱۹۹۲ء آپ کے مسائل اور ان کا حل ج ۱ ص ۱۵۱، واللفظ لہ)

۸: مشہور عالم اور اہلِ سندھ کے مایۂ ناز مبلغ پروفیسر عبداللہ ناصر رحمانی صاحب کے نزدیک بھی مبتدعین اور گمراہوں کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔

دیکھئے ''امام صحیح العقیدہ ہونا چاہئے'' کا مقدمہ (ص ۳۔۹)

۹: مشہور خطیب اور مسلکِ اہلِ حدیث کا دفاع کرنے والے علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمہ اللہ بھی آخری عمر میں دیوبندیوں کے پیچھے نماز کے قائل نہیں تھے، جیسا کہ عمر فاروق قدوسی بن مولانا عبدالخالق قدوسی رحمہ اللہ نے مجھے بتایا ہے۔

انھوں نے بتایا کہ ''علامہ صاحب نے دیوبندیوں کے پیچھے نماز نہیں پڑھی بلکہ علیحدہ پڑھی اور یہ واقعہ اُن کی شہادت سے تین دن پہلے کا ہے'' لہٰذا اس آخری روایت کے مقابلے میں علامہ صاحب کا اس مسئلے میں ہر قول یا فعل منسوخ ہے اور راجح یہی ہے کہ وہ آخری عمر میں دیوبندیوں اور دیگر بدعتیوں کے پیچھے نماز کے قائل و فاعل نہیں تھے۔ رحمہ اللہ

۱۰: مفتی محمد عبیداللہ خان عفیف حفظہ اللہ سے بدعتی اور قبر پرست امام کے پیچھے نماز کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: ''قبر پرست اور بدعتی کو امام مقرر کرنا شرعاً جائز نہیں...'' (فتاویٰ محمدیہ منہج سلف صالحین کے مطابق ج ۱ ص ۴۳۰)

ان کے علاوہ اور بھی بہت سے علماء مثلاً میرے شیخ اور محبوب مولانا ابوالرجال اللہ دتہ بن کرم الٰہی بن احمد دین السوہدروی اللاہوری رحمہ اللہ وغیرہ بھی بدعتی کے پیچھے نماز کے قائل نہیں تھے اور موجودین (علمائے حاضر) میں سے بہت سے جلیل القدر علماء کا یہی عقیدہ، منہج

اور تحقیق ہے۔

اہلِ بدعت کے پیچھے نماز پڑھنے کے جواز کے بارے میں حافظ عبداللہ روپڑی رحمہ اللہ، شیخ عبدالغفار حسن رحمہ اللہ، ابومحمد حافظ عبدالستار الحماد (فتاویٰ اصحاب الحدیث ج ۲ ص ۱۱۵) وغیرہم کے فتاویٰ جات کئی وجہ سے غلط ہیں۔ مثلاً:

۱: یہ احادیثِ نبویہ کے عموم کے خلاف ہیں۔

۲: یہ سلف صالحین کے متفقہ فہم کے خلاف ہیں۔

۳: انھیں مبتدعین مذکورہ کے اصل عقائد کا علم نہیں تھا، لہٰذا انھوں نے محض حسنِ ظن سے کام لیا۔

۴: اہلِ بدعت سے بغض رکھنا ایمان کی نشانی ہے اور ان کے پیچھے نماز پڑھنا اس کے منافی ہے۔

عرض ہے کہ اگر گمراہوں کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے تو پھر اہلِ حدیث کو اپنی علیحدہ مسجدیں بنانے کی کیا ضرورت ہے؟ سبحان اللہ!

۵: اہلِ حدیث سے دیوبندی اور بریلوی حضرات بہت بغض رکھتے ہیں اور اہلِ حدیث کے پیچھے نماز نہ پڑھنے کے فتوے بھی جاری کرتے رہتے ہیں۔ مثلاً:

آلِ دیوبند کے ''حکیم الامت'' اشرفعلی تھانوی صاحب نے اہلِ حدیث کو ''غیر مقلد'' کے مکروہ لقب سے ملقب کر کے کہا: ''غیر مقلد بہت طرح کے ہیں بعض ایسے ہیں کہ ان کے پیچھے نماز پڑھنا خلاف احتیاط یا مکروہ یا باطل ہے۔ چونکہ پورا حال معلوم ہونا فی الفور مشکل ہے اس لئے احتیاط یہی ہے کہ اُن کے پیچھے نماز نہ پڑھی جاوے۔''

(امداد الفتاویٰ ج ۱ ص ۲۴۹ جواب سوال نمبر ۲۹۳)

خلاصۃ التحقیق یہ ہے کہ غالی بدعتیوں کے پیچھے نماز نہیں ہوتی بلکہ عام بدعتیوں کے پیچھے بھی نماز نہیں پڑھنی چاہئے، نیز اہلِ حدیث کو چاہئے کہ وہ صرف صحیح العقیدہ اماموں کے پیچھے نماز پڑھیں اور اپنی نمازوں کو فاسد و غیر مقبول ہونے سے بچائیں۔ (۹/ جولائی ۲۰۱۰ء)

دیوبندی اشتہار: ہم نماز میں امام کے پیچھے قرأت کیوں نہیں کرتے؟ کا جواب

دلیل نمبر 1

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: " واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلكم ترحمون"

(سورۃ الاعراف: ۲۰۴)

ترجمہ: "جب قرآن مجید پڑھا جائے تو خوب توجہ سے سنو اور بالکل خاموش رہا کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔"

تفسیر: "قال الامام الحافظ المحدث المفسر ابن ابی حاتم الرازی رحمہ اللہ ثنا یونس رحمہ اللہ بن عبد الاعلی رحمہ اللہ انبا ابن وهب ابو صخر رحمہ اللہ عن محمد بن کعب القرظی رحمہ اللہ قال: کان رسول الله ﷺ اذا قرء فی الصلاۃ اجابه من وراءه ان قال بسم الله الرحمن الرحیم قالوا مثل ما یقول حتی تنقضی الفاتحة والسورة. فلبث ما شاء الله ان یلبث. ثم نزلت (واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلكم ترحمون) فقرء وانصتوا."

(تفسیر ابن ابی حاتم الرازی: ج ۴ ص ۱۶۵۹ حدیث نمبر ۹۴۹۰، کتاب القراۃ امام بیہقی رحمہ اللہ ص ۸۹ حدیث نمبر ۲۲۷)

ترجمہ: حضرت محمد بن کعب قرظی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پہلے آپ ﷺ نماز پڑھاتے تو پیچھے نماز پڑھنے والے بھی ساتھ ساتھ کلمات دہراتے جاتے اگر آپ ﷺ بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھتے تو پیچھے والے بھی بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھتے یہاں تک کہ فاتحہ اور سورۃ مکمل ہو جاتی اور یہ سلسلہ جب تک اللہ نے چاہا چلتا رہا۔ پھر جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلكم ترحمون) تو آپ ﷺ قرأت فرماتے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خاموش رہتے۔

دیوبندی دلیل نمبر ۱ کا جواب: سورت الاعراف کی آیت نمبر ۲۰۴ کی تفسیر میں محمد بن کعب القرظی رحمہ اللہ کی روایت بحوالہ تفسیر ابن ابی حاتم وغیرہ نقل کی گئی ہے۔

صحیح یہ ہے کہ محمد بن کعب القرظی ۴۰ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ (تقریب التہذیب: ۶۲۵۷)

لہٰذا یہ روایت مرسل یعنی منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے فرمایا:" والمرسل من الروايات في أصل قولنا و قول أهل العلم بالأخبار ليس بحجة ." "حالانکہ احادیث میں مرسل روایت ہمارے اور محدثین اہل علم کے قول کے مطابق حجت نہیں ہے" (صحیح مسلم درسی نسخہ ج ۱ ص ۲۲، ترجمہ محمد زکریا اقبال دیوبندی ج ۱ ص ۱۸۹۔۱۹۰)

یاد رہے کہ آیتِ کریمہ: ﴿ و اذا قرئ القرآن ... ﴾ إلخ سے "قراءت فی الصلوۃ مراد نہیں" جیسا کہ تھانوی صاحب نے کہا ہے۔

دیکھئے الکلام الحسن (ج ۲ ص ۲۱۲) ملفوظات حکیم الامت (ج ۲۶ ص ۳۳۵)

دلیل نمبر 2

"قال الامام الحافظ المحدث ابو عوانة حدثنا سهل بن بحر الجنديسابوري قال ثنا عبدالله بن رشيد قال حدثنا ابو عبيدة عن قتادة عن يونس بن جبير عن حطان بن عبدالله الرقاشي عن ابی موسی الاشعری قال: قال رسول الله ﷺ اذا قرء الامام فانصتوا واذا قال غير المغضوب عليهم ولا الضالين فقولوا آمين."

(صحیح ابی عوانہ ج ۲ ص ۱۳۰، حدیث نمبر ۱۳۳۶، سنن ابن ماجہ ص ۶۱ باب اذا قرء الامام فانصتوا)

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو اور جب امام (غیر المغضوب علیهم ولا الضالین) کہے تو تم "آمین" کہو۔

نمبر ۲ کا جواب: و اذا قرأ فانصتوا والی روایت منسوخ ہے۔ دیکھئے نمبر ۳ کا جواب

دلیل نمبر 3

"قال الامام الحافظ المحدث ابو عبدالله محمد بن يزيد بن ماجة القزويني حدثنا ابوبكر بن ابی شيبة ثنا ابو خالد الاحمر عن ابن عجلان عن زيد بن اسلم عن ابی صالح عن ابی هريرة قال: قال رسول الله ﷺ انما جعل الامام ليؤتم به فاذا كبر فكبروا واذا قرء فانصتوا واذا قال غير المغضوب عليهم ولا الضالين فقولوا آمين" ...الحديث

(سنن ابن ماجہ ص ۶۱ باب اذا قرء الامام فانصتوا، سنن النسائی ج ۱ ص ۱۴۶ باب تاویل قوله عزوجل واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلكم ترحمون)

ترجمہ: حضرت ابوہریرۃ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "امام اس لیے بنایا جاتا ہے تاکہ اس کی اقتداء کی جائے جس وقت امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب امام قرآن مجید کی قرأت کرے تو تم خاموش رہو جس وقت امام غیر المغضوب علیهم ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو۔

نمبر ۳ کا جواب: اس حدیث (اذا قرأ الإمام فانصتوا) کے راوی سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "جب امام سورۃ فاتحہ پڑھے تو تم بھی وہ پڑھو..." الخ

(آثار السنن حدیث نمبر ۳۵۸ وقال: "واسنادہ حسن" ترجمہ محمد اشرف دیوبندی)

فقیر اللہ دیوبندی نے لکھا ہے: ''احناف کے ہاں اصول یہ ہے کہ صحابی کا فتویٰ اپنی مرفوع روایت کے خلاف اس کے منسوخ ہونے کی دلیل ہے'' (خاتمۃ الکلام ص ۲۹۹)

اس حنفی اصول سے ثابت ہوا کہ درج بالا حدیث منسوخ ہے۔ (نیز دیکھئے تجلیاتِ صفدر ۴/۱۴۵)

دلیل نمبر 4

''قال الامام الحافظ المحدث مالک بن انس رحمہ اللہ عن ابن شهاب رحمہ اللہ عن ابن اکیمة اللیثی رحمہ اللہ عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ ان رسول الله ﷺ انصرف من صلوة جهر فيها بالقراءة فقال هل قرء معي منكم احد آنفا؟ فقال رجل نعم انا یا رسول الله ﷺ! قال، فقال رسول الله ﷺ انی اقول مالی انازع القرآن فانتهی الناس عن القراءة مع رسول الله ﷺ''..... الحدیث

(موطا امام مالک ص ۲۹ باب ترک القراءة خلف الامام فیما جهر فیه شرح تنویر الحوالک ج ۱ ص ۱۰۳
باب ترک القراءة خلف الامام فیما جہر بہ)

ترجمہ: حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے جہری نماز جس میں امام بلند آواز سے قرأت کرتا ہے، سے فارغ ہونے تو مڑ کر فرمایا کہ تم میں سے کسی نے میرے پیچھے قرآن مجید پڑھا ہے؟ لوگوں (صحابہ رضی اللہ عنہم) میں سے ایک شخص نے کہا میں (آپ کے پیچھے قرآن مجید پڑھ رہا تھا) یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں بھی کہوں کہ میرے ساتھ کیوں قرآن کا جھگڑا ہو رہا ہے؟'' اس دن کے بعد لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز میں قرآن مجید پڑھنے سے رک گئے۔

نمبر ۴ کا جواب: اس حدیث میں ''فانتهی الناس '' إلخ کے الفاظ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے باسند صحیح ثابت نہیں، بلکہ یہ امام زہری کا مدرج قول ہے۔ (المدرج الی المدرج ص ۲۱ ح ۶)

اور اس میں بھی فاتحہ خلف الامام مراد نہیں، جیسا کہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

''اس حدیث میں ایسی کوئی بات نہیں جس سے قرأت خلف الامام کے قائلین پر اعتراض ہو سکے...'' الخ (ح ۳۱۲، مترجم ج ۱ ص ۲۱۶)

دلیل نمبر 5

''قال الامام الحافظ المحدث الفقيه الاعظم ابو حنيفه نعمان بن ثابت رحمہ اللہ عن موسی بن ابی عائشه رحمہ اللہ عن عبد الله بن شداد بن الهاد اللیثی ابی الولید رحمہ اللہ عن جابر بن عبد الله رضی اللہ عنہ ان رجلا قرأ خلف النبي ﷺ في الظهر او العصر قال: قال فاومأ اليه رجل فنهاه فأبى فلما انصرف قال اتنهاني ان اقرأ خلف النبي ﷺ فتذاكرا ذالک حتی سمع رسول الله ﷺ فقال النبي ﷺ من صلى خلف الامام فان قراءة الامام له قراءة''

(کتاب الآثار امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ بروایۃ القاضی ابی یوسف رحمہ اللہ

ص ۳۲، حدیث نمبر ۱۱۳، مسند ابی حنیفہ رحمہ اللہ بروایۃ ابی محمد حارثی رحمہ اللہ ص ۱۲۶، حدیث نمبر ۲۸۲)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضور ﷺ کے پیچھے ظہر یا عصر کی نماز میں قرآن پڑھا تو دوسرے آدمی نے اس کو اشارے سے روکا (کہ وہ قرآن مجید کی قرأت امام کے پیچھے کرے) جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو اس نے اس روکنے والے سے کہا: ''کیا تو مجھ کو نبی ﷺ کے پیچھے قرآن پڑھنے سے روکتا ہے؟'' یہ مسئلہ ان دونوں کے درمیان چل رہا کہ حضور ﷺ نے یہ سن لیا آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے یعنی مقتدی کو امام کی قرأت کافی ہے۔''

نمبر۵ کا جواب: ابومحمد عبداللہ بن محمد بن یعقوب الحارثی کذاب راوی ہے۔

(دیکھئے میزان الاعتدال ج۲ص۴۹۶ ت۴۵۷۱، دوسرا نسخہ ج۴ص۱۸۹)

اور قاضی ابو یوسف کی طرف منسوب کتاب الآثار میں عبداللہ بن شداد اور سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے درمیان ابوالولید راوی ہے۔ (ص۲۳ ح۱۱۳)

یہ ابوالولید راوی مجہول ہے۔ دیکھئے سنن دارقطنی (ج۱ص۳۲۵ ح۱۲۲۳) اور کتاب القراءت خلف الامام للبیہقی (ص۱۲۷ ح۳۱۶)

مجہول کی روایت ضعیف ہوتی ہے اور یاد رہے کہ بعض کذابین کا "عن أبی الولید" میں عن کے لفظ کو غلط کہنا بذاتِ خود غلط ہے۔

دلیل نمبر 6

"قال الامام الحافظ المحدث ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی رحمہ اللہ حدثنا احمد بن داود رحمہ اللہ قال ثنا یوسف بن عدی رحمہ اللہ قال ثنا عبیداللہ بن عمرو رحمہ اللہ عن ایوب رحمہ اللہ عن ابی قلابة رحمہ اللہ عن انس رضی اللہ عنہ قال صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم اقبل بوجهه فقال اتقرءون والامام یقرأ فسکتوا فسألهم ثلاثاً فقالوا انا لنفعل هذا. قال: فلا تفعلوا"

(سنن الطحاوی ج۱ص۲۰۵ باب القراءة خلف الامام احکام القرآن ملاء

طحاوی رحمہ اللہ ج۱ص۲۰۵)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کیا تم (اس وقت بھی) قراءت کرتے ہو (جبکہ) امام بھی قراءت کرتا ہے؟ لوگ (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) خاموش رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) تین مرتبہ سوال کیا تو انہوں (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) نے کہا "ہم امام کے پیچھے قراءت کرتے تھے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم امام کے پیچھے قراءت نہ کیا کرو۔"

نمبر۶ کا جواب: طحاوی کی کتاب میں یہ روایت انتہائی مختصر طور پر لکھی ہوئی ہے اور اس کا آخری حصہ رہ گیا ہے، جبکہ درج ذیل کتابوں میں یہ روایت مکمل متن کے ساتھ موجود ہے:

۱: جزء القراءۃ للبخاری (ح۲۵۵)

۲: صحیح ابن حبان (موارد الظمآن: ۴۵۸۔۴۵۹)

۳: مسند ابی یعلیٰ (۱۸۷/۵۔۱۸۸ ح۲۸۰۵)

۴: سنن دارقطنی (۳۴۰/۱ ح۱۲۷۳)

۵: السنن الکبریٰ للبیہقی (۱۶۶/۲)

کتاب القراءت للبیہقی (ص۲۷، ص۱۴۰، ص۸۲ ح۱۷۵)

مکمل متن والی روایت میں لکھا ہے کہ نبی ﷺ نے (مقتدیوں سے) فرمایا:

پس ایسا نہ کرو اور تم میں سے ہر آدمی سورۂ فاتحہ اپنے دل میں (سراً، خاموشی سے) پڑھے۔

اس سے تو فاتحہ خلف الامام کا مسئلہ ثابت ہو گیا اور محمد الیاس گھمن دیوبندی کا اشتہاری استدلال باطل ہوا۔

دلیل نمبر 7

"قال الامام الحافظ المحدث الفقیہ الاعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ عن موسی بن ابی عائشۃ رحمہ اللہ عن عبد اللہ بن شداد بن الہاد رحمہ اللہ عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: من کان لہ امام فقراءۃ الامام لہ قراءۃ"

(مسند ابی حنیفہ رحمہ اللہ بروایۃ محمد الحارثی رحمہ اللہ ص ۳۱۱ حدیث نمبر ۲۷۶، مسند ابی حنیفہ رحمہ اللہ بروایۃ ابی نعیم رحمہ اللہ ص ۲۰۵ حدیث نمبر ۳۰۹)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص امام کے پیچھے ہو تو امام کی قرأت ہی مقتدی کی قرأت ہے۔"

نمبر۷ کا جواب: اس میں ابو محمد الحارثی کذاب ہے۔ (دیکھئے نمبر۵ کا جواب)

اور ابو نعیم الاصبہانی کی دو سندوں میں ابو الولید (مجہول راوی) ہے۔

(دیکھئے مسند الامام ابی حنیفہ لابی نعیم ص ۲۲۸۔۲۲۹)

لہٰذا یہ روایت ابو الولید کی وجہ سے ضعیف و مردود ہے۔

ایک روایت میں ابو الولید کا ذکر ہونا اور دوسری میں اس کا ذکر رہ جانا، اس کی دلیل نہیں کہ یہ روایت ابو الولید کے ذکر کے بغیر ہے۔ ورنہ پھر المزید فی متصل الاسانید والے اصول کی رُو سے عبد اللہ بن شداد اور سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کے درمیان سماع کی تصریح پیش کریں۔!

دلیل نمبر 8

"قال الامام الحافظ المحدث عبدالرزاق رحمہ اللہ

اخبرنی موسی بن عقبۃ رحمہ اللہ ان رسول اللہ ﷺ وابابکر رضی اللہ عنہ

وعمر رضی اللہ عنہ وعثمان رضی اللہ عنہ کانو اینھون عن القرائۃ خلف الامام."

(مصنف عبدالرزاق ج ۲ ص ۹۰ باب القرائۃ خلف الامام، عمدۃ

القاری ج ۳ ص ۴۳۹ باب وجوب القرائۃ الامام والماموم)

ترجمہ: حضرت موسیٰ بن عقبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ، حضرت

ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے قرأت کرنے

سے روکتے تھے۔

نمبر ۸ کا جواب: یہ روایت منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف و مردود ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں (اس کے راوی) موسیٰ بن عقبہ کا پیدا ہونا ثابت نہیں ہے۔

دلیل نمبر 9

"عن زید بن اسلم رحمہ اللہ قال کان عشرۃ من اصحاب رسول اللہ ﷺ ینھون عن القرائۃ خلف الامام اشد النھی ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ وعمر الفاروق رضی اللہ عنہ وعثمان بن عفان رضی اللہ عنہ وعلی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ وعبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ وسعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ وعبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وزید بن ثابت رضی اللہ عنہ وعبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ وعبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ"

(عمدۃ القاری ج ۳ ص ۴۳۹ باب وجوب القراءۃ الامام والماموم ۔۔۔ الخ) ج ۲ ص ۱۲

ترجمہ: حضرت زید بن اسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے دس:

(۱) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

(۲) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

(۳) حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

(۴) حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

(۵) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ

(۶) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

(۷) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

(۸) حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ

(۹) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ

(۱۰) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ

امام کے پیچھے قرأت کرنے سے سختی سے روکتے تھے۔

نمبر ۹ کا جواب: عمدۃ القاری (ہمارا نسخہ ج ۶ ص ۱۳ تحت ح ۷۵۶) میں یہ روایت عبداللہ بن محمد بن یعقوب الحارثی السبذمونی کے حوالے سے ہے اور یہ حارثی کذاب تھا، جیسا کہ نمبر ۵ کے جواب کے تحت گزر چکا ہے۔

اور اس موضوع روایت کے برعکس بہت سے صحابہ کرام مثلاً سیدنا عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ سے فاتحہ خلف الامام ثابت ہے۔ دیکھئے میری کتاب: الکواکب الدریہ (ص ۸۴۔۱۰۳)

دلیل نمبر (10)

"روی الامام الحافظ المحدث الفقیہ مالک بن انس رحمہ اللہ عن نافع رحمہ اللہ ان عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کان اذا سئل ھل یقرأ احد خلف الامام؟ قال: اذا صلی احدکم خلف الامام فحسبہ قراءۃ الامام. واذا صلی وحدہ فلیقرء وکان عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ لایقرء خلف الامام."

(موطا امام مالک ص ۶۹ باب ترک القرءۃ خلف الامام، موطا امام محمد ص ۹۵ باب القرءۃ فی الصلاۃ خلف الامام)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے جب سوال کیا جاتا ہے کہ کیا کوئی امام کے پیچھے قرأت کرے؟ تو اس کے جواب میں فرمایا کرتے تھے کہ جب تم میں سے کوئی امام کے پیچھے ہو تو اس کو امام کی قرأت کافی ہے اور جب اکیلا نماز پڑھے تو قرأت کرے اور خود حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے قرأت نہیں کرتے تھے۔

نمبر ۱۰ کا جواب: اس موقوف روایت میں فاتحہ خلف الامام سے منع نہیں کیا گیا، بلکہ اس کا ترجمہ مع مفہوم وشرح درج ذیل ہے:

اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے جہری نمازوں میں (سورۂ فاتحہ کے علاوہ) قراءت نہیں کرتے تھے یا جہراً قراءت نہیں کرتے تھے۔

اب چند آثارِ صحابہ مع اختصار پیشِ خدمت ہیں:

۱: سیدنا عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۷۵ ح ۳۷۷۰ وسندہ صحیح ملخصاً)

نیز دیکھئے سرفراز خان صفدر کی کتاب: احسن الکلام (ج ۲ ص ۱۴۲، دوسرا نسخہ ج ۲ ص ۱۵۶)

۲: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھ۔

(کتاب القراءت للبیہقی ص ۱۹۸ ح ۴۳۶ وقال: "و ھذا إسناد صحیح لا غبار علیه")

۳: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فاتحہ خلف الامام کے قائل تھے۔ دیکھئے نمبر ۳ کا جواب

۴: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے شاگرد کو امام کے پیچھے قراءت (فاتحہ پڑھنے) کا حکم دیا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ نسخہ محمد عوامہ ج ۳ ص ۲۶۷ ح ۳۷۶۹ وسندہ حسن)

خود سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: " إني لأستحي من ربّ هذه البنية أن أصلّي صلاة لا أقرأ فیها و لو بأم الكتاب " میں اس گھر (بیت اللہ) کے رب سے حیا کرتا ہوں کہ میں ایسی نماز پڑھوں جس میں قراءت نہ کروں، اگرچہ (صرف) سورۂ فاتحہ ہی کیوں نہ ہو۔ (جزء القراءت للبخاری: ۴۸ وسندہ صحیح، نصر الباری ص ۹۸)

نافع سے روایت ہے کہ ابن عمر (رضی اللہ عنہ) جب امام کے ساتھ ہوتے (تو) سورۂ فاتحہ پڑھتے، پھر لوگ آمین کہتے تو آپ بھی آمین کہتے اور اسے سنت قرار دیتے۔

(صحیح ابن خزیمہ ج ۱ ص ۲۸۷ ح ۵۷۲ وسندہ حسن، القول المتین ص ۴۳)

اس کے راوی اسامہ بن زید اللیثی المدنی رحمہ اللہ جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ و صدوق تھے۔ و ما علینا إلا البلاغ (۲۸/ اکتوبر ۲۰۱۰ء)

نماز کے چالیس مسائل بادلائل

الحمد للّٰہ ربّ العالمین والصّلوٰۃ والسّلام علٰی رسولہ الأمین :خاتم النبیین ورضي اللّٰہ عن أصحابہ أجمعین و رحمۃ اللّٰہ علی التابعین و من تبعھم بإحسان إلٰی یوم الدین ، أما بعد:

حافظ ظہور احمد دیوبندی حضروی نے اکابرِ دیوبند کی اندھی تقلید اور مسلکِ حق: اہلِ سنت (اہل حدیث) کے خلاف ''چہل حدیث مسائلِ نماز'' نامی ایک کتاب لکھی ہے، جس میں مغالطات اور دھوکے بازیوں کے علاوہ ضعیف روایات اور کثرت سے غلط استدلالات پیش کئے گئے ہیں۔ ہمارے اس تحقیقی مضمون میں اختصار اور جامعیت کے ساتھ ظہور احمد کے ''دلائل'' اور شبہات کا رد پیشِ خدمت ہے:

بطورِ تنبیہ عرض ہے کہ دیوبندی حضرات اپنے دیوبندی اکابر کی خود ساختہ فقہ کے مقلد ہیں، لہٰذا فقۂ حنفی اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ان لوگوں کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

حدیث نمبر۱: اوقاتِ نماز کے سلسلے میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث ہے کہ اول وقت میں نماز پڑھنا سب سے افضل عمل ہے۔ دیکھئے صحیح ابن خزیمہ (۱۶۹/۱ ح ۳۲۷ وسندہ صحیح) اور میری کتاب: ہدیۃ المسلمین (ص ۲۱ ح ۵، طبع دسمبر ۲۰۰۸ء)

حدیث نمبر۲: صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ ظہر کا وقت زوال سے شروع ہو کر ایک مثل پر ختم ہو جاتا ہے۔ دیکھئے صحیح ابن خزیمہ (۱۶۸/۱ ح ۳۲۵) اور نیموی کی آثار السنن (ح ۱۹۴، وقال: واسنادہ حسن)

۱: امام ابوحنیفہ سے یہ بات باسند صحیح ہرگز ثابت نہیں ہے کہ ظہر کا وقت دو مثل تک رہتا ہے۔

۲: ایک حدیث میں آیا ہے کہ یہودیوں نے آدھے دن (دوپہر) تک عمل کیا، عیسائیوں

نے عصر تک عمل کیا اور مسلمانوں نے مغرب تک عمل کیا۔ مسلمانوں کا وقت کم تھا، لیکن یہود و نصاریٰ کے مقابلے میں اجر دوگنا ہے۔ (صحیح بخاری: ۳۴۵۹ ملخصاً)

بعض الناس کا اس حدیث سے استدلال کر کے ظہر یا عصر کی نمازیں دیر سے پڑھنا کئی وجہ سے باطل ہے۔ مثلاً:

اول: مسلمانوں کا وقت یہودیوں اور عیسائیوں کے مجموعی وقت سے بہت کم ہے۔

دوم: سورج کے زوال سے لے کر ایک مثل تک کا وقت ایک مثل سے لے کر مغرب تک کے کل وقت سے کم ہوتا ہے۔ دیکھئے ھدیۃ المسلمین (ص ۲۵)

۳: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے فتوے "ظہر کی نماز پڑھو جب تمھارا سایہ تمھارے مثل (برابر) ہو جائے اور عصر کی نماز پڑھو جب تمھارا سایہ تمھارے دو مثل ہو جائے۔" کا مطلب یہ ہے کہ زوال سے لے کر ایک مثل تک ظہر کی نماز پڑھ لو اور ایک مثل سے لے کر دو مثل تک عصر کی نماز پڑھ لو۔ دیکھئے التعلیق الممجد (ص ۴۱ حاشیہ: ۹)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اس فتوے کے آخر میں آیا ہے کہ " **وصلّ الصبح بغبش یعني الغلس** " اور صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھ۔ (موطأ امام مالک ج ۱ ص ۸ ح ۷ تحقیقی و سندہ صحیح)

دیوبندی حضرات اس فتوے کی مخالفت کر کے غیر رمضان میں صبح کی نماز روشنی میں پڑھتے ہیں۔ مزید تفصیل کے لئے ہدیۃ المسلمین (ح ٦) کا مطالعہ کریں۔

حدیث نمبر ۳: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ظہر کی نمازیں پڑھتے تھے تو گرمی سے بچنے کے لئے اپنے کپڑوں پر سجدہ کرتے تھے۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۷۷ ح ۵۴۲، صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۲۵ ح ۶۲۰)

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ گرمیوں میں بھی ظہر کی نماز جلدی پڑھنی چاہئے۔

سوید بن غفلہ رحمہ اللہ (تابعی) نے فرمایا کہ ہم ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے پیچھے اول وقت میں نمازِ ظہر ادا کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۲۳ ح ۳۲۷۱ و سندہ صحیح)

جن احادیث میں ظہر کی نماز ٹھنڈی کر کے پڑھنے کا حکم آیا ہے، اُن کا تعلق سفر کے

ساتھ ہے۔ دیکھئے صحیح بخاری (ج ۱ ص ۷۷ ح ۵۳۹)

حدیث نمبر۴: عصر کی نماز ایک مثل پر پڑھنی چاہئے۔

دیکھئے سنن الترمذی (ج ۱ ص ۳۸۔۳۹ ح ۱۴۹، وقال: ''حدیث حسن'' وسندہ حسن)

ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ عصر کی نماز تاخیر سے پڑھتے تھے، جب تک سورج سفید اور شفاف رہتا۔ (سنن ابی داود: ۴۰۸)

اس روایت کی سند دو مجہول راویوں: محمد بن یزید الیمامی اور یزید بن عبدالرحمٰن دونوں کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔ دیکھئے ہدیۃ المسلمین (ص ۲۵ ح ۷)

اگر کوئی کہے کہ امام ابوداود نے اس حدیث پر سکوت کیا ہے تو عرض ہے کہ آلِ دیوبند کے نزدیک کسی حدیث پر امام ابوداود کا سکوت حجت نہیں ہے۔ مثلاً:

ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فجر کی نماز پڑھائی، پھر آپ نے صحابۂ کرام سے کہا: کیا تم امام کے پیچھے قراءت کرتے ہو؟ صحابہ نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: ایسا نہ کرو! سوائے سورۂ فاتحہ کے، کیونکہ جو اسے نہیں پڑھتا تو اس کی نماز نہیں ہوتی۔

(سنن ابی داود: ۸۲۳ ملخصاً)

اس حدیث پر امام ابوداود نے سکوت کیا ہے، لیکن محمد سرفراز خان صفدر دیوبندی کڑمنگی نے اس کے راوی محمد بن اسحاق بن یسار کو ''کذاب ودجال'' لکھا ہے۔

دیکھئے احسن الکلام (ج ۲ ص ۸۴، دوسرا نسخہ ج ۲ ص ۹۴)

ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بعض لوگوں سے فرمایا: رسول اللہ ﷺ ظہر کی نماز تم سے جلدی پڑھتے تھے، جبکہ تم عصر کی نماز آپ سے جلدی پڑھتے ہو۔ (سنن الترمذی: ۱۶۱)

اس حدیث سے عصر کی نماز تاخیر سے پڑھنے پر استدلال دو وجہ سے باطل ہے؟

اول: اس میں عصر کی نماز تاخیر سے پڑھنے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

دوم: بعض لوگوں کے بارے میں یہ صراحت کہیں بھی نہیں ہے کہ وہ ظہر کی نماز کس وقت پڑھتے تھے اور عصر کی نماز کس وقت پڑھتے تھے؟

صحیح اور صریح احادیث کو چھوڑ کر متشابہات اور غیر واضح روایات کے پیچھے وہی لوگ بھاگتے ہیں جو دلائلِ صحیحہ سے سراسر عاری ہوتے ہیں۔

حدیث نمبر ۵: یہ صحیح ہے کہ نمازِ مغرب کا وقت غروب آفتاب کے بعد سے لے کر شفق (سفیدی یا سرخی) کے غائب ہونے (یعنی عشاء کے دخول) تک رہتا ہے۔

سیدنا جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ کی جس روایت میں نمازِ مغرب اور شفق کا ذکر آیا ہے، اس میں نمازِ ظہر زوالِ شمس سے لے کر ایک مثل تک، اور تقریباً ایک مثل سے لے کر دو مثل تک نمازِ عصر کا ذکر آیا ہے۔ (دیکھئے مجمع الزوائد ج ۱ ص ۳۰۴ وقال: رواہ الطبرانی فی الاوسط واسنادہ حسن)

حدیث کے ایک ٹکڑے سے استدلال کرنا اور دوسرے ٹکڑے کو چھپا لینا اُن لوگوں کا طریقہ ہے جنھیں ﴿ المغضوب علیهم ﴾ کہا گیا ہے۔

حدیث نمبر ۶: اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ غروبِ آفتاب کے ساتھ نمازِ مغرب کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور نمازِ مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھنے کا جواز صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ دیکھئے صحیح بخاری (۱۱۸۳، ۱۱۸۴)

حدیث نمبر ۷: یہ صحیح ہے کہ عشاء کی نماز تاخیر سے پڑھنا افضل ہے، لیکن کوئی شخص عشاء کا وقت داخل ہونے کے بعد کسی بھی وقت یہ نماز پڑھ لے تو جائز ہے۔

حدیث نمبر ۸: سنن ابی داود کی ایک روایت میں آیا ہے کہ "**ثم کانت صلاته بعد ذلك التغلیس حتی مات ولم یعد إلٰی أن یسفر**" پھر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی وفات تک اندھیرے میں (صبح کی) نماز پڑھتے رہے اور (دوبارہ) روشنی میں نماز نہیں پڑھی۔

(سنن ابی داود: ۳۹۴، ولہ شاہد فی مستدرک الحاکم ۱/ ۱۹۰ ح ۶۸۲ فالحدیث بہ حسن)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس روایت میں "نمازِ فجر کو خوب روشن کر کے پڑھو" آیا ہے، وہ منسوخ ہے۔ نیز دیکھئے ہدیۃ المسلمین (ح ۸)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اور صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھو۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ۱/ ۴۵۶ وسندہ حسن)

حدیث نمبر۹: جن احادیث میں طلوعِ شمس، دو پہر اور غروبِ شمس کے وقت نماز پڑھنے سے منع کا ذکر آیا ہے، اُن کا مطلب یہ ہے کہ ان اوقات میں وہ نوافل نہ پڑھے جائیں، جن کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

رہی وہ نمازیں جو دلیل سے ثابت ہیں مثلاً نمازِ جنازہ، خطبۂ جمعہ کے دوران میں دو رکعتیں اور صبح کی دو سنتیں وغیرہا تو وہ ان اوقاتِ ممنوعہ میں بھی دلائلِ مخصوصہ کی وجہ سے جائز ہیں۔

حدیث نمبر۱۰: اذان کے کلمات درج ذیل ہیں:

اللّٰه أكبر اللّٰه أكبر ، اللّٰه أكبر اللّٰه أكبر – أشهد أن لا إله إلا اللّٰه ، أشهد أن لا إله إلا اللّٰه – أشهد أن محمدًا رسول اللّٰه ، أشهد أن محمدًا رسول اللّٰه – حي على الصلٰوة ، حي على الصلٰوة – حي على الفلاح ، حي على الفلاح – اللّٰه أكبر اللّٰه أكبر – لا إله إلا اللّٰه . (سنن ابی داود:۴۹۹ وسندہ حسن)

اقامت کے کلمات درج ذیل ہیں:

اللّٰه أكبر ، اللّٰه أكبر – أشهد أن لا إله إلا اللّٰه – أشهد أنّ محمدًا رسول اللّٰه – حي على الصلٰوة – حي على الفلاح – قد قامت الصلٰوة ، قد قامت الصلٰوة– اللّٰه أكبر ، اللّٰه أكبر – لا إله إلا اللّٰه . (سنن ابی داود:۴۹۹ وسندہ حسن)

اگر اذان ترجیع (۱۹/کلمات) والی ہو تو پھر اقامت کے کلمات دہرے (۱۷/کلمات) ہیں۔ دیکھئے سنن ابی داود (۵۰۲) اور آثار السنن (۲۳۷، ۲۳۸)

جن روایات میں عام اذان اور دہری اقامت کا ذکر آیا ہے وہ سب کی سب ضعیف ہیں مثلاً مصنف ابن ابی شیبہ (۱/۲۳۱، دوسرا نسخہ ج۱ص۲۰۳ح۲۱۱۸) کی جس روایت میں آیا ہے کہ "پھر اس نے اقامت کہی جس طرح اس نے اذان کہی تھی۔"

یہ روایت اعمش (مدلس) کے عن کی وجہ سے ضعیف ہے۔ دیکھئے میری کتاب: انوار السنن فی تحقیق آثار السنن (۲۳۳) لہٰذا اس سند کو صحیح کہنا غلط ہے۔

دیوبندیوں کی اذان و اقامت کا طریقہ کسی صحیح حدیث میں موجود نہیں ہے، غالباً اسی

وجہ سے ظہور احمد نے اپنی اذان کا ثبوت حکیم محمد صادق سیالکوٹی (اہل حدیث) کی کتاب صلوٰۃ الرسول (ص ۱۵۳، ۱۵۴) سے پیش کیا ہے، جو اس کی دلیل ہے کہ یہ لوگ اس مسئلے میں صحیح حدیث سے خالی دامن ہیں۔ نیز دیکھئے تحقیقی مقالات (ج ۲ ص ۱۴۸)

حدیث نمبر ۱۱: رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے تو اپنے کندھوں تک رفع یدین کرتے... الخ (موطأ امام مالک، روایۃ ابن القاسم: ۵۹ بتحقیقی، صحیح بخاری: ۷۳۵)

آپ ﷺ سے کانوں تک رفع یدین کرنا بھی ثابت ہے۔ (دیکھئے صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۶۸ ح ۳۹۱)

ثابت ہوا کہ کندھوں تک اور کانوں تک دونوں طرح رفع یدین پر عمل نبی کریم ﷺ کا طریقہ ہے۔ بعض الناس کا یہ دعویٰ کہ "مردوں کے لئے کانوں تک ہاتھ اٹھانا اور عورتوں کے لئے کندھوں تک ہاتھ اُٹھانا سنت ہے" بغیر دلیل ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ایک روایت میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے رفع یدین کیا، یہاں تک کہ اپنے انگوٹھوں کو کانوں کے برابر لے گئے۔ الخ (سنن الدارقطنی ۱/ ۳۰۰ ح ۱۱۳۵)

زیلعی حنفی نے کہا: امام دارقطنی نے اس روایت کے بعد کہا: اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ (نصب الرایہ ۱/ ۳۲۰)

زیلعی کی یہ عبارت سنن دارقطنی میں نہیں ملی۔ واللہ اعلم

روایتِ مذکورہ تین وجہ سے ضعیف ہے:

اول: حمید الطّویل مدلس تھے اور روایت عن سے ہے۔

دیکھئے طبقات المدلسین (۳/۷۱، مرتبہ ثالثہ)

دوم: ابو خالد الاحمر مدلس تھے اور روایت عن سے ہے۔

دیکھئے جزء القراءۃ للبخاری بتحقیقی (۲۶۷)

سوم: حسین بن علی بن اسود العجلی پر جمہور محدثین نے جرح کی ہے اور حافظ ابن عدی نے کہا: وہ حدیثیں چوری کرتا تھا۔ (دیکھئے تہذیب الکمال ۲/ ۱۸۳، الکامل لابن عدی ج ۲ ص ۷۷۸)

امام ابو حاتم الرازی نے فرمایا: "**هذا حديث كذب لا أصل له**" یہ حدیث جھوٹ ہے،

اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ (نصب الرایہ ج ۱ ص ۳۲۰، علل الحدیث لابن ابی حاتم ۱/۱۳۵ ح ۳۷۴)

المعجم الاوسط للطبرانی (۳۰۶۳) اور کتاب الدعاء (۲/۱۰۳۴ ح ۵۰۵) میں اس روایت کا ایک شاہد (تائید والی روایت) ہے، لیکن اس کی سند میں عائذ بن شریح ضعیف ہے۔

دیکھئے لسان المیزان (۳/۲۲۶) اور حاشیہ (۲) نصب الرایہ (۱/۳۲۱)

یاد رہے کہ المعجم الاوسط میں غلطی سے عبید بن سریج چھپ گیا ہے، جبکہ صحیح عائذ بن شریح ہے جیسا کہ نصب الرایہ (۱/۳۲۱) اور مجمع البحرین فی زوائد المعجمین (۲/۱۱۰ ح ۷۹۸) میں لکھا ہوا ہے۔

تنبیہ: دعائے استفتاح میں ثبوت کے لحاظ سے **سبحانك اللهم ...إلخ** جائز ہے اور **اللهم باعد بيني.... إلخ** بہتر ہے۔

دیکھئے ہدیۃ المسلمین (ح ۱۲) اور صحیح بخاری (ج ۱ ص ۱۰۳ ح ۷۴۴)

حدیث نمبر ۱۲: کسی حدیث سے بھی یہ ثابت نہیں ہے کہ مرد تو کانوں تک رفع یدین کریں اور عورتیں کندھوں یا سینے تک ہاتھ اُٹھائیں۔

سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب جس روایت میں "اور عورت اپنے سینے تک ہاتھ اُٹھائے" کے الفاظ آئے ہیں۔ (المعجم الکبیر للطبرانی بحوالہ مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۰۳)

اس کی سند ام یحییٰ (مجہولہ) کی وجہ سے ضعیف ہے۔

ماسٹر محمد امین اوکاڑوی دیوبندی نے کہا: "اور ام یحی مجہولہ ہیں" (تجلیاتِ صفدر ج ۲ ص ۲۲۶)

حافظ عبداللہ روپڑی رحمہ اللہ نے مسجد میں محراب والی روایت کی راویہ ام یحییٰ کی توثیق کسی معتبر محدث سے پیش نہیں کی، بلکہ اُس کے مستورۃ الحال ہونے کی طرف اشارہ کر کے لکھا: "....اور مستور الحال کی روایت امام ابوحنیفہؒ وغیرہ کے نزدیک حجت ہے۔ اور جمہور علماء کے نزدیک حجت نہیں..." (فتاویٰ اہل حدیث ۱ ص ۳۱۴)

ظاہر ہے کہ اس مسئلے میں جمہور علماء کو ہی ترجیح حاصل ہے کہ مستور کی روایت حجت نہیں اور یہ بھی یاد رہے کہ امام ابوحنیفہ سے باسند صحیح مستور الحال کی روایت کا حجت ہونا یا نہ

ہونا ثابت نہیں ہے۔ اگر کوئی کہے کہ تابعین کے آثار بھی ہیں تو عرض ہے کہ عطاء بن ابی رباح (تابعی) نے فرمایا: ''...عورت کی ہیئت مرد کی طرح نہیں ہے، اگر وہ (عورت) اسے ترک کردے تو کوئی حرج نہیں ہے۔''

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۳۹ ح ۲۷۷۴، الحدیث حضرو: ۱۳ ص ۲۱)

حماد بن ابی سلیمان نے کہا: عورت کی جیسے مرضی ہو (نماز میں) بیٹھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۷۱ ح ۲۷۹۰ وسندہ صحیح)

حماد کے استاذ ابراہیم نخعی نے کہا: عورت نماز میں اس طرح بیٹھے جیسے مرد بیٹھتا ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۷۰ ح ۲۷۸۸ وسندہ صحیح)

ام الدرداء رحمہا اللہ نماز میں مرد کی طرح بیٹھتی تھیں۔

(صحیح بخاری قبل ح ۸۲۷، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۲۷۰ ح ۲۷۸۵ وسندہ قوی)

حدیث نمبر ۱۳: نبی کریم ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ (نماز میں) اپنا ہاتھ سینے پر رکھتے تھے۔ دیکھئے مسند احمد (۲۲۶/۵ ح ۲۲۳۱۳ وسندہ حسن، ہدیۃ المسلمین ص ۳۳ ح ۱۱)

بعض آلِ دیوبند مصنف ابن ابی شیبہ سے ''تحت السرۃ'' والی ایک روایت پیش کرتے ہیں، لیکن مصنف کے قدیم مطبوعہ اور عام مخطوطہ نسخوں میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔

دیوبندیوں کی اس ''دلیل'' کے بارے میں محمد تقی عثمانی نے کہا:

''لیکن احقر کی نظر میں اس روایت سے استدلال کمزور ہے، اوّل تو اس لئے کہ اس روایت میں ''تحت السرۃ'' کے الفاظ مصنف ابن ابی شیبہ کے مطبوعہ نسخوں میں نہیں ملے، اگرچہ علامہ نیمویؒ نے ''آثار السنن'' میں ''مصنف'' کے متعدد نسخوں کا حوالہ دیا ہے، کہ اُن میں یہ زیادتی مذکور ہے، تب بھی اس زیادتی کا بعض نسخوں میں ہونا اور بعض میں نہ ہونا اس کو مشکوک ضرور بنا دیتا ہے...'' (درسِ ترمذی ج ۲ ص ۲۳)

انور شاہ کشمیری نے کہا: میں نے مصنف کے تین نسخے دیکھے ہیں، ان میں سے ایک نسخے میں بھی یہ (تحت السرۃ والی عبارت) نہیں ہے۔ (فیض الباری ج ۲ ص ۲۶۷ مترجماً)

معلوم ہوا کہ دیوبندیوں کے پاس ناف سے نیچے ہاتھ باندھنے کی کوئی صحیح روایت نہیں ہے۔ رہے امام اسحاق بن راہویہ وغیرہ علماء کے اقوال تو ان سے استدلال دو وجہ سے غلط ہے:

اول: نبی ﷺ کی صحیح حدیث کے آجانے کے بعد، اس حدیث کے مخالف اقوال کی طرف دیکھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

دوم: مشہور تابعی سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے فرمایا: نماز میں ناف سے اوپر ہاتھ باندھنے چاہئیں۔ (امالی عبدالرزاق بحوالہ الفوائد لابن مندہ ج ۲ ص ۲۳۴ ح ۱۸۹۹، وسندہ صحیح)

اگر کوئی شخص کہتا ہے کہ ''عورتیں سینہ پر ہاتھ باندھیں اور یہ اُن کے حق میں پردہ کا باعث ہے'' تو عرض ہے کہ یہ بات کئی وجہ سے غلط ہے۔ مثلاً:

اول: یہ تفریق کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے۔

دوم: یہ تفریق کسی صحابی یا تابعی سے ثابت نہیں ہے۔

سوم: یہ تفریق امام ابوحنیفہ سے باسند صحیح ثابت نہیں ہے۔

چہارم: اگر اپنے تقلیدی قیاس اور رائے سے پردہ ہی کرانا ہے تو اپنے عورتوں کو حکم دیں کہ وہ رکوع کے بعد بھی سینے پر ہاتھ باندھیں اور رکوع کے دوران میں بھی سینے پر ہاتھ باندھیں تاکہ مکمل پردہ ہوجائے۔!!

حدیث نمبر ۱۴: دعائے استفتاح کے بعد بسم اللہ الرحمٰن الرحیم آہستہ پڑھنا بھی مسنون ہے اور جہراً پڑھنا بھی ثابت ہے۔ دیکھئے ہدیۃ المسلمین (ص ۳۷ ح ۱۳)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نماز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم جہراً پڑھا تھا۔

(شرح معانی الآثار للطحاوی ج ۱ ص ۱۳۷، وسندہ صحیح، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۴۱۲ ح ۴۷۵۷)

لہٰذا دونوں طرح صحیح ہے اور اس مسئلے میں جھگڑا کرنا غلط ہے۔

حدیث نمبر ۱۵: امام ہو یا منفرد (اکیلا نمازی) دونوں کو چار رکعتوں والی نماز کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھنی چاہیے۔ جیسا کہ صحیح بخاری (۷۷۶) اور صحیح مسلم (۴۵۱) کی حدیث

سے ثابت ہے۔ جبکہ اس حدیث کے سراسر برخلاف دیوبندی حضرات یہ کہتے ہیں کہ اگر آخری دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھے تو بھی نماز ہو جائے گی۔

دیکھئے (دیوبندی) بہشتی زیور (حصہ دوم ص ۱۹، فرض نماز پڑھنے کے طریقے کا بیان، مسئلہ نمبر ۱۷، مکمل نسخہ ص ۱۶۳)

نفل ہو یا فرض، نماز اس طرح پڑھنی چاہئے جس طرح رسول اللہ ﷺ پڑھتے تھے۔

حدیث نمبر ۱۶: سیدنا عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام سے فرمایا: کیا تم میرے ساتھ (یعنی امام کے پیچھے) قراءت کرتے ہو؟ انھوں نے کہا: جی ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا: سورۂ فاتحہ کے سوا کچھ بھی نہ پڑھو، کیونکہ جو شخص اسے نہیں پڑھتا تو اس کی نماز ہی نہیں ہوتی۔ (کتاب القراءۃ للبیہقی ص ۶۴ ح ۱۲۱)

اس حدیث کے بارے میں امام بیہقی نے فرمایا: یہ سند صحیح ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

تنبیہ: اس حدیث کی سند میں محمد بن اسحاق بن یسار نہیں ہیں۔

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے ہدیۃ المسلمین (ص ۴۱۔۴۲ ح ۱۵)

جس روایت میں آیا ہے کہ ''جب امام قرآن پڑھے تو تم خاموش ہو جاؤ'' وہ منسوخ (یا مخصوص منہ) ہے۔ دیکھئے میری کتاب: تحقیقی، اصلاحی اور علمی مقالات (ج ۲ ص ۲۶۳)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جہری اور سری نمازوں میں قراءت خلف الامام کا حکم دیا۔

دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ (ج ۱ ص ۳۷۳ ح ۳۷۴۸ وسندہ حسن)

مزید تفصیل کے لئے میری دو کتابیں پڑھیں: نصر الباری اور الکواکب الدریہ

حدیث نمبر ۱۷: ایک روایت میں آیا ہے کہ امام کی قراءت مقتدی کی قراءت ہے۔

(موطأ ابن فرقد الشیبانی ص ۱۹۸، شرح معانی الآثار ۱/ ۱۴۹، فتح القدیر لابن ہمام ۱/ ۲۳۹)

ابن فرقد کو جمہور محدثین نے مجروح وضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھئے تحقیقی مقالات (ج ۲ ص ۳۴۱۔۳۶۴) مثلاً اسماء الرجال کے ایک بڑے امام ابو حفص عمرو بن علی الفلاس نے فرمایا: محمد بن الحسن، رائے والا، ضعیف ہے۔ (تاریخ بغداد ج ۲ ص ۱۸۱، وسندہ صحیح)

شرح معانی الآثار للطحاوی (ج ۱ص ۲۱۷) والی تمام روایات ضعیف و مردود ہیں مثلاً ایک کی سند میں قاضی ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔

دیکھئے تحقیقی مقالات (ج ۱ص ۵۳۳۔۵۴۸)

ابن ہمام والی روایت سخت مشکوک ہونے (وغیرہ) کی وجہ سے مردود ہے۔

ضعیف روایت کو جمع تفریق کر کے قوی قرار دینا غلط ہے۔ حافظ ابن حجر نے '' من کان له إمام '' إلخ والی روایت کے بارے میں فرمایا: اس کی کئی سندیں ہیں... اور وہ ساری کی ساری معلول (ضعیف) ہیں۔ (التلخیص الحبیر ج ۱ص ۲۳۲ ح ۳۴۵)

اس روایت کو شیخ البانی (وغیرہ) کا قوی (وغیرہ) قرار دینا غلط ہے۔

حدیث نمبر ۱۸: سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی تو آپ نے آمین بالجہر کہی۔ (سنن ابی داود: ۹۳۳ و سندہ حسن)

اس کے مقابلے میں جس روایت میں آیا ہے: '' آمین کہی اور اپنی آواز آہستہ کر لی۔ ''

اس سے استدلال دو وجہ سے غلط ہے:

اول: یہ روایت وہم اور شذوذ کی وجہ سے ضعیف ہے۔

دوم: اس کا تعلق جہری نمازوں سے نہیں بلکہ سری نمازوں سے ہے۔

دیکھئے ہدیۃ المسلمین (ح ۱۶)

سیدنا عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ اور اُن کے مقتدی اونچی آواز سے آمین کہتے تھے۔

دیکھئے صحیح بخاری (قبل ح ۷۸۰)

لہٰذا یہ کہنا کہ '' صرف امام ہی جہر سے آمین کہے، مقتدی نہ کہیں '' غلط ہے۔

بعض لوگ اس مسئلے میں غیر واضح روایات مثلاً: '' جب امام و لا الضالین کہے تو تم آمین کہو '' پیش کرتے ہیں مگر علمی میدان میں ایسے استدلال کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی جبکہ صریح مبہم پر اور خاص عام پر مقدم ہوتا ہے۔ تفصیل کے لئے ہدیۃ المسلمین (۱۶) دیکھیں۔

حدیث نمبر ۱۹: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع سے

پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۰۲ ح ۷۳۶ ملخصاً)

اس کے راوی سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ بھی رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے۔ (صحیح بخاری: ۷۳۹)

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کے شاگرد اُن کے بیٹے سالم رحمہ اللہ بھی رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے۔ (حدیث السراج ۲/۳۴۔۳۵ ح ۱۱۵، وسندہ صحیح)

یاد رہے کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری زندگی میں آپ کے ساتھ نماز پڑھی تھی۔ دیکھئے صحیح بخاری (۱۱۶) صحیح مسلم (۲۵۳۷)

معلوم ہوا کہ رفع یدین کو منسوخ یا متروک سمجھنا باطل ہے۔

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ایک روایت میں آیا ہے کہ انھوں نے صرف تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کیا۔ (سنن ترمذی: ۲۵۷، سنن ابی داود: ۷۴۸ وغیرہما)

اس کی سند سفیان ثوری (مدلس) کی تدلیس (عن) کی وجہ سے ضعیف ہے۔

دیکھئے میری کتاب: نور العینین اور میرا مضمون: ''امام سفیان ثوری کی تدلیس اور طبقۂ ثانیہ؟''

ماسٹر امین اوکاڑوی نے کہا: ''کیونکہ اس میں سفیان مدلس ...'' (تجلیات صفدر ج ۵ ص ۴۷۰)

سرفراز خان صفدر نے کہا: ''مدلس راوی عَنْ سے روایت کرے تو وہ حجت نہیں...''

(خزائن السنن ج ۱ ص ۱)

اگر کوئی کہے کہ سفیان ثوری کی روایتیں صحیح بخاری میں بھی موجود ہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہر مدلس کی صحیحین (صحیح بخاری و صحیح مسلم) میں ہر روایت صحیح ہے۔ دیکھئے خزائن السنن (ج ۱ ص ۱) لیکن صحیحین کے باہر دوسری کتابوں میں اُس مدلس کے سماع کی تصریح یا معتبر متابعت ہونا ضروری ہے۔

مدلس کی عن والی ضعیف روایت کو شیخ احمد شاکر اور البانی وغیرہما کا صحیح قرار دینا اصولِ حدیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے غلط ہے۔

حدیث نمبر ۲۰: بہت سی احادیث سے یہ ثابت ہے کہ رکوع، رکوع سے قیام اور سجود وغیرہ

میں اطمینان ضروری ہے۔ مثلاً دیکھئے سنن ابی داود (۸۶۳) اور ظہور احمد کی چہل حدیث (ص ۲۷) جبکہ اس کے برعکس آلِ دیوبند کے نزدیک نماز میں اعتدال و اطمینان فرض نہیں ہے۔ مثلاً دیکھئے تقریر ترمذی لمحمود حسن (ص ۱۱)

حدیث نمبر ۲۱: سجدہ کو جاتے ہوئے پہلے دونوں ہاتھ زمین پر رکھنے چاہئیں اور بعد میں دونوں گھٹنے لگانے چاہئیں۔ دیکھئے سنن ابی داود (۸۴۰ وسندہ صحیح علیٰ شرط مسلم) اور مختصر صحیح نماز نبوی (ص ۱۷، فقرہ: ۲۱)

ایک روایت میں آیا ہے کہ نبی ﷺ ہاتھوں سے پہلے گھٹنے زمین پر رکھتے تھے۔

(سنن ابی داود: ۸۳۸، ہمارا نسخہ: ۸۳۸)

اس کی سند میں ایک راوی شریک بن عبداللہ القاضی مدلس تھے۔

دیکھئے نصب الرایہ (۳/ ۲۳۴) اور المحلیٰ (۸/ ۲۶۳، ۱۰/ ۳۳۳)

یہ روایت عن سے ہے، لہٰذا ضعیف و مردود ہے۔ ضعیف روایت کو حسن یا صحیح قرار دینا غلط ہوتا ہے۔

حدیث نمبر ۲۲: حدیث میں آیا ہے کہ سجدے میں کتے کی طرح زمین پر ہاتھ نہیں بچھانے چاہئیں۔ دیکھئے صحیح بخاری (۸۲۲)

اور کسی صحیح حدیث میں یہ بالکل نہیں آیا کہ عورتیں سجدوں میں (کتوں کی طرح) زمین پر ہاتھ بچھائیں۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ "جب تم سجدہ کرو تو اپنے جسم کا کچھ حصہ زمین سے ملا لیا کرو، کیونکہ عورت کا حکم سجدے میں مرد جیسا نہیں ہے۔" (مراسیل ابی داود: ۸)

یہ روایت مرسل ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ مرسل کے بارے میں امام مسلم رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے نزدیک مرسل روایات حجت نہیں ہیں۔ (مقدمہ صحیح مسلم ص ۲۰ ملخصاً)

طحاوی حنفی کے ایک کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ منقطع (مرسل) کو حجت نہیں سمجھتے تھے۔ دیکھئے شرح معانی الآثار (ج ۲ ص ۱۶۴، باب الرجل یسلم فی دار الحرب وعندہ اکثر من اربع نسوۃ، طبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

یادر ہے کہ امام ابوحنیفہ سے باسند صحیح یہ قول ثابت نہیں کہ مرسل حجت ہے۔
دیوبندی حضرات بذاتِ خود بہت سی مرسل روایات کے منکر ہیں۔ مثلاً:
طاؤس تابعی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں سینے پر ہاتھ باندھتے تھے۔

(المراسیل لابی داود: ۳۴)

اس کی سند طاؤس تک حسن لذاتہ ہے۔ سلیمان بن موسیٰ کو جمہور نے ثقہ کہا۔
دیکھئے سرفراز خان صفدر کی خزائن السنن (ج ۲ ص ۸۹) اور باقی راویوں پر بھی جرح مردود ہے۔

ظہور احمد دیوبندی نے ضعیف (مرسل) روایت کی تائید میں دو مردود روایتیں پیش کی ہیں:
اول: سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب روایت بحوالہ السنن الکبریٰ للبیہقی (۲/۲۲۳)
اس کا راوی ابو مطیع الحکم بن عبداللہ البلخی سخت مجروح تھا اور اسی صفحے پر امام بیہقی نے اُس پر جرح کر رکھی ہے۔ نیز دیکھئے لسان المیزان (ج ۲ ص ۳۳۴۔ ۳۳۶)
اس کے دوسرے راوی محمد بن القاسم البلخی کا (روایت میں) ذکر حلال نہیں ہے۔

(دیکھئے لسان المیزان ۵/۳۴۷)

تیسرا راوی عبید بن محمد السرخسی نامعلوم ہے۔ خلاصہ یہ کہ یہ سند موضوع ہے۔
دوم: سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب روایت بحوالہ السنن الکبریٰ (۲/۲۲۲)
اس کا راوی عطاء بن عجلان متروک ہے، بلکہ ابن معین اور فلاس وغیرہما نے اسے جھوٹا قرار دیا ہے۔ دیکھئے تقریب التہذیب (۴۵۹۴)
لہٰذا یہ سند بھی موضوع ہے اور خود امام بیہقی نے بھی اس پر جرح کر رکھی ہے۔
حدیث نمبر ۲۳: صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ نماز کی طاق رکعت میں ہوتے تو یکدم کھڑے نہ ہوتے بلکہ بیٹھ جاتے تھے۔
دیکھئے صحیح بخاری (ج ۱ ص ۱۱۳ ح ۸۲۳) اور ہدیۃ المسلمین (ص ۴۷ ح ۱۸)
بلکہ صحیح بخاری میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے ایک شخص (جسے نماز صحیح طور پر نہیں آتی تھی)

سے فرمایا:((ثم اسجد حتی تطمئن ساجدًا ، ثم ارفع حتی تطمئن جالسًا ، ثم اسجد حتی تطمئن ساجدًا ، ثم ارفع حتی تطمئن جالسًا))
پھر سجدہ کر حتیٰ کہ اطمینان سے سجدہ کرے، پھر اٹھ جا حتیٰ کہ اطمینان سے بیٹھ جائے ، پھر (دوسرا) سجدہ کر حتیٰ کہ اطمینان سے سجدہ کرے، پھر (دوسرے سجدے سے) اُٹھ جا حتیٰ کہ تو اطمینان سے بیٹھ جائے۔ (صحیح بخاری:۶۲۵۱)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے دوسرے سجدے کے بعد بیٹھنے کا حکم دیا تھا۔ اس حدیث کو ظہور احمد دیوبندی نے بحوالہ صحیح بخاری (۶۲۵۱۱/صحیح ۶۲۵۱ ہے) نقل کیا۔ (دیکھئے چہل حدیث ص ۷۸، ۷۹) لیکن تحریف کر کے دوسرے سجدے کے بعد "حتی تطمئن جالسًا " حتیٰ کہ تو اطمینان سے بیٹھ جائے، کے الفاظ حذف کر دیئے ہیں۔
یہ بہت بڑی خیانت ہے۔
سیدنا ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ایک روایت میں آیا ہے:
"ثم كبّر فسجد ، ثم كبّر فقام ولم يتورّك "
پھر آپ ﷺ نے تکبیر کہی اور سجدہ کیا، پھر سجدہ سے تکبیر کہہ کر کھڑے ہو گئے اور تورک نہیں کیا۔ (سنن ابی داود:۷۳۳)

اس روایت کی سند عیسیٰ بن عبداللہ بن مالک (مجہول الحال) کی وجہ سے ضعیف ہے۔
ظہور احمد نے تحریف کر کے اس روایت میں " ولم یتورك "اور تورک نہیں کیا۔
کا ترجمہ: "بیٹھے نہیں" کر دیا ہے۔ دیکھئے چہل حدیث (ص ۸۰)
یہ بہت بڑی خیانت ہے۔
فائدہ: سیدنا ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب اس ضعیف روایت میں رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد والے رفع یدین کا بھی ذکر ہے، جس سے ان لوگوں کو خاص طور پر چڑ ہے۔
دیکھئے شرح معانی آثار للطحاوی (ج ۱ ص ۲۶۰ باب صفۃ الجلوس فی الصلوٰۃ کیف هو؟/طبع

دارالباز مکۃ المکرّمۃ) اورالسنن الکبریٰ للبیہقی (۲/۱۰۱۔۱۰۲)

صحیح حدیث (معمول بہ) کو عذر پر محمول کر دینا اور ضعیف حدیث میں تحریف کرنا، کون سی عدالت کا انصاف ہے؟!

حدیث نمبر۲۴: تشہد (اول) میں یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنا بایاں پاؤں بچھاتے اور دایاں پاؤں کھڑا رکھتے تھے۔ مثلاً دیکھئے صحیح مسلم (۱۰۴۵)

اس کو قعدۂ اولیٰ کے ساتھ خاص کرنے کی دلیل وہ صحیح حدیث ہے، جس میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ آخری رکعت کے تشہد میں تورک کرتے تھے۔ دیکھئے صحیح بخاری (۸۲۸)

اس صحیح حدیث کے مقابلے میں شوکانی وغیرہ علماء کے نام لے کر رعب جمانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور یاد رہے کہ ہر اہلِ حدیث کے ایمان وعقیدے میں یہ بات شامل ہے کہ نبی ﷺ کی حدیث پر عمل کیا جائے اور اس کے مقابلے میں ہر قول اور فعل کو چھوڑ دیا جائے۔

مرد ہو یا عورت سب کے لئے یہی طریقہ ہے کہ تشہد اول میں تورک نہ کریں اور آخری تشہد میں تورک کریں۔

حدیث نمبر۲۵: کسی صحیح حدیث سے یہ ثابت نہیں ہے کہ عورتیں پہلے تشہد میں تورک کریں گی۔ جامع المسانید للخوارزمی (۱/۴۰۰) اور مسند الحصکفی (!!) کی جس روایت میں آیا ہے:

عورتیں چار زانو بیٹھا کرتی تھیں، پھر انھیں حکم دیا گیا کہ وہ سرین کے بل بیٹھیں۔

(مثلاً دیکھئے چہل حدیث ص ۸۳)

اس روایت کی سند کئی وجہ سے موضوع ہے:

اول: اس کا پہلا راوی ابو محمد عبداللہ بن محمد بن یعقوب البخاری الحارثی کذاب ہے۔ دیکھئے میزان الاعتدال (ج ۱ ص ۴۹۶) اور کتاب القراءت للبیہقی (ص ۱۷۸ ح ۳۸۸، دوسرا نسخہ ص ۱۵۴)

دوم: اس کے باقی راوی مثلاً قبیصہ الطبری اور زر بن نجیح وغیرہما مجہول تھے۔

ایسی موضوع سند کو ''انتہائی درجہ کی صحیح'' کہنا ظہور احمد جیسے لوگوں کا ہی کام ہے۔

حدیث نمبر ۲۶: حالتِ تشہد میں دائیں مٹھی بند کرنا اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کرنا صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ دیکھئے صحیح مسلم (۱۳۴۶)

پہلے تشہد میں درود پڑھنا بھی جائز ہے، جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ (دیکھئے السنن الکبریٰ للبیہقی ۲/ ۴۹۹۔ ۵۰۰، سنن النسائی ۳/ ۲۴۱ ح ۱۷۲۱، اور مختصر صحیح نماز نبوی ص ۲۳ فقرہ: ۴۱ حاشیہ: ۴)

اور درود نہ پڑھنا بھی جائز ہے، جیسا کہ امام محمد بن اسحاق بن یسار کی بیان کردہ حدیث سے ثابت ہے۔ دیکھئے مسند احمد (ج ۱ ص ۴۵۹ ح ۴۳۸۲ وسندہ حسن)

حدیث نمبر ۲۷: تشہد میں دعا کرتے وقت شہادت کی انگلی کو حرکت دینا (ہلاتے رہنا) صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ دیکھئے سنن النسائی (۱۲۶۹، وسندہ صحیح) صحیح ابن خزیمہ (۷۱۴) منتقیٰ ابن الجارود (۲۰۸) اور صحیح ابن حبان (الاحسان: ۱۸۵۷)

جس روایت میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی انگلی سے اشارہ کرتے تھے اور اس کو ہلاتے نہیں تھے۔ (دیکھئے سنن ابی داود: ۹۸۹، اور السنن الکبریٰ للبیہقی ۲/ ۱۳۲)

اس کی سند محمد بن عجلان (مدلس راوی) کے عن کی وجہ سے ضعیف ہے۔

ابن عجلان کو حافظ ابن حجر نے مدلسین کے طبقۂ ثالثہ میں ذکر کیا ہے۔ (دیکھئے الفتح المبین ص ۶۰)

محمد بن عجلان کو طحاوی نے بھی مدلس قرار دیا ہے۔

دیکھئے مشکل الآثار (طبع قدیم ج ۱ ص ۱۰۰، ۱۰۱)

اس ضعیف روایت کو صحیح سند کہنا غلط ہے۔ یاد رہے کہ ضعیف روایت مردود ہوتی ہے اور تطبیق وہاں ہوتی ہے جہاں دونوں حدیثیں صحیح ہوں۔

حدیث نمبر ۲۸: جنازے کے علاوہ عام نمازوں میں دونوں طرف سلام پھیرنا مسنون ہے۔ نیز دیکھئے سنن الترمذی (۲۹۵) اور مصنف عبدالرزاق (۲/ ۸۹ ح ۳۱۲۸ وسندہ صحیح)

حدیث نمبر ۲۹: سجدہ سہو سلام سے پہلے بھی جائز ہے اور سلام کے بعد بھی۔

دیکھئے ہدیۃ المسلمین (ص ۸۳ ح ۳۷)

سلام سے مراد دونوں طرف سلام پھیرنا ہوتا ہے، اِلا یہ کہ تخصیص کی کوئی دلیل ہو۔
بعض الناس نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ''صحیح مسئلہ یہ ہے کہ ایک طرف سلام پھیرا جائے، یہی جمہور کا مذہب ہے۔''! (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ص ۱۲۵)
اس دعوے کی کوئی دلیل کسی حدیث یا کسی صحابی سے ثابت نہیں ہے۔
حدیث نمبر ۳۰: فرض نماز کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگنا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔
دیکھئے ہدیۃ المسلمین (ص ۵۴ ح ۲۲)
سیدنا عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب جس روایت سے نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کا استدلال کیا جاتا ہے۔ (روایتِ مذکورہ کے لئے دیکھئے المعجم الکبیر/ قطعہ من الجزء ج ۲۱ص ۷ ۳ ح ۹۰) اس کی سند فضیل بن سلیمان النمیری (ضعیف عند الجمھور) کے ضعف کی وجہ سے ضعیف ہے۔
تنبیہ: اس راوی کی صحیحین میں تمام روایات صحیح ہیں۔ سرفراز خان صفدر کے بیٹے عبدالقدوس قارن دیوبندی نے لکھا ہے: ''جن کتب میں صحت کا التزام کیا گیا ہے ان میں راوی کی حیثیت اور ہے اگر وہی راوی کسی دوسری جگہ آ جائے تو اس کی حیثیت اور ہوگی۔''
(مجذوبانہ واویلا ص ۲۴۷)

دیوبندی مفتی رشید احمد لدھیانوی نے لکھا ہے:
''نماز کے بعد اجتماعی دعاء کا مروجہ طریقہ بالاجماع بدعت قبیحہ شنیعہ ہے۔''
(نمازوں کے بعد دعاء ص ۱۹، احسن الفتاویٰ ج ۱۰)

حدیث نمبر ۳۱: ایک رکعت وتر پڑھنا بھی صحیح ہے اور تین رکعت وتر پڑھنا بھی صحیح ہے۔
دیکھئے سنن ابی داود (۱۴۲۲) سنن النسائی (۱۷۱۲) اور ہدیۃ المسلمین (ص ۶۲ ح ۲۶)
سیدنا ابو ایوب الانصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو شخص تین وتر پڑھنا چاہے تو تین پڑھے اور جو شخص ایک وتر پڑھنا چاہے تو ایک وتر پڑھے۔ (سنن النسائی ۳/ ۲۳۸۔ ۲۳۹ ح ۱۷۱۳، وسندہ صحیح)
تین رکعت وتر پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ دو رکعتیں پڑھ کر سلام پھیر دیں، پھر ایک رکعت

پڑھیں۔ (دیکھئے صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۵۴ ح ۷۳۸، صحیح ابن حبان، الاحسان: ۲۴۲۶، اور ہدیۃ المسلمین ص ۶۲، ۶۳)

ایک روایت میں آیا ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی تین رکعتیں پڑھتے تھے اور سلام صرف آخری رکعت کے بعد پھیرتے تھے..." الخ (المستدرک للحاکم ج ۱ ص ۳۰۴ ح ۱۱۴۰)

اس روایت کی سند قتادہ مدلس کی تدلیس (عن) کی وجہ سے ضعیف ہے۔

ایک روایت پر جرح کرتے ہوئے ماسٹر امین اوکاڑوی نے کہا:

"اولاً تو یہ سند سخت ضعیف ہے کیونکہ سند میں سعید بن ابی عروبہ مختلط ہے اور قتادہ مدلس ہے۔" (جزء رفع الیدین کا ترجمہ وتشریح ص ۲۸۹ ح ۲۹ تا ۳۱)

المستدرک (۱/۳۰۴ ح ۱۱۳۹) میں اس کی تائید والی روایت میں سعید بن ابی عروبہ اور قتادہ دونوں ہیں اور دونوں نے عن کے ساتھ روایت کی ہے۔!!

لہٰذا یہ تائیدی روایت بھی مردود ہے۔

یہ کہنا کہ "وتر کی دو رکعت کے بعد قعدہ اور اس میں تشہد پڑھنے کا ثبوت حدیث نمبر ۲۴ میں گزر چکا ہے" کالا جھوٹ ہے، کیونکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت میں وتر کا نام و نشان تک نہیں ہے۔

یہ کہنا کہ "وتر کی ایک رکعت کسی حدیث سے ثابت نہیں" بھی بالکل جھوٹ ہے۔

خلیل احمد سہارنپوری دیوبندی نے لکھا ہے: "وتر کی ایک رکعت احادیث صحاح میں موجود ہے اور عبداللہ بن عمرؓ اور ابن عباسؓ وغیرہما صحابہؓ اس کے مقر اور مالکؒ، شافعیؒ واحمدؒ کا وہ مذہب پھر اس پر طعن کرنا مؤلف کا ان سب پر طعن ہے کہو اب ایمان کا کیا ٹھکانا"

(براہین قاطعہ ص ۷)

تفصیل کے لئے دیکھئے ہدیۃ المسلمین (ح ۲۶)

حدیث نمبر ۳۲: وتر میں دعائے قنوت رکوع سے پہلے پڑھنا بھی مسنون ہے اور رکوع کے بعد بھی جائز ہے۔ رکوع سے پہلے قنوت کے لئے دیکھئے ہدیۃ المسلمین (ص ۶۶۔۶۷ ح ۲۸)

رکوع کے بعد کے لئے دیکھئے صحیح ابن خزیمہ (ج ۲ ص ۱۵۵۔۱۵۶ ح ۱۱۰۰، وسندہ صحیح)

اس حدیث میں سیدنا اُبی بن کعب وصحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے ثابت ہے کہ انھوں نے رمضان میں (رات کے قیام میں) قنوت پڑھا، پھر تکبیر کہہ کر سجدہ کیا۔

قنوتِ نازلہ پر قیاس کر کے قنوتِ وتر میں بھی دعا کی طرح ہاتھ اٹھانا جائز ہے اور نہ اٹھانا بھی جائز ہے۔ دیکھئے ہدیۃ المسلمین (ص ٦٧) اور مسائل ابی داود (ص ٦٦)

حدیث نمبر ۳۳: صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ رات کو عشاء کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد فجر تک گیارہ رکعات پڑھتے تھے، ہر دو رکعت پر سلام پھیر دیتے اور (آخر میں) ایک وتر پڑھتے تھے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۵۴ ح ۷۳۶)

آل دیو بند کے منظورِ نظر محمد احسن نانوتوی نے کہا:

کیونکہ نبی ﷺ نے بیس نہیں پڑھیں بلکہ آٹھ پڑھی ہیں۔ (حاشیہ کنز الدقائق ص ۳٦ حاشیہ:۴)

خلیل احمد سہارنپوری دیوبندی نے کہا: ''البتہ بعض علماء نے جیسے ابن ہمام آٹھ کو سنت اور زائد کو مستحب لکھا ہے سو یہ قول قابل طعن کے نہیں'' (براہین قاطعہ ص ۸)

سہارنپوری نے مزید کہا: ''اور سنت مؤکدہ ہونا تراویح کا آٹھ رکعت تو بالاتفاق ہے اگر خلاف ہے تو بارہ میں ہے'' (براہین قاطعہ ص ۱۹۵)

تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب: تعدادِ رکعاتِ قیام رمضان کا تحقیقی جائزہ

ایک روایت میں آیا ہے کہ نبی ﷺ رمضان میں بیس رکعات اور وتر، بغیر جماعت کے پڑھتے تھے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۴۹٦/۲)

اس کا راوی ابراہیم بن عثمان جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔ انور شاہ کاشمیری نے اس روایت کے بارے میں کہا: اس کے ضعیف ہونے پر اتفاق ہے۔

(العرف الشذی ج ۱ ص ۱٦٦)

ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان کے بارے میں عینی حنفی نے لکھا ہے:

اسے (امام) شعبہ نے جھوٹا کہا ہے.... الخ (عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۱۲۸)

محمد تقی عثمانی نے اس روایت کے بارے میں کہا:

''لیکن یہ ابراہیم بن عثمان کی وجہ سے ضعیف ہے'' (درس ترمذی ج ۳ ص ۳۰۴)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ آپ نے گیارہ رکعات پڑھنے کا حکم دیا۔

(موطأ امام مالک، روایۃ یحییٰ ج ۱ ص ۱۱۴ ح ۲۴۹، آثار السنن: ۷۷۶، وقال: ''واسنادہ صحیح'')

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے قولاً یا فعلاً بیس رکعات تراویح پڑھنا قطعاً ثابت نہیں ہے۔

ظہور احمد نے یہ جھوٹ لکھا ہے کہ ''اس کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تراویح کی بیس رکعات پر اجماع ہوگیا۔'' (چہل حدیث ص ۱۰۳)

حالانکہ اس جھوٹے دعوے کے برعکس کسی ایک صحابی سے بھی بیس رکعات ثابت نہیں ہیں۔

جھوٹے اجماع کے رد کے لئے دیکھئے تعدادِ رکعاتِ قیام رمضان کا تحقیقی جائزہ (ص ۸۴۔۸۷)

حدیث نمبر ۳۴: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب نماز کی اقامت ہو جائے تو فرض نماز کے علاوہ دوسری کوئی نماز نہیں ہوتی۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۴۷ ح ۷۱۰)

اس صحیح حدیث کے مقابلے میں ایک دیوبندی نے لکھا ہے:

''فجر کی سنتیں جماعت کھڑی ہونے کی صورت میں بھی پڑھنی جائز ہیں'' (چہل حدیث ص ۱۰۴)!

ابوعثمان النہدی کی طرف منسوب ایک روایت میں آیا ہے کہ عمر (رضی اللہ عنہ) کے پاس ہم فجر سے پہلے کی دو رکعتیں پڑھنے سے پہلے آیا کرتے تھے جب کہ آپ نماز پڑھا رہے ہوتے، ہم مسجد کے آخر میں دو رکعت سنت پڑھ کر، پھر لوگوں کے ساتھ جماعت میں شریک ہو جاتے تھے۔ (شرح معانی الآثار ۱/۳۷۶، آثار السنن: ۷۷۲)

اس کی سند جعفر بن میمون (ضعیف عند الجمہور) کی وجہ سے ضعیف ہے۔

دیکھئے میری کتاب: انوار السنن فی تحقیق آثار السنن (مخطوط ص ۱۴۶)

جعفر بن میمون کے بارے میں امام احمد بن حنبل نے فرمایا: وہ حدیث میں قوی نہیں ہے۔

(کتاب العلل ومعرفۃ الرجال ص ۵۸ فقرہ: ۱۵۷م)

لہٰذا ''مقلد کبیر'' نیموی کا اس سند کو حسن کہنا غلط ہے۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو اقامت کے وقت دو رکعتیں پڑھتے ہوئے دیکھا تو اسے

کنکریوں سے مارا اور فرمایا: کیا تو چار رکعتیں پڑھتا ہے؟ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۲/۴۸۳ وسندہ صحیح)

حدیث نمبر ۳۵: صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ جس کی صبح کی دو سنتیں رہ جائیں اور وہ فرض نماز کے بعد فوراً پڑھ لے، تو جائز ہے۔ دیکھئے صحیح ابن خزیمہ (ج ۲ ص ۱۶۴ ح ۱۱۱۶) صحیح ابن حبان (الاحسان: ۲۴۶۲) اور المستدرک للحاکم (۱/ ۲۷۴ ۔ ۲۷۵ ح ۱۰۱۷)

اسے حاکم اور ذہبی نے بھی صحیح کہا ہے اور اس روایت پر ابن عبدالبر کی جرح مردود ہے۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ جس شخص نے فجر کی دو رکعتیں نہ پڑھی ہوں، تو اسے چاہئے کہ وہ ان کو سورج نکلنے کے بعد پڑھے۔ (سنن الترمذی: ۴۲۳، المستدرک ۱/ ۳۰۷ ح ۱۱۵۳)

اس کی سند قتادہ مدلس (تقدم: ۳۱) کی تدلیس (عن) کی وجہ سے ضعیف و مردود ہے۔

حدیث نمبر ۳۶: رسول اللہ ﷺ نے مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھیں پھر فرمایا: مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھو۔ دیکھئے مختصر قیام اللیل للمقریزی (ص ۶۴ وقال: ھذا اسناد صحیح علیٰ شرط مسلم، آثار السنن: ۶۹۴ وقال: واسنادہ صحیح)

پھر بعد میں آپ نے اجازت دے دی کہ جس کی مرضی ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ رکعتیں پڑھنا جائز ہے، لیکن ضروری نہیں ہے۔

اس کے مقابلے میں جس روایت میں آیا ہے کہ ''ہر نماز کی دو اذانوں کے درمیان دو رکعت نفل ہیں سوائے مغرب کے۔'' (السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۴۷۴)

اس کی سند حیان بن عبید اللہ کے اختلاط کی وجہ سے ضعیف ہے۔

حیان کے اختلاط کے لئے دیکھئے کتاب الضعفاء للعقیلی (ج ۱ ص ۳۱۹) اور لسان المیزان (ج ۲ ص ۳۷۰، دوسرا نسخہ ج ۲ ص ۷۰۲)

ضعیف روایت کے ساتھ صحیح حدیث کو منسوخ قرار دینا غلط ہے۔

صحابۂ کرام سے ان رکعتوں پر عمل بھی ثابت ہے۔

دیکھئے صحیح بخاری (۶۲۵) صحیح مسلم (۸۳۷) اور آثار السنن (۶۸۹ ۔ ۶۹۱)

حدیث نمبر ۳۷: یہ بالکل صحیح ہے کہ نمازِ جمعہ کا وقت زوال کے بعد شروع ہوتا ہے اور اس

پر اہلِ حدیث کا عمل ہے۔ والحمدللہ

نماز زوال کے بعد پڑھنی چاہئے، لیکن خطبہ زوال کے وقت یا زوال سے پہلے بھی جائز ہے اور اس کی ممانعت کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ حالتِ خطبہ میں جو شخص باہر سے مسجد میں آئے گا تو دو رکعتیں پڑھ کر بیٹھے گا۔ دیکھئے صحیح بخاری (۱۱۶۶)

حدیث نمبر ۳۸: نبی ﷺ نے فرمایا: ہر مسلمان پر جماعت کے ساتھ جمعہ حق واجب ہے، سوائے چار کے: زرخرید غلام، یا عورت، یا بچہ یا مریض (المستدرک للحاکم ج۱ ص۲۸۸ ح۱۰۶۲) اسے حاکم اور ذہبی دونوں نے صحیح کہا ہے۔

اس حدیث کے مفہوم سے معلوم ہوا کہ دیہاتی اور شہری، سب پر جمعہ فرض ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم جہاں بھی ہو جمعہ پڑھو۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج۲ ص۱۰۲ ح۵۰۶۸ وسندہ صحیح)

اس کے مقابلے میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا جو اثر آیا ہے کہ "عید اور جمعہ صرف بڑے شہر میں ہو سکتے ہیں" منسوخ یا مرجوح ہے۔

امام ابن شہاب الزہری نے فرمایا: چھوٹے گاؤں میں بھی جمعہ پڑھو۔

(مصنف عبدالرزاق ج۳ ص۱۷۰ ح۵۱۸۸ ملخصاً وسندہ صحیح)

تفصیل کے لئے دیکھئے میرا مضمون: گاؤں میں نمازِ جمعہ کی تحقیق (دیکھئے ص۱۰۴۔۱۳۱)

بعض دیوبندی کہتے ہیں کہ گاؤں میں جمعہ نہیں ہوتا اور پھر یہ لوگ گاؤں میں جمعہ پڑھتے بھی ہیں۔ اسے منافقت کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔!

حدیث نمبر ۳۹: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے عید کی نماز پڑھائی تو پہلی رکعت میں قراءت سے پہلے سات تکبیریں کہیں اور دوسری رکعت میں قراءت سے پہلے پانچ تکبیریں کہیں۔

(موطأ امام مالک ج۱ ص۱۸۰ ح۴۵۳ وسندہ صحیح)

امام مالک نے فرمایا: ہمارے ہاں (مدینہ میں) اسی پر عمل ہے۔ (ایضاً)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی نماز کو رسول اللہ ﷺ سے مشابہ قرار دیتے تھے۔

(صحیح بخاری:۸۰۳)

معلوم ہوا کہ یہ حدیث مرفوع ہے اور اس کی تائید کے لئے دیکھئے سنن ابی داود (۱۵۵۱)

اس کے مقابلے میں ایک روایت میں نماز جنازہ کی طرح چار تکبیروں کا ذکر آیا ہے۔

(سنن ابی داود:۱۱۵۳، شرح معانی الآثار ج۴ ص۳۴۶)

اس کی سند ابو عائشہ (مجهول الحال) کی وجہ سے ضعیف ہے، لہٰذا اسے حسن کہنا غلط ہے۔ اس سلسلے میں طحاوی (۳۴۵/۴) والی ایک روایت حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وجہ سے منسوخ ہے۔

تنبیہ: طحاوی والی دوسری روایت ابو عائشہ (غیر صحابی) کی وجہ سے ضعیف ہے، لہٰذا اسے حافظ ابن حجر کا ''اسنادہ صحیح'' کہنا غلط ہے۔

حدیث نمبر ۴۰: نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنا سنت ہے۔ (صحیح بخاری ج ا ص ۱۷۸ ح ۱۳۳۵)

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور اس حدیث میں سورۂ فاتحہ کے بعد ایک سورت پڑھنے کا بھی ذکر ہے۔ (سنن النسائی ج ا ص ۲۸۱ ح ۱۹۸۹، وسندہ صحیح، المنتقیٰ لابن الجارود: ۵۳۴، ۵۳۶)

جنازہ سراً بھی جائز ہے۔ (منتقیٰ ابن الجارود: ۵۴۰) اور جہراً بھی جائز ہے۔

(سنن النسائی:۱۹۸۹)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ایک روایت میں آیا ہے کہ ''ہمارے لئے جنازہ میں نہ کوئی قراءت مقرر کی گئی ہے اور نہ کوئی خاص کلام مقرر کیا گیا ہے''

(احمد؟ بحوالہ مجمع الزوائد ج ۳ ص ۳۲)

یہ روایت مسند احمد میں نہیں ملی، لہٰذا بے سند ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔ اس طرح کی ایک روایت عبداللہ بن احمد بن حنبل سے مروی ہے۔ (المعجم الکبیر للطبرانی ۳۷۳/۹ ح ۹۶۰۴)

اس کی سند شریک القاضی (مدلس) کے عن کی وجہ سے ضعیف ہے۔

ایک روایت میں (المعجم الکبیر ۳۷۳/۹ ح ۹۶۰۶، الثقات لابن حبان ۲۵۹/۹) میں شریک مدلس کے علاوہ جابر (الجعفی) سخت ضعیف ہے۔

نیز دیکھئے العلل للدار قطنی (۲۶۲/۵س ۸۶۷)

خلاصہ یہ کہ یہ روایت غیر ثابت اور مردود ہے۔

ظہور احمد نے ''چہل حدیث'' کے آخری صفحے پر اس سلسلے میں ضعیف وغیر ثابت آثار بھی نقل کئے ہیں، جن کی علمی میدان میں کوئی حیثیت نہیں ہے۔

تفصیل کے لئے دیکھئے ہدیۃ المسلمین (ص ۸۹۔۹۰ ح ۴۰)

نماز کے مسائل کی مزید تحقیق اور سلفی دلائل کے لئے دیکھئے میری کتاب: مختصر صحیح نمازِ نبوی، اور ہدیۃ المسلمین۔ والحمد للہ رب العالمین۔ وما علینا إلا البلاغ

(۱۷/ اکتوبر ۲۰۰۹ء)

امام مالک اور نماز میں فرض، سنت ونفل کا مسئلہ

حافظ ذہبی نے فرمایا:" قال أبو عبد اللّٰہ محمد بن إبراهيم البوشنجي :سمعت عبد اللّٰہ بن عمر بن الرماح قال: دخلت علٰى مالك فقلت : يا أبا عبد اللّٰہ ما فی الصلوة من فريضة و ما فيها من سنة ؟ أو قال نافلة ؟ فقال مالك. كلام الزنادقة أخرجوه ."

ابوعبداللہ محمد بن ابراہیم (بن سعید بن عبدالرحمٰن) البوشنجی (ثقہ حافظ فقیہ) نے کہا: میں نے عبداللہ بن عمر بن (میمون بن) الرماح (بلخ کے قاضی) سے سنا، انھوں نے کہا:

میں (امام) مالک (بن انس المدنی) کے پاس گیا تو پوچھا: اے ابوعبداللہ! نماز میں کیا فرض ہیں اور کیا سنت ہیں؟ یا کہا: کیا نفل ہیں؟ تو (امام) مالک نے فرمایا: زندیقوں کا کلام ہے۔ اسے باہر نکال دو۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۸ ص ۱۱۳۔۱۱۴، تاریخ الاسلام للذہبی ۱۱/ ۳۲۷)

بلخ اور نیشا پور کے قاضی عبداللہ بن عمر بن الرماح رحمہ اللہ (متوفی ۲۳۴ھ) کے بارے میں حافظ ذہبی نے فرمایا:" و كان صاحب سنة و صدع بالحق، و ثقه الذهلي ، و امتنع من القول بخلق القرآن و كفر الجهمية " وہ صاحبِ سنت (سنی) اور حق بیان کرنے والے تھے، (امام) ذہلی نے انھیں ثقہ قرار دیا، انھوں نے قرآن کومخلوق کہنے سے انکار کر دیا تھا اور جہمیہ (فرقے) کو کافر کہا۔ (سیر اعلام النبلاء ۱۱/ ۱۳)

" قال محمد بن يحيى الذهلي : هو ثقة " محمد بن یحییٰ الذہلی نے کہا: وہ ثقہ ہیں۔

(تاریخ الاسلام للذہبی ۱۷/ ۲۲۰)

حافظ ابن حبان نے انھیں کتاب الثقات میں ذکر کیا اور کہا:" مستقيم الحديث إذا حدّث عن الثقات ... و كان مرجئاً" وہ جب ثقہ راویوں سے حدیث بیان کرتے تو مستقیم الحدیث (ثقہ) تھے...اور وہ مرجی تھے۔ (ج ۸ ص ۳۵۷)

یادر ہے کہ جمہور کی توثیق کے بعد مرجی والی جرح مردود ہے۔

محدث خلیلی نے کہا:" قال ابن معین :هو من الثقات ... سمع مالكًا و سأله عن مسائل فقال: هذا كلام الزنادقة ، فأخرجه من المجلس ، ثم شفّع إليه فأكرمه و روى له و رضيه الحفاظ " ابن معین نے کہا: وہ ثقہ راویوں میں سے ہیں...انھوں نے مالک سے سنا اور مسائل کے بارے میں پوچھا تو انھوں (امام مالک) نے فرمایا: یہ زندیقوں کا کلام ہے، پھر انھیں اپنی مجلس سے نکال دیا۔ اس کے بعد اُن کے سامنے ان کی سفارش کی گئی تو انھوں (مالک) نے ان کی عزت کی اور ان کے سامنے روایتیں بیان کیں، اور حفاظِ حدیث اُن پر راضی ہوئے۔ (الارشاد فی معرفۃ علماء الحدیث ۲/۹۴۳)

عبدالقادر قرشی حنفی نے انھیں حنفی علماء میں ذکر کیا۔

دیکھئے الجواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ (ج ۱ ص ۲۷۹ ت ۷۴۳)

محمد بن ابراہیم البوشنجی رحمہ اللہ صحیح بخاری کے راوی اور ثقہ حافظ فقیہ تھے۔

دیکھئے تقریب التہذیب (۵۶۹۳)

آپ ۲۹۰ھ یا ۲۹۱ھ میں فوت ہوئے۔

یہ واقعہ امام بوشنجی سے شیخ الاسلام امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن زیاد النیسابوری رحمہ اللہ (متوفی ۳۲۴ھ) نے اپنی کتاب "مناقب مالک" میں بیان کیا ہے۔

دیکھئے جامع العلوم والحکم لابن رجب (ص ۳۷۵ حدیث ۳۰)

آپ ۲۳۸ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ دیکھئے تاریخ بغداد (ج ۱۰ ص ۱۲۲ ت ۵۲۴۸)

آپ بوشنجی کے زبردست معاصر ہیں اور آپ کا مدلس ہونا ثابت نہیں، لہٰذا یہ روایت اتصال پر محمول ہونے کی وجہ سے صحیح ہے۔ والحمد للہ

اس واقعے سے معلوم ہوا کہ نماز کے ہر مسئلے کے بارے میں فرض، سنت اور واجب وغیرہ کا سوال کرنا اہلِ سنت کا منہج نہیں بلکہ اہلِ بدعت کا طریقہ ہے۔ نیز دیکھئے مسائل امام احمد و اسحاق (روایۃ الکوسج ۱/۱۳۲۔۱۳۳ ت ۱۸۹) اور الحدیث: ۱۳ ص ۴۹ (۱۴/ اگست ۲۰۱۰ء)

نمازِ وتر کی بعض روایات مع تحقیق وتخریج

نمازِ وتر کے بارے میں بعض روایات کے بارے میں اکثر پوچھا جاتا ہے اور کچھ لوگوں کی طرف سے بعض روایات بطورِ استدلال پیش کی جاتی ہیں، لہٰذا ان روایات کی تحقیق وتخریج برائے خیر خواہی و اصلاح پیشِ خدمت ہے:

۱) امام ابوالحسن علی بن عمر الدارقطنی رحمہ اللہ (متوفی ۳۸۵ھ) نے فرمایا:

"حدثنا عبد الله بن سليمان بن الأشعث :ثنا أحمد بن صالح :ثنا عبد الله ابن وهب :أنبأ سليمان بن بلال ح و حدثنا أبو بكر النيسابوري :ثنا موهب بن يزيد بن خالد :ثنا عبدالله بن وهب :حدثنى سليمان بن بلال عن صالح بن كيسان عن عبدالله بن الفضل عن أبي سلمة بن عبدالرحمن وعبدالرحمن الأعرج عن أبي هريرة عن رسول الله ﷺ قال :

((لا توتروا بثلاث، أوتروا بخمس أو بسبع ولا تشبهوا بصلاة المغرب .))

واللفظ لموهب بن يزيد ، كلهم ثقات ." (سیدنا) ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین وتر نہ پڑھو، پانچ یا سات وتر پڑھو اور مغرب کی نماز سے مشابہت نہ کرو۔ روایت کے الفاظ موہب بن یزید کے بیان کردہ ہیں، اس کے سارے راوی ثقہ ہیں۔ (سنن دارقطنی ج ۲ ص ۲۴۔۲۵ ح ۱۶۳۴)

اس حدیث کی سند صحیح ہے اور راویوں کا مختصر وجامع تذکرہ درج ذیل ہے:

۱: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ (مشہور صحابی)

۲: عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج رحمہ اللہ (ثقة ثبت عالم) دیکھئے تقریب التہذیب: ۴۰۳۳
ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف رحمہ اللہ (ثقة مكثر) دیکھئے تق: ۸۱۴۲
یہ حدیث ان دونوں تابعین نے بیان کی ہے۔

۳: عبداللہ بن الفضل بن العباس بن ربیعہ الہاشمی المدنی رحمہ اللہ (ثقة) دیکھئے تق: ۳۵۴۳

۴: صالح بن کیسان المدنی رحمہ اللہ (ثقة ثبت فقیه) دیکھئے تق: ۲۸۸۴

۵: سلیمان بن بلال المدنی رحمہ اللہ (ثقة) دیکھئے تق: ۲۵۳۹

۶: عبداللہ بن وھب بن مسلم القرشی المصری رحمہ اللہ (ثقة حافظ عابد) تق: ۳۶۹۴

امام ابن وھب نے سماع کی تصریح کر دی ہے۔ والحمدللہ

۷: ابوسعید موھب بن یزید بن خالد بن یزید بن عبداللہ بن موھب الرملی رحمہ اللہ۔

ان سے ابوعوانہ نے صحیح ابی عوانہ میں روایت لی، دارقطنی نے ثقہ کہا اور ابن ابی حاتم نے فرمایا: ہم نے ان سے رملہ میں حدیث لکھی اور وہ صدوق (بہت سچے) ہیں۔

(الجرح والتعدیل ۸/۴۱۵)

اس حدیث کو عبداللہ بن وھب سے درج ذیل راویوں نے بھی بیان کیا ہے:

(۱) احمد بن صالح المصری (سنن دارقطنی: ۱۶۳۴، المستدرک ۱/۳۰۴ ح ۱۱۳۸)

(۲) حرملہ بن یحییٰ التجیبی (صحیح ابن حبان، الاحسان: ۲۴۲۰ [۲۴۲۹])

۸: ابوبکر عبداللہ بن محمد بن زیاد النیسابوری رحمہ اللہ

(حافظ متقن موثق / دیکھئے تاریخ بغداد ۱۰/۱۲۱ ت ۵۲۴۸، شیخ الاسلام / دیکھئے سیر اعلام النبلاء ۱۵/۶۵)

اس روایت کی تخریج درج ذیل ہے:

سنن دارقطنی (۲/۲۴۔۲۵ ح ۱۶۳۴، باب لاتشبھوا الوتر بصلاۃ المغرب)

صحیح ابن حبان (الاحسان: ۲۴۲۰، دوسرا نسخہ: ۲۴۲۹، ذکر الزجر عن أن یوتر المرء بثلاث رکعات غیر مفصولۃ)

السنن الکبریٰ للبیہقی (۳/۳۱، باب من أوتر بثلاث موصولات بتشھدین وتسلیم)

شرح معانی الآثار للطحاوی (۱/۲۹۲)

المستدرک للحاکم (۱/۳۰۴ ح ۱۱۳۸، وصححہ علیٰ شرط الشیخین ووافقہ الذھبی)

اس حدیث کو درج ذیل محدثین وغیر محدثین نے صحیح قرار دیا ہے۔

(۱) ابن حبان

(۲) حاکم

(۳) ذہبی

(۴) ابن حجر العسقلانی (قال :وإسناده علیٰ شرط الشیخین)

دیکھئے فتح الباری (۴۸۱/۲ ح ۹۹۰۔۹۹۴)

(۵) عبدالحق الاشبیلی (الاحکام الشرعیۃ الکبریٰ ۳۵۷/۲ بحوالہ مکتبہ شاملہ)

(۶) ابن الملقن (البدر المنیر ۳۰۲/۴)

(۷) محمد بن علی النیموی (آثار السنن: ۶۲۵ وقال: وإسنادہ صحیح)

ثم أوله بتاويل فاسد باطل من أجل تعصب مذهبه التقليدي.

اس حدیث سے درج ذیل علماء نے مغرب کے مشابہ (دوتشہدوں کے ساتھ) تین وتر کی ممانعت پر استدلال کیا ہے:

۱: ابن حبان

۲: بیہقی

۳: ابن حجر العسقلانی

حافظ ابن حجر نے فرمایا: ''**والجمع بين هذا و بين ماتقدم من النهي عن التشبه بصلاة المغرب أن يحمل النهي علىٰ صلاة الثلاث بتشهدين...**''إلخ

اس اور نمازِ مغرب کے ساتھ تشبیہ سے سابقہ ممانعت کے درمیان جمع وتوفیق یہ ہے کہ تین سے ممانعت کو دو تشہدوں (والی تین رکعتوں) پر محمول کیا جائے...(فتح الباری ۴۸۱/۲)

نیز دیکھئے الشرح الممتع علیٰ زاد المستقنع (۱۲/۲)

اس جمع ،توفیق اور تطبیق پر نیموی تقلیدی کا اعتراض باطل، فاسد اور مردود ہے۔

دوسری سند: تین وتر سے ممانعت والی دوسری روایت''**لا توتروا بثلاث تشبهوا بصلاة المغرب ...**''[مغرب کی نماز سے مشابہ تین وتر نہ پڑھو...]

درج ذیل کتابوں میں موجود ہے:

۱: قیام اللیل للمروزی (مختصر قیام اللیل للمقریزی ص ۲۷۷)

۲: الاوسط لابن المنذر (۱۸۰/۵ ح ۲۶۴۳، دوسرا نسخہ ۱۸۴/۵ ح ۲۶۶۲)

۳: حدیث ابی العباس الاصم (ص ۲۲۱ ح ۳۹/۴۴۷)

۴: السنن الکبریٰ للبیہقی (۳۱/۳)

۵: المستدرک للحاکم (۳۰۴/۱ ح ۱۱۳۷)

اس کے راوی طاہر (عرف حبشی) بن عمرو بن الربیع بن طارق سے ایک جماعت اور ابو عوانہ نے صحیح ابی عوانہ میں روایات لیں اور باقی سند صحیح ہے، یعنی یہ سند حسن ہے۔

موقوف: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "لا توتروا بثلاث رکعات تشبهوا بالمغرب ولکن أوتروا بخمس أو بسبع أو بتسع أو باحدى عشرة ."

مغرب کے مشابہ تین وتر نہ پڑھو، لیکن پانچ یا سات یا نو یا گیارہ وتر پڑھو۔

(شرح معانی الآثار للطحاوی ۲۹۲/۱، السنن الکبریٰ للبیہقی ۳/ ۳۱۔۳۲)

اس کی سند صحیح ہے۔

خلاصۃ التحقیق یہ ہے کہ مغرب کی طرح (یعنی دو تشہدوں کے ساتھ) تین وتر پڑھنا ممنوع ہے، لہٰذا تین وتر پڑھنے کے دو طریقے صحیح ہیں:

اول: دو رکعتیں پڑھ کر سلام پھیر دیں اور ایک وتر علیحدہ پڑھیں۔

(دلیل کے لئے دیکھئے صحیح ابن حبان الاحسان: ۲۴۲۶، مسند الامام احمد ۷۶/۲ ح ۵۴۶۱، المعجم الاوسط للطبرانی ۴۲۲/۱ ح ۷۵۷، اور میری کتاب: ھدیۃ المسلمین ح ۲۶۔۲۷)

دوم: قیس بن سعد سے روایت ہے کہ عطاء (بن ابی رباح) تین وتر پڑھتے، ان کے درمیان نہ بیٹھتے اور صرف آخری رکعت میں تشہد پڑھتے تھے۔

(المستدرک للحاکم قلمی نسخہ ج ۱ ص ۱۴۶، مطبوعہ نسخہ ج ۱ ص ۳۰۵ ح ۱۱۴۲، السنن الکبریٰ للبیہقی ۲۹/۳ واللفظ لہ)

اس اثر کی سند حسن لذاتہ ہے۔ الحسین بن الفضل البجلی رحمہ اللہ جمہور کے نزدیک موثق ہونے کی وجہ سے صدوق حسن الحدیث تھے اور باقی سند صحیح ہے۔ نیموی کو نادانستہ یا

دانستہ غلطی لگی اور الحسن بن الفضل، پر جرح نقل کر دی، حالانکہ ہماری پیش کردہ سند میں الحسن بن الفضل نہیں بلکہ الحسین بن الفضل ہیں۔

تنبیہ: نبی ﷺ سے ایک سلام (اور دو تشہدوں کے ساتھ تین وتر پڑھنا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں اور سنن نسائی (۱۶۹۹) وغیرہ کی جس روایت میں آیا ہے:

''کان لا یسلّم في رکعتي الوتر'' اور آپ (ﷺ) وتر کی دو رکعتوں پر سلام نہیں پھیرتے تھے، اس کی سند قتادہ بن دعامہ (مدلس راوی) کے عن سے روایت کرنے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ دیکھئے میری کتاب: انوار الصحیفہ فی الاحادیث الضعیفہ (ص ۳۳۴)

قتادہ کو حافظ ابن حجر نے طبقات المدلسین میں تیسرے طبقے میں ذکر کیا ہے۔

(الفتح المبین ۳/۹۲)

ابن الترکمانی (حنفی) نے کہا: ''وقتادۃ مدلس'' اور قتادہ مدلس ہیں۔ (الجوہر النقی ۲/۲۹۸)

اصولِ حدیث میں یہ مقرر ہے کہ مدلس کی عن والی روایت ضعیف ہوتی ہے۔

(دیکھئے کتاب الرسالہ للامام الشافعی: ۱۰۳۵، اور ماہنامہ الحدیث حضرو: ۸۱ ص ۱۵۔۳۱)

۲) عبداللہ بن نافع بن العمیاء نے ربیعہ بن الحارث عن الفضل بن عباس (رضی اللہ عنہ) کی سند سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''الصلوٰۃ مثنی مثنی، تشهد في کل رکعتین ...'' نماز دو دو رکعتیں ہے، ہر دو رکعتوں پر تشہد ہے۔ (سنن ترمذی: ۳۸۵)

یہ روایت چار وجہ سے ضعیف ہے:

۱: عبداللہ بن نافع بن العمیاء جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف و مجروح ہے:

ابن حبان نے کتاب الثقات میں ذکر کیا اور ابو حاتم الرازی سے ایک مشکوک قول مروی ہے۔ اس کے مقابلے میں امام بخاری نے فرمایا: ''لم یصح حدیثه''

اس کی حدیث صحیح نہیں ہے۔ (التاریخ الکبیر ۵/۲۱۳ ت ۶۸۵)

عقیلی نے کتاب الضعفاء میں ذکر کیا اور خاص اس روایت پر جرح کی۔ (۲/۳۱۰۔۳۱۱)

ذہبی نے کہا: ''فیه شيء'' اس میں کوئی چیز ہے۔ (دیوان الضعفاء والمتروکین ۲/۷۰ ت ۲۳۲۹)

ابن عدی نے الکامل میں ذکر کیا، بخاری کی جرح نقل کی اور حدیثِ مذکور کو روایات منتقدہ میں درج کیا۔ (دیکھئے ج ۴ص ۱۵۴۱، دوسرا نسخہ ۳۷۴/۵۔۳۷۵)

حافظ ابن حجر نے کہا: مجہول (تقریب التہذیب: ۳۶۵۸)

ثابت ہوا کہ یہ راوی جمہور محدثین کے نزدیک مجروح ہے۔

تنبیہ: سنن ترمذی میں اس حدیث کے بارے میں امام بخاری سے صحیح کا لفظ موجود نہیں بلکہ لیث بن سعد کی روایت کو شعبہ کی روایت سے اصح قرار دیا گیا ہے (دیکھئے قلمی نسخہ ص ۳۲ ب۔۳۳ ح ۳۸۵) اور یہ روایت کی تصحیح نہیں ہے۔

۲: جمہور محدثین مثلاً امام بخاری اور امام عقیلی وغیرہما نے خاص اس روایت پر جرح کی ہے اور خاص عام پر مقدم ہوتا ہے۔

۳: ابن العمیاء کی عبداللہ بن الحارث سے ملاقات یا معاصرت کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

۴: روایت کی سند میں اضطراب ہے۔

یہ ضعیف روایت اس صحیح روایت کے خلاف ہے، جس میں آیا ہے کہ نبی ﷺ پانچ وتر پڑھتے تھے، ان میں صرف آخری رکعت میں بیٹھتے تھے۔

(صحیح مسلم: ۷۳۷، دارالسلام: ۱۷۲۰، ملخصاً)

یادر ہے کہ صحیح حدیث کے خلاف ضعیف روایت منکر ہوتی ہے اور منکر سے استدلال مردود ہے۔

۳) امام ابوالقاسم الطبرانی رحمہ اللہ نے فرمایا:

"حدثنا سعيد بن عبدالرحمن التستري : ثنا إبراهيم بن المستمر العروقي : ثنا أبو همام الخارجي : حدثني عدي بن أبي عدي عن علي بن زيد عن الحسن عن أمه عن أم سلمة أن النبي ﷺ قال : في كل ركعة تشهد و تسليم على المرسلين و علىٰ من تبعهم من عباد الله الصالحين ."

(سیدہ) ام سلمہ (رضی اللہ عنہا) سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ہر رکعت (ہر دو رکعت) میں تشہد اور رسولوں اور ان کے متبعین: اللہ کے نیک بندوں پر سلام ہے۔

(المعجم الکبیر ۲۳/ ۳۶۷ ح ۸۶۹، وذکرہ فی مجمع الزوائد ۲/ ۱۳۹، بلفظ: فی کل رکعتین)

اس روایت کی سند تین وجہ سے ضعیف و مردود ہے:

۱: سعید بن عبدالرحمٰن التستری الدیباجی کی توثیق نامعلوم ہے۔

(نیز دیکھئے مقدمۃ کتاب الدعاء ۱/ ۳۲۳)

۲: عدی بن ابی عدی نامعلوم ہے۔

۳: علی بن زید بن جدعان جمہور کے نزدیک ضعیف ہے۔

(زوائد ابن ماجہ: ۲۲۸، نیز دیکھئے مجمع الزوائد ۸/ ۲۰۶۔۲۰۹)

حافظ ابن حجر نے کہا: ''ضعیف'' (تقریب التہذیب: ۴۷۳۴)

تنبیہ: باقی سند بھی حسن بصری کے عن کی وجہ سے ضعیف ہے۔

٤) امام طبرانی نے فرمایا: "حدثنا محمد بن أحمد الرقام التستری قال: حدثنا عبداللّٰه بن الصباح العطار قال: حدثنا أبو بحر البکراوی قال: حدثنا إسماعیل بن مسلم عن الحسن عن سعد بن هشام عن عائشة قالت قال رسول اللّٰه ﷺ: الوتر ثلاث کثلاث المغرب."

(سیدہ) عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مغرب کی تین رکعتوں کی طرح وتر تین (رکعتیں) ہیں۔ (المعجم الاوسط ۸/ ۸۳ ح ۷۱۶۶)

اس روایت کی سند چار وجہ سے ضعیف ہے:

۱: محمد بن احمد الرقام کی توثیق نامعلوم ہے۔

۲: ابو بحر عبدالرحمٰن بن عثمان البکراوی ضعیف ہے۔ (دیکھئے تقریب التہذیب: ۳۹۴۳)

ہیثمی نے کہا: اور اس میں بڑا کلام ہے۔ (مجمع الزوائد ۲/ ۲۴۲، میری کتاب تحقیقی مقالات ج ۳ ص ۵۴۴)

۳: اسماعیل بن مسلم المکی حدیث میں ضعیف ہے۔ (دیکھئے تقریب التہذیب: ۴۸۴)

۴: حسن بصری مدلس ہیں۔

حافظ ذہبی نے کہا: ''کثیر التدلیس'' وہ کثرت سے تدلیس کرنے والے تھے۔

(میزان الاعتدال ۱/ ۵۲۷ ت ۱۹۶۸)

اور سند عن سے ہے۔

تنبیہ: السنن الکبریٰ (۳/ ۳۱) اور العلل المتناھیہ لابن الجوزی (۱/ ۴۵۴۔۴۵۵ ح ۷۷۲۔۷۷۳) وغیرہما میں اس کے ضعیف ومردود شواہد بھی ہیں، جن کے ساتھ یہ روایت ضعیف ہی ہے۔

۵) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ تین رکعات وتر پڑھتے تھے اور بعض صحابہ کی بعض روایات میں پہلی رکعت میں سورۃ الاعلیٰ، دوسری میں قل یا ایھا الکافرون اور تیسری میں سورۃ الاخلاص پڑھنے کا بھی ذکر ہے، لیکن اس سے طحاوی وغیرہ کا استدلال غلط ہے، کیونکہ کسی ایک صحیح یا حسن لذاتہ روایت میں اس کی صراحت نہیں کہ یہ تین وتر دو تشہدوں اور ایک سلام سے ہوتے تھے۔

٦) امام ابن ابی شیبہ نے فرمایا: "حدثنا حفص عن عمرو عن الحسن قال: أجمع المسلمون عن أن الوتر ثلاث لایسلم إلا في آخر هن "حسن (بصری رحمہ اللہ) سے مروی ہے کہ مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ وتر تین رکعات ہیں جن میں سے صرف آخری رکعت ہی میں سلام پھیرا جائے گا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲/ ۲۹۴ ح ۶۸۳۳)

اس روایت کی سند عمرو بن عبید المعتزلی کی وجہ سے موضوع ہے۔

عمرو بن عبید کے بارے میں عوف الاعرابی نے کہا: اللہ کی قسم عمرو نے جھوٹ بولا ہے۔

یونس (بن عبید) نے کہا: عمرو بن عبید حدیث میں جھوٹ بولتا تھا۔

حمید الطویل نے کہا: وہ حسن (بصری) پر جھوٹ بولتا ہے۔

(کتاب الجرح والتعدیل ۳/ ۲۴۷۔۲۴۶)

ایوب سختیانی نے کہا: (عمرو نے حسن پر) جھوٹ بولا۔

(التاریخ الصغیر للبخاری ۲/ ۶۷ تحقیقی مقالات ۳/ ۵۲۲)

اس موضوع (من گھڑت) روایت کو بعض لوگ مزے لے لے کر بیان کرتے ہیں، حالانکہ موضوع روایت کا بغیر جرح کے بیان کرنا حلال نہیں ہے۔

۷) ابن ابی شیبہ نے کہا: "حدثنا زيد بن حباب عن أبي زبير عن مكحول عن عمر بن الخطاب أنه أوتر بثلاث ركعات لم يفصل بينهن بسلام."
مکحول سے روایت ہے کہ عمر بن الخطاب (رضی اللہ عنہ) نے تین وتر ادا کئے، ان کے درمیان سلام نہیں پھیرا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۲۹۴ ح ۶۸۳۰)

یہ روایت دو وجہ سے ضعیف ہے:

۱: ابوالزبیر محمد بن مسلم بن تدرس المکی طبقۂ ثالثہ (عند ابن حجر) کے مدلس تھے (دیکھئے الفتح المبین ۳/۱۰۱) اور یہ روایت عن سے ہے۔

۲: مکحول کی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت نہیں، لہٰذا یہ روایت منقطع ہے۔

تنبیہ: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور بعض صحابہ سے تین رکعات وتر۔ کے مطلقاً یا تین رکعات وتر پر سلام والے آثار آئے ہیں، لیکن کسی ایک صحیح روایت میں کسی صحابی سے دو تشہدوں اور ایک سلام کے ساتھ تین وتر پڑھنے ثابت نہیں۔

۸) ایک روایت میں آیا ہے کہ حسن بصری سے کہا گیا: بے شک ابن عمر (رضی اللہ عنہ) وتر کی دو رکعتوں پر سلام پھیر دیتے ہیں تو انھوں نے فرمایا: عمر (رضی اللہ عنہ) ان سے زیادہ فقیہ تھے، وہ تیسری رکعت میں تکبیر کے ساتھ کھڑے ہوجاتے تھے۔ (المستدرک ۱/۳۰۴ ح ۱۱۴۱)

اس روایت سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ دوسری رکعت میں تشہد کے لئے نہیں بیٹھتے تھے بلکہ تکبیر کہہ کر کھڑے ہوجاتے تھے۔

دوسرے یہ کہ یہ روایت اس وجہ سے ضعیف ہے کہ حسن بصری کی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت نہیں، بلکہ وہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت سے تین سال پہلے پیدا ہوئے تھے۔

(دیکھئے تقریب التہذیب: ۱۲۲۷، ۴۸۸۸)

تنبیہ: اگر کسی روایت کے ضعیف و مردود ہونے کی کئی وجوہ وعلتیں ہوں تو ان میں سے صرف ایک بڑی وجہ کا ذکر کردینا بھی کافی ہوتا ہے۔

۹) طبرانی کی روایت میں ہے کہ (سیدنا) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "دیکھو جو تم (فجر

کی نماز میں) امام کی سورت سے فارغ ہونے کے بعد کھڑے ہوکر دعاء قنوت پڑھتے ہو، اللہ کی قسم! یہ بدعت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک مہینے کے علاوہ ایسا نہیں کیا (صرف ایک ماہ کیا) پھر اسے چھوڑ دیا۔ دیکھو یہ جو تم نماز میں ہاتھ اٹھا کر دعاء قنوت پڑھتے ہو واللہ! یہ بدعت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے زیادہ کچھ نہیں کیا۔" پھر آپ نے مونڈھوں تک ہاتھ اٹھا کر دکھایا۔ (المعجم الکبیر للطبرانی بحوالہ مجمع الزوائد ۱۳۷/۲، وتکلم فیہ)

اس روایت کی سند درج ذیل ہے:

"حدثنا علي بن عبدالعزيز قال: حدثنا عارم أبو النعمان قال: حدثنا حماد ابن زيد عن بشر بن حرب ..." (جامع المسانید والسنن لابن کثیر ۴۸/۲۸ ح ۴۴_۴۳)

بشر بن حرب الندبی جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔

(دیکھئے تہذیب التہذیب بحاشیتی ۴۴۶/۱_۴۴۷، دوسرا نسخہ ۳۹۰/۱_۳۹۱، اور کتب اسماء الرجال)

۱۰) جعفر بن میمون نے ابوعثمان (النہدی) سے روایت کیا کہ (ہم آتے تو) عمر (رضی اللہ عنہ) ہمیں اور لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے، آپ رکوع کے وقت قنوت پڑھتے، رفع یدین کرتے حتی کہ اپنی ہتھیلیاں کھولتے اور بازو نکالتے تھے۔ (جزء رفع الیدین للبخاری: ۹۷)

اس اثر کی سند جعفر بن میمون کے جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

جعفر بن میمون پر جمہور کی جرح کے لئے دیکھئے تہذیب التہذیب (۱۰۹/۲، دوسرا نسخہ ۹۳/۲)

دوسرے یہ کہ اس موقوف روایت سے حنفیوں والا رفع یدین مراد نہیں بلکہ بعض اہلِ حدیث، شافعیہ اور حنابلہ وغیرہ والا رفع یدین مراد ہے، جس میں دعا کی طرح سینے تک ہاتھ اُٹھائے جاتے ہیں اور ایسا کرنا رسول اللہ ﷺ سے صبح کی نماز (قنوتِ نازلہ) میں ثابت ہے۔

(دیکھئے مسند الامام احمد ج ۳ ص ۱۳۷، وسندہ صحیح، نیز دیکھئے فقرہ نمبر ۱۱، فائدہ)

۱۱) روایت ہے کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وتر کی آخر رکعت میں سورۃ الاخلاص پڑھتے پھر دونوں ہاتھ اٹھاتے تو رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے تھے۔

(جزء رفع الیدین: ۹۹، مصنف ابن ابی شیبہ ۲۶۷/۲۰۳ ح ۲۹۴۷)

اس روایت کی سند لیث بن ابی سلیم کی وجہ سے ضعیف ہے۔

جمہور محدثین نے لیث بن ابی سلیم کو ضعیف قرار دیا۔ دیکھئے زوائد ابن ماجہ للبوصیری (۲۰۸) البدر المنیر لابن الملقن (۲۲۷/۷) اور خلاصۃ البدر المنیر (۷۸)

حافظ ابن حجر نے فرمایا: "صدوق اختلط جدًا ولم یتمیز حدیثه فترك "سچا ہے، اسے شدید اختلاط ہوا اور اس کی بیان کردہ حدیثوں میں (قدیم وجدید کی) تمیز نہ ہوسکی لہٰذا وہ متروک ہوگیا۔ (تقریب التہذیب: ۵۶۸۵)

حافظ ہیثمی نے ایک روایت کے بارے میں کہا: "وفیه لیث بن أبي سلیم وهو مدلس." "اور اس میں لیث بن ابی سلیم مدلس ہے۔ (مجمع الزوائد ۸۳/۱)

اور مذکورہ اثر عن سے ہے لہٰذا تدلیس کی وجہ سے بھی مردود ہے۔

فائدہ: لیث بن ابی سلیم کی ضعیف روایت تاریخ یحییٰ بن معین (روایۃ الدوری: ۴۱۰۲) میں بھی موجود ہے اور اس میں یہ صراحت ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے سینے تک دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے۔ یعنی اس رفع یدین سے مراد دعا والا رفع الیدین ہے۔

تنبیہ: روایتِ مذکورہ کو نیموی تقلیدی کا آثار السنن میں "وإسناده صحیح" کہنا غلط ہے۔

لیث بن ابی سلیم پر حنفیہ اور آلِ تقلید کی جرح کے لئے دیکھئے نصب الرایہ (۹۶/۳) احسن الکلام (۱۲۸/۲، دوسرا نسخہ ۱۴۰/۲) تجلیاتِ صفدر (۵۹/۵) درسِ ترمذی (۲۳۳/۱) اور خاتمۃ الکلام (ص ۱۰۱)

۱۲) ایک تابعی ابراہیم بن یزید النخعی رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ سات جگہ ہاتھ اٹھاتے جاتے ہیں: شروع نماز، قنوتِ وتر کے لئے تکبیر، عیدین (کی تکبیرات)، حجر اسود کی طرف اشارہ کرتے وقت، صفا اور مروہ پر، مزدلفہ اور عرفات میں اور دو جمروں (جنھیں کنکریاں ماری جاتی ہیں) کے پاس کھڑے ہوتے وقت۔

(شرح معانی الآثار ج ۱ ص ۴۵۵، دوسرا نسخہ ج ۲ ص ۱۷۸)

اس روایت کی سند قاضی ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم کے جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف ومجروح ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ (دیکھئے میری کتاب: تحقیقی مقالات ج ۱ ص ۵۳۳۔۵۴۸)

امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت الکوفی الکابلی رحمہ اللہ نے فرمایا: " **ألا تعجبون من یعقوب؟ یقول علي مالا أقول .** " کیا تم یعقوب (ابو یوسف) پر تعجب نہیں کرتے؟ وہ میرے بارے میں ایسی باتیں کرتا ہے جو میں نہیں کہتا۔

(التاریخ الصغیر للبخاری ۲/۲۰۹۔۲۱۰ وسندہ حسن)

امام ابو حنیفہ نے قاضی ابو یوسف سے کہا: تم ہماری کتاب میں وہ باتیں لکھتے ہو جو ہم نہیں کہتے۔ (کتاب الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم ۹/۲۰۱ وسندہ صحیح)

لہٰذا اس ضعیف روایت کو بعض الناس کا "**وإسناده صحيح**" کہنا غلط ہے۔

۱۲) کہا جاتا ہے کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے اپنی والدہ کو ایک دفعہ رات گزارنے کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا تاکہ وہ یہ دیکھیں کہ آپ وتر کیسے پڑھتے ہیں؟ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے نماز پڑھی جتنی کہ اللہ تعالیٰ نے چاہی حتی کہ جب رات کا آخری وقت ہو گیا اور آپ نے وتر پڑھنے کا ارادہ کیا تو پہلی رکعت میں سورۃ الاعلیٰ اور دوسری میں الکافرون پڑھی پھر قعدہ کیا پھر قعدے کے بعد کھڑے ہوئے اور ان کے درمیان سلام سے جدائی نہیں ڈالی پھر آپ نے سورۃ الاخلاص پڑھی۔ جب قراءت سے فارغ ہوئے تو تکبیر کہی اور دعاء قنوت پڑھی اور قنوت میں اللہ نے جو چاہا دعا مانگی پھر اللہ اکبر کہہ کر رکوع کیا۔

(الاستیعاب لابن عبدالبر ج ۴ ص ۴۷۱، دوسرا نسخہ ج ۲ ص ۵۸۸ ت ۳۵۹۱)

یہ روایت تین وجہ سے موضوع ہے۔

۱: اس کا بنیادی راوی ابان بن ابی عیاش سخت مجروح ومتروک ہے۔ امام شعبہ نے فرمایا: اگر ابان بن ابی عیاش اس حدیث (یعنی حدیث القنوت فی الوتر قبل الرکوع) میں جھوٹ نہیں بولتا تھا تو میری چادر اور میرا گدھا دونوں غریب لوگوں میں صدقہ ہیں۔

(کتاب الضعفاء للعقیلی ۱/۳۸ وسندہ صحیح)

حافظ ابن حجر نے کہا: "متروك" (تقریب تہذیب: ۱۴۲)

ابان پر محدثین کی شدید جروح کے لئے تہذیب التہذیب اور میزان الاعتدال وغیرہما کا مطالعہ کریں۔

۲: ابان بن ابی عیاش سے روایت کرنے والا حفص بن سلیمان القاری الکوفی قراءت میں امام ہونے کے باوجود حدیث میں متروک ہے۔ دیکھئے تقریب التہذیب (۱۴۰۵)

۳: حفص بن ابی داود سلیمان انصاری تک متصل سند نامعلوم ہے۔

حافظ ابن حجر نے خاص اس روایت کے بارے میں فرمایا: "**وهذا سند ضعيف جدًا.**"

اور یہ سند سخت ضعیف ہے۔ (الاصابہ ج ۴ ص ۴۷۵ ت ۱۴۰۴)

تنبیہ: اس مردود و موضوع روایت کو نعیم الدین دیوبندی نے "حدیث اور اہلِ حدیث" نامی کتاب میں بطورِ استدلال پیش کیا ہے۔ (دیکھئے ص ۵۶۳)

اس پر مفصل رد کے لئے دیکھئے مولانا ابوصہیب محمد داود ارشد حفظہ اللہ کی کتاب: "حدیث اور اہلِ تقلید" (ج ۲ ص ۲۵۰)

۱۴) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"**وتر الليل ثلاث كوتر النهار صلوة المغرب**" رات کے وتر تین ہیں جیسے دن کے وتر تین ہیں: نمازِ مغرب کی طرح (سنن دارقطنی ۲/۲۸ ح ۱۶۳۷)

اس روایت کی سند تین وجہ سے ضعیف ہے:

۱: اس کا بنیادی راوی یحییٰ بن زکریا بن ابی الحواجب ضعیف ہے۔ امام دارقطنی نے فرمایا: "**ضعيف ولم يروعن الأعمش مرفوعًا غيره**" وہ ضعیف ہے اور اعمش سے اس کے علاوہ کسی دوسرے نے اسے مرفوع بیان نہیں کیا۔ (سنن دارقطنی نسخہ محققہ ج ۲ ص ۲۰)

۲: اعمش مدلس ہیں (دیکھئے میری کتاب: تحقیقی مقالات ج ۳ ص ۳۰۰۔ ۳۰۵، اور محمد الیاس فیصل کی کتاب: نمازِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ص ۸۵)

اور یہ روایت (ان تک بشرطِ صحت) عن سے ہے، لہٰذا مردود ہے۔

۳: اس کا نچلا راوی محمد بن احمد بن حماد الدولابی بقولِ راجح ضعیف ہے۔

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک موقوف روایت ہے کہ دن کے وتر نمازِ مغرب کی طرح وتر تین ہیں۔ (معانی الآثار للطحاوی ۱/۲۹۴، آثار السنن: ۶۱۹ وقال: ''وإسنادہ صحیح''!!)

اس کی سند اعمش راوی (مدلس) کے عن کی وجہ سے ضعیف ہے۔

۱۵) سیدنا ابوایوب الانصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''**الوتر حق واجب فمن شاء أوتر بثلاث فليوتر ومن شاء أن يوتر بواحدة فليوتر بواحدة**'' **قوله واجب : ليس بمحفوظ لاأعلم تابع ابن حسان عليه أحد.** ''

وتر حق واجب ہے، پس جو شخص تین وتر پڑھنا چاہے تو وہ (تین) پڑھے اور جو شخص ایک وتر پڑھنا چاہے تو وہ (ایک) وتر پڑھے۔ (امام دارقطنی نے فرمایا:) اس میں واجب کا لفظ محفوظ نہیں، میرے علم کے مطابق (محمد) بن حسان (الازرق) کی کسی ایک نے بھی اس میں متابعت نہیں کی۔ (سنن دارقطنی ج ۲ ص ۲۲ ح ۱۶۲۴)

اس روایت کی سند تین وجہ سے ضعیف ہے:

۱: ابن شہاب الزہری مدلس ہیں (طبقات المدلسین طبقہ ثالثہ ۳/۱۰۲)

اور روایت عن سے ہے۔ (نیز دیکھئے شرح معانی الآثار للطحاوی ۱/۵۵ باب مس الفرج)

۲: سفیان بن عیینہ (حافظ ابن حجر کے نزدیک طبقہ ثانیہ اور ہمارے نزدیک طبقہ ثالثہ کے مدلس ہیں اور روایت عن سے ہے۔ (نیز دیکھئے الجوہر النقی لابن الترکمانی ۲/۱۳۸، المستدرک للحاکم ۲/۵۳۹ ح ۳۹۸۵، اور علل الحدیث لابن ابی حاتم نسخہ محققہ ۱/۲۳۲ ح ۶۰)

۳: امام دارقطنی نے خاص اس روایت پر کلام کیا ہے اور کسی قابلِ اعتماد محدث سے اس متن والی روایت کو صحیح و محفوظ کہنا ثابت نہیں۔

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: '' **ليس الوتر بحتم كالصلوة ولكنه سنة فلا تدعوه** '' وتر نماز کی طرح واجب (وفرض) نہیں، لیکن یہ سنت ہے اور اسے نہ چھوڑو۔ (مسند الامام احمد ۱/۱۰۷ ح ۸۴۲ وسندہ حسن) ختم شد [۲۷/ جنوری ۲۰۱۱ء]

اصولِ حدیث اور تحقیق الروایات

اُصولِ حدیث اور مدلس کی عن والی روایت کا حکم

اُصولِ حدیث کا مشہور و معروف مسئلہ ہے کہ مدلس راوی (یعنی جس کا مدلس ہونا ثابت ہو) کی عن والی روایت نا قابلِ حجت یعنی ضعیف ہوتی ہے۔
اس سلسلے میں محدثین کرام، علمائے حدیث اور دیگر علماء کے چالیس (۴۰) حوالے مع ثبوت پیشِ خدمت ہیں:

۱) امام ابوعبداللہ محمد بن ادریس الشافعی رحمہ اللہ (متوفی ۲۰۴ھ) نے فرمایا:
" فقلنا : لا نقبل من مدلّس حديثًا حتى يقول فيه : حدثني أو سمعت ."
پس ہم نے کہا: ہم کسی مدلس سے کوئی حدیث قبول نہیں کرتے، حتیٰ کہ وہ حدثنی یا سمعت کہے/ یعنی سماع کی تصریح کرے۔

(کتاب الرسالہ طبع المطبعۃ الکبری الامیریہ بولاق ۱۳۲۱ھ ص ۵۳، بتحقیق احمد شاکر: ۱۰۳۵)

کتاب الرسالہ اصولِ فقہ اور اصولِ حدیث بلکہ اصولِ دین کی قدیم اور عظیم الشان کتابوں میں سے ہے اور متعدد علماء نے اس کی شروح لکھی ہیں۔

۲) امام عبدالرحمٰن بن مہدی رحمہ اللہ (متوفی ۱۹۸ھ) کتاب الرسالہ کو پسند کرتے تھے۔
دیکھئے الطیوریات (ج ۲ ص ۶۱۷ ح ۶۸۱ وسندہ صحیح)

ثابت ہوا کہ عبدالرحمٰن بن مہدی کے نزدیک بھی مدلس کی عن والی روایت قابلِ قبول نہیں ہے۔

۳) امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (متوفی ۲۴۱ھ) کتاب الرسالہ سے راضی تھے۔
دیکھئے کتاب الجرح والتعدیل (۲۰۴/۷ وسندہ صحیح، امام شافعی اور مسئلۂ تدلیس، فقرہ: ۲)
اور فرماتے تھے کہ یہ اُن کی سب سے اچھی کتابوں میں سے ہے۔

(تاریخ دمشق لابن عساکر ۲۹۱/۵۴ وسندہ صحیح)

٤) امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ (متوفی ۲۳۸ھ) بھی کتاب الرسالہ سے متفق تھے۔
دیکھئے فقرہ: ۳، اور "امام شافعی رحمہ اللہ اور مسئلۂ تدلیس"

٥) امام اسماعیل بن یحییٰ المزنی رحمہ اللہ (متوفی ۲۶۴ھ) بھی کتاب الرسالہ کے مؤید تھے۔ (مقدمۃ الرسالہ ص ۷۳ روایۃ ابن الاکفانی: ۵۴ وسندہ حسن)

٦) مشہور محدث ابوبکر البیہقی رحمہ اللہ (متوفی ۴۵۸ھ) نے امام شافعی کا مذکورہ کلام (فقرہ:۱) نقل کیا اور اس پر سکوت کے ذریعے سے اس کی تائید فرمائی۔
دیکھئے معرفۃ السنن والآثار (۱/ ۷۶) اور النکت للزرکشی (ص ۱۹۱)

٧) صحیح مسلم کے مصنف امام مسلم رحمہ اللہ (متوفی ۲۶۱ھ) نے فرمایا:

"و إنما كان تفقد من تفقد منهم سماع رواة الحديث ممن روى عنهم - إذا كان الراوي ممن عرف بالتدليس في الحديث و شهر به فحينئذ يبحثون عن سماعه في روايته و يتفقدون ذلك منه، كي تنزاح عنهم علة التدليس"

جس نے بھی راویانِ حدیث کا سماع تلاش کیا ہے تو اس نے اس وقت تلاش کیا ہے جب راوی حدیث میں تدلیس کے ساتھ معروف (معلوم) ہو اور اس کے ساتھ مشہور ہو تو اس وقت روایت میں اس کا سماع دیکھتے ہیں اور تلاش کرتے ہیں تا کہ راویوں سے تدلیس کا ضعف دور ہو جائے۔ (مقدمہ صحیح مسلم طبع دارالسلام ص ۲۲ ب)

اس عبارت کی تشریح میں ابن رجب حنبلی نے لکھا ہے:

" و هذا يحتمل أن يريد به كثرة التدليس في حديثه ويحتمل أن يريد [به] ثبوت ذلك عنه و صحته فيكون كقول الشافعي " اور اس میں احتمال ہے کہ اس سے حدیث میں کثرتِ تدلیس مراد ہو، اور (یہ بھی) احتمال ہے کہ اس سے تدلیس کا ثبوت مراد ہو، تو یہ شافعی کے قول کی طرح ہے۔ (شرح علل الترمذی ج ۱ ص ۳۵۴)

عرض ہے کہ اس سے دونوں مراد ہیں یعنی اگر راوی کثیر التدلیس ہو تو بھی اس کی معنعن

روایت (اپنی شروط کے ساتھ) ضعیف ہوتی ہے، اور اگر راوی سے (ایک دفعہ ہی) تدلیس ثابت ہو جائے تو پھر بھی اس کی معنعن روایت (اپنی شروط کے ساتھ) ضعیف ہوتی ہے۔
ثابت ہوا کہ امام مسلم کے نزدیک مدلس کی معنعن (عن والی) روایت حجت نہیں ہے۔

۸) خطیب بغدادی رحمہ اللہ (متوفی ۴۶۳ھ) نے فرمایا:

" و قال آخرون : خبر المدلس لا يقبل إلا أن يورده على وجه مبين غير محتمل لإيهام فإن أورده على ذلك قُبِلَ ، و هذا هو الصحيح عندنا ."

اور دوسروں نے کہا: مدلس کی خبر (روایت) مقبول نہیں ہوتی اِلا یہ کہ وہ وہم کے احتمال کے بغیر صریح طور پر تصریح بالسماع کے ساتھ بیان کرے، اگر وہ ایسا کرے تو اس کی روایت مقبول ہے اور ہمارے نزدیک یہی بات صحیح ہے۔ (الکفایہ فی علم الروایہ ص ۳۶۱)

الکفایہ اصولِ حدیث کی مشہور اور مستند کتابوں میں سے ہے۔

۹) حافظ ابن حبان البستی رحمہ اللہ (متوفی ۳۵۴ھ) نے فرمایا:

" فما لم يقل المدلّس و إن كان ثقة : حدثني أو سمعت فلا يجوز الإحتجاج بخبره ، و هذا أصل أبي عبد الله محمد بن إدريس الشافعي ۔ رحمه الله۔ و من تبعه من شيوخنا . "

پس جب تک مدلس، اگرچہ ثقہ ہو، حدثنی یا سمعت نہ کہے (یعنی سماع کی تصریح نہ کرے) تو اس کی روایت سے حجت پکڑنا جائز نہیں ہے اور یہ ابوعبداللہ محمد بن ادریس الشافعی رحمہ اللہ کی اصل (بنیادی اصول) ہے اور ہمارے اساتذہ کا اصول ہے جنھوں نے اس میں اُن کی اتباع (یعنی موافقت) کی ہے۔ (کتاب المجروحین ج ۱ ص ۹۲، دوسرا نسخہ ج ۱ ص ۸۶)

نیز دیکھئے صحیح ابن حبان (الاحسان ۱/۱۶۱، دوسرا نسخہ ۱/۹۰)

حافظ ابن حبان نے مزید فرمایا: **" فإن المدلس ما لم يبين سماع خبره عمن كتب عنه لا يجوز الإحتجاج بذلك الخبر، لأنه لا يدرى لعله سمعه من إنسان ضعيف يبطل الخبر بذكره إذا وقف عليه و عرف الخبر به، فما لم يقل**

المدلس في خبره و إن كان ثقة : سمعت أو حدثني ، فلا يجوز الإحتجاج بخبره " پس مدلس جب تک اپنے استاذ سے سماع کی تصریح نہ کرے تو اس کی اس روایت سے حجت پکڑنا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ پتا نہیں کہ شاید اس نے کسی ضعیف انسان سے سنا ہو، جس کے معلوم ہو جانے سے خبر (روایت) باطل ہو جاتی ہے۔ پس مدلس اگرچہ ثقہ ہو اپنی روایت میں سمعت یا حدثنی نہ کہے تو اس کی روایت سے حجت پکڑنا جائز نہیں ہے۔

(کتاب الثقات ج ۱ ص ۱۲)

۱۰) حافظ ابن الصلاح الشہر زوری الشافعی (متوفی ۶۴۳ھ) نے کہا:

" والحكم بأنه لا يقبل من المدلّس حتى يبين ، قد أجراه الشافعي رضي الله عنه فيمن عرفناه دلّس مرة . والله أعلم "

اور حکم (فیصلہ) یہ ہے کہ مدلس کی روایت تصریحِ سماع کے بغیر قبول نہ کی جائے، اسے شافعی رضی اللہ عنہ نے اس شخص کے بارے میں جاری فرمایا ہے جس نے ہماری معلومات کے مطابق صرف ایک دفعہ تدلیس کی ہے۔ واللہ اعلم

(مقدمۃ ابن الصلاح مع التقیید والایضاح للعراقی ص ۹۹، دوسرا نسخہ ص ۱۶۱)

مقدمہ ابن الصلاح یا علوم الحدیث (معرفۃ انواع علم الحدیث) اُصولِ حدیث کی مشہور و معروف کتاب ہے اور اسے تلقی بالقبول حاصل ہے۔ مثلاً دیکھئے ارشاد طلاب الحقائق للنووی (۱/ ۱۰۸) المنہل الروی لابن جماعہ (ص ۲۶) اختصار علوم الحدیث لابن کثیر (۱/ ۹۵۔۹۶) اور التقیید والایضاح (ص ۱۱) نزہۃ النظر لابن حجر (ص ۵۔۶) اور البحر الذی زخر للسیوطی (۱/ ۲۳۵) وغیرہ۔

۱۱) علامہ یحییٰ بن شرف النووی (متوفی ۶۷۶ھ) نے فرمایا:

" فما رواه بلفظ محتمل لم يبين فيه السماع فمرسل ... و هذا الحكم جار فيمن دلّس مرة . " پس وہ (مدلس راوی) ایسے لفظ سے روایت بیان کرے جس میں احتمال ہو، سماع کی تصریح نہ ہو تو وہ مرسل ہے... اور یہ حکم اس کے بارے میں جاری ہے جو

ایک دفعہ تدلیس کرے۔

(التقریب للنووی فی اصول الحدیث ص۹ نوع ۱۲، تدریب الراوی للسیوطی ۲۲۹/۱۔۲۳۰)

مرسل کے بارے میں نووی نے کہا:

" ثم المرسل حديث ضعيف عند جماهير المحدثين ..." پھر (یہ کہ) مرسل ضعیف حدیث ہے، جمہور محدثین کے نزدیک... (التقریب للنووی ص۷، نوع ۹)

۱۲) حافظ ابن عبدالبر (متوفی ۴۶۳ھ) نے فرمایا:

" و كذلك من عرف بالتدليس المجتمع عليه و كان من المسامحين في الأخذ عن كل أحد ، لم يحتج بشيءٍ مما رواه حتى يقول: أخبرنا أو سمعت" اور اسی طرح جو شخص اس تدلیس کے ساتھ معلوم ہو جائے، جس پر اجماع ہے (کہ وہ تدلیس ہے) اور وہ ان نرمی کرنے والوں میں سے ہو جو ہر ایک سے روایت لے لیتے ہیں، اس نے جو بھی روایت بیان کی اس میں سے کسی کے ساتھ بھی حجت نہیں پکڑی جائے گی اِلا یہ کہ وہ اخبرنا یا سمعت کہے یعنی سماع کی تصریح کرے۔

(التمہید لما فی الموطأ من المعانی والاسانید ۱۷/۱)

اس سے ثابت ہوا کہ ضعیف راوی سے روایت کرنے والے مدلس کی غیر مصرح بالسماع (عن والی) روایت حافظ ابن عبدالبر کے نزدیک حجت نہیں یعنی ضعیف ہے۔

ہمارے علم کے مطابق تمام ثابت شدہ مدلسین میں سے کوئی ایک مدلس بھی ایسا نہیں جو ضعیف راوی سے روایت بیان نہیں کرتا تھا۔

تنبیہ: حافظ ابن حبان وغیرہ کا یہ دعویٰ کہ ''سفیان بن عیینہ صرف ثقہ سے تدلیس کرتے تھے'' کئی وجہ سے غلط ہے۔ مثلاً:

۱: یہ قاعدہ کلیہ نہیں بلکہ بعض اوقات سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ غیر ثقہ سے بھی تدلیس کر لیتے تھے۔

۲: سفیان بن عیینہ جن ثقہ راویوں سے تدلیس کرتے تھے، ان میں سے بعض بذاتِ خود

مدلس تھے اور اُن کا صرف ثقہ سے تدلیس کرنے کا کوئی ثبوت نہیں، لہٰذا یہاں تدلیس پر تدلیس کا شبہ ہے۔

۳: سفیان بن عیینہ ضعیف راویوں سے بھی روایتیں بیان کرتے تھے، مثلاً اُن کے اساتذہ میں علی بن زید بن جدعان (ضعیف راوی) بھی ہے۔

حافظ ابن عبدالبر نے مزید فرمایا: ''إلا أن يكون الرجل معروفًا بالتدليس فلا يقبل حديثه حتى يقول: حدثنا أو سمعت، فهذا لا أعلم فيه أيضًا خلافًا.''

سوائے اس کے کہ (اگر) آدمی تدلیس کے ساتھ مشہور ہو تو اس کی حدیث قبول نہیں کی جاتی اِلا یہ کہ وہ حدثنا یا سمعت کہے (یعنی سماع کی تصریح کرے) اس کے بارے میں مجھے کوئی اختلاف معلوم نہیں ہے۔ (التمہید ۱۳/۱)

حافظ ابن عبدالبر نے معنعن (عن والی) روایت کے مقبول ہونے کی تین شرطیں بیان فرمائی ہیں، جن پر اجماع ہے۔

(۱) تمام راوی عادل یعنی ثقہ وضابط ہوں۔

(۲) ہر راوی کی اپنے استاذ سے ملاقات ثابت ہو۔

(۳) تمام راوی تدلیس سے بری ہوں۔ (التمہید ۱۲/۱)

۱۳) ابوبکر الصیرفی (متوفی ۳۳۰ھ) نے کتاب الرسالہ للشافعی کی شرح کتاب الدلائل والاعلام میں فرمایا: ''كل من ظهر تدليسه عن غير الثقات لم يقبل خبره حتى يقول: حدثني أو سمعت.'' ہر وہ شخص جس کی تدلیس غیر ثقہ راویوں سے ظاہر ہو جائے تو اس کی روایت قبول نہیں کی جاتی، اِلا یہ کہ وہ حدثنی یا سمعت کہے/یعنی سماع کی تصریح کرے۔ (النکت علیٰ مقدمۃ ابن الصلاح للزرکشی ص ۱۸۴)

نیز دیکھئے امام شافعی رحمہ اللہ اور مسئلۂ تدلیس (ص ۱۱۔۱۲)

۱۴) حافظ ذہبی نے معنعن روایت (جس میں عن عن ہو) کے بارے میں فرمایا:

'' ثم بتقدير تيقن اللقاء يشترط أن لايكون الراوي عن شيخه مدلّسًا فإن لم

يكن حملناه على الاتصال. فإن كان مدلسًا فالأظهر أنه لا يحمل على السماع. ثم إن كان المدلس عن شيخه ذا تدليس عن الثقات فلا بأس وإن كان ذا تدليس عن الضعفاء فمردود." پھر اگر ملاقات کا یقین ہو تو اس حالت میں شرط یہ ہے کہ راوی اپنے استاذ سے مدلّس (تدلیس کرنے والا) نہ ہو، پس اگر وہ نہ ہو تو ہم اسے (عن والی روایت کو) اتصال پر محمول کرتے ہیں۔ پس اگر وہ مدلس ہو تو ظاہر یہی ہے کہ وہ سماع پر محمول نہیں ہے۔ پھر اگر اپنے استاذ سے مدلس ایسا ہو جو ثقہ راویوں سے تدلیس کرتا تھا تو کوئی حرج نہیں اور اگر وہ ضعیف راویوں سے تدلیس کرتا تھا تو (اس کی عن والی روایت) مردود ہے۔ (الموقظۃ للذہبی مع کفایۃ الحفظہ لسلیم بن عید الہلالی ص ۱۹۹، تحقیق حاتم بن عارف العونی ص ۱۳۲، نسخہ ابی غدہ عبدالفتاح ص ۴۵)

یہاں بطورِ فائدہ عرض ہے کہ ثقہ راویوں سے تدلیس کرنے والوں کی مثال (دنیائے تدلیس میں) صرف سفیان بن عیینہ ہیں اور اُن کی معنعن روایت بھی دو وجہ سے ضعیف ہے، جیسا کہ فقرہ نمبر ۱۲ میں بیان کر دیا گیا ہے۔

حافظ ذہبی کے درج بالا بیان سے یہ صاف ظاہر ہے کہ اُن کے نزدیک سفیان بن عیینہ کے علاوہ تمام مدلسین مثلاً سفیان ثوری اور سلیمان الاعمش وغیرہما کی عن والی روایات سے (اپنی شرائط کے ساتھ) ضعیف و مردود ہیں۔

۱۵) حافظ ابن حجر العسقلانی نے فرمایا:

"وحكم من ثبت عنه التدليس إذا كان عدلاً، أن لا يقبل منه إلا ما صرح فيه بالتحديث على الأصح" صحیح ترین بات یہ ہے کہ جس راوی سے تدلیس ثابت ہو جائے، اگرچہ وہ عادل (ثقہ) ہو تو اُس کی صرف وہی روایت مقبول ہوتی ہے جس میں وہ سماع کی تصریح کرے۔ (نزھۃ النظر شرح نخبۃ الفکر ص ۶۶، مع شرح الملا علی القادری ص ۴۱۹)

۱۶) امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک روایت پر کلام کرتے ہوئے فرمایا:

"ولم يذكر قتادة سماعًا من أبي نضرة في هذا."

اور قتادہ نے ابونضرہ سے اس روایت میں اپنے سماع کا ذکر نہیں کیا۔ (جزء القراءۃ:۱۰۴)

معلوم ہوا کہ امام بخاری کے نزدیک مدلس کا سماع کی تصریح نہ کرنا صحتِ حدیث کے منافی ہے۔

۱۷) امام شعبہ رحمہ اللہ (متوفی ۱۶۰ھ) نے اپنے مدلس استاد قتادہ رحمہ اللہ کے بارے میں فرمایا: میں قتادہ کے منہ کو دیکھتا رہتا، جب آپ کہتے: میں نے سنا ہے یا فلاں نے ہمیں حدیث بیان کی، تو میں اسے یاد کر لیتا اور جب وہ کہتے: فلاں نے حدیث بیان کی، تو میں اسے چھوڑ دیتا تھا۔ (تقدمۃ الجرح والتعدیل ص۱۶۹، وسندہ صحیح)

اس سے معلوم ہوا کہ امام شعبہ رحمہ اللہ بھی مدلس کی سماع کے بغیر والی روایت حجت نہیں سمجھتے تھے۔ نیز دیکھئے میری کتاب: علمی مقالات (ج۱ص ۲۶۱۔۲۶۲)

۱۸) امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (متوفی ۳۱۱ھ) نے ایک روایت پر جرح کرتے ہوئے اسے معلول (یعنی ضعیف) قرار دیا اور فرمایا:

دوسری بات یہ ہے کہ اعمش مدلس ہیں (اور) انھوں نے حبیب بن ابی ثابت سے اپنے سماع (سننے) کا ذکر نہیں کیا۔ الخ (کتاب التوحید ص۳۸، علمی مقالات ج۳ص۲۲۰)

اس سے ثابت ہوا کہ امام ابن خزیمہ بھی مدلس کی عن والی روایت کو معلول یعنی ضعیف سمجھتے تھے۔

۱۹) حافظ ابن الملقن (متوفی ۸۰۴ھ) نے بھی تدلیس کے بارے میں حافظ ابن الصلاح کے حکم کو برقرار رکھا اور کوئی مخالفت نہیں کی۔

دیکھئے المقنع فی علوم الحدیث (۱۵۸/۱) اور فقرہ: ۱۰

۲۰) حافظ ابن کثیر (متوفی ۷۷۴ھ) نے تدلیس کے بارے میں امام شافعی کا قول نقل کیا اور اس کی کوئی مخالفت نہیں کی۔ دیکھئے اختصار علوم الحدیث (۱۷۴/۱، نوع ۱۲)

۲۱) حافظ العراقی (متوفی ۸۰۶ھ) نے ابن الصلاح کا قول: "مالم یبین فیه المدلس الاتصال حکمه حکم المرسل" ذکر کیا اور اس پر کوئی رد نہیں کیا۔

دیکھئے التقیید والایضاح (ص ۹۹)
اور عراقی نے فرمایا:

" و صححوا وصل معنعن سلم　　من دلسة راويه واللقا علم "

اور انھوں (محدثین) نے اس معنعن روایت کو موصول صحیح قرار دیا، جو راوی کی تدلیس (عن) سے محفوظ ہو (اور استاذ شاگرد کی) ملاقات معلوم ہو۔

(الفیۃ العراقی شعر ۱۳۶، فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث ۱/۱۶۳)

عراقی نے مزید فرمایا: " والأكثرون قبلوا ما صرحا　ثقاتهم و صله و صححا "
اور جمہور نے ثقہ مدلس راویوں کی ان روایتوں کو صحیح قرار دیا ہے جن میں وہ سماع کی تصریح کریں اور دونوں (خطیب وابن الصلاح) نے اس قول کو صحیح قرار دیا ہے۔

(الفیۃ العراقی مع فتح المغیث ۱/۱۷۹)

۲۲) شریف جرجانی یعنی علی بن محمد بن علی الحسینی (متوفی ۸۱۶ھ) نے مدلس راوی کے بارے میں کہا:

" والأصح التفصيل : فما رواه بلفظ محتمل لم يبن فيه السماع فحكمه حكم المرسل و أنواعه " اور صحیح یہ ہے کہ اس میں تفصیل ہے: پس وہ ایسے الفاظ سے روایت بیان کرے جس میں سماع واضح نہ ہو، احتمال ہو تو اس کا حکم مرسل اور اس کی اقسام کا حکم ہے۔ (رسالہ فی اصول الحدیث ص ۹۱، الدیباج المذہب مع شرح التبریزی ص ۴۱)

مرسل ضعیف روایت ہوتی ہے جیسا کہ امام مسلم، امام ترمذی اور جمہور محدثین کا فیصلہ ہے۔ جرجانی نے معنعن روایت کے بارے میں کہا:

" والصحيح أنه متصل إذا أمكن اللقاء مع البراءة عن التدليس "

اور صحیح یہ ہے کہ وہ متصل ہے، بشرطیکہ ملاقات ممکن ہو اور راوی تدلیس سے بری ہو۔

(رسالہ فی اصول الحدیث ص ۷۸، الدیباج المذہب مع شرح التبریزی ص ۲۸)

۲۳) بدر الدین محمد بن ابراہیم بن جماعۃ (متوفی ۷۳۳ھ) نے معنعن روایت کے

بارے میں کہا:

" والصحيح الذي عليه جماهير العلماء والمحدثين والفقهاء والأصوليين أنه متصل إذا أمكن لقاؤهما مع براء تهما من التدليس " اور صحیح یہ ہے، جس پر جمہور علماء، محدثین، فقہاء اور اصول کے ماہرین (متفق) ہیں کہ وہ متصل ہے بشرطیکہ ملاقات ممکن ہو اور استاذ شاگرد دونوں تدلیس سے بری ہوں۔

(المنہل الروی فی مختصر علوم الحدیث النبوی ص ۵۴)

اس سے ثابت ہوا کہ قاضی ابن جماعۃ مدلس کے عنعنے کو صحتِ حدیث کے منافی سمجھتے تھے۔

۲۴) حسین بن عبداللہ الطیبی (متوفی ۷۴۳ھ) نے اصولِ حدیث والے رسالے میں امام شافعی رحمہ اللہ کا اصول درج فرمایا اور کوئی تردید نہیں کی، لہٰذا وہ اس مسئلے میں امام شافعی سے متفق تھے۔ دیکھئے الخلاصۃ فی اصول الحدیث (ص ۷۲)

۲۵) سیوطی نے معنعن کے بارے میں کہا:

" ومن روى بعن وأن فاحكم بوصله إن اللقاء يعلم
ولم يكن مدلّسا... "

اور جو عــــن اور أن سے روایت بیان کرے تو اُس کے متصل ہونے کا فیصلہ کرو، بشرطیکہ ملاقات معلوم ہو اور وہ مدلس نہ ہو... (الفیۃ السیوطی مع شرح احمد شاکر ص ۲۸۔۲۹)

سیوطی نے مدلس کے بارے میں کہا:

" والمرتضىٰ قبولهم إن صرحوا بالوصل فالأكثر هذا صححوا "

اور اگر وہ سماع کی تصریح کریں تو ان کی روایت مقبول ہے، جمہور نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

(الفیۃ السیوطی ص ۳۱)

۲۶) عمر بن رسلان البلقینی (متوفی ۸۰۵ھ) نے مقدمہ ابن الصلاح کی شرح میں تدلیس کے بارے میں امام شافعی کا قول نقل کیا اور کوئی مخالفت نہیں کی، لہٰذا یہ ان کی طرف سے اصولِ مذکور کی موافقت ہے۔ دیکھئے محاسن الاصطلاح (ص ۲۳۵)

۲۷) ابراہیم بن موسی بن ایوب الابناسی (متوفی ۸۰۲ھ) نے بھی امام شافعی کے مذکورہ اصول کو نقل کیا اور کوئی مخالفت نہیں کی، لہٰذا یہ ان کی طرف سے اصولِ مذکور کی تائید ہے۔
دیکھئے الشذی الفیاح (ج ۱ ص ۱۷۷)

۲۸) عینی نے کہا:
اور مدلس کی عن والی روایت حجت نہیں ہوتی اِلا یہ کہ اُس کی تصریحِ سماع دوسری سند سے ثابت ہو جائے۔ (عمدۃ القاری ۳/۱۱۲، الحدیث حضرو: ۲۶ ص ۲۷)

اور کہا: " **و قد اتفقوا على أن المدلس إذا قال : عن ، لا يحتج به إلا أن يثبت من طريق آخر أنه سمع ذلك الحديث من ذلك الشخص** " اور اس پر ان کا اتفاق ہے کہ مدلس جب عن کہے تو حجت نہیں ہے اِلا یہ کہ دوسری سند سے یہ ثابت ہو جائے کہ وہ حدیث اُس شخص نے (اپنے استاذ) سے سنی ہے۔

(شرح سنن ابی داود للعینی ج ۱ ص ۲۵۵ ح ۹۲)

۲۹) کرمانی نے کہا:
اور مدلس کی عن والی روایت حجت نہیں ہوتی اِلا یہ کہ دوسری سند سے سماع کی تصریح ثابت ہو جائے۔ (شرح الکرمانی لصحیح البخاری ج ۳ ص ۶۲ تحت ح ۲۱۴)

۳۰) قسطلانی نے کہا:
اور مدلس کا عنعنہ قابلِ حجت نہیں ہوتا اِلا یہ کہ اس کے سماع کی تصریح ثابت ہو جائے۔

(ارشاد الساری شرح صحیح البخاری ج ۱ ص ۲۸۶)

۳۱) السبط ابن العجمی نے کہا:
" **والصحيح التفصيل ... و إن أتى بلفظ يحتمل فحكمه حكم المرسل** "
اور صحیح یہ ہے کہ اس میں تفصیل ہے... اور اگر وہ (مدلس) ایسے الفاظ بیان کرے جن میں احتمال ہو تو اس کا حکم مرسل کا حکم ہے۔ (التبیین لاسماء المدلسین ص ۱۲)
یعنی مدلس کی غیر مصرح بالسماع روایت مرسل (منقطع) کی طرح ہے، یاد رہے کہ

جمہور محدثین کے نزدیک مرسل روایت منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف و مردود ہوتی ہے۔

۳۲) ابن القطان الفاسی نے کہا:

" و معنعن الأعمش عرضة لتبين الإنقطاع فإنه مدلس "

اوراعمش کی معنعن (عن والی) روایت انقطاع بیان کرنے کا نشانہ اور ہدف ہے، کیونکہ وہ مدلس ہیں۔ (بیان الوہم والایہام ۲/۴۳۵ ح ۴۴۱)

معلوم ہوا کہ مدلس کی عن والی روایت کو ابن القطان منقطع سمجھتے تھے۔

۳۳) محمد بن فضیل بن غزوان (متوفی ۱۹۵ھ) نے فرمایا:

مغیرہ (بن مقسم) تدلیس کرتے تھے، پس ہم اُن سے صرف وہی روابت لکھتے جس میں وہ حدثنا ابراہیم کہتے تھے۔ (مسند علی بن الجعد ۱/۴۳۰ ح ۶۶۳ وسندہ حسن، دوسرانسخہ: ۶۴۴)

معلوم ہوا کہ محمد بن فضیل بھی مدلس کی غیر مصرح بالسماع یعنی معنعن روایت کو ضعیف و مردود سمجھتے تھے۔

۳٤) ابن رشید الفہری (متوفی ۷۲۱ھ) نے کہا:

" أمّا من عرف بالتدليس فمعرفته بذلك كافية في التوقف في حديثه حتى يتبين الأمر . " مگر جو تدلیس کے ساتھ معروف (یعنی معلوم) ہوتو یہ معلوم ہوجانا اس کے لئے کافی ہے کہ اس کی حدیث میں توقف کیا جائے اِلا یہ کہ معاملہ واضح ہو جائے/یعنی تصریحِ سماع ثابت ہو جائے۔ (السنن الابین ص ٦٦)

۳۵) امام یعقوب بن شیبہ رحمہ اللہ (متوفی ۲۶۲ھ) نے فرمایا:

" فاما من دلّس عن غير ثقة و عمن لم يسمع هو منه فقد جا وزحد التدليس الذي رخص فيه من رخص من العلماء "

پس جو شخص غیر ثقہ سے تدلیس کرے اور اس سے جس سے اُس نے اسے نہیں سنا تو اس شخص نے تدلیس کی حد میں تجاوز کرلیا، جس کے بارے میں علماء نے اجازت دی تھی۔

(الکفایہ ص ۳۶۲ وسندہ صحیح)

معلوم ہوا کہ یعقوب بن شیبہ کے نزدیک مدلس کی عن والی روایت اور اسی طرح مرسل خفی دونوں ضعیف و غیر مقبول ہیں۔

۳۶) سخاوی نے عراقی کے قول " أثبته بمره " کی تشریح میں کہا:" و بيان ذلك أنه بثبوت تدليسه مرة صار ذلك هو الظاهر من حاله في معنعناته كما إنه ثبوت اللقاء مرة صار الظاهر من حاله السماع، و كذا من عرف بالكذب في حديث واحد صار الكذب هو الظاهر من حاله و سقط العمل بجميع حديثه مع جواز كو نه صادقًا في بعضه "

اور اس کی تشریح یہ ہے کہ اس کی ایک دفعہ تدلیس کے ثبوت سے اُس کی (تمام) معنعن روایات میں اس کا ظاہر حال یہی بن گیا (کہ وہ مدلس ہے) جیسا کہ ایک دفعہ ملاقات کے ثبوت سے (غیر مدلس کا) ظاہر حال یہ ہوتا ہے کہ اُس نے (اپنے استاد سے) سنا ہے، اور اسی طرح اگر کسی آدمی کا (صرف) ایک حدیث میں جھوٹ معلوم ہو جائے تو اس کا ظاہر حال یہی بن جاتا ہے (کہ وہ جھوٹا ہے) اور اس کی تمام احادیث پر عمل ساقط ہو جاتا ہے، اس جواز کے ساتھ کہ وہ اپنی بعض روایات میں سچا ہو سکتا ہے۔

(فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث ج۱ ص۱۹۳)

دو اہم دلیلیں بیان کر کے سخاوی نے امام شافعی کی تائید کر دی اور ان لوگوں میں شامل ہو گئے جو مدلس کی عن والی روایت نہیں مانتے، چاہے اُس نے ساری زندگی میں صرف ایک دفعہ تدلیس کی ہو۔

۳۷) عبدالرؤف المناوی (صوفی) نے کہا:

و عنعنة المعاصر محمولة على السماع عند المتقدمين كمسلم و ادعى فيه الإجماع و بخلاف غير المعاصر فإنها تكون مرسلة أو منقطعة و شرط حملها على السماع ثبوت المعاصرة اِلا من المدلس فإنها غير محمولة على السماع . "

متقدمین مثلاً (امام) مسلم کے نزدیک معاصر کی عن والی روایت سماع پر محمول ہوتی ہے اور انھوں (مسلم) نے اس میں اجماع کا دعویٰ کیا ہے، اور اس کے برخلاف غیر معاصر کی روایت مرسل یا منقطع ہوتی ہے اور اس کو سماع پر محمول کرنے کی شرط معاصرت (ہم عصر ہونے) کا ثبوت ہے، سوائے مدلس کے اس کا عنعنہ سماع پر محمول نہیں ہے۔

(الیواقیت والدرر فی شرح نخبۃ ابن حجر ۱/۲۱۰، المکتبۃ الشاملہ)

۳۸) زکریا الانصاری (متوفی ۹۲۶ھ) نے عراقی کا قول '' **والشافعي أثبته بمرة**'' نقل کیا اور اس کی کوئی مخالفت نہیں کی۔

دیکھئے فتح الباقی بشرح الفیۃ العراقی (ص ۱۶۹۔۱۷۰)

۳۹) امام یحییٰ بن سعید القطان نے فرمایا:

میں نے سفیان (ثوری) سے صرف وہی کچھ لکھا ہے جس میں وہ حدثنی یا حدثنا کہتے تھے...

(کتاب العلل ومعرفۃ الرجال للامام احمد ۱/۲۰۷ ت ۱۱۳۰، وسندہ صحیح، امام شافعی رحمہ اللہ اور مسئلۂ تدلیس ص ۱۵)

۴۰) ابن الترکمانی (حنفی) نے ایک روایت پر جرح کرتے ہوئے لکھا ہے:

اس میں تین علتیں (وجۂ ضعف) ہیں: ثوری مدلس ہیں اور انھوں نے یہ روایت عن سے بیان کی ہے... (الجوہر النقی ۸/۲۶۲، الحدیث حضرو: ۶۷ ص ۱۷)

اصولِ حدیث، شروحِ حدیث، محدثین کرام اور دیگر علماء کی مذکورہ تصریحات سے ثابت ہوا کہ مدلس راوی کی عن والی روایت ضعیف و مردود ہوتی ہے۔

جس طرح بعض اصول وقواعد میں تخصیصات ثابت ہو جانے کے بعد عام کا حکم عموم پر جاری رہتا ہے اور خاص کو عموم سے باہر نکال لیا جاتا ہے، اسی طرح اس اصول کی بھی کچھ تخصیصات ثابت ہیں، جو درج ذیل ہیں:

۱: صحیحین (صحیح بخاری، صحیح مسلم) میں تمام مدلسین کی تمام روایات سماع یا معتبر متابعات وشواہد پر محمول ہیں۔

۲: مدلس کی اگر معتبر متابعت یا قوی شاہد ثابت ہو جائے تو تدلیس کا اعتراض ختم ہو جاتا

ہے، جس طرح کہ ضعیف راوی کی روایت کا کوئی معتبر متابع یا قوی شاہد مل جائے تو ضعف ختم ہو جاتا ہے۔

۳: بعض مدلسین کی روایات بعض شاگردوں کی روایت میں (جیسا کہ دلیل سے ثابت ہے) سماع پر محمول ہوتی ہیں، مثلاً شعبہ کی قتادہ، اعمش اور ابو اسحاق السبیعی سے روایت، شافعی کی سفیان بن عیینہ سے روایت اور یحییٰ بن سعید القطان کی سفیان ثوری سے روایت سماع پر محمول ہوتی ہے۔

۴: بعض مدلسین بعض شیوخ سے تدلیس نہیں کرتے تھے، مثلاً ابن جریج عطاء بن ابی رباح سے اور ہشیم حصین سے تدلیس نہیں کرتے تھے، لہٰذا ایسی معنعن روایات بھی سماع پر محمول ہیں۔

۵: اسی طرح اگر کوئی اور بات دلیل سے ثابت ہو جائے تو وہ بھی قابلِ قبول ہے۔

ان کے علاوہ ثابت شدہ مدلسین کی معنعن (عن والی) روایات (اپنی شرائط کے ساتھ) ضعیف ہوتی ہیں۔

خاص کو عام پر مقدم کرنے اور تخصیص کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

۱: بعض راوی ثقہ ہوتے ہیں، لیکن جب وہ اپنے کچھ خاص استادوں سے روایت بیان کریں تو وہ روایت ضعیف ہوتی ہے، مثلاً سفیان بن حسین ثقہ ہیں، لیکن امام زہری سے اُن کی روایت ضعیف ہوتی ہے۔

۲: بعض راوی ضعیف ہوتے ہیں، لیکن جب وہ اپنے کسی خاص استاد سے روایت کریں تو یہ روایت حسن ہوتی ہے (جس کی صریح دلیل محدثین کرام سے ثابت ہوتی ہے) مثلاً عبداللہ بن عمر العمری ضعیف ہیں، لیکن نافع سے ان کی روایت حسن ہوتی ہے۔

۳: بعض راویوں کی روایات اُن کے اختلاط کی وجہ سے ضعیف ہوتی ہیں، لیکن بعض شاگردوں کے بارے میں یہ صراحت مل جاتی ہے کہ انھوں نے اپنے استاذ کے اختلاط سے پہلے حدیثیں سنی تھیں، لہٰذا یہ روایتیں صحیح ہوتی ہیں مثلاً عطاء بن السائب سے امام شعبہ کی

روایت صحیح ہوتی ہے۔

۴: مرسل روایت ضعیف ہوتی ہے، لیکن صحابۂ کرام کی تمام مرسل روایات صحیح ہیں اور اس پر اہلِ سنت کا اجماع ہے۔

۵: ضعیف روایت صحیح وحسن شواہد ومتابعات کے ساتھ صحیح وحسن بن جاتی ہے۔

جس طرح اصولِ حدیث اور اسماء الرجال میں مذکورہ تخصیصات پر عمل کیا جاتا ہے اور خاص دلیل کے مقابلے میں عام دلیل کو پیش نہیں کیا جاتا، اسی طرح تدلیس کے مسئلے میں بھی ثابت شدہ تخصیصات پر عمل کیا جاتا ہے اور خاص دلیل کے مقابلے میں عام دلیل کو پیش نہیں کیا جاتا۔

تنبیہ: یہ کسی دلیل سے ثابت نہیں ہے کہ اعمش اور سفیان ثوری وغیرہما کی معنعن روایات صحیح ہیں اور ابوالزبیر، حسن بصری اور زہری وغیرہم کی روایات ضعیف ہوتی ہیں۔!

اس سلسلے میں حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ کی طبقاتی تقسیم کئی وجہ سے غلط ہے۔ مثلاً:

۱: یہ طبقاتی تقسیم جمہور محدثین کے اصولِ تدلیس کے خلاف ہے۔

۲: یہ تقسیم خود حافظ ابن حجر کی شرح نخبۃ الفکر کے اصول کے خلاف ہے۔

۳: یہ تقسیم خود حافظ ابن حجر کی التلخیص الحبیر (۱۹/۳) کے خلاف ہے۔

۴: اہلِ حدیث اور حنفی بلکہ بریلوی اور دیوبندی سب اس طبقاتی تقسیم پر متفق نہیں ہیں۔

اس مضمون میں مذکورین کے نام علی الترتیب درج ذیل ہیں:

ابن الترکمانی (۴۰)	ابن الصلاح (۱۰)
ابن العجمی (۳۱)	ابن القطان الفاسی (۳۲)
ابن الملقن (۱۹)	ابن جماعہ (۲۳)
ابن حبان (۹)	ابن حجر عسقلانی (۱۵)
ابن خزیمہ (۱۸)	ابن رشید الفہری (۳۴)
ابن عبدالبر (۱۲)	ابن کثیر (۲۰)

ابناسی (۲۷)	ابوبکر الصیر فی (۱۳)
احمد بن حنبل (۳)	اسحاق بن راہویہ (۴)
اسماعیل بن یحییٰ المزنی (۵)	بخاری (۱۶)
بلقینی (۲۶)	بیہقی (۶)
خطیب بغدادی (۸)	ذہبی (۱۴)
زکریا الانصاری (۳۸)	سخاوی (۳۶)
سیوطی (۲۵)	شافعی (۱)
شریف جرجانی (۲۲)	شعبہ (۱۷)
طیبی (۲۴)	عبدالرحمٰن بن مہدی (۲)
عراقی (۲۱)	عینی (۲۸)
قسطلانی (۳۰)	کرمانی (۲۹)
محمد بن فضیل بن غزوان (۳۳)	مسلم (۷)
مناوی (۳۷)	نووی (۱۱)
یحییٰ بن سعید القطان (۳۹)	یعقوب بن شیبہ (۳۵)

(۳۰/ اگست ۲۰۱۰ء)

❁❁❁

امام شافعی رحمہ اللہ اور مسئلۂ تدلیس

الحمد للّٰہ ربّ العالمین والصّلوٰۃ والسّلام علٰی رسولہ الأمین ، أما بعد:
روایتِ حدیث میں تدلیس یعنی تدلیس فی الاسناد کے بارے میں محدثین کرام کا مشہور مسلک و مذہب یہ ہے کہ جس راوی سے سند میں تدلیس کرنا ثابت ہو تو اُس کی عن والی روایت ضعیف ہوتی ہے، مثلاً شیخ ارشاد الحق اثری صاحب نے لکھا ہے:
''اور محدّثین کا اس پر اتفاق ہے کہ قتادہؒ مدلس ہے جیسا کہ آئندہ اس کی تفصیل آ رہی ہے۔ اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ مدلس کا عنعنہ موجب ضعف ہے۔ لہٰذا اس کی سند کو صحیح کہنا محل نظر ہے۔'' (توضیح الکلام ج ۱ ص ۱۳۰، دوسرا نسخہ ص ۱۳۷)
اثری صاحب نے مزید فرمایا: ''اور یہ طے شدہ اصول ہے کہ مدلس کی معنعن روایت قبول نہیں۔'' (توضیح الکلام ج ۲ ص ۷۶۵، دوسرا نسخہ ۱۰۳۰)
محترم اثری صاحب نے کئی مدلس راویوں کی معنعن (عن والی) روایات پر جرح کی اور ان روایات کو غیر صحیح قرار دیا۔ مثلاً:

۱: ابو الزبیر المکی (توضیح الکلام ج ۲ ص ۵۵۸، دوسرا نسخہ ص ۸۸۹)
۲: قتادہ بن دعامہ (توضیح الکلام ج ۲ ص ۲۸۳، دوسرا نسخہ ص ۶۸۸)
۳: سلیمان بن مہران الاعمش (توضیح الکلام ج ۲ ص ۷۶۵، دوسرا نسخہ ص ۱۰۳۰)
۴: ابراہیم بن یزید النخعی (توضیح الکلام ج ۲ ص ۷۵۸۔۷۵۹، دوسرا نسخہ ص ۱۰۲۶)
۵: محمد بن عجلان (توضیح الکلام ج ۲ ص ۳۳۱، دوسرا نسخہ ص ۷۲۵)

ان میں سے ابراہیم نخعی اور سلیمان الاعمش دونوں حافظ ابن حجر العسقلانی کی طبقاتی تقسیم کے مطابق طبقۂ ثانیہ میں سے تھے۔ دیکھئے الفتح المبین (۲/۳۵، ۲/۵۵)
حافظ ابن حجر کی یہ طبقاتی تقسیم صحیح نہیں ہے اور نہ اسے تلقی بالقبول حاصل ہے۔ نیز دیکھئے

الحدیث حضرو: ۶۷ ص ۲۱۔ ۲۳

تدلیس کے بارے میں مفصل تحقیق کے لئے دیکھئے میری کتاب: تحقیقی، اصلاحی اور علمی مقالات (ج ۱ ص ۲۵۱ ۔ ۲۹۰، ج ۳ ص ۲۱۸ ۔ ۲۲۳، ۶۱۲ ۔ ۶۱۴)

مدلس راوی کثیر التدلیس ہو یا قلیل التدلیس، ساری زندگی میں اُس نے صرف ایک دفعہ تدلیس الاسناد کی ہو اور اُس کا اس سے رجوع و تخصیص ثابت نہ ہو یا معتبر محدثین کرام نے اسے مدلس قرار دیا ہو تو صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے علاوہ دوسری کتابوں میں ایسے مدلس کی غیر مصرح بالسماع اور معنعن روایت ضعیف ہوتی ہے اِلا یہ کہ اس کی معتبر متابعت، تخصیصِ روایت یا شاہد ثابت ہو۔ تخصیصِ روایت کا مطلب یہ ہے کہ بعض شیوخ سے مدلس کی معنعن روایت صحیح ہو یا اس کے بعض تلامذہ کی روایات سماع پر محمول ہوں۔

یہی وہ اصول ہے جس پر اہلِ حدیث، حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، دیوبندی، بریلوی اور دیگر لوگ فریقِ مخالف کی روایات پر جرح کرتے رہے ہیں اور کر رہے ہیں، لیکن عصرِ حاضر میں بعض جدید علماء مثلاً حاتم الشریف العونی وغیرہ نے بعض شاذ اقوال لے کر کثیر التدلیس اور قلیل التدلیس کا شوشہ چھوڑ دیا ہے، جس سے انھوں نے اُصولِ حدیث کے اس مشہور مسئلے کو تارپیڈو مار کر غرق کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہمارے اس مضمون میں ان بعض الناس کا ردپیشِ خدمت ہے:

۱) امام ابوعبداللہ محمد بن ادریس الشافعی رحمہ اللہ (متوفی ۲۰۴ھ) نے فرمایا:

" و من عرفناه دلّس مرة فقد أبان لنا عورته في روايته"

جس کے بارے میں ہمیں معلوم ہو گیا کہ اُس نے ایک دفعہ تدلیس کی ہے تو اُس نے اپنی پوشیدہ بات ہمارے سامنے ظاہر کر دی۔ (الرسالہ: ۱۰۳۳)

اس کے بعد امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: " فقلنا : لا نقبل من مدلّس حديثًا حتى يقول فيه : حدثني أو سمعت " پس ہم نے کہا: ہم کسی مدلس سے کوئی حدیث قبول نہیں کرتے، حتیٰ کہ وہ حدثنی یا سمعت کہے۔ (الرسالہ: ۱۰۳۵)

امام شافعی کے بیان کردہ اس اُصول سے معلوم ہوا کہ جس راوی سے ساری زندگی میں ایک دفعہ تدلیس کرنا ثابت ہو جائے تو اُس کی عن والی روایت قابلِ قبول نہیں ہوتی۔

ایک غالی حنبلی ابن رجب (متوفی ۷۹۵ھ) نے لکھا ہے:

" ولم يعتبر الشافعي أن يتكرر التدليس من الراوي ولا أن يغلب على حديثه، بل اعتبر ثبوت تدليسه ولو بمرة واحدة ." اور شافعی نے اس کا اعتبار نہیں کیا کہ راوی بار بار تدلیس کرے اور نہ انھوں نے اس کا اعتبار کیا ہے کہ اس کی روایات پر تدلیس غالب ہو، بلکہ انھوں نے راوی سے ثبوتِ تدلیس کا اعتبار کیا ہے اور اگرچہ (ساری زندگی میں) صرف ایک مرتبہ ہی ہو۔ (شرح علل الترمذی ج ۱ ص ۳۵۳ طبع: دار الملاح للطبع والنشر)

امام شافعی اس اصول میں اکیلے نہیں بلکہ جمہور علماء ان کے ساتھ ہیں، لہٰذا زرکشی کا "وهو نص غريب لم يحكمه الجمهور" (النکت ص ۱۸۸) کہنا غلط ہے۔

اگر کوئی شخص اس پر بضد ہے کہ اس منہج اور اصول میں امام شافعی رحمہ اللہ اکیلے تھے یا جمہور کے خلاف تھے (!) تو وہ درج ذیل حوالوں پر ٹھنڈے دل سے غور کرے:

۲) امام ابوقدید عبید اللہ بن فضالہ النسائی (ثقہ مامون) سے روایت ہے کہ (امام) اسحاق بن راہویہ نے فرمایا: میں نے احمد بن حنبل کی طرف لکھ کر بھیجا اور درخواست کی کہ وہ میری ضرورت کے مطابق (امام) شافعی کی کتابوں میں سے (کچھ) بھیجیں تو انھوں نے میرے پاس کتاب الرسالہ بھیجی۔ (کتاب الجرح والتعدیل ج ۷ ص ۲۰۴ وسندہ صحیح، تاریخ دمشق لابن عساکر ج ۵۴ ص ۲۹۱-۲۹۲، نیز دیکھئے مناقب الشافعی للبیہقی ۱/ ۲۳۴ وسندہ صحیح)

اس اثر سے معلوم ہوا کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کتاب الرسالہ سے راضی (متفق) تھے اور تدلیس کے اس مسئلے میں اُن کی طرف سے امام شافعی پر رد ثابت نہیں، لہٰذا اُن کے نزدیک بھی مدلس کی عن والی روایت ضعیف ہے، چاہے قلیل التدلیس ہو یا کثیر التدلیس۔

امام ابوزرعہ الرازی رحمہ اللہ نے کہا: احمد بن حنبل نے شافعی کی کتابوں میں نظر فرمائی تھی/ یعنی انھیں بغور پڑھا تھا۔ (کتاب الجرح والتعدیل ۷/ ۲۰۴ وسندہ صحیح)

امام احمد بن حنبل نے اپنے شاگرد عبدالملک بن عبدالحمید المیمونی سے کہا:
" انظر في كتاب الرسالة فإنه من أحسن كتبه " کتاب الرسالہ دیکھو! کیونکہ یہ اُن کی سب سے اچھی کتابوں میں سے ہے۔ (تاریخ دمشق لابن عساکر ۲۹۱/۵۴ وسندہ صحیح)
تنبیہ: اس تصریح کے مقابلے میں امام احمد کا قول (مجھے معلوم نہیں) سوالاتِ ابی داود (ص ۱۹۹) سے پیش کرنا بے فائدہ اور مرجوح ہے۔
مسائل الامام احمد (روایۃ ابی داود ص ۳۲۲) سے استدلال کرتے ہوئے ایک شخص نے لکھا ہے: "مگر اس کے باوجود امام احمدؒ نے ہشیم کے عنعنہ پر توقف بھی کیا ہے۔"
عرض ہے کہ اگر امام ہشیم (جنھیں تدلیس کرنے میں مزہ آتا تھا) کا عنعنہ مضر نہیں تھا تو اُن کی عن والی روایت میں توقف کرنے کا کیا مطلب تھا؟ کسی روایت میں توقف کرنا اس کی دلیل ہے کہ وہ روایت قابلِ حجت نہیں ہے۔ کیا کسی صحیح حدیث کے بارے میں بھی صحیح کہنے سے توقف کیا جا سکتا ہے؟!
علمائے کرام جب کسی روایت کو مدلس کے عنعنے کی وجہ سے ضعیف کہتے ہیں تو اصل وجہ یہ ہوتی ہے کہ راوی مدلس ہے اور روایت مذکورہ میں سماع ثابت نہیں ہے۔ جب سماع ثابت ہو جائے تو فوراً رجوع کیا جاتا ہے اور روایت کو بغیر کسی توقف کے صحیح تسلیم کر لیا جاتا ہے۔
فائدہ: امام اسحاق بن راہویہ نے کہا کہ (امام) احمد بن حنبل نے کتاب الرسالہ کے بارے میں فرمایا: " هذا كتاب أعجب به عبد الرحمٰن بن مهدي "
یہ کتاب عبدالرحمٰن بن مہدی کو پسند تھی۔ (الطیوریات ۲/ ۶۱۷ ح ۶۸۱ وسندہ صحیح)
۳) امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ کے پاس امام شافعی کی کتاب الرسالہ پہنچی، لیکن انھوں نے تدلیس کے اس مسئلے پر کوئی رد نہیں فرمایا، جیسا کہ کسی روایت سے ثابت نہیں ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ وہ تدلیس کے مسئلے میں امام شافعی رحمہ اللہ کے موافق تھے۔
٤) امام اسماعیل بن یحییٰ المزنی رحمہ اللہ نے فرمایا: " كتبتُ كتاب الرسالة منذ زيادة علىٰ أربعين سنة و أنا أقرأه و أنظر فيه و يقرأ عليّ فما من مرة قرأت أو قرئ

عليّ إلا استفدت منه شيئًا لم أكن أحسنه ." میں نے چالیس سال سے زیادہ عرصہ پہلے کتاب الرسالہ (نقل کر کے) لکھی اور میں اسے پڑھتا ہوں، اس میں (غور وفکر کے ساتھ) دیکھتا ہوں اور میرے سامنے پڑھی جاتی ہے، پھر ہر بار پڑھنے یا پڑھے جانے سے مجھے ایسا فائدہ ملتا ہے جسے میں پہلے اچھی طرح نہیں سمجھتا تھا۔ (مقدمۃ الرسالہ ص ۷۳ روایۃ ابن الاکفانی: ۵۴ وسندہ حسن، تاریخ دمشق ۲۹۲/۵۴، مناقب الشافعی للبیہقی ۲۳۶/۱ بحوالہ مناقب الآبری العاصمی)

چالیس سال پڑھنے پڑھانے کے باوجود امام مزنی کو تدلیس کے مذکورہ مسئلے کا غلط ہونا معلوم نہیں ہوا جیسا کہ کسی صحیح روایت میں اُن سے ثابت نہیں، لہٰذا ظاہر یہی ہے کہ وہ بھی ایک مرتبہ تدلیس کرنے والے راوی کی معنعن روایت کو صحیح نہیں سمجھتے تھے۔

۵) امام شافعی کی کتاب الرسالہ میں تدلیس والے مذکورہ قول کو مشہور محدث بیہقی نے نقل کر کے کوئی جرح نہیں کی بلکہ خاموشی کے ذریعے سے تائید فرمائی۔ (معرفۃ السنن والآثار ۷۶/۱)

معلوم ہوا کہ امام بیہقی کا بھی یہی مسلک ہے۔

محمد بن عبداللہ بن بہادر الزرکشی (متوفی ۷۹۴ھ) نے کہا:

" و قد حكم البيهقي بعدم قبول قول من دلّس مرة ." إلخ جو شخص ایک دفعہ تدلیس کرے تو اس کے بارے میں بیہقی نے یہ فیصلہ کیا کہ اس کی روایت (معنعن) غیر مقبول ہے۔ (النکت علی مقدمہ ابن الصلاح ص ۱۹۱)

٦) خطیب بغدادی نے امام شافعی کے قولِ مذکور کو روایت کیا اور کوئی رد نہیں کیا۔

(دیکھئے الکفایہ فی علم الروایہ ص ۲۹۲)

بلکہ تدلیس کے بارے میں "الغالب على حديثه لم تقبل رواياته " والا قول نقل کر کے خطیب نے فرمایا:" و قال آخرون : خبر المدلس لا يقبل إلا أن يورده على وجه مبين غير محتمل لإيهام فإن أورده على ذلك قبل ، و هذا هو الصحيح عندنا " اور دوسروں نے کہا: مدلس کی خبر (روایت) مقبول نہیں ہوتی اِلا یہ کہ وہ وہم کے احتمال کے بغیر صریح طور پر تصریح بالسماع کے ساتھ بیان کرے، اگر وہ ایسا

کرے تو اس کی روایت مقبول ہے اور ہمارے نزدیک یہی بات صحیح ہے۔(الکفایہ ص ۳۶۱)

۷) غالی شافعی حافظ ابن الصلاح الشہر زوری (متوفی ۶۴۳ھ) نے کہا:

" والحكم بأنه لا يقبل من المدلّس حتى يبين ، قد أجراه الشافعي رضي الله عنه فيمن عرفناه دلّس مرة . والله أعلم " اور حکم (فیصلہ) یہ ہے کہ مدلس کی روایت تصریحِ سماع کے بغیر قبول نہ کی جائے، اسے شافعی رضی اللہ عنہ نے اس شخص کے بارے میں جاری فرمایا ہے جس نے ہماری معلومات کے مطابق صرف ایک دفعہ تدلیس کی ہے۔ واللہ اعلم

(مقدمہ ابن الصلاح مع التقیید والایضاح ص ۹۹، دوسرا نسخہ ص ۱۶۱)

معلوم ہوا کہ امام شافعی کی طرح ابن الصلاح بھی ایک دفعہ تدلیس کرنے والے مدلس کی معنعن روایت کو صحتِ حدیث کے منافی سمجھتے تھے۔

ابن الصلاح کے اس قول کو اصولِ حدیث کی بعد والی کتابوں میں بھی نقل کیا گیا ہے اور تردید نہیں کی گئی، لہٰذا اسے جمہور کی تلقی بالقبول حاصل ہے۔

۸) علامہ یحییٰ بن شرف النووی (متوفی ۶۷۷ھ) نے مدلس کے بارے میں فرمایا:

" فما رواه بلفظ محتمل لم يبين فيه السماع فمرسل ... و هذا الحكم جار فيمن دلّس مرة " پس وہ (مدلس راوی) ایسے لفظ سے روایت بیان کرے جس میں احتمال ہو، سماع کی تصریح نہ ہو تو وہ مرسل (یعنی غیر مقبول/ضعیف) ہے...اور یہ حکم اس کے بارے میں جاری ہے جو (صرف) ایک دفعہ تدلیس کرے۔

(التقریب للنووی فی اصول الحدیث ص ۹ نوع ۱۲، مع تدریب الراوی للسیوطی ۱/۲۲۹۔۲۳۰، دوسرا نسخہ ص ۲۰۱)

معلوم ہوا کہ امام شافعی کی طرح نووی بھی مدلس کی عن والی روایت کو ضعیف و مردود سمجھتے تھے، چاہے اُس نے ساری عمر میں صرف ایک دفعہ ہی تدلیس کی ہو۔

۹) مشہور صوفی حافظ سراج الدین عمر بن علی بن احمد الانصاری: ابن الملقن (متوفی ۸۰۴ھ) نے ابن الصلاح کا قول: " والحكم بأنه لا يقبل من المدلّس حتى يبين، أجراه الشافعي فيمن عرفناه دلّس مرة " نقل کیا اور کوئی رد نہیں کیا، لہٰذا یہ ان کی

طرف سے امام شافعی اور ابن الصلاح دونوں کی موافقت ہے۔
دیکھئے المقنع فی علوم الحدیث (۱/۱۵۸، تحقیق عبداللہ بن یوسف الجدیع)

۱۰) مشہور ثقہ محدث و مفسر حافظ ابن کثیر الدمشقی رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) نے تدلیس کے بارے میں امام شافعی کا قول نقل کیا اور کوئی جرح یا مخالفت نہیں کی۔
دیکھئے اختصار علوم الحدیث (۱/۱۷۴، نوع ۱۲)

۱۱) حافظ ابوالفضل عبدالرحیم بن الحسین العراقی الاثری رحمہ اللہ (متوفی ۸۰۶ھ) نے فرمایا: " **والشافعي أثبته بمرة** " اور شافعی نے (تدلیس کو) اس کے لئے ثابت قرار دیا ہے جو ایک دفعہ (تدلیس) کرے۔ (الفیۃ العراقی مع تعلیقات الشیخ محمد رفیق الاثری ص ۳۲ شعر ۱۶۰)

معلوم ہوا کہ اس مسئلے میں عراقی بھی امام شافعی کے موافق تھے۔

۱۲) مشہور صوفی سخاوی (متوفی ۹۰۲ھ) نے عراقی کے قول " **أثبته بمرة** " کی تشریح میں کہا: " **و بيان ذلك أنه بثبوت تدليسه مرة صار ذلك هو الظاهر من حاله في معنعناته كما إنه ثبوت اللقاء مرة صار الظاهر من حاله السماع، و كذا من عرف بالكذب في حديث واحد صار الكذب هو الظاهر من حاله و سقط العمل بجميع حديثه مع جواز كونه صادقًا في بعضه** " اور اس کی تشریح یہ ہے کہ اس کی ایک دفعہ تدلیس کے ثبوت سے اُس کی (تمام) معنعن روایات میں اس کا ظاہر حال یہی بن گیا (کہ وہ مدلس ہے) جیسا کہ ایک دفعہ ملاقات کے ثبوت سے (غیر مدلس کا) ظاہر حال یہ ہوتا ہے کہ اُس نے (اپنے استاد سے) سنا ہے، اور اسی طرح اگر کسی آدمی کا (صرف) ایک حدیث میں جھوٹ معلوم ہو جائے تو اس کا ظاہر حال یہی بن جاتا ہے (کہ وہ جھوٹا ہے) اور اس کی تمام احادیث پر عمل ساقط ہو جاتا ہے، اس جواز کے ساتھ کہ وہ اپنی بعض روایات میں سچا ہو سکتا ہے۔ (فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث ج ۱ ص ۱۹۳)

دو اہم دلیلیں بیان کر کے سخاوی نے امام شافعی کی تائید کر دی اور ان لوگوں میں شامل ہو گئے جو مدلس کی عن والی روایت نہیں مانتے، چاہے اُس نے ساری زندگی میں صرف ایک

دفعہ تدلیس کی ہو۔

۱۳) زکریا بن محمد الانصاری (متوفی ۹۲۶ھ) نے بھی عراقی کے مذکورہ قول (دیکھئے فقرہ: ۱۱) کو نقل کر کے اس کی دلیل بیان کی اور کوئی مخالفت نہیں کی۔

دیکھئے فتح الباقی بشرح الفیۃ العراقی (تحقیق حافظ ثناء اللہ الزاہدی ص ۱۶۹۔۱۷۰)

معلوم ہوا کہ اس مسئلے میں وہ بھی امام شافعی رحمہ اللہ سے متفق تھے۔

۱٤) جلال الدین سیوطی (متوفی ۹۱۱ھ) نے بھی امام شافعی کا قول نقل کر کے کوئی مخالفت نہیں کی لہٰذا یہ ان کی طرف سے تائید ہے۔ دیکھئے تدریب الراوی (۱/۲۳۰)

بلکہ سیوطی نے " و لو بمرة وضح " کہہ کر تدلیس کو صراحتاً جرح قرار دیا ہے۔

دیکھئے الفیۃ السیوطی فی علم الحدیث (ص ۳۱ تحقیق احمد محمد شاکر)

۱۵) حافظ ابن حبان البستی (متوفی ۳۵۴ھ) نے فرمایا:

" الجنس الثالث : الثقات المدلسون الذين كانوا يدلسون في الأخبار مثل قتادة و يحيى بن أبي كثير والأعمش و أبو إسحاق و ابن جريج و ابن إسحاق والثوري و هشيم و من أشبههم ممن يكثر عددهم من الأئمة المرضيين و أهل الورع في الدين كانوا يكتبون عن الكل و يروون عمن سمعوا منه فربما دلّسوا عن الشيخ بعد سماعهم عنه عن أقوام ضعفاء لا يجوز الإحتجاج بأخبارهم ، فما لم يقل المدلّس و إن كان ثقة : حدثني أو سمعت فلا يجوز الإحتجاج بخبره ، وهذا أصل أبي عبد الله محمد بن إدريس الشافعي ۔ رحمه الله ۔ و من تبعه من شيوخنا "

تیسری قسم: وہ ثقہ مدلسین جو روایات میں تدلیس کرتے تھے مثلاً قتادہ، یحییٰ بن ابی کثیر، اعمش، ابو اسحاق، ابن جریج، ابن اسحاق، ثوری، ہشیم اور جو ان کے مشابہ تھے جن کی تعداد زیادہ ہے، وہ پسندیدہ اماموں اور دین میں پرہیز گاروں میں سے تھے، وہ سب سے (روایات) لکھتے اور جن سے سنتے تو اُن سے روایتیں بھی بیان کرتے تھے، بعض اوقات وہ

شیخ یعنی استاذ سے سننے کے بعد ضعیف لوگوں سے سنی ہوئی روایات اس (شیخ) سے بطورِ تدلیس بیان کرتے تھے، ان کی (معنعن) روایات سے استدلال جائز نہیں ہے۔ پس جب تک مدلس اگرچہ ثقہ ہو حدثنی یا سمعت نہ کہے (یعنی سماع کی تصریح نہ کرے) تو اس کی روایت سے استدلال جائز نہیں ہے اور یہ ابوعبداللہ محمد بن ادریس الشافعی رحمہ اللہ کی اصل (یعنی اصول) ہے اور ہمارے اساتذہ نے اس میں اُن کی اتباع (یعنی موافقت) کی ہے۔

(کتاب المجروحین ج ۱ ص ۹۲، دوسرا نسخہ ج ۱ ص ۸۶)

اس عظیم الشان بیان میں حافظ ابن حبان نے تدلیس کے مسئلے میں امام شافعی کی مکمل موافقت فرمائی بلکہ "منہج المتقدمین" کے نام سے "کثیر التدلیس" اور "قلیل التدلیس" کی عجیب وغریب، شاذ اور ناقابلِ عمل اصطلاحات کے رواج کے ذریعے سے مسئلہ تدلیس کو تارپیڈو کرنے والوں کے شبہات کے پرخچے اُڑا دیئے ہیں۔

حافظ ابن حبان نے دوسری جگہ فرمایا:

" و أما المدلّسون الذين هم ثقات و عدول فإنا لا نحتج بأخبارهم إلا ما بينوا السماع فيما رووا مثل الثوري والأعمش و أبي إسحاق و أضرابهم من الأئمة المتقين (المتقنين) و أهل الورع في الدين لأنا متى قبلنا خبر مدلّس لم يبين السماع فيه ـ و إن كان ثقة لزمنا قبول المقاطيع و المراسيل كلها لأنه لا يدرى لعل هذا المدلس دلّس هذا الخبر عن ضعيف يهي الخبر بذكره إذا عرف ، اللهم إلا أن يكون المدلّس يعلم أنه مادلّس قط إلا عن ثقة فإذا كان كذلك قبلت روايته و إن لم يبين السماع و هذا ليس في الدنيا إلا سفيان بن عيينة وحده فإنه كان يدلّس و لا يدلّس إلا عن ثقة متقن و لا يكاد يوجد لسفيان بن عيينة خبر دلّس فيه إلا وجد ذلك الخبر بعينه قد بيّن سماعه عن ثقة مثل نفسه والحكم في قبول روايته لهذه العلة ـ و إن لم يبين السماع فيها ـ كالحكم في رواية ابن عباس إذا روى عن النبي ﷺ

مـا لـم يسـمـع منـه " اورمگروہ مدلسین جوثقہ اور عادل ہیں تو ہم ان کی بیان کردہ روایات میں سے صرف ان روایات سے ہی استدلال کرتے ہیں جن میں انھوں نے سماع کی تصریح کی ہے، مثلاً ثوری، اعمش، ابواسحاق اوران جیسے دوسرے ائمہ متقین (ائمہ متقنین) اور دین میں پرہیزگاری والے امام، کیونکہ اگر ہم مدلس کی وہ روایت قبول کریں جس میں اُس نے سماع کی تصریح نہیں کی۔ اگرچہ وہ ثقہ تھا، تو ہم پر یہ لازم آتا ہے کہ ہم تمام منقطع اور مرسل روایات قبول کریں، **کیونکہ یہ معلوم نہیں کہ ہوسکتا ہے اس مدلس نے اس روایت میں ضعیف سے تدلیس کی ہو، اگراس کے بارے میں معلوم ہوتا تو روایت ضعیف ہوجاتی،** سوائے اس کے کہ اللہ جانتا ہے، اگر مدلس کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ اس نے صرف ثقہ سے ہی تدلیس کی ہے، پھر اگر اس طرح ہے تو اس کی روایت مقبول ہے اور اگرچہ وہ سماع کی تصریح نہ کرے، اور یہ بات (ساری) دنیا میں سوائے سفیان بن عیینہ اکیلے کے کسی اور کے لئے ثابت نہیں ہے، کیونکہ وہ تدلیس کرتے تھے اور صرف ثقہ متقن سے ہی تدلیس کرتے تھے، سفیان بن عیینہ کی ایسی کوئی روایت نہیں پائی جاتی جس میں انھوں نے تدلیس کی ہو مگر اسی روایت میں انھوں نے اپنے جیسے ثقہ سے تصریح سماع کردی تھی، اس وجہ سے ان کی روایت کے مقبول ہونے کا حکم —— اگرچہ وہ سماع کی تصریح نہ کریں —— اسی طرح ہے جیسے ابن عباس (رضی اللہ عنہ) اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی روایت بیان کریں جو انھوں نے آپ سے سنی نہیں تھی، کا حکم ہے۔ (صحیح ابن حبان، الاحسان ج ۱ ص ۱۶۱، دوسرا نسخہ ج ۱ ص ۹۰)

اس حوالے میں بھی حافظ ابن حبان نے مدلس راوی کی اس روایت کو غیر مقبول قرار دیا ہے جس میں سماع کی تصریح نہ ہو اور امام شافعی رحمہ اللہ کی معناً تائید فرمائی ہے۔

حافظ ابن حبان کے اس بیان سے درج ذیل اہم نکات واضح ہیں:

۱: جس راوی کا مدلس ہونا ثابت ہو، اس کی عدمِ تصریحِ سماع والی روایت غیر مقبول ہوتی ہے۔

۲: امام شافعی کا بیان کردہ اصول صحیح ہے۔

۳: امام شافعی اپنے اصول میں منفرد نہیں بلکہ ابن حبان اور اُن کے شیوخ (نیز عبدالرحمٰن بن مہدی، احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، مزنی، بیہقی اور خطیب بغدادی وغیرہم جیسا کہ ہمارے اس مضمون سے ثابت ہے) نے امام شافعی کی تائید فرمائی ہے۔

۴: کثیر اور قلیل تدلیس میں فرق کرنے والا منہج صحیح نہیں بلکہ مرجوح ہے۔

۵: اگر مدلس کی عن والی روایت مقبول ہے تو پھر منقطع اور مرسل روایات کیوں غیر مقبول ہیں؟

۶: مدلسین مثلاً امام سفیان ثوری رحمہ اللہ وغیرہ کی معنعن اور سماع کی صراحت کے بغیر والی روایات غیر مقبول ہیں، اگرچہ بعض متاخر علماء نے انھیں طبقہ ثانیہ یا طبقہ اولیٰ میں ذکر کر رکھا ہو۔

۷: حافظ ابن حبان کے نزدیک امام سفیان بن عیینہ صرف ثقہ سے ہی تدلیس کرتے تھے۔ ہمیں اس آخری شق سے دو دلیلوں کے ساتھ اختلاف ہے:

۱: بعض اوقات سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ غیر ثقہ سے بھی تدلیس کر لیتے تھے۔ مثلاً دیکھئے تاریخ یحییٰ بن معین (روایۃ الدوری: ۹۷۹) کتاب الجرح والتعدیل (۱۹۱/۷) اور میری کتاب: توضیح الاحکام (ج ۲ ص ۱۴۹)

لہٰذا یہ قاعدہ کلیہ نہیں بلکہ قاعدہ اغلبیہ ہے۔

۲: امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ بعض اوقات ثقہ مدلس (مثلاً ابن جریج) سے بھی تدلیس کرتے تھے۔

دیکھئے الکفایہ (ص ۳۵۹۔۳۶۰ وسندہ صحیح) اور توضیح الاحکام (ج ۲ ص ۱۴۸)

میں نے یہ کہیں بھی نہیں پڑھا کہ سفیان بن عیینہ ثقہ مدلس راویوں سے بطورِ تدلیس صرف وہی روایات بیان کرتے تھے جن میں انھوں نے سفیان کے سامنے سماع کی تصریح کر رکھی ہوتی تھی، لہٰذا کیا بعید ہے کہ ثقہ مدلس نے ایک روایت تدلیس کرتے ہوئے بیان کی ہو اور سفیان بن عیینہ نے اس ثقہ مدلس کو سند سے گرا کر روایت بیان کر دی ہو، لہٰذا اس

وجہ سے بھی ان کی معنعن روایت نا قابلِ اعتماد ہے۔ واللہ اعلم

۱۶) حسین بن عبداللہ الطیبی (متوفی ۷۴۳ھ) نے اپنے اصولِ حدیث والے رسالے میں امام شافعی رحمہ اللہ کے اصول کو درج فرمایا ہے اور کوئی تردید نہیں کی، لہٰذا اس مسئلے میں وہ بھی شافعی سے متفق تھے۔

دیکھئے الخلاصۃ فی اصول الحدیث (ص ۷۲ تحقیق صبحی سامرائی)

۱۷) ابوبکر الصیرفی (متوفی ۳۳۰ھ) نے (کتاب الرسالہ کی شرح) کتاب الدلائل والاعلام میں فرمایا: " **كل من ظهر تدليسه عن غير الثقات لم يقبل خبره حتى يقول : حدثني أو سمعت** " ہر وہ شخص جس کی تدلیس غیر ثقہ راویوں سے ظاہر ہو جائے تو اس کی روایت قبول نہیں کی جاتی، اِلا یہ کہ وہ حدثنی یا سمعت کہے/ یعنی سماع کی تصریح کرے۔ (النکت علیٰ مقدمۃ ابن الصلاح للزرکشی ص ۱۸۴)

تنبیہ: چونکہ کتاب الدلائل والاعلام میرے پاس موجود نہیں اور نہ مجھے اس کے وجود کا کوئی علم ہے، لہٰذا یہ حوالہ مجبوراً زرکشی سے لیا ہے اور دوسرے کئی علماء نے بھی صیرفی سے اس حوالے کو نقل کیا ہے (مثلاً دیکھئے شرح الفیۃ العراقی بالتبصرۃ والتذکرۃ ج ۱ ص ۱۸۳۔ ۱۸۴) نیز یہ کہ کتاب سے روایت جائز ہے اِلا یہ کہ **اصل** کتاب میں ہی طعن ثابت ہو تو پھر جائز نہیں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ضعیف راوی سے ایک دفعہ بھی تدلیس کرنے والے ثقہ راوی کے بارے میں صیرفی کا یہ موقف تھا کہ اس کی صرف وہی روایت مقبول ہوتی ہے جس میں سماع کی تصریح ہو، لہٰذا امام شافعی کے اصول سے صیرفی بھی متفق تھے۔

۱۸) حافظ ابن حجر العسقلانی نے تدلیس الاسناد کے بارے میں کہا:

" **وحكم من ثبت عنه التدليس إذا كان عدلاً ، أن لا يقبل منه إلا ما صرّح فيه بالتحديث على الأصح** " صحیح ترین بات یہ ہے کہ جس راوی سے تدلیس ثابت ہو جائے، اگرچہ وہ عادل ہو تو اُس کی صرف وہی روایت مقبول ہوتی ہے جس میں وہ سماع

کی تصریح کرے۔ (نزہۃ النظر شرح نخبۃ الفکر ص ۶۶، مع شرح الملا علی القاری ص ۴۱۹)

اس سے معلوم ہوا کہ ایک دفعہ تدلیس ثابت ہو جانے پر بھی حافظ ابن حجر مدلس کا عنعنہ صحت کے منافی سمجھتے تھے۔

حافظ ابن حجر نے اپنے نزدیک طبقۂ ثانیہ کے ایک مدلس اعمش کے بارے میں کہا:
کیونکہ کسی سند کے راویوں کا ثقہ ہونا صحیح ہونے کو لازم نہیں ہے، چونکہ اعمش مدلس ہیں اور انھوں نے عطاء سے (اس حدیث میں) اپنے سماع کا ذکر نہیں کیا ہے۔
(التلخیص الحبیر ۳/۱۹ ح ۱۱۸۱، السلسلۃ الصحیحۃ ۱/۱۶۵ ح ۱۰۴)

۱۹) محمد بن اسماعیل الیمانی (متوفی ۱۱۸۲ھ) نے بھی حافظ ابن حجر کے مذکورہ قول (فقرہ: ۱۸) کو بطورِ جزم اور بغیر کسی تردید کے نقل کیا ہے۔ دیکھئے اسبال المطر علیٰ قصب السکر (تحقیق الشیخ محمد رفیق الاثری ص ۱۱۶۔۱۱۷)

۲۰) شیخ الاسلام سراج الدین عمر بن رسلان البلقینی (متوفی ۸۰۵ھ) نے مقدمہ ابن الصلاح کی شرح میں امام شافعی کا قول نقل کیا اور کوئی تردید نہیں کی، لہٰذا یہ ان کی طرف سے اصولِ مذکور کی موافقت ہے۔
دیکھئے محاسن الاصطلاح (ص ۲۳۵، تحقیق عائشہ عبدالرحمٰن بنت شاتی)

۲۱) برہان الدین ابو اسحاق ابراہیم بن موسیٰ بن ایوب الابناسی (متوفی ۸۰۲ھ) نے بھی امام شافعی کے مذکورہ اصول کو نقل کیا اور کوئی مخالفت نہیں کی، لہٰذا یہ ان کی طرف سے اصولِ مذکور کی تائید ہے۔ دیکھئے الشذیٰ الفیاح (ج ۱ ص ۱۷۷)

ان کے علاوہ اور بھی کئی حوالے ہیں۔ مثلاً دیکھئے النکت علیٰ ابن الصلاح لابن حجر (۲/۶۳۴) وغیرہ

اصولِ حدیث کے اس بنیادی مسئلے کے خلاف عرب ممالک میں حاتم شریف العونی، ناصر بن حمد الفہد اور عبداللہ بن عبدالرحمٰن السعد وغیرہم نے منہج المتقدمین (والمتاخرین) کے نام سے ایک نیا اصول متعارف کرانے کی کوشش شروع کر دی ہے اور وہ یہ ہے کہ مدلسین

کی دو قسمیں ہیں:

ا: کثیر التدلیس مثلاً بقیہ بن الولید، حجاج بن ارطاۃ اور ابو جناب الکلبی وغیرہم

۲: قلیل التدلیس مثلاً قتادہ، اعمش، ہشیم، ثوری، ابن جریج اور ولید بن مسلم وغیرہم۔
دیکھئے منہج المتقدمین فی التدلیس لناصر بن حمد الفہد (ص ۱۵۵۔۱۵۶)

ان لوگوں کا خیال یہ ہے کہ قلیل التدلیس راوی کی صرف وہی روایت ضعیف ہوتی ہے جس میں اُس کا تدلیس کرنا ثابت ہو، ورنہ صحیح اور مقبول ہوتی ہے۔ یہ لوگ اپنے منہج کی تائید میں درج ذیل دلیل پیش کرتے ہیں:

☆ یعقوب بن شیبہ نے کہا: میں نے علی بن المدینی سے پوچھا: جو شخص تدلیس کرتا ہے کیا وہ حدثنا نہ کہے تو حجت ہوتا ہے؟ انھوں نے فرمایا: " **إذا كان الغالب عليه التدليس فلا حتى يقول : حدثنا** " اگر اس پر تدلیس غالب ہو تو جب تک حدثنا نہ کہے حجت نہیں ہوتا۔ (الکفایہ ص ۳۶۲ وسندہ صحیح، منہج المتقدمین ص ۲۳ مقدمہ بقلم الشیخ عبداللہ بن عبدالرحمٰن السعد)

عرض ہے کہ یہ قول آٹھ (۸) وجہ سے مرجوح اور نا قابلِ حجت ہے:

ا: یہ جمہور کے خلاف یعنی شاذ ہے جیسا کہ ہم نے بیس سے زیادہ علمائے کرام کے حوالوں سے ثابت کر دیا ہے اور باقی حوالے آگے آ رہے ہیں۔ ان شاء اللہ

یاد رہے کہ اس قول یعنی الغالب علیہ التدلیس کو جمہور کا موقف قرار دینا غلط ہے۔

۲: اس قول کے راوی خطیب بغدادی نے روایت کے باوجود خود اس قول کی عملاً مخالفت کی۔ دیکھئے یہی مضمون فقرہ نمبر ۶

۳: محدثین متقدمین مثلاً تیسری صدی ہجری (۳۰۰ھ) تک تدلیس کرنے والے عام راویوں کے بارے میں محدثین کرام سے قلیل التدلیس اور کثیر التدلیس کی صراحتیں ثابت نہیں ہیں۔

۴: یہ مفہومِ مخالف ہے اور نصِ صریح کے مقابلے میں مفہومِ مخالف حجت نہیں ہوتا۔

۵: یہ قول منسوخ ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ خود امام ابن المدینی نے سفیان ثوری کے

بارے میں فرمایا:" والناس يحتاجون في حديث سفيان إلى يحيى القطان لحال الإخبار يعني عليّ أن سفيان كان يدلس و أن يحيى القطان كان يوقفه على ما سمع مما لم يسمع " لوگ سفیان کی حدیث میں یحییٰ القطان کے محتاج ہیں کیونکہ وہ مصرح بالسماع روایات بیان کرتے تھے۔ علی بن المدینی کا خیال ہے کہ سفیان تدلیس کرتے تھے اور یحییٰ القطان ان کی صرف مصرح بالسماع روایتیں ہی بیان کرتے تھے۔ (الکفایہ ص ۳۶۲ وسندہ صحیح)

یاد رہے کہ منہج المتقدمین والے امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کو کثیر التدلیس نہیں سمجھتے بلکہ بہت سے علماء انھیں قلیل التدلیس سمجھتے ہیں، لہٰذا اگر سفیان ثوری کی عن والی اور غیر مصرح بالسماع روایتیں (جن میں صراحتاً تدلیس ثابت نہیں ہے) صحیح و مقبول ہوتیں تو پھر لوگ ان کی روایات میں امام یحییٰ بن سعید القطان کے محتاج کیوں تھے؟

جب قلیل التدلیس راوی کی معنعن روایت میں سماع کی تصریح ضروری نہیں تو پھر یہاں لوگوں کا محتاج ہو کر یحییٰ القطان کی طرف رجوع کرنا ناقابلِ فہم ہے۔

یہاں پر بطورِ فائدہ عرض ہے کہ امام یحییٰ بن سعید القطان نے فرمایا:

" ما كتبت عن سفيان شيئاً إلا ما قال : حدثني أو حدثنا إلا حديثين..."

میں نے سفیان (ثوری) سے صرف وہی کچھ لکھا ہے جس میں وہ حدثنی یا حدثنا کہتے تھے، سوائے دو حدیثوں کے۔ (کتاب العلل و معرفۃ الرجال للامام احمد ۱/۲۰۷ ت ۱۱۳۰، وسندہ صحیح، یاد رہے کہ ان دو روایتوں کو یحییٰ القطان نے بیان کر دیا تھا۔)

معلوم ہوا کہ یحییٰ القطان اس جدید منہج المتقدمین کے قائل نہیں تھے بلکہ اپنے استاذ امام سفیان ثوری کے عنعنے اور عدمِ تصریحِ سماع کو صحت کے لئے منافی سمجھتے تھے، ورنہ اتنی تکلیف کی ضرورت کیا تھی؟

٦: ابن المدینی کے اس قول کو نہ اہلِ حدیث نے قبول کیا ہے (مثلاً شیخ ارشاد الحق اثری صاحب نے ابو الزبیر، قتادہ، اعمش، ابراہیم نخعی اور محمد بن عجلان وغیرہم کی روایات پر تدلیس

کی وجہ سے جرح کی ہے) اور نہ حنفیہ، شافعیہ، دیوبندیہ، بریلویہ اور دیگر لوگ اسے تسلیم کرتے ہیں، مثلاً سرفراز خان صفدر دیوبندی اور احمد رضا خان بریلوی وغیرہم نے کئی مدلس یا تدلیس کی طرف منسوب راویوں کی روایات پر تدلیس کی جرح کی ہے، جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ نیز دیکھئے میری کتاب: علمی مقالات (ج ۳ ص ۲۲۱، ۶۱۲)

عام کتبِ اصولِ حدیث میں بھی اس قول کو بطورِ حجت نقل نہیں کیا گیا بلکہ اس سے اغماض اس بات کی دلیل ہے کہ یہ قول غلط اور مرجوح ہے۔

۷: کون کثیر التدلیس تھا اور کون قلیل التدلیس تھا، اس مسئلے کو متقدمین سے ثابت کرنا اور عام مسلمانوں کو اس پر متفق کرنے کی کوشش کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔

۸: اختلافی مسائل کی کتابوں اور مناظراتِ علمیہ میں یہ اصول غیر مقبول ہے بلکہ اس کے برعکس ثابت ہے۔

☆ امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے مدلس راوی کے بارے میں فرمایا: "**لا یکون حجة فیما دلّس**" وہ جس میں تدلیس کرے تو حجت نہیں ہوتا۔ (الکفایہ ص ۳۶۲ وسندہ صحیح)

اس قول کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ وہ جو روایت عن سے بیان کرے تو حجت نہیں ہوتا۔ فی الحال اس مطلب کی تائید میں چار حوالے پیشِ خدمت ہیں:

۱: امام ابونعیم الفضل بن دکین الکوفی (متوفی ۲۱۸ھ) نے سفیان ثوری کے بارے میں فرمایا: "**إذا دلّس عنه یقول : قال عمرو بن مرة**" اور جب آپ اُن (عمرو بن مرہ) سے تدلیس کرتے تو فرماتے: عمرو بن مرہ نے کہا۔

(تاریخ ابی زرعہ الدمشقی: ۱۱۹۳، وسندہ صحیح، علمی مقالات ج ۱ ص ۲۸۷)

معلوم ہوا کہ امام ابونعیم غیر مصرح بالسماع روایت کو دلس کہتے تھے۔

۲: طحاوی نے کہا: اور اس حدیث کو زہری نے عُروہ سے نہیں سنا، انھوں نے تو اس کے ساتھ تدلیس کی ہے۔ (شرح معانی الآثار ۱/۲۷، علمی مقالات ج ۱ ص ۲۸۸)

یہاں زہری کی عن عروہ والی روایت کو "**دلّس به**" قرار دیا گیا ہے۔

۳: محمد بن اسحاق بن یسار امام المغازی نے ایک حدیث امام زہری سے ''فذکر '' کہہ کر سماع کی تصریح کے بغیر بیان کی تو امام ابن خزیمہ نے ''إن صح الخبر '' کی صراحت کے ساتھ روایت کی صحت میں شک کیا اور فرمایا:'' أنا استثنيت صحة هذا الخبر لأني خائف أن يكون محمد بن إسحاق لم يسمع من محمد بن مسلم و إنما دلّسه عنه ''میں نے اس روایت کی صحت کا استثنا اس لئے کیا کہ مجھے ڈر ہے کہ محمد بن اسحاق نے محمد بن مسلم (الزہری) سے (اس روایت کو) نہیں سنا اور اُنھوں نے تو اس میں تدلیس کی ہے۔ (صحیح ابن خزیمہ ج ا ص ا۷، ح ۱۳۷)

اس قول میں عدمِ تصریح سماع والی روایت پر تدلیس کا اطلاق کیا گیا ہے۔

۴: جریر بن حازم نے ابن ابی نجیح سے ایک روایت عن کے ساتھ بیان کی تو بیہقی نے فرمایا:'' و هذا إسناد صحيح إلا أنهم يرون أن جرير بن حازم أخذه من محمد بن إسحاق ثم دلسه فإنه بين فيه سماع جرير من ابن أبي نجيح صار الحديث صحيحًا . والله أعلم ''

اور یہ سند (بظاہر) صحیح ہے اِلا یہ کہ وہ لوگ (علماء) سمجھتے ہیں کہ جریر نے اسے محمد بن اسحاق سے لیا اور پھر اس میں تدلیس کر دی (یعنی بطورِ عن بیان کر دیا) پس اگر اس میں جریر کا ابن ابی نجیح سے سماع واضح ہو جائے تو حدیث صحیح ہو جائے گی۔ واللہ اعلم

(السنن الکبریٰ ج ۵ ص ۲۳۰، کتاب الحج باب جواز الذکر والانثی فی الہدایا)

[متعدد علماء نے مدلس کی عن والی روایت کو ''ضعيف لتدليس ... '' کہہ کر ضعیف قرار دیا ہے، مثلاً سنن ابن ماجہ (۴۲۵۳) کی ایک روایت ''الوليد بن مسلم عن ابن ثوبان عن أبيه عن مكحول عن جبير بن نفير عن عبدالله بن عمرو عن النبي ﷺ '' کے بارے میں بوصیری نے کہا:

''هذا إسناد ضعيف ، فيه الوليد بن مسلم وهو مدلس و قد عنعنه و كذلك مكحول الدمشقي ... '' یہ سند ضعیف ہے، اس میں ولید بن مسلم مدلس ہیں اور انھوں

نے عن سے روایت کی ہے، اور اسی طرح مکحول الدمشقی (مدلس ہیں اور انھوں نے عن سے روایت کی ہے)... (زوائد سنن ابن ماجہ ص ۵۵۳ ح ۱۴۴۹)

روایتِ مذکورہ میں ولید بن مسلم کا خاص طور پر تدلیس کرنا ثابت نہیں، بلکہ اُن کے عن کی وجہ سے ہی بوصیری نے اسے تدلیس قرار دیا ہے، حالانکہ وہ اس روایت میں منفرد نہیں بلکہ ایک جماعت نے اُن کی متابعت کی ہے، جیسا کہ بوصیری کے بقیہ کلام سے بھی ظاہر ہے۔ امام مکحول کا مدلس ہونا ثابت نہیں، کجا یہ کہ وہ کثیر التدلیس ہوں اور خاص اس روایت میں ان کا تدلیس کرنا بھی ثابت نہیں، لہٰذا بوصیری کا اس روایت کو مکحول کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف قرار دینا اس بات کی دلیل ہے کہ مدلس کی عن والی روایت کو علماء تدلیس قرار دیتے ہیں اور یہ شرط نہیں لگاتے کہ اگر کسی خاص روایت میں مدلس نے صراحت کے ساتھ تدلیس کی ہوگی تو اسے تدلیس قرار دیں گے، ورنہ نہیں۔!

ثابت ہوا کہ عنعنہ کو دلسہ قرار دینا بالکل صحیح ہے۔

منہاج المتقدمین والی پارٹی کا یہ کہنا: ''مدلس کی عن والی ہر روایت صحیح ہوتی ہے اِلا یہ کہ کسی خاص روایت میں تصریح ثابت ہو جائے کہ یہ روایت اُس نے اپنے استاد سے نہیں سنی تھی، تو صرف یہ روایت ضعیف ہوگی۔'' اصولِ حدیث کی رُو سے غلط ہے، ورنہ مدلس اور غیر مدلس کی عن والی روایات میں فرق ہی باقی نہیں رہتا۔

اگر ثقہ غیر مدلس راوی کی کسی خاص روایت میں یہ ثابت ہو جائے کہ انھوں نے اس روایت کو اپنے استاد سے نہیں سنا تھا تو معلول ہونے کی وجہ سے یہ روایت ضعیف ہوتی ہے۔

فائدہ: سنن ابن ماجہ کی روایتِ مذکورہ میں امام مکحول پر تدلیس کا اعتراض غلط ہے اور عبدالرحمٰن بن ثابت بن ثوبان جمہور کے نزدیک موثق ہونے کی وجہ سے حسن الحدیث تھے، لہٰذا یہ روایت حسن لذاتہ ہے اور اس کے شواہد بھی ہیں۔ والحمد للہ]

ان حوالوں سے معلوم ہوا کہ دلس کا لفظ غیر مصرح بالسماع روایت بیان کرنے پر بھی بولا جاسکتا ہے، لہٰذا یہ ضروری ہے کہ امام ابن معین کے مذکورہ قول کا وہی مفہوم لیا جائے جو

جمہور محدثین وعلماء کی تحقیق کے مطابق ہے۔

یعقوب بن سفیان الفارسی رحمہ اللہ کے قول ''و حدیث سفیان و أبي إسحاق و الأعمش ما لم یعلم أنه مدلس یقوم مقام الحجة '' [اور سفیان، ابواسحاق اور اعمش کی حدیث، جب معلوم نہ ہو کہ اس میں تدلیس کی گئی ہے تو حجت کے مقام پر قائم یعنی حجت ہے۔] کا بھی یہی مطلب ہے جو امام ابن معین رحمہ اللہ کے قول کا بیان کیا گیا ہے۔

یہ کیسے معلوم ہوگا کہ سفیان ثوری، ابواسحاق السبیعی اور اعمش نے فلاں حدیث میں تدلیس کی ہے یا نہیں؟ تو اس کا جواب آسان ہے کہ اگر ان کے سماع کی تصریح ثابت ہو جائے تو قطعی فیصلہ ہو گیا کہ انھوں نے تدلیس نہیں کی اور اگر تصریح ثابت نہ ہو تو پھر اس بات کا قوی خوف اور ڈر ہے کہ ہو سکتا ہے انھوں نے اس روایت میں تدلیس کی ہو، کسی غیر ثقہ سے روایتِ مذکورہ کو سن کر اسے گرا دیا ہو جیسا کہ سفیان ثوری نے ایک حدیث اپنے نزدیک غیر ثقہ سے سنی تھی جس نے اسے عاصم سے بیان کیا تھا، پھر اسی روایت کو ثوری نے بغیر تصریح سماع کے عاصم سے بیان کر دیا تو اُن کے شاگرد ابو عاصم نے کہا: ہم یہ سمجھتے ہیں کہ سفیان ثوری نے اس حدیث میں..... سے تدلیس کی ہے۔

دیکھئے سنن الدار قطنی (۲۰۱/۳ ح ۳۴۲۳) اور علمی مقالات (ج ۱ ص ۲۵۲۔۲۵۳)

☆ منہج المتقدمین کے شیخ عبداللہ بن عبدالرحمٰن السعد حفظہ اللہ نے امام شافعی کے اصولِ تدلیس کو ''کلام نظری'' کہہ کر یہ عجیب وغریب دعویٰ کیا: بلکہ ہو سکتا ہے کہ شافعی نے اس (اصول) پر خود عمل نہیں کیا، کیونکہ انھوں نے اپنی کتابوں میں بعض جگہ ابن جریج کی معنعن روایات سے حجت پکڑی اور شافعی نے یہ ذکر نہیں کیا کہ ابن جریج نے یہ روایات اپنے اساتذہ سے سنی ہیں۔

دیکھئے کتاب الرسالہ (۴۹۸، ۸۹۰، ۹۰۳) اور برائے ابوالزبیر (الرسالہ: ۴۹۸، ۸۸۹)!!

عرض ہے کہ یہ کلام کئی وجہ سے باطل ہے:

۱: امام شافعی کا ''إسناده صحیح'' وغیرہ کہنے کے بغیر مجرد روایت بیان کرنا حجت

پکڑنا نہیں ہے۔

۲: یہ ضروری نہیں ہے کہ مدلس کے سماع کی تصریح خود امام شافعی سے صراحتاً ثابت ہو بلکہ دوسری کتاب میں اس کی صراحت کافی ہے جیسا کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم کے مدلسین کی مرویات کے بارے میں علمائے کرام کا عمل جاری و ساری ہے۔

۳: روایاتِ مذکورہ کی تفصیل درج ذیل ہے:

○ (الرسالہ: ۴۹۸) اس میں سماع کی تصریح کتاب الام (۸۴/۱) میں موجود ہے۔ دیکھئے الرسالہ کا حاشیہ ص ۱۷۸ نمبر ۹

○ (الرسالہ: ۸۹۰) ابن جریج کی عطاء سے روایت قوی ہوتی ہے، لہٰذا سماع کی یہاں ضرورت نہیں، دوسرے یہ کہ یہ سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ صحیح حدیث (السنن الصغریٰ للنسائی ۲۸۴/۱ ح ۵۸۶ ترقیم تعلیقات سلفیہ) کی تائید میں ہے۔

○ (الرسالہ: ۹۰۳) روایتِ مذکورہ موقوف ہے اور اس میں ابن جریج کے ابن ابی ملیکہ سے سماع کی تصریح اخبار مکہ للفاکہی (ج ۱ ص ۲۵۷ ح ۴۹۶ وسندہ حسن لذاتہ) میں موجود ہے۔

○ (الرسالہ: ۴۹۸) ابوالزبیر کے سماع کی تصریح سنن النسائی (۲۸۴/۱ ح ۵۸۶) میں موجود ہے۔

○ (الرسالہ: ۸۸۹) اس میں ابوالزبیر کے سماع کی تصریح سنن النسائی (۵۸۶) میں موجود ہے۔

○ ایک شخص نے کتاب الرسالہ کے فقرہ: ۱۲۲۰، کا حوالہ بھی امام شافعی کے اصول کے خلاف بطورِ رد پیش کیا ہے، حالانکہ اسی حوالے میں " أخبـــرہ " کے ساتھ سماع کی تصریح موجود ہے۔ ثابت ہوا کہ شیخ عبداللہ السعد کا امام شافعی پر معارضہ پیش کرنا باطل ہے۔

منہج المتقدمین کے نام سے بعض جدید علماء نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ثقہ مدلس کی غیر مصرح بالسماع (عن والی) ہر روایت صحیح و مقبول ہوتی ہے اِلا یہ کہ کسی خاص روایت میں

صراحتاً تدلیس ثابت ہوتو وہ ضعیف ہو جاتی ہے۔!!

اس مرجوح اور غلط منہج کی تردید کے لئے ہمارے ذکر کردہ اکیس (۲۱) حوالے کافی ہیں، تاہم مزید حوالے بھی پیشِ خدمت ہیں:

۲۲) امام بخاری رحمہ اللہ نے قتادہ عن ابی نضرہ والی ایک روایت کے بارے میں فرمایا:

"ولم یذکر قتادة سماعًا من أبي نضرة في هذا"

اور قتادہ نے ابونضرہ سے اس روایت میں اپنے سماع کا ذکر نہیں کیا۔ (جزء القراءۃ:۱۰۴)

معلوم ہوا کہ امام بخاری کے نزدیک مدلس کا سماع کی تصریح نہ کرنا صحتِ حدیث کے منافی ہے۔

۲۳) اعمش عن حبیب بن ابی ثابت عن عطاء بن ابی رباح عن (ابن) عمر والی ایک روایت پر جرح کرتے ہوئے امام ابن خزیمہ نے فرمایا: دوسری بات یہ ہے کہ اعمش مدلس ہیں، انھوں نے حبیب بن ابی ثابت سے اپنے سماع کا ذکر نہیں کیا۔ الخ

(کتاب التوحید ص ۳۸، علمی مقالات ج ۳ ص ۲۲۰)

۲٤) امام شعبہ بن الحجاج رحمہ اللہ (متوفی ۱۶۰ھ) نے فرمایا: میں قتادہ کے منہ کو دیکھتا رہتا، جب آپ کہتے: میں نے سنا ہے یا فلاں نے ہمیں حدیث بیان کی، تو میں اسے یاد کر لیتا اور جب آپ کہتے: فلاں نے حدیث بیان کی، تو میں اسے چھوڑ دیتا تھا۔

(تقدمۃ الجرح والتعدیل ص ۱۶۹، وسندہ صحیح)

معلوم ہوا کہ امام شعبہ بھی مدلس کی عدمِ تصریحِ سماع والی روایت کو حجت نہیں سمجھتے تھے۔ نیز دیکھئے علمی مقالات (ج ۱ ص ۲۶۱۔۲۶۲)

۲۵) حافظ ابن عبدالبر نے کہا: اور انھوں (محدثین) نے فرمایا: اعمش کی تدلیس (یعنی عن والی روایت) غیر مقبول ہے، کیونکہ انھیں جب (معنعن روایت کے بارے) پوچھا جاتا تو غیر ثقہ کا حوالہ دیتے تھے۔ الخ (التمہید ج ۱ ص ۳۰، علمی مقالات ج ۱ ص ۲۷۰)

ابن عبدالبر سے اس کے علاوہ تاسف والا ایک گول مول قول بھی موجود ہے۔

(دیکھئے التمہید ۱۹/ ۲۸۷)

لیکن وہ قول جمہور کے خلاف ہونے کی وجہ سے مرجوح ہے۔

۲۶) محمد بن فضیل بن غزوان (متوفی ۱۹۵ھ) نے کہا: مغیرہ (بن مقسم) تدلیس کرتے تھے، پس ہم اُن سے صرف وہی روایت لکھتے جس میں وہ حدثنا ابراہیم کہتے تھے۔

(مسند علی بن الجعد ۱/ ۴۳۰ ح ۶۶۳ وسندہ حسن، دوسرا نسخہ: ۶۴۴، علمی مقالات ج ۱ ص ۲۸۷)

معلوم ہوا کہ محمد بن فضیل بھی مدلس کی وہ روایت، جس میں سماع کی تصریح نہ ہو ضعیف و مردود سمجھتے تھے۔

۲۷) ابن القطان الفاسی (متوفی ۶۲۸ھ) نے کہا: " **و معنعن الأعمش عرضة لتبين الإنقطاع فإنه مدلس** " اور اعمش کی معنعن (عن والی) روایت انقطاع بیان کرنے کا نشانہ اور ہدف ہے کیونکہ وہ مدلس ہیں۔ (بیان الوہم والایہام ۲/ ۴۳۵ ح ۴۴۱)

اگر مدلس کی عن والی روایت مطلقاً صحیح ہوتی ہے تو پھر انقطاع کے ہدف اور نشانہ ہونے کا کیا مطلب؟!

۲۸) زہری عن عروہ والی ایک روایت کے بارے میں امام ابوحاتم الرازی نے فرمایا:

" **الزهري لم يسمع من عروة هذا الحديث فلعله دلّسه** "

زہری نے عروہ سے یہ حدیث نہیں سنی، لہٰذا ہوسکتا ہے کہ انھوں نے اس میں تدلیس کی ہو۔

(علل الحدیث ۱/ ۳۲۴ ح ۹۶۸)

۲۹) امام یحییٰ بن سعید القطان بھی مدلس کی تصریحِ سماع نہ ہونے کو صحتِ حدیث کے منافی سمجھتے تھے، جیسا کہ اُن کے عمل سے ثابت ہے۔

مثلاً دیکھئے یہی مضمون (فقرہ: ۲۱) ابن المدینی رحمہ اللہ کے قول کا رد نمبر ۴

۳۰) ابن الترکمانی حنفی نے ایک روایت پر جرح کرتے ہوئے کہا:

اس میں تین علتیں (وجہ ضعف) ہیں: ثوری مدلس ہیں اور انھوں نے یہ روایت عن سے بیان کی ہے... (الجوہر النقی ج ۸ ص ۲۶۲، الحدیث حضرو: ۶۷ ص ۱۷)

معلوم ہوا کہ ابن الترکمانی کے نزدیک بھی ہر روایت میں مدلس راوی کے سماع کی تصریح کا ثبوت ضروری ہے اور مطلقاً عدمِ تصریحِ سماع والی روایت معلول یعنی ضعیف ہوتی ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے حوالے ہیں، مثلاً عینی حنفی نے کہا: اور سفیان (ثوری) مدلسین میں سے تھے اور مدلس کی عن والی روایت حجت نہیں ہوتی اِلا یہ کہ اُس کی تصریحِ سماع دوسری سند سے ثابت ہو جائے۔ (عمدۃ القاری ۱۱۲/۳، الحدیث حضرو: ۶۶ ص ۲۷، عدد ۶۷ ص ۱۶)

اب عصرِ حاضر کے بعض اہلِ حدیث علماء کے دس حوالے پیشِ خدمت ہیں:

۳۱) مولانا ارشاد الحق اثری صاحب نے حافظ ابن حجر کے نزدیک طبقۂ ثالثہ وطبقۂ ثانیہ کے مدلسین کی معنعن اور غیر مصرح بالسماع روایات کو غیر صحیح اور ضعیف قرار دیا ہے، جیسا کہ اس مضمون کے بالکل شروع میں باحوالہ بیان کر دیا گیا ہے۔

۳۲) مولانا محمد داود ارشد صاحب نے امام سفیان ثوری کو مدلس قرار دینے کے بعد لکھا:

''جب یہ بات متحقق ہو گئی کہ سفیان ثوری مدلس ہیں، تو اب سنئے کہ زیر بحث احادیث میں امام سفیان ثوری نے تحدیث کی صراحت نہیں کی بلکہ معنعن مروی ہے، اور مدلس راوی کی روایت سماع کی صراحت کے بغیر ضعیف ہوتی ہے۔'' الخ (حدیث اور اہلِ تقلید ج ۱ ص ۲۲۳)

۳۳) ذہبیٔ عصر حافظ شیخ عبدالرحمٰن بن یحییٰ المعلمی الیمانی المکی رحمہ اللہ نے سفیان ثوری کی ایک معنعن روایت کو معلول قرار دیتے ہوئے پہلی علت یہ بیان کی کہ سفیان تدلیس کرتے تھے اور کسی سند میں اُن کے سماع کی تصریح نہیں ہے۔ دیکھئے التنکیل بما فی تانیب الکوثری من الاباطیل (ج ۲ ص ۲۰) اور الحدیث حضرو: ۶۷ ص ۱۸

۳۴) محترم مبشر احمد ربانی صاحب نے اعمش کی ایک روایت پر دوسری جرح درج ذیل الفاظ میں لکھی:

''اعمش مدلس ہیں اور ضعفاء ومجاہیل سے تدلیس کر جاتے ہیں اور اس روایت میں انھوں نے سماع کی تصریح نہیں کی۔'' (احکام ومسائل کتاب وسنت کی روشنی میں ج ۱ ص ۱۷۶، طبع اول ۲۰۰۸ء)

نیز دیکھئے آپ کے مسائل اور ان کا حل (ج ۳ ص ۵۳، ج ۳ ص ۵۷۔ ۵۸)

معلوم ہوا کہ ربانی صاحب کے نزدیک مدلس کی معنعن روایت (غیر صحیحین میں) ضعیف ہوتی ہے اور اس سلسلے میں اُن سے رابطہ کر کے مزید معلومات بھی حاصل کی جاسکتی ہیں۔

۳۵) مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری رحمہ اللہ نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب جرابوں پر مسح والی ایک روایت کو ضعیف قرار دیا اور فرمایا: " **في سنده الأول الأعمش وهو مدلس و رواه عن الحكم بالعنعنة ولم يذكر سماعه منه ...** "

اس کی پہلی سند میں اعمش ہیں اور وہ مدلس ہیں، انھوں نے اسے حکم (بن عتیبہ) سے عن کے ساتھ روایت کیا ہے اور اُن سے سماع کا ذکر نہیں کیا۔ الخ

(تحفۃ الاحوذی ج ا ص ۱۰۱ تحت ح ۹۹ باب فی المسح علی الجوربین والنعلین

۳۶) حافظ ابن حجر کی طبقات المدلسین کے نزدیک طبقۂ ثانیہ کے مدلس یحییٰ بن ابی کثیر کے بارے میں سعودی عرب کے مشہور شیخ عبدالعزیز ابن باز رحمہ اللہ نے فرمایا:

" **و يحيى مدلس و المدلس إذا لم يصرح بالسماع لم يحتج به إلا ما كان في الصحيحين** " اور یحییٰ مدلس ہیں اور مدلس اگر سماع کی تصریح نہ کرے تو اس سے حجت نہیں پکڑی جاتی الا یہ کہ جو کچھ صحیحین میں ہے/ تو وہ حجت ہے۔

(مجموع فتاویٰ ابن باز ج ۲۶ ص ۲۳۶ بحوالہ مکتبہ شاملہ)

نیز دیکھئے حافظ عبدالمنان نور پوری صاحب کی کتاب: احکام و مسائل (ج ا ص ۲۴۶، ۲۴۷)

۳۷) مولانا محمد یحییٰ گوندلوی رحمہ اللہ نے مدلس کی عن والی روایت کے بارے میں عام اصول بیان فرمایا کہ "مدلس کی معنعن روایت نا قابلِ قبول ہے۔"

(ضعیف اور موضوع روایات ص ۶۸، کتاب الایمان سے تھوڑا پہلے، دوسرا نسخہ ص ۶۶)

گوندلوی صاحب نے سفیان ثوری کی تدلیس (عنعنے) کو روایت کی علت (وجۂ ضعف) قرار دیا ہے۔ دیکھئے صحیح سنن الترمذی مترجم (ج ا ص ۱۹۲)

اور فرمایا: "اس روایت کے ضعف کی وجہ سفیان ثوری کی تدلیس ہے۔ سفیان مدلس ہیں اور مدلس جب عن سے روایت کرے تو قابلِ حجت نہیں اور مذکورہ روایت بھی عن سے ہے، جس

وجہ سے اس روایت کو صحیح قرار نہیں دیا جا سکتا۔'' (صحیح سنن الترمذی مترجم ج ۱ ص ۱۹۳)

گوندلوی صاحب نے اپنی ایک سابقہ بات سے رجوع کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''راقم نے خیر البراہین میں لکھا تھا کہ سفیان کی تدلیس مضر نہیں مگر (صح وفی الاصل: بگر) بعد ازاں تحقیق سے معلوم ہوا کہ مضر ہے۔'' (ضعیف اور موضوع روایات ص ۲۵۹ کا حاشیہ طبع ثانی ستمبر ۲۰۰۶ء)

۳۸) ملک عبدالعزیز مناظر ملتانی رحمہ اللہ ([سابق] مہتمم مدرسہ عربیہ دار الحدیث محمدیہ ملتان) نے قتادہ کی ایک روایت کے بارے میں فرمایا:

''قتادہ چونکہ مدلس اور عنعن سے روایت کرتا ہے، ایسی حدیث قابلِ حجت نہیں ہوتی''

(فیصلہ رفع الیدین، تبرید العینین فی اثبات رفع الیدین ص ۳۴، استیصال التقلید ودیگر رسائل ص ۹۰)

۳۹) مولانا محمد ابو القاسم سیف بن محمد سعید البنارسی رحمہ اللہ نے ایک روایت پر جرح کرتے ہوئے لکھا:

''...خود معلوم اور قابل حجت وتسلیم نہیں کیونکہ اس کا ایک راوی سفیان ثوری مدلس ہے اور عن سے روایت کرتا ہے...'' الخ (تذکرۃ المناظرین از قلم محمد مقتدی اثری عمری ص ۳۳۵)

۴۰) حافظ ابن حجر کے نزدیک طبقۂ ثانیہ کے مدلس زکریا بن ابی زائدہ کے بارے میں مولانا خواجہ محمد قاسم رحمہ اللہ نے لکھا ہے: ''گذارش ہے کہ حضرت نعمان بن بشیرؓ والی سند میں زکریا بن ابی زائدہ مدلس ہے جو عن سے روایت کرتا ہے۔''

(حدیث اور غیر اہلِ حدیث بجواب حدیث اور اہلحدیث ص ۷۲)

منہج المتقدمین والے نہ تو امام شافعی رحمہ اللہ کے بیان کردہ اُصول کو مانتے ہیں اور نہ حافظ ابن حجر کی طبقاتی تقسیم پر یقین رکھتے ہیں، لہٰذا عرض ہے کہ حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ (سابق) شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ نے ایک روایت پر جرح کرتے ہوئے لکھا ہے: ''اس حدیث کی سند میں امام قتادہ ہیں۔ جو تیسرے طبقے کے مدلسین سے ہیں۔ اور وہ عن کے ساتھ روائت کرتے ہیں۔ یعنی یہ نہیں کہتے کہ میں نے یہ حدیث سنی۔ اور ایسی حدیث حجت نہیں ہوتی۔'' الخ (خیر الکلام ص ۱۵۹، دوسرا نسخہ ص ۱۲۳)

نیز دیکھئے توضیح الکلام (ج ۲ص ۲۹۵، دوسرا نسخہ ص ۷۰۰ بلفظ مختلف)

ان کے علاوہ اور بھی بہت سے حوالے ہیں اور عصرِ حاضر میں مسلکِ حق کا دفاع کرنے والے مناظرین مثلاً محترم ابوالحسن مبشر احمد ربانی، محترم مولانا محمد داود ارشد، محترم ابوالاسجد محمد صدیق رضا اور محترم حافظ عمر صدیق حفظہم اللہ وغیرہم اسی منہج پر قائم ہیں کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم کے علاوہ دوسری کتابوں میں مدلس کی عن والی روایت حجت نہیں ہوتی اور یہی مفتیٰ بہ قول ہے اور اسی پر عمل ہے۔

ان چالیس حوالوں کے بعد بریلویوں اور دیوبندیوں کے دس حوالے پیشِ خدمت ہیں:

۴۱) احمد رضا خان بریلوی نے عبداللہ بن ابی نجیح المکی المفسر (طبقہ ثالثہ عند ابن حجر) کی ایک روایت کے بارے میں لکھا ہے: ''اس کا مدار ابن ابی نجیح پر ہے وہ مدلس تھا اور یہاں روایت میں عنعنہ کیا اور عنعنۂ مدلس جمہور محدثین کے مذہب مختار و معتمد میں مردود و نامستند ہے۔'' (فتاویٰ رضویہ مع تخریج و ترجمہ عربی عبارات ج ۵ ص ۲۴۵)

شریک القاضی (طبقہ ثانیہ عند ابن حجر) پر بھی احمد رضا خان نے تدلیس والی جرح بطورِ رضامندی نقل کی ہے۔ دیکھئے فتاویٰ رضویہ (ج ۲۴ ص ۲۳۹)

۴۲) بریلویوں کے مناظر محمد عباس رضوی بریلوی رضا خانی نے سفیان ثوری کی ایک روایت کے بارے میں لکھا ہے: ''یعنی سفیان مدلس ہے اور یہ روایت انہوں نے عاصم بن کلیب سے عن کے ساتھ کی ہے اور اصول محدثین کے تحت مدلس کا عنعنہ غیر مقبول ہے جیسا کہ آگے انشاء اللہ بیان ہوگا۔'' (مناظرے ہی مناظرے ص ۲۴۹)

عباس رضوی نے سلیمان الاعمش کی ایک معنعن روایت کے بارے میں کہا:

''اس روایت میں ایک راوی امام اعمش ہیں جو کہ اگرچہ بہت بڑے امام ہیں لیکن مدلس ہیں اور مدلس راوی جب عن: سے روایت کرے تو اس کی روایت بالاتفاق مردود ہوگی۔''

(واللہ آپ زندہ ہیں ص ۲۵۱)

۴۳) غلام مصطفیٰ نوری بریلوی نے سعید بن ابی عروبہ (طبقۂ ثانیہ عند ابن حجر) کی روایت

کے بارے میں لکھا ہے: ''لیکن اس کی سند میں ایک تو سعید بن ابی عروبہ ہیں جو کہ ثقہ ہیں لیکن مدلس ہیں اور یہ روایت بھی انہوں نے قتادہ سے لفظ عن کے ساتھ کی ہے اور جب مدلس عن کے ساتھ روایت کرے تو وہ حجت نہیں ہوتی۔''

(ترکِ رفع یدین ص ۴۲۵ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ گلبرگ اے۔فیصل آباد)

۴۴) محمد شریف کوٹلوی بریلوی نے سفیان ثوری کی ایک روایت پر جرح کرتے ہوئے لکھا: ''اور سفیان کی روایت میں تدلیس کا شبہ ہے۔'' (فقہ الفقیہ ص ۱۳۴)

۴۵) محمود احمد رضوی بریلوی نے کہا: ''اور یہ بھی مسلم ہے کہ مدلس جب لفظ عن سے روایت کرے تو روایت متصل نہیں قرار پائے گی...لہٰذا یہ روایت منقطع ہوگی اور قابل حجت نہ رہے گی۔'' (فیوض الباری فی شرح صحیح البخاری حصہ سوم ص ۴۰۶، دیکھئے علمی مقالات ج ۳ ص ۶۱۳۔۶۱۴)

۴۶) حسین احمد مدنی ٹانڈوی دیوبندی نے امام سفیان ثوری کی روایت پر جرح کرتے ہوئے کہا: ''اور سفیان تدلیس کرتا ہے۔'' (تقریر ترمذی ص ۳۹۱ کتب خانہ مجیدیہ ملتان)

۴۷) سرفراز خان صفدر دیوبندی نے کہا:

''مُدَلِّس راوی عَنْ سے روایت کرے تو وہ حُجّت نہیں اِلَّا یہ کہ وہ تحدیث کرے یا اس کا کوئی ثقہ متابع ہو مگر یہ یاد رہے کہ صحیحین میں تدلیس مضر نہیں۔ وہ دوسرے طرق سے سماع پر محمول ہے۔ (مقدمہ نووی ص ۱۸، فتح المغیث ص ۷۷ و تدریب الراوی ص ۱۴۴)''

(خزائن السنن ج ۱ ص ۱)

۴۸) فقیر اللہ دیوبندی نے لکھا ہے:

''حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

حکم من ثبت عنه التدليس اذا كان عدلاً ان لا يقبل منه الا ما صرح فيه بالتحديث على الاصح (نزھۃ النظر شرح نخبۃ الفکر ص ۴۵)	عادل راوی سے جب ایک مرتبہ تدلیس ثابت ہو جائے تو اس کا حکم یہ ہے کہ اس کی وہی روایت مقبول کی جائے گی جس میں تحدیث کی تصریح ہوگی

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا بیان کردہ یہ حکم تمام علماء اصول کے ہاں متفق علیہ ہے علامہ عراقی رحمہ اللہ، علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ کے مقدمۂ تمہید سے مدلس کا یہی حکم نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فهذا ما لا اعلم فيه ايضًا خلافًا	اس حکم میں علماء اصول کا کوئی اختلاف
(التقیید والایضاح ص)	میرے علم میں نہیں ہے۔"

(خاتمۃ الکلام ص۴۷۶)

۴۹) ایک غالی دیوبندی امداداللہ انور تقلیدی نے ایک روایت کے بارے میں کہا:
"اس کی سند میں اعمش راوی مدلس ہیں۔اس نے عنعن سے روایت کی ہے اور اس کا سماع حکم سے ثابت نہیں ہے۔" (مستند نماز حنفی ص۳۵)

۵۰) محمد الیاس فیصل دیوبندی نے لکھا ہے:
"اس کی سند میں اعمش راوی مدلّس ہے۔اس نے عَنعَن سے روایت کی ہے اور اس کا سماع حکم سے ثابت نہیں ہے۔" (نمازِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ص۸۵)

ان حوالوں سے یہ ثابت ہو گیا کہ جمہور محدثین کرام اور علمائے حق کے نزدیک مدلس راوی کی عن والی روایت (غیر صحیحین میں) حجت نہیں ہے، اور اسے "سرتا سر حقیقت کے منافی" قرار دینا غلط ہے نیز اہلِ حق کے علاوہ دوسرے فرقوں سے بھی یہی اصول و منہج ثابت ہے، لہٰذا منہج المتقدمین والوں کا بعض شاذ اقوال لے کر کثیر التدلیس اور قلیل التدلیس کا شوشہ چھوڑ کر مسئلۂ تدلیس کا انکار باطل و مردود ہے۔

اس تحقیقی مضمون میں بیان کردہ پچاس حوالوں کے مذکورین کے نام علی الترتیب الہجائی درج ذیل ہیں:

ابن الترکمانی حنفی (۳۰)	ابن الصلاح (۷)
ابن القطان الفاسی (۲۷)	ابن الملقن (۹)
ابن باز (۳۶)	ابن حبان (۱۵)

یحیٰ القطان (۲۹)

☆ امام مسلم رحمہ اللہ نے فرمایا: ''و إنما كان تفقد من تفقد منهم سماع رواة الحديث ممن روى عنهم - إذا كان الراوي ممن عرف بالتدليس في الحديث و شهر به فحينئذ يبحثون عن سماعه في روايته و يتفقدون ذلك منه، كي تنزاح عنهم علة التدليس ''

جس نے بھی راویانِ حدیث کا سماع تلاش کیا ہے تو اس نے اس وقت تلاش کیا ہے جب راوی حدیث میں تدلیس کے ساتھ معروف (معلوم) ہو اور اس کے ساتھ مشہور ہو تو اس وقت روایت میں اس کا سماع دیکھتے ہیں اور تلاش کرتے ہیں تا کہ راویوں سے تدلیس کا ضعف دور ہو جائے۔ (مقدمہ صحیح مسلم طبع دارالسلام ص ۲۲ ب)

اس عبارت کی تشریح میں ابن رجب حنبلی نے لکھا ہے:

" و هذا يحتمل أن يريد به كثرة التدليس في حديثه ويحتمل أن يريد [به] ثبوت ذلك عنه و صحته فيكون كقول الشافعي " اور اس میں احتمال ہے کہ اس سے حدیث میں کثرتِ تدلیس مراد ہو، اور (یہ بھی) احتمال ہے کہ اس سے تدلیس کا ثبوت مراد ہو، تو یہ شافعی کے قول کی طرح ہے۔ (شرح علل الترمذی ج ۱ ص ۳۵۴)

عرض ہے کہ اس سے دونوں مراد ہیں یعنی اگر راوی کثیر التدلیس ہو تو بھی اس کی معنعن روایت (اپنی شروط کے ساتھ) ضعیف ہوتی ہے، اور اگر راوی سے (ایک دفعہ ہی) تدلیس ثابت ہو جائے تو پھر بھی اس کی معنعن روایت (اپنی شروط کے ساتھ) ضعیف ہوتی ہے۔

☆ بعض الناس نے الکفایہ (ص ۴۲۷، دوسرا نسخہ ۲/ ۴۰۹ رقم ۱۱۹۰) سے معنعن روایت کے بارے میں امام حمیدی کا ایک قول پیش کیا ہے۔

عرض ہے کہ اس عبارت میں تدلیس کا لفظ یا معنی موجود نہیں بلکہ عمرو بن دینار عن عبید بن عمیر میں یہ اشارہ ہے کہ اس سے غیر مدلس کی معنعن روایات مراد ہیں۔

☆ بطورِ لطیفہ عرض ہے کہ ہمارے علاقے میں ایک مشہور قصہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک

شخص ایک درخت کی ٹہنی پر بیٹھا ہوا آری کے ساتھ اُسے کاٹ رہا تھا، جس حصے کو وہ کاٹ رہا تھا وہ درخت کی طرف تھا اور یہ خود دوسری طرف بیٹھا ہوا تھا، پھر نتیجہ کیا ہوا؟

دھڑام سے نیچے آرہا اور ایسی ''پھکی'' ملی کہ دن میں بھی تارے نظر آگئے۔

بالکل یہی معاملہ اُس شخص کا ہے جو ایک طرف منہج المتقدمین کے نام سے تدلیس کے دو حصے (کثیر و قلیل) بنا کر مدلسین کی معنعن روایات کو صحیح سمجھتا ہے اور دوسری طرف اعمش وغیرہ مدلسین (جن کا کثیر التدلیس ہونا متقدمین سے صراحتاً ثابت نہیں) کی معنعن روایات کو ضعیف سمجھتا ہے۔ یہ شخص اگر نیچے نہ گرے تو کیا آسمان میں اُڑے گا؟!

آخر میں عرض ہے کہ تدلیس کے مسئلے میں دو باتوں کی تحقیق انتہائی ضروری ہے:

۱: کیا راوی واقعی مدلس تھا یا نہیں؟ اگر مدلس نہیں تھا تو بری من التدلیس ہے، مثلاً ابوقلابہ الجرمی اور بخاری وغیرہما، لہٰذا اُن کی معنعن روایت (اپنی شروط کے ساتھ) مقبول ہے۔

۲: ارسالِ خفی اور ارسالِ جلی کی تحقیق کر کے مسئلہ واضح کر دیا جائے۔

کاش کہ اپنے قلم کو تناقضات کی وادیوں میں دوڑانے والے صحیح تحقیق کا راستہ اختیار کر کے اس طرف بھی اپنی توجہ مبذول فرمائیں۔ (۲/ اگست ۲۰۱۰ء)

❀❀❀

مسند امام احمد کی ایک حدیث اور متصوفانہ رقص

حماد بن سلمہ عن ثابت (بن اسلم البنانی) عن انس (بن مالک) رضی اللہ عنہ کی سند سے آیا ہے کہ "**كانت الحبشة يزفنون بين يدي رسول الله ﷺ و يرقصون و يقولون : محمد عبد صالح ... "إلخ**

رسول اللہ ﷺ کے سامنے حبشی لوگ (اسلحے کے ساتھ) اچھل کود رہے تھے اور رقص کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے: محمد (ﷺ) نیک بندے ہیں... (مسند احمد ۱۵۲/۳ ح ۱۲۵۴۰)

اس کی سند صحیح ہے اور حافظ ابن حبان (الاحسان ج ۱۳ ص ۱۷۹ ح ۵۸۷۰، دوسرا نسخہ: ۵۸۴۰) نے اس حدیث کو دوسری سند کے ساتھ حماد بن سلمہ سے روایت کیا ہے، لیکن ان کی روایت میں "و يرقصون" کے الفاظ نہیں ہیں۔ مسند احمد (۱۶۱/۳ ح ۱۲۶۴۹) اور سنن ابی داود (۴۹۲۳) وغیرہما میں معمر (بن راشد) عن ثابت عن انس رضی اللہ عنہ کی سند سے آیا ہے کہ "**لما قدم رسول الله ﷺ المدينة لعبت الحبشة لقدومه بحرابهم فرحًا بذلك**"

جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو آپ کی تشریف آوری کی وجہ سے خوش ہو کر حبشیوں نے اپنے نیزوں کے ساتھ (نیزہ بازی کا) کھیل کھیلا تھا۔

اس کی سند بھی صحیح ہے اور اس روایت سے یہ فیصلہ ہو گیا کہ حماد بن سلمہ عن ثابت کی روایت میں یزفنون اور یرقصون کا وہی مطلب ہے جو معمر بن راشد عن ثابت کی روایت میں ہے کہ یہ نیزہ بازی کا کھیل تھا، جس میں حبشی لوگ اچھل کود کر نیزے پھینک رہے تھے، لہٰذا اس حدیث سے بعض اہلِ بدعت کا استدلال کرنا کہ "صوفیوں کا رقص جائز ہے" باطل ہے۔

شارحینِ حدیث نے بھی یزفنون یعنی یرقصون سے نیزہ بازی کا جہادی کھیل مراد لیا ہے:

ا: علامہ نووی نے کہا: "**و معناه يرقصون و حمله العلماء على التوثب بسلاحهم ولعبهم بحرابهم على قريب من هيئة الراقص لأن معظم الروايات إنما فيها**

لعبهم بحرابهم فيتأول هذه اللفظة على موافقة سائر الروايات "

اوراس کا معنی ہے: وہ رقص کرتے تھے، اور علماء نے اسے اسلحے کے ساتھ چھلانگیں لگانے اور نیزہ بازی کے کھیل پر محمول کیا ہے جو رقص کرنے والے کی حالت کے قریب ہوتا ہے، کیونکہ عام روایات میں نیزوں کے ساتھ کھیلنا آیا ہے، لہٰذا تمام روایات کی موافقت میں اس حدیث کی تفسیر ان الفاظ کے ساتھ ہی کی جائے گی۔ (شرح صحیح مسلم ۱۸۶/۶ ح ۸۹۲)

۲: قاضی عیاض المالکی (متوفی ۵۴۴ھ) نے فرمایا: " والزفن : الرقص وهو وثبهم بسلاحهم تلك و حجلهم أثناء عملهم بها كحركة المثاقف "

اور زفن رقص ہے، اور یہ ان کا اپنے اسلحے کے ساتھ اچھلنا کودنا اور اپنے عمل کے دوران میں کودنا ہے، جیسا کہ تیغ زنی کرنے والا حرکت کرتا ہے۔ (اکمال المعلم بفوائد مسلم ۳۱۰/۳)

قاضی عیاض نے اپنی دوسری کتاب میں لکھا ہے:" والزفن :الرقص وهولعبهم و قفزهم بحرابهم للمثافنة ... و هذا من باب التدرب في الحرب و شبهه "

اور زفن رقص ہے اور یہ ان (حبشیوں) کا اپنے نیزوں کے ساتھ کھیلنا اور اچھلنا ہے تاکہ تیغ زنی جیسا جنگی کھیل ہو۔ (دیکھئے مشارق الانوار علی صحاح الآثار ۳۰۰/۱ زف ن)

۳: حافظ ابوالعباس احمد بن عمر بن ابراہیم القرطبی (متوفی ۶۵۶ھ) نے فرمایا:

" وأما لعب الحبشة في المسجد فكان لعبًا بالحراب والدرق تواثبًا و رقصًا بهما وهو من باب التدريب على الحرب والتمرين والتنشيط عليه وهو من قبيل المندوب " إلخ اور رہا حبشیوں کا مسجد میں کھیلنا تو یہ اچھل کود کر نیزوں اور ڈھالوں کا کھیل تھا اور یہ جنگ (جہاد) کی ٹریننگ، تیاری اور چستی کے باب سے ہے اور یہ مباح کی قسم سے ہے۔ (المفہم لما اشکل من تلخیص کتاب مسلم ۵۳۶/۲)

۴: حافظ ابومحمد محمود بن ابی القاسم بن بدران الدشتی الحنفی (متوفی ۶۶۵ھ) نے فرمایا:" و جوابه: أن زفنهم نوع من المشي بثوبان يفعل ذلك عند الحرب ولقاء الأعداء ، فأين هو من رقص هولاء المخانيث تواجدًا ولهم حركات و انخلاعات ولا تقاس

حالهم بأولئك فإنهم لعبوا بآلة الحرب وقد أبيح فيها مالا يباح في غيرها ."
اوراس کا جواب یہ ہے کہ اُن کا فعل آگے پیچھے چلنے میں سے ہے، ایسا کام دشمنوں سے آمنا سامنا ہونے اور جنگ کے وقت کیا جاتا ہے، کہاں یہ اور کہاں ان ہیجڑوں کا حالتِ وجد میں رقص کرنا؟ اوران کی حرکتیں اور (بے ہودہ) آزادیاں؟ ان (ہیجڑوں) کا قیاس ان لوگوں کے ساتھ نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ وہ تو جنگی آلات سے کھیلے تھے اور حالتِ جنگ میں وہ چیزیں جائز ہوتی ہیں جو دوسری حالت میں جائز نہیں ہوتیں۔ (النہی عن الرقص والسماع ج۱ص۴۲۶)

۵: محمد بن خلیفہ الوشتانی الابی نے کہا: " و حمله بعض العلماء علی التوثب بسلاحهم و لعبهم بحرابهم علی قریب من هیئة الراقص " اور بعض علماء نے اسے رقص کرنے والے کی حالت کے قریب اسلحہ لے کر اچھلنے کودنے اور اپنے نیزوں کے ساتھ کھیلنے پر محمول کیا ہے۔ (اکمال اکمال المعلم ۳؍۲۷۳)

علمائے کرام کی ان تشریحات سے صاف معلوم ہوا کہ مسند احمد اور صحیح مسلم کی حدیثِ مذکور کا تعلق جنگی مشقوں والے کھیل نیزہ بازی سے ہے، لہٰذا ناچ گانے کا شوق رکھنے والوں اور بعض متصوفین و مبتدعین کا اس سے صوفیانہ رقص ثابت کرنا باطل ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ایک حنفی فقیہ کے حوالے سے لکھا ہوا ہے کہ" السماع والقول والرقص الذي يفعله المتصوفة في زماننا حرام ، لا يجوز القصد إليه والجلوس عليه وهو والغناء والمزامير سواء ... "(شمس الائمہ حلوانی نے فرمایا:) سماع، قول (یعنی قوالی) اور رقص، جو ہمارے زمانے کے صوفی نما لوگ کرتے ہیں، حرام ہے۔ اس کا قصد کرنا اور ان کے پاس بیٹھنا جائز نہیں۔ یہ، گانے سننا اور موسیقی سب برابر ہیں۔ (الفتاوی الہندیہ ج۵ص۳۵۲سطر۶۔۷، شرح صحیح مسلم لغلام رسول سعیدی بریلوی ج۲ص۶۹۱)

جب گانے بجانے اور رقص و سرور کی محفلیں جمانا اور ان کے نظارے لینا حنفی مذہب میں بھی حرام ہیں تو تعجب ہے ان لوگوں پر جو اپنے آپ کو حنفیت کی طرف منسوب کرتے ہیں اور پھر ان تمام لذاتِ محرّمہ سے لطف اندوز ہونے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔ (۱۸/نومبر ۲۰۱۰ء)

تحقیق وتنقید

چند اوہام اور ان کا ازالہ

الحمد لله ربّ العالمين والصّلوٰة والسّلام علٰى آخر النبيين و رضي الله عن أصحابه أجمعين و من تبعهم بإحسان إلٰى يوم الدين . أما بعد:

حنفیہ، بریلویہ، دیوبندیہ اور بعض اہلِ حدیث کی طرف سے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ترکِ رفع یدین کی جو روایت پیش کی جاتی ہے، وہ دو وجہ سے ضعیف و مردود ہے:

۱: اصولِ حدیث کا مشہور مسئلہ ہے کہ مدلس کی عن والی روایت ضعیف اور نا قابلِ حجت ہوتی ہے، جیسا کہ امام شافعی کی کتاب الرسالہ، خطیب بغدادی کی الکفایہ فی علم الروایہ، ابن الصلاح کی علوم الحدیث اور حافظ ابن حجر العسقلانی کی کتاب: نزھۃ النظر شرح نخبۃ الفکر وغیرہ کتبِ اصولِ حدیث میں لکھا ہوا ہے۔

ترکِ رفع یدین والی روایتِ مذکورہ میں ایک راوی امام سفیان ثوری ہیں جو کہ بالاجماع مدلس تھے اور ان کی بیان کردہ یہ روایت عن سے ہے، سماع کی تصریح موجود نہیں، لہٰذا اُصولِ حدیث کی رُو سے یہ روایت ضعیف ہے۔

مدلس کے بارے میں اصولِ حدیث کا یہ مسئلہ بریلویوں اور دیوبندیوں کی مستند کتابوں میں بھی لکھا ہوا ہے۔ یاد رہے کہ سفیان ثوری کو طبقۂ ثانیہ میں ذکر کر کے ان کی تمام معنعن روایات کو صحیح قرار دینا غلط ہے۔

۲: جمہور محدثین مثلاً امام عبداللہ بن المبارک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور امام بخاری وغیرہم نے حدیث مذکور پر مختلف انداز سے کلام کر کے اسے ضعیف و نا قابلِ حجت قرار دیا ہے اور ظاہر ہے کہ حدیث کے صحیح یا ضعیف ہونے کا دارومدار محدثین کرام پر ہے۔ رحمہم اللہ اجمعین

أنوار الطریق فی رد ظلمات فیصل الحلیق

الحمد للّٰہ رب العالمین و الصّلوٰۃ و السّلام علٰی رسولہ الأمین، أما بعد:

فیصل خان بریلوی رضا خانی (الحلیق یعنی داڑھی منڈے) نے ماہنامہ الحدیث حضرو (عدد ۶۷، ۶۹) میں شائع شدہ دو مضامین کا جواب دینے کی کوشش کی ہے۔ ہمارے اس جوابی مضمون میں فیصل خان کی کتاب: ''مسئلہ رفع الیدین پر غیر مقلد زبیر علی زئی کے اعتراضاتی مضامین کا جواب'' کے مکائد اور ظلمات کا مدلل و مسکت جواب فقرات کی صورت میں پیشِ خدمت ہے:

۱) حلیق کا مجھے ''غیر مقلد'' لکھنا تنابز بالالقاب اور جھوٹ ہے، کیونکہ میں غیر مقلد نہیں بلکہ اہلِ حدیث یعنی اہلِ سنت مسلمان ہوں۔ والحمدللہ

۲) محمد حنیف قریشی بریلوی رضا خانی کا فیصل خان یعنی حلیق کی تائید کرنا اور تقریظ لکھنا ''من ترا حاجی بگویم تُو مرا ملا بگو'' کے باب سے ہے۔

۳) بعض سیاسی لوگ اپنے جلسوں میں نعرہ باز لے جاتے ہیں، تاکہ وہ شور مچا کر اُن کی اندھا دھند تائید کریں۔ عبدالناصر لطیف (؟) کی تقریظ اسی باب سے ہے۔

٤) عظمت حسین گیلانی ہزاروی (؟) سے تقریظ لکھوانا استغاثۃ الغریق بالغریق ہے۔

۵) وسیم حسن کاظمی ہزاروی (؟) کا حلیق کے لئے تقریظ لکھنا اُسی طرح ہے، جیسے ایک غالی مُرجی ارجاء اور مرجیہ کا دفاع شروع کر دے۔

٦) حلیق نے اپنی کتاب ہذا کو اہلِ بدعت کے ''امام'' احمد رضا خان بریلوی کی طرف منسوب کیا ہے، جس نے شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے بارے میں لکھا ہے:

''خدا سے لیں لڑائی وُہ ہے معطی نبی قاسم ہے تو موصل ہے یا غوث''

(حدائق بخشش حصہ دوم ص ۱۰)

☆ سیدنا نبی ﷺ اور ساری انسانیت کے جدِ اعلیٰ سیدنا آدم علیہ السلام کے بارے میں احمد رضا خان کا عقیدہ درج ذیل ہے:

''تو آدم علیہ السلام اگر چہ صورت میں حضور کے باپ ہیں۔مگر حقیقت میں وہ بھی حضور کے بیٹے ہیں۔تو اُمّ البشر یعنی حضرت حوا حضور ہی کے پسر آدم علیہ السلام کی عروس ہیں۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام۔'' (حاشیہ حدائق بخشش حصہ اول ص ۷۵)

یہ دونمونے مشتے از خروارے پیش کئے گئے ہیں۔

۷) حلیق نے کہا: ''...اس لئے زبیر علیزئی صاحب کے حوارئین نے انکو مجبور کیا کہ میری اس کتاب کا جواب لکھیں۔'' (ک حلیق یعنی کتاب حلیق ص ۱۳، پیش لفظ)

ج یعنی الجواب: یہ صریح جھوٹ ہے۔

۸) حلیق نے کہا: ''زبیر علیزئی کی یہ عادت ہے کہ کسی بحث پہ اتنے غیر متعلقہ حوالے پیش کرتے ہیں کہ عوام الناس اس سے مرغوب ہوئے بغیر رہ نہیں سکتے۔'' (ک حلیق ص ۱۳)

ج: یہ جھوٹا الزام ہے، تاہم اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ میرے تحقیقی مضامین اور کتابوں سے عوام الناس کی اصلاح ہو رہی ہے۔والحمد للہ

۹) حلیق: ''...جائزہ لیں کہ تدلیس کیا چیز ہے۔'' (ک حلیق ص ۱۵)

ج: فرقۂ بریلویہ کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ فروع اور فقہ میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مقلّد ہیں، لہٰذا اپنے مزعوم امام سے تدلیس کی تعریف پیش کریں۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (متوفی ۷۷۴ھ) کا حوالہ پیش کرنا اس کی دلیل ہے کہ ان لوگوں کے پاس مسئلۂ تدلیس میں امام ابوحنیفہ کا کوئی ثابت شدہ حوالہ موجود نہیں ہے۔

اگر اہلِ حدیث (نوّر اللّٰہ وجوھھم یوم القیامۃ) کسی عالم کا حوالہ پیش کر دیں تو آلِ تقلید (شور مچا کر) اسے تقلید قرار دیتے ہیں اور خود اپنے آپ کو یہ لوگ حنفیت کی طرف منسوب کر کے بھی غیر حنفی علماء کے حوالے پیش کریں تو خیر ہے۔سبحان اللہ!

۱۰) حلیق: ''...کہ تدلیس الاسناد کی تعریف میں مرسل خفی اور تدلیس دونوں شامل

ہیں۔" (ک حلیق ص ۱۵)

ج: صحیح یہ ہے کہ مرسل خفی اور تدلیس دو علیحدہ علیحدہ اصطلاحات ہیں، جس کی فی الحال پانچ (۵) دلیلیں پیشِ خدمت ہیں:

۱: امام شافعی رحمہ اللہ نے حدیث کے حجت ہونے کی شرائط میں فرمایا:

" بريًّا من أن يكون مدلّسًا يحدّث عن من لقي مالم يسمع منه "

بری ہو اس سے کہ وہ مدلس ہو: جن سے ملاقات ہوئی ہو اُن سے ایسی حدیث بیان کرے جو اُس نے اُن سے سُنی نہ ہو۔ (کتاب الرسالہ ص ۳۷۱ فقرہ:۱۰۰۱)

امام شافعی رحمہ اللہ کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ مدلس وہ ہے جو اُس سے غیر مسموع روایت بیان کرے جس سے اُس کی ملاقات ثابت ہے۔

یاد رہے کہ امام شافعی تدلیس کو مطلقاً جرح نہیں سمجھتے تھے، جیسا کہ کتاب الرسالہ کے فقرہ نمبر ۱۰۳۵ سے ثابت ہے۔ (ص ۳۸۰)

لہٰذا ان کی عبارتِ مذکورہ کا مطلب صرف یہ ہے کہ مدلس کی معنعن روایت حجت نہیں ہے۔

۲: ابن القطان الفاسی (متوفی ۶۲۸ھ) رحمہ اللہ نے کہا:

" فمن تلك الأحوال التدليس و نعني به أن يروي المحدّث عمن قد سمع منه مالم يسمع منه من غير أن يذكر أنه سمعه منه . والفرق بينه و بين الإرسال ، هو أن الإرسال روايته عمن لم يسمع منه، و لما كان في هذا قد سمع منه، جاء ت روايته عنه مالم يسمع منه كأنها إيهام سماعه ذلك الشئ فلذلك سمي تدليسًا . "

ان احوال میں سے تدلیس ہے اور ہماری اس سے مراد یہ ہے کہ محدث نے جس سے سنا ہوتا ہے اُس سے ایسی روایت بیان کرے جو سنی نہیں، اور یہ بیان نہ کرے کہ اُس نے اُن سے سنا ہے۔ تدلیس اور ارسال میں فرق ہے، جس سے سنا نہ ہو اُس سے روایت ارسال ہے اور

اس (تدلیس) میں اُس نے سنا ہوتا ہے، اس کی ایسی روایت آ جاتی ہے جو اُس نے سنی نہیں ہوتی، گویا اُس نے اس چیز کے سننے کا وہم ڈالا ہے، لہٰذا اس لئے اسے تدلیس سمجھتے ہیں۔

(بیان الوہم والایہام ج ۵ ص ۴۹۳، النکت علی ابن الصلاح لابن حجر ۶۱۴/۲)

۳: حافظ ابن حجر العسقلانی نے فرمایا: " و قوله : عمن عاصره ليس من التدليس في شئ و إنما هو المرسل الخفي ..." اور ان (ابن الصلاح) کا ارشاد: جس کا وہ معاصر ہو، تدلیس میں سے کوئی چیز نہیں ہے، بلکہ وہ تو مرسل خفی ہے...

(النکت ج ۲ ص ۶۱۴ نوع ۱۲، معرفۃ التدلیس)

حافظ ابن حجر نے یہ مسلک محدث بزار اور خطیب بغدادی سے بھی نقل کیا ہے۔ دیکھئے النکت (۶۱۵/۲)

لہٰذا حافظ صاحب اس مسلک میں منفرد نہیں ہیں۔

۴: زرکشی (متوفی ۷۹۴ھ) نے کہا:

" أما إذا روى عمن لم يدركه بلفظ موهم فليس بتدليس على الصحيح المشهور بل هو من قبيل الإرسال " اگر اس سے روایت کرے جسے نہیں پایا (یعنی ملاقات نہیں ہوئی) ایسے الفاظ کے ساتھ جن میں وہم (ڈالنے کا خطرہ) ہو تو صحیح مشہور یہ ہے کہ یہ تدلیس نہیں ہے بلکہ یہ ارسال کی قسم میں سے ہے۔

(النکت علی ابن الصلاح للزرکشی ص ۱۸۳، نوع ۱۲)

۵: خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے تدلیس کے بارے میں طویل بیان میں فرمایا:

" والإرسال لا يتضمن التدليس لأنه لا يقتضي إيهام السماع ممن لم يسمع منه " اور ارسال تدلیس کو شامل نہیں (بلکہ یہ الگ چیز ہے) کیونکہ یہ سماع کے وہم کا تقاضا نہیں کرتا، اُس سے جس سے سنا نہیں ہے۔

(الکفایہ ص ۳۵۷، النکت علی ابن الصلاح لابن حجر ص ۶۱۵)

سخاوی (صوفی) نے کہا: " فخرج باللقاء المرسل (صح) الخفي فهما و إن

اشتر کا في الإنقطاع فالمرسل يختص بمن روی عمن عاصره و لم يعرف أنه لقيه كما حققه شيخنا تبعًا لغيره ، على ماسيأتي في بابه ، قال: وهو الصواب لا طباق أهل العلم بالحديث " ملاقات (کی شرط) سے مرسل خفی (تدلیس) سے باہر نکل گئی، وہ دونوں اگرچہ انقطاع میں مشترک ہیں، پس مرسل اس کے ساتھ مخصوص ہے جو اپنے معاصر سے روایت کرے اور اس سے اس کی ملاقات معلوم نہ ہو، جیسا کہ ہمارے استاذ (حافظ ابن حجر العسقلانی) نے دوسروں کی اتباع میں تحقیق کی ہے، اس کی بحث اپنے باب میں آئے گی، انھوں نے فرمایا: اور یہی بات صحیح ہے، جیسا کہ علمائے حدیث نے اتفاق کرلیا ہے۔ (فتح المغیث ج۱ ص۱۷۹۔۱۸۰، التدلیس)

نیز دیکھئے التقیید والایضاح للعراقی (ص۹۷۔۹۸)

علمائے کرام کے ان اقوال سے معلوم ہوا کہ تدلیس اور ارسال خفی دونوں ایک نہیں بلکہ علیحدہ علیحدہ ہیں، لہٰذا حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ وغیرہ کا قول مرجوح ہے۔

نیز دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو:۵۳ ص۴۱

فائدہ: سخاوی کے مذکورہ قول سے معلوم ہوتا ہے کہ حافظ ابن حجر کے دور میں اس بات پر اتفاق (یعنی اجماع) ہوگیا تھا کہ تدلیس اور ارسال خفی دو علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں، ایک نہیں ہیں۔ واللہ اعلم

غلام رسول سعیدی بریلوی کی کتاب: ''تذکرۃ المحدثین'' کے آخر میں کسی حافظ حسن المسعودی (؟) کے رسالے میں لکھا ہوا ہے:

" ما رواه الراوي عمن لقيه ولم يسمع منه موهمًا أنه سمع منه ... "

(تدلیس یہ ہے کہ) راوی کی جس سے ملاقات ہوئی، ایسی روایت بیان کرے جو اس سے سنی نہیں، یہ وہم ڈالتے ہوئے کہ اُس نے اُن سے یہ روایت سنی ہے... (ص۳۲۶)

۱۱) حلیق نے حافظ ابن ملقن اور امام ابن ملقن دو علیحدہ علیحدہ نام شمار کر کے ۴۳ نام ''تدلیس اور جمہور علماء کرام'' کے عنوان سے متون کے بغیر گول مول حوالے لکھے ہیں، جن

میں سے بعض آجری (مجہول) کے حوالے ہیں اور بعض ملتے ہی نہیں۔ واللہ اعلم

جب تک حلیق صاحب ہر حوالے کا پورا متن و ترجمہ نہیں لکھیں گے، اُن کا کیا جواب دیا جائے؟ ان میں سے جو حوالے ثابت ہوں گے وہ دو حالتوں پر محمول ہیں:

۱: ارسال پر تدلیس کا اطلاق لغوی طور پر اور بطورِ مجاز کیا گیا ہے، لہٰذا یہ ہمارے موضوع سے خارج ہے۔

۲: جن لوگوں نے ارسال اور تدلیس کو ایک قرار دیا، اُن کا موقف مرجوح ہے، جیسا کہ فقرہ نمبر ۹ میں کئی حوالوں کے ساتھ ثابت کر دیا گیا ہے۔

فائدہ: احناف میں سے جو لوگ ابوعبید الآجری کو ثقہ یا صدوق سمجھتے ہیں، ان کی خدمت میں عرض ہے کہ آجری نے اپنی کتاب سوالات میں کہا:

"سمعت أحمد بن یونس قال: رأیت أبا حنیفة رجلاً قبیح الوجه."

میں نے احمد (بن عبداللہ) بن یونس کو کہتے ہوئے سنا: میں نے ابوحنیفہ: بدصورت چہرے والے مرد کو دیکھا۔ (سوالات الآجری ۵/ ورقہ ۳۹، الجامع فی الجرح والتعدیل ۲۱۴/۳)

اس روایت کے متعلق کیا خیال ہے؟ یاد رہے کہ احمد بن یونس کتبِ ستہ کے راوی اور ثقہ حافظ ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مجھے امام ابوحنیفہ کے بارے میں اس قسم کی روایتیں نقل کرتے ہوئے سخت دکھ ہوتا ہے مگر کیا کیا جائے؟ یہ ظالم لوگ آجری (مجہول) کی روایتوں سے حجت پکڑتے ہیں تو انھیں آئینہ دکھانا پڑتا ہے۔!

۱۲) جو لوگ حافظ ابن حجر کی طبقاتی تقسیم کی بنا پر سفیان ثوری کو طبقۂ ثانیہ میں قرار دے کر اُن کی معنعن روایت کو (جب مرضی کے مطابق ہو تو) صحیح سمجھتے ہیں، وہ حافظ ابن حجر کے برعکس ارسالِ خفی اور تدلیس میں کوئی فرق نہیں کرتے بلکہ دونوں کو ایک سمجھتے ہیں، کیا یہ تضاد نہیں؟ اور یہ فرقہ وارانہ تعصب کا شاخسانہ نہیں تو پھر کیا ہے؟

(یہ کے حلیق کے صفحہ ۱۸ کی پہلی تین سطروں کا جواب ہے۔)

۱۳) حلیق نے کہا: "جناب زبیر علیزئی صاحب اور انکے استاذ ارشاد الحق اثری دونوں..."

(کـ حلیق ص ۱۸)

ج: اثری صاحب میرے استاذ نہیں ہیں، لہٰذا یہ عبارت صریح جھوٹ ہے۔

۱۴) حلیق: ''زبیر علیزئی صاحب نے ٹھوکر کھائی'' (ص ۱۸)

ج: ٹھوکر تو نہیں کھائی، مگر آپ اپنے مقرظین کے ساتھ اندھے کنویں میں اُوندھے منہ گرے ہوئے ہیں۔

۱۵) حلیق: ''عن والی روایت کی تصحیح کیوں کی ہے؟'' (ص ۱۸)

ج: جب اعمش کا مدلس ہونا ثابت ہے تو غیر صحیحین میں ان کی معنعن روایت (جس کا صحیح شاہد ومتابعت نہیں یا تخصیص ثابت نہیں) کو صحیح قرار دینا غلط ہے۔

۱۶) حلیق: ''اعمش کی عن والی روایت کی تضعیف کیوں کی ہے؟'' (ص ۱۸)

ج: ہمیں تو بالکل سمجھ آتی ہے کہ اعمش کی عن والی روایت (شروطِ مذکورہ کے ساتھ) ضعیف ہوتی ہے اور یہ پتا نہیں کہ یہ عام فہم بات حلیق اور مقرظین کو سمجھ کیوں نہیں آرہی؟

۱۷) حلیق: ''اسکا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ سفیان ثوری کی مطلقاً ہر معنعن (عن والی روایت) نا قابل قبول ہوگی۔'' (ص ۱۸)

ج: چونکہ امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کا مدلس ہونا ثابت ہے اور اصولِ حدیث کا مسئلہ ہے کہ مدلس کی عن والی روایت ضعیف ہوتی ہے، لہٰذا اُن کی ہر معنعن روایت، شروطِ مذکورہ کے ساتھ نا قابلِ قبول ہے۔ یاد رہے کہ تصریحِ سماع، روایاتِ صحیحین، روایاتِ بعض شیوخ، روایاتِ بعض تلامذہ اور متابعات صحیحہ وشواہدِ صحیحہ والی روایات اس حکم سے مستثنیٰ ہیں اور دلیل سے کسی دوسری چیز کا استثناء ثابت ہو جائے تو وہ بھی قابلِ قبول ہے۔

۱۸) حلیق: ''کیا صحیحین کی احادیث محمول علی السماع ہوتی ہیں؟...مگر یہ اصول بھی علی الاطلاق صحیح نہیں ہے۔'' (ص ۱۹)

ج: ہمارے نزدیک تو یہ اصول بالکل صحیح ہے اور صحیحین کے دفاع میں اگر ہماری جانیں قربان ہو جائیں تو ان شاء اللہ بڑا ثواب پائیں گے۔

ایک شخص نے صحیحین کے راوی محمد بن فضیل بن غزوان پر جرح کی تو اہلِ بدعت کے لکھاری احمد رضا خان نے کہا: ''یہ بھی شرم نہ آئی کہ یہ محمد بن فضیل صحیح بخاری وصحیح مسلم کے رجال سے ہے۔'' (فتاویٰ رضویہ مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن ج ۵ ص ۱۷۴)

ہمارے نزدیک صحیحین کی (تمام مسند، متصل اور مرفوع) روایات کو ضعیف قرار دینا بالکل غلط اور مردود ہے۔

۱۹) حلیق: ''امام شافعیؒ تدلیس کرنے کو راوی کے بارے میں سبب طعن سمجھتے تھے۔'' (ص ۱۹)

ج: ہرگز نہیں! بلکہ وہ مدلس کی مصرح بالسماع روایت کو مقبول سمجھتے تھے۔

دیکھئے کتاب الرسالہ (۱۰۳۵) اور اسی مضمون کا فقرہ نمبر ۹ ذیلی حوالہ نمبر ا

۲۰) حلیق: ''اور امام شافعی کے اس قول سے زبیر علیزئی صاحب خود بھی متفق نہیں ہیں۔'' (ص ۱۹)

ج: امام شافعی کے قول کا جو صحیح مفہوم ہے (دیکھئے فقرہ نمبر ۹) اس سے میں بالکل متفق ہوں اور معترض نے جو خود ساختہ غلط مفہوم تراشا ہے اس سے میں متفق نہیں۔ خود معترض نے لکھا ہے: ''مگر امام شافعی مصرح بالسماع روایت تو قبول کرتے ہیں...'' (ص ۲۰)

ہمارا بھی ثقہ وصدوق مدلس راوی کے بارے میں اسی پر اتفاق ہے۔ والحمد للہ

۲۱) حلیق: ''مگر اس اصول کو کیوں رد کر دیا کہ تدلیس باعث جرح ہے۔'' (ص ۲۰)

امام شافعی کا یہ اصول نہیں کہ تدلیس مطلقاً باعثِ جرح ہے، لہٰذا ہم نے امام شافعی کا اصول رد نہیں کیا بلکہ پندرھویں صدی ہجری کے بعض اہلِ بدعت کا جعلی مفہوم رد کر دیا ہے۔

۲۲) حلیق: ''میرا زبیر علیزئی صاحب کو چیلنج ہے کہ اگر آپ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو امام شافعیؒ کے قول سے یہ ثابت کریں...'' (ص ۲۱)

ج: فیصل خان حلیق نے عبدالحئ لکھنوی تقلیدی کو ''علامہ'' اور ''رحمۃ اللہ علیہ'' کہتے ہوئے ''جمہور محدثین کرام'' میں ذکر کیا ہے۔ (دیکھئے رفع یدین کے موضوع پر...محققانہ تجزیہ ص ۱۲۶)

لکھنوی نے کہا: اور ائمہ اربعہ کے نزدیک خبرِ واحد کے ساتھ قرآن کی تخصیص جائز ہے۔

(غیث الغمام ص ۲۷۷، میری کتاب: تحقیقی، اصلاحی اور علمی مقالات ج ۲ ص ۳۰)

معلوم ہوا کہ امام شافعی خاص کو عام پر مقدم سمجھتے تھے، لہٰذا جہاں تخصیص ثابت ہے وہ اُن کے اصول سے عام پر مقدم ہے۔ شواہد ومتابعات وغیرہ کی تخصیصات جلیل القدر محدثین سے ثابت ہیں اور امام شافعی سے ان کا انکار ثابت نہیں، لہٰذا خاص کے مقابلے میں عام سے استدلال غلط ہے۔

۲۳) حلیق: ''تو اس اصول کو مطلقاً قبول کریں وگرنہ...'' (ص ۲۱)

ج: یہ اصول تمام تخصیصات وشرائط کے ساتھ قبول ہے اور اسے آپ مطلقاً کہیں یا کوئی اور نام رکھ دیں۔ یہ طے شدہ مسئلہ ہے کہ خاص عام پر مقدم ہے۔

امام شافعی کے زمانے میں صحیحین کا وجود نہیں تھا اور صحیحین کی تخصیص اُمت کے تلقی بالقبول سے ثابت ہے، لہٰذا یہ مخصوص منہ اور مستثنیٰ ہے۔ عام اصولوں میں تخصیصات ہوتی ہیں، لہٰذا جو تخصیص دلیل سے ثابت ہے، اُسے تارپیڈو مارنے کی ہر کوشش رائیگاں جائے گی۔ ان شاء اللہ

۲۴) حلیق: ''امام شافعیؒ تدلیس کو راوی کے بارے میں سبب طعن سمجھتے ہیں۔'' (ص ۲۱)

ج: یہ جھوٹ ہے، ورنہ وہ بھی ثقہ مدلس کی مصرح بالسماع روایت کو حجت نہ سمجھتے۔

رہا مدلس کی معنعن روایت کو ضعیف سمجھنا تو ہم بھی اس مسئلے میں اُن کے ساتھ متفق ہیں اور اصولِ حدیث کا بھی یہی مسئلہ ہے، بشرطیکہ راوی کا مدلس ہونا ثابت ہو جائے، لیکن مخصوص منہ ومستثنیٰ منہ پر یہ حکم جاری نہیں ہوگا۔ یاد رہے کہ امام سفیان ثوری کا مدلس ہونا اجماع اور تواتر سے ثابت ہے اور اس کا انکار جہالت ہے۔

۲۵) حلیق: ''امام شافعیؒ مطلقاً مدلس راوی کی عن والی روایت قبول نہیں کرتے ہیں۔'' (ص ۲۲)

ج: یہی بات صحیح ہے، لیکن استثناء اور تخصیص کا حکم علیحدہ ہے، جیسا کہ دوسرے دلائل سے

ثابت ہے۔

۲۶) حلیق: ''امام شافعیؒ نے کہیں پر بھی شواہد اور متابعت کی شرائط عائد نہیں کی۔''
(ص۲۲)

ج: امام شافعی نے شواہد ومتابعات کی نفی بھی نہیں کی۔ جب ضعیف راوی کی روایت شواہد صحیحہ ومتابعات کے ساتھ صحیح ہو سکتی ہے تو مدلس کی معنعن روایت کیوں نہیں؟

۲۷) حلیق: ''امام شافعیؒ نے کہیں یہ تصریح نہیں کی اگر ثقہ سے تدلیس کرے تو صحیح اور اگر ضعیف سے تدلیس کرے تو مردود ہوگی۔'' (ص۲۲)

ج: ہم بھی اس سے متفق ہیں کہ ثابت شدہ مدلس کی (غیر صحیحین میں) معنعن روایت ضعیف ہوتی ہے، لہٰذا اعتراض کیسا؟ اپنے آپ پر حالتِ نیند طاری کرنے کے بجائے بیدار رہنا چاہئے ورنہ اس قسم کے فضول اعتراضات سے ''بے عزتی'' خراب ہوتی رہے گی اور...

تنبیہ: خاص دلیل کے مقابلے میں عام دلیل سے استدلال کرنا ان لوگوں کا کام ہے جو سخت گمراہ، ضال مضل اور اہلِ بدعت ہیں۔

۲۸) حلیق: ''امام شافعیؒ نے کسی مقام پر سفیان ثوری کو طبقہ ثالثہ کا مدلس نہیں لکھا ہے۔''
(ص۲۲)

ج: امام شافعی نے مدلس راوی کے بارے میں بنیادی اُصول یعنی اصولِ حدیث کا ایک اہم مسئلہ سمجھا دیا ہے اور سفیان ثوری کے مدلس ہونے پر اجماع ہے، لہٰذا اس اصول کی رُو سے اُن کی معنعن روایت (اپنی شرائط کے ساتھ) ضعیف ہے۔ جو لوگ طبقۂ ثالثہ پر ایمان رکھتے ہیں، اس لحاظ سے امام سفیان ثوری رحمہ اللہ طبقۂ ثالثہ کے مدلس خود بخود قرار پاتے ہیں۔

۲۹) حلیق: ''امام ابوحنیفہ کے علاوہ خود امام سفیان ثوری نے عاصم سے یہی روایت نقل کی ہے۔ (دیکھیے سنن دار قطنی رقم: ۳۵۰۴ تعلیق المغنی رقم: ۳۴۵۵) لہٰذا اعتراض درست نہیں ہے۔'' (ص۲۳)

ج: یہ ثابت ہے کہ امام ابوحنیفہ نے " عن عاصم عن أبي رزين عن ابن عباس " کی سند سے حدیثِ مرتدہ بیان کی تھی۔ مثلاً دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ (۱۰/۱۴۰ ح ۲۸۹۸۵)

یہی روایت سفیان ثوری نے عن کے ساتھ عاصم سے بیان کی۔

(سنن دارقطنی ۳/۲۰۱ ح ۳۴۲۳ وسندہ صحیح الی الثوری رحمہ اللہ)

امام سفیان ثوری نے کسی سند میں بھی عاصم سے سماع کی تصریح نہیں کی اور عبدالرحمٰن بن مہدی نے فرمایا: میں نے سفیان سے مرتدہ کے بارے میں عاصم کی حدیث کا پوچھا تو انھوں نے فرمایا: یہ روایت ثقہ سے نہیں ہے۔ (الانتقاء ص ۱۴۸، وسندہ صحیح)

اس روایت سے دو باتیں ثابت ہوئیں:

۱: سفیان ثوری امام ابوحنیفہ کو غیر ثقہ سمجھتے تھے۔

۲: سفیان ثوری نے اس روایت میں تدلیس کی ہے۔

یہی بات امام ابوعاصم (شاگردِ ثوری) نے فرمائی: ہم یہ سمجھتے ہیں کہ سفیان ثوری نے اس حدیث میں ابوحنیفہ سے تدلیس کی ہے... الخ (سنن دارقطنی ۳/۲۰۱ ح ۳۴۲۳ وسندہ صحیح)

جب تک روایتِ مذکورہ میں سفیان کی عاصم سے تصریحِ سماع نہ ملے حلیقِ مذکور کا اس روایت سے استدلال غلط ہے۔

۳۰) حلیق: "لہٰذا یہ قول منقطع ہونے کی وجہ سے قابلِ قبول نہیں ہے۔" (ص ۲۳)

ج: امام یحییٰ بن معین اس قول میں منفرد نہیں بلکہ عبدالرحمٰن بن مہدی اور ابوعاصم وغیرہما اُن کے معنوی متابع ہیں، لہٰذا اُن کا قول قابلِ قبول ہے۔

۳۱) حلیق: "اس حوالہ میں تدلیس کا ذکر تک نہیں ہے۔" (ص ۲۴)

ج: ابوعاصم کے قول: "تدلیس کی ہے" میں صراحتاً تدلیس کا ذکر ہے۔

۳۲) حلیق: "اس حوالے سے سفیان ثوری کا طبقہ ثالثہ کا مدلس ہونا ثابت ہی نہیں ہوتا۔" (ص ۲۴)

ج: اس حوالے سے سفیان ثوری کا مدلس ہونا ثابت ہوتا ہے اور مدلس کی معنعن روایت

(شرائط مذکور کے ساتھ) ضعیف ہوتی ہے، چونکہ حلیق کے طرزِ کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ حافظ ابن حجر کے طبقۂ ثالثہ کی معنعن روایت ضعیف اور طبقۂ ثانیہ واُولیٰ کی روایت صحیح ہوتی ہے، لہٰذا اُن کے اصول کو مدِ نظر رکھتے ہوئے عرض ہے کہ سفیان ثوری طبقۂ ثانیہ کے مدلس نہیں بلکہ طبقۂ ثالثہ کے مدلس ہیں۔

۳۳) حلیق: ''کیونکہ امام ابن مہدیؒ نے صرف یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ سفیان ثوری ضعیف سے بھی روایت کرتے ہیں۔'' (ص ۲۴)

ج: امام عبدالرحمٰن بن مہدی رحمہ اللہ کے قول سے ثابت ہوتا ہے کہ امام سفیان ثوری امام ابوحنیفہ کو ضعیف سمجھتے تھے، لہٰذا اُن کا ضعیف سے تدلیس کرنا ثابت ہو گیا۔ حافظ ذہبی نے لکھا ہے: ''کان یدلّس عن الضعفاء'' إلخ وہ (سفیان ثوری) ضعیف راویوں سے تدلیس کرتے تھے۔ (میزان الاعتدال ۲/۱۶۹ ت ۳۳۲۲)

۳۴) حلیق: ''دوسری بات یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ ضعیف نہیں بلکہ ثقہ اور ثبت راوی ہیں۔ امام ابوحنیفہ کو ضعیف کہنا ہی غلط ہے۔'' (ص ۲۴)

ج: امام ابوحنیفہ کا ثقہ اور ثبت ہونا جمہور محدثین سے ثابت نہیں ہے، جس کی تفصیل میری کتاب ''الاسانید الصحیحہ فی اخبار ابی حنیفہ'' میں ہے۔

بے شک حلیق، حنیف قریشی اور غلام مصطفیٰ نوری وغیرہم کے نزدیک امام ابوحنیفہ کو ضعیف کہنا غلط ہے، لیکن امام سفیان ثوری، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام بخاری اور امام مسلم وغیرہم کے نزدیک امام ابوحنیفہ بلاشک وشبہ مجروح تھے۔

صرف امام سفیان ثوری سے ثابت شدہ چند تجریحی حوالے درج ذیل ہیں:

☆ امام محمد بن کثیر العبدی رحمہ اللہ نے سفیان ثوری سے نقل کیا کہ انھوں نے ابوحنیفہ کو ''غیر ملیء'' یعنی غیر ثقہ قرار دیا۔

دیکھئے کتاب الجرح والتعدیل (ج ۴ ص ۴۴۹ وسندہ صحیح)

ایک دفعہ امام ابوحنیفہ آ رہے تھے تو امام سفیان ثوری نے فرمایا:

" قوموا لا يعدنا هذا بجربه " اٹھو! یہ ہمیں اپنی خارش (یعنی بدعت) نہ لگا دے۔

(کتاب السنہ لعبداللہ بن احمد بن حنبل: ۹۱ وسندہ صحیح)

امام مومل بن اسماعیل رحمہ اللہ (وثقہ الجمہور) نے سفیان ثوری سے نقل کیا کہ انھوں نے ابوحنیفہ کے بارے میں فرمایا: غیر ثقہ (تاریخ ابی زرعہ الدمشقی: ۱۳۳۶، وسندہ صحیح)

عصام بن یزید (جبر) رحمہ اللہ کی روایت میں ابوحنیفہ پر سفیان ثوری کی شدید جرح ثابت ہے، جسے میں یہاں اس وجہ سے نقل نہیں کرتا کہ کہیں فیصل خان حلیق ناراض نہ ہو جائے۔ دیکھئے طبقات المحدثین باصبہان لابی الشیخ (۲/۱۱۰، وسندہ حسن، مخطوطہ ۱/۱۱۰)

(ایضاً ۲/۱۵۶، مخطوطہ ۱/۱۲۳۔۱۲۴)

جب امام ابوحنیفہ فوت ہوئے تو ابوعاصم کی روایت ہے کہ سفیان ثوری نے رحمہ اللہ نہیں کہا بلکہ الحمدللہ کہا۔

دیکھئے تاریخ بغداد (۱۳/۴۵۳ وسندہ صحیح) الاسانید الصحیحہ (ص ۱۶۳، قلمی)

فریابی کی روایت ہے کہ سفیان ثوری ابوحنیفہ کے پاس بیٹھنے سے منع کیا کرتے تھے۔

(تاریخ بغداد ۱۳/۴۲۹ وسندہ حسن)

عبدالملک بن قریب الاصمعی کی روایت ہے کہ سفیان ثوری نے فرمایا: اس اُمت یا کوفے میں ابوحنیفہ سے زیادہ نقصان دینے والا کوئی پیدا نہیں ہوا۔

(السنہ لعبداللہ بن احمد: ۲۷۸ وسندہ حسن)

امام ابواسحاق الفزاری رحمہ اللہ کی روایت ہے کہ سفیان ثوری نے فرمایا:

اس اُمت میں ابوحنیفہ سے زیادہ منحوس (یعنی نقصان دہ) کوئی شخص پیدا نہیں ہوا۔

(السنۃ: ۲۵۲ وسندہ حسن)

ثابت ہوا کہ امام ابوحنیفہ پر امام سفیان ثوری کی جرح متواتر روایات سے ثابت ہے۔

تنبیہ: ہم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا بہت احترام کرتے ہیں، انھیں نیک اور اہل الرائے کا فقیہ سمجھتے ہیں اور میں اس موضوع پر کچھ بھی نقل نہیں کرنا چاہتا تھا، مگر داڑھی منڈے دُنیادار

نے مجھے مجبور کر دیا کہ سلف صالحین کے چند حوالے پیش کروں۔ تفصیل کے لئے الاسانید الصحیحہ کا مطالعہ مفید ہے۔

۳۵) حلیق: ''کیونکہ امام ابوعاصم نے اپنا خیال اور ظن پیش کیا ہے۔'' (ص ۲۵)

ج: امام ابو عاصم جو کہ امام سفیان ثوری کے شاگرد تھے، نے خیال وظن نہیں بلکہ تمام شاگردانِ ثوری کا متفقہ فہم پیش کیا ہے اور اس کی مخالفت ثابت نہیں، لہٰذا یہ اجماع ہے۔

اگر سلف صالحین کا فہم حجت نہیں تو کیا نوری اور قریشی وغیرہما مبتدعین کا فہم حجت ہے؟!

رسول اللہ ﷺ فتح مکہ والے دن اپنے سر مبارک پر لوہے کی ٹوپی (خود) پہنے ہوئے مکہ میں داخل ہوئے۔ امام مالک نے فرمایا: "**ولم يكن النبي ﷺ فيما نرى - والله أعلم - يومئذ محرمًا**" ہم سمجھتے ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ نبی ﷺ اُس دن حالتِ احرام میں نہیں تھے۔ (صحیح بخاری کتاب المغازی باب این رکز النبی ﷺ الرایة یوم الفتح؟ ح ۴۲۸۶)

کیا یہاں بھی ''نـری'' میں صرف اپنا خیال اور ظن پیش کیا گیا ہے؟ اور کیا یہ بات صحیح نہیں ہے؟!

فائدہ: امام ابوعاصم النبیل رحمہ اللہ تدلیس کے سخت خلاف تھے۔

قال: أقل حالات المدلس عندي أنه يدخل في حديث النبي ﷺ:

((المتشبع بمالم يعط كلابس ثوبي زور .))

ابو عاصم نے کہا: میرے نزدیک مدلس کا کم ترین حال یہ ہے کہ وہ نبی ﷺ کی (اس) حدیث میں داخل ہے: اس پر فخر کرنے والا جو اپنے پاس نہ ہو، اس جیسا ہے جس نے جھوٹ کے دو کپڑے پہن رکھے ہوں۔ دیکھئے الکامل لابن عدی (۸/۱ وسندہ صحیح)

غالباً یہی وجہ ہے کہ جب انھوں نے اپنے استاذ امام سفیان ثوری کو تدلیس کرتے ہوئے دیکھا تو ان کی تدلیس کی صراحت بھی بیان کر دی۔

۳۶) حلیق: ''تو اسکی مرضی ہے کہ وہ کسی ایک راوی کا ذکر نہ کرے۔'' (ص ۲۵)

ج: یہ بات دو شرطوں سے مشروط ہے:

۱: راوی مدلس نہ ہو اور اُس نے اپنے دونوں استادوں سے اُس روایت کو سنا ہو۔

۲: دونوں استادوں کی روایات کا متن وسند من وعن ایک ہو اور اس میں کوئی فرق نہ ہو۔

ہماری مذکورہ روایت میں سفیان ثوری کا اسے عاصم سے سننا ثابت نہیں ہے، لہٰذا حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کے کلام سے یہاں استدلال غلط ہے۔

۳۷) حلیق: ''امام ابوحنیفہؒ ثقہ تھے لہٰذا ان کو ضعیف کہنا درست نہیں ہے۔'' (ص۲۵)

ج: دیکھئے فقرہ:۳۱

دوسرے یہ کہ ہمیں کیوں بُرا سمجھتے ہو! امام سفیان بن سعید الثوری رحمہ اللہ پر فتویٰ لگاؤ جو امام ابوحنیفہ کو غیر ثقہ سمجھتے تھے۔!

۳۸) حلیق: ''اگر ہم بالفرض مان بھی لیں کہ امام سفیان ثوری ضعفاء سے تدلیس کرتے تھے۔'' (ص۲۶)

ج: اگر آپ لوگ یہ مان لیں تو پھر امام سفیان ثوری کی معنعن روایات (اپنی شرائط کے ساتھ) ضعیف ہو جاتی ہیں اور ترکِ رفع یدین میں آلِ بریلی کی چھٹی ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ قلابازیاں کھاتے ہوئے مذبوحی حرکات کر رہے ہیں، تاکہ ضعیف روایت کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کریں مگر سخت ناکام ہیں۔

۳۹) حلیق: ''پھر بھی علامہ ذہبی کے اس قول کو مانا نہیں جا سکتا کیونکہ...'' (ص۲۶)

ج: کیوں؟ کیا نوری وقریشی اور داڑھی منڈوں کے اقوال مان لئے جائیں اور جمہور کے مطابق حافظ ذہبی کا قول نہ مانا جائے؟ سبحان اللہ!

۴۰) حلیق: ''علامہ ذہبی کے قول کا مطلب یہ ہوا کہ سفیان ثوری ضعفاء سے ارسال کرتے ہیں نہ کہ تدلیس...'' (ص۲۷)

ج: بلکہ مطلب یہ ہوا کہ وہ ضعفاء سے ارسال بھی کرتے تھے اور تدلیس بھی کرتے تھے۔ جو ضعفاء اُن کے استادوں میں سے تھے، اُن سے غیر مسموع روایت بیان کرنا تدلیس کہلاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ سفیان ثوری سے تدلیس فی الاسناد میں خود اپنے نزدیک غیر ثقہ کو گرانا

ثابت ہے، لہٰذا یہاں ذہبی کے قول کا ظاہری معنی تدلیس فی الاسناد ہے اور ارسال اس میں مجازاً داخل ہے۔

٤١) حلیق: "**اصول حدیث کا ایک مشہور قاعدہ ہے کہ جو راوی ضعیف راویوں سے تدلیس کرے تو اس کی عن والی روایت ضعیف ہوتی ہے۔ اس مقام پر بھی قارئین** کرام کو نہایت اہم نکتہ سے آگاہ کرنا ہے کہ زبیر علیزئی صاحب خود اس اصول سے اختلاف کرتے ہیں..." (ص ۲۷)

ج: یہ الزام کذب وافتراء ہے، کیونکہ میرے نزدیک جو راوی ضعیف راویوں سے تدلیس کرے، اس کی عن والی روایت ضعیف ہی ہوتی ہے۔ میں تو اس اصول سے متفق ہوں اور یاد رہے کہ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جو غیر ضعیف سے تدلیس کرے اُس کی معنعن روایت صحیح ہوتی ہے۔ واضح صراحت کے مقابلے میں مفہومِ مخالف سے استدلال کرنے کی کوشش انتہائی معیوب ومردود ہے۔

٤٢) حلیق صاحب نے مختلف قلابازیاں کھاتے ہوئے اور کذب وافتراء کو وطیرہ بناتے ہوئے لکھا ہے: "خود زبیر علیزئی مسلک نمبر ۵ یعنی ضعیف سے روایت کرنے والے مسلک سے متفق نہیں..." (ص ۲۸)

ج: **هذا بهتان عظيم** . نیز دیکھئے فقرہ نمبر ۴۱

٤٣) حلیق: "مگر زبیر علیزئی نہ تو کوئی ایسا حوالہ پیش کر سکتے ہیں..." (ص ۲۹)

ج: بیس سے زیادہ حوالے پیش کر دیئے ہیں اور حلیق صاحب پھر بھی رٹ لگا رہے ہیں کہ حوالہ پیش نہیں کر سکتے۔ دیکھئے الحدیث حضرو: ۶۷ ص ۱۱۔۱۸

ضد وعناد کی بنیاد پر لا نسلّم کا نعرہ لگانے والوں کا کیا علاج ہے؟

٤٤) حلیق: "یہ ایک علیحدہ مسئلہ ہے کہ وہ راوی دوسرے محدثین کرام کے نزدیک ضعیف ہو۔" (ص ۳۰)

ج: یہی اصل مسئلہ ہے کہ مدلس جس راوی کو سند سے گراتا ہے، وہ دوسرے محدثین کرام

کے نزدیک ضعیف ہوسکتا ہے، لہٰذا راوی ضعیف ہوا تو سند ضعیف ہوئی اور آلِ بریلی کا مسئلہ فنا ہوا۔ یہی وہ بات ہے جو نوری اور قریشی وغیرہما کی سمجھ میں نہیں آرہی، ورنہ وہ ایک دنیادار کے لئے تقریظیں کیوں لکھتے ؟

عبدالناصر لطیف بریلوی نے داڑھی منڈے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے:
''مگر حدیث رسول کی عظمت وشان دیکھئے کہ اس کی حفاظت کیلئے ایسے لوگ بھی سرگرم عمل ہیں جو بظاہر دنیا کے رنگ میں رنگے ہوئے نظر آتے ہیں...'' (ک حلیق ص ۸)

قدر نبی دا ایہ کی جانن دنیا دار کمینے
قدر نبی دا جانن والے سو گئے وچ مدینے

۴۵) حلیق: ''قبیصہ کہتے ہیں کہ ہم سے سفیان ثوری نے ایک دن حدیث بیان کرتے ہوئے ایک راوی چھوڑ دیا... یہ آسانی کے لئے ہے'' (ص ۳۲)

ج: الکفایہ (ص ۳۶۴ وسندہ صحیح) کی اس روایت سے ثابت ہوا کہ امام سفیان ثوری تدلیس کرتے تھے، جیسا کہ خطیب بغدادی نے اس پر باب ''**ذکر شئ من أخبار بعض المدلسین** '' لکھ کر صراحت کر دی ہے۔

۴۶) حلیق: 'اس مندرجہ بالا تفصیل سے واضح ہو گیا کہ سفیان ثوری کی ضعفاء سے روایت اور تدلیس بالکل مضر نہیں ہے۔'' (ص ۳۲)

ج: ضعفاء سے روایت تو مضر نہیں (اگرچہ وہ روایت ضعیف ومردود ہی قرار پاتی ہے) لیکن ضعفاء سے تدلیس بالکل مضر ہے۔

اگر آلِ بریلی کے نزدیک تدلیس مضر نہیں تو دو روایتیں بطورِ الزامی جواب پیشِ خدمت ہیں:

۱: امام ترمذی نے فرمایا:'' **حدثنا هناد و محمود بن غیلان قالا : حدثنا وکیع عن سفیان عن أبي قیس عن هزیل بن شرحبیل عن المغیرة بن شعبة قال:: توضأ النبي ﷺ و مسح علی الجوربین و النعلین ... هذا حدیث حسن صحیح ... وبه یقول سفیان الثوري ...** '' (ح ۹۹)

اس روایت کے راویوں کا مختصر تذکرہ درج ذیل ہے:

☆ ھناد بن السری: ثقہ (تقریب التہذیب: ۷۳۲۰)

محمود بن غیلان: ثقہ (تقریب التہذیب:۶۵۱۶) خ م یعنی من رجال البخاری ومسلم

☆ وکیع بن الجراح: ثقہ حافظ عابد (تقریب التہذیب:۷۴۱۴) خ م والاربعہ

☆ سفیان الثوری: عن خ م والاربعہ

☆ ابوقیس عبدالرحمٰن بن ثروان الاودی: صدوق ربما خالف

(تقریب التہذیب:۳۸۲۳) خ م والاربعہ

هو من رجال صحيح البخاري ووثقه ابن معين و العجلي و ابن حبان و الجمهور فهو حسن الحديث .

☆ هزيل بن شرحبيل : ثقة مخضرم (تقریب التہذیب:۷۲۸۳) خ م والاربعہ

اس روایت کے تمام راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں۔

جب سفیان ثوری کی تدلیس مضر نہیں تو پھر جرابوں پر مسح کرنے والی یہ روایت حسن لذاتہ ہوگئی اور (جرابوں پر مسح کے مسئلے میں) آلِ بریلی کا بیڑہ غرق ہوا۔

اگر کوئی کہے کہ امام عبدالرحمٰن بن مہدی وغیرہ نے اس روایت پر جرح کی ہے تو عرض ہے کہ ترکِ رفع یدین پر جمہور محدثین کی جرح کو مبہم اور غیر مفسر کہہ کر رد کرنے والو! کچھ تو شرم کرو! کیا سیدنا شعیب علیہ السلام کی قوم کی طرح آپ لوگوں کے پیمانے الگ الگ ہیں؟!

۲: امام ابن خزیمہ نے فرمایا:" نا أبو موسى: نا مؤمل :نا سفيان عن عاصم بن كليب عن أبيه عن وائل بن حجر قال: صلّيت مع رسول الله ﷺ ووضع يده اليمنٰى علٰى يده اليسرى علٰى صدره ." (صحیح ابن خزیمہ ۱/۲۴۳ ح ۴۷۹)

ابوموسیٰ محمد بن المثنیٰ بن عبید العنزی: ثقة ثبت (تقریب التہذیب:۶۲۶۴) ع خ م والاربعہ

مؤمل بن اسماعیل: جمہور محدثین کے نزدیک موثق ہونے کی وجہ سے حسن الحدیث تھے اور

اُن پر بعض کی جرح مردود ہے۔ یہ وہی مؤمل بن اسماعیل ہیں جن کی روایت سے احمد رضا خان بریلوی نے استدلال کیا ہے۔ دیکھئے فتاویٰ رضویہ (ج ٦ ص ١٥٤)

تنبیہ: مومل بن اسماعیل کی روایت مختصراً صحیح بخاری میں موجود ہے۔ (ح ۲۷۰۰، ۷۰۸۳)

سفیان ثوری: عن

عاصم بن کلیب: صدوق رمی بالارجاء (تقریب التہذیب: ۳۰۷۵)

کلیب بن شہاب: صدوق (تقریب التہذیب: ۵۶۶۰)

اگر سفیان ثوری کی تدلیس والا اعتراض نہ ہوتو پھر یہ روایت حسن لذاتہ ہے۔

خود ہی اپنی اداؤں پر ذرا غور کریں ہم عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

۴۷) حلیق: ''ابن المدینی کے قول سے دوسرے شاگردوں کی نفی ثابت نہیں ہوتی ہے۔'' (ص ۳۲)

ج: ابن المدینی کے قول سے یہ صاف ثابت ہے کہ امام یحییٰ القطان کی امام سفیان ثوری سے روایت سماع پر محمول ہے۔ دوسرے شاگردوں کی تخصیص اگر کسی روایت سے ثابت ہے تو پیش کریں۔

۴۸) حلیق: ''یحییٰ بن القطان کا وہ کون سا اصول تھا کہ وہ سفیان ثوری کی مصرح بالسماع روایت کرتے تھے۔'' (ص ۳۲)

ج: امام یحییٰ بن سعید القطان نے فرمایا: میں نے سفیان سے صرف وہی کچھ لکھا ہے، جس میں انھوں نے حدثنی اور حدثنا کہا... الخ

(کتاب العلل لاحمد: ۱۱۳۰، وسندہ صحیح، الحدیث حضرو: ٦۷ ص ۱۳)

یہ ہے وہ اصول جس کی بنا پر سفیان ثوری کی معنعن روایت بھی سماع پر محمول ہے۔

تلامذۂ سفیان ثوری میں کسی اور راوی کے بارے میں ہمارے علم کے مطابق یہ صراحت ثابت نہیں ہے۔

۴۹) حلیق: ''تو امام وکیع عبداللہ بن مبارک کی روایت کیوں مصرح بالسماع

نہیں ہیں۔'' (ص ۴۴)

ج: اس لئے کہ ان دونوں سے یحییٰ القطان والے قول جیسا قول ثابت نہیں ہے۔ اگر آپ میں ہمت ہے تو نوری اور ناری (!!) کو ساتھ ملا کر ان دونوں کے بارے میں بھی قطان والی صراحت ثابت کر دیں اور پھر ہمارا تسلیم کرنا دیکھیں۔!

۵۰) حلیق: ''اگر یحییٰ بن القطان امام سفیان ثوری سے معنعن روایات بھی نقل کریں تو وہ بھی صحیح اور معمول علی سماع ہوں گی مگر شاید زبیر علیزئی صاحب یہ بھول گئے کہ وہ تو امام شافعیؒ کے قول کے قائل ہیں۔'' (ص ۴۴)

ج: یہ روایات اس لئے صحیح ہیں کہ وہ سفیان سے صرف مصرح بالسماع روایات ہی لکھا کرتے تھے۔ رہا امام شافعی کا اصول تو وہ سر آنکھوں پر ہے اور ہمارا اسی پر عمل ہے، لیکن جس بات کی تخصیص یا استثناء دلیل سے ثابت ہو تو اس پر بھی ہمارا عمل ہے۔

فیصل خان حلیق صاحب جو مغالطہ دے رہے ہیں، میں اسے چند مثالوں سے سمجھاتا ہوں:

۱: ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ تم پر مُردار حرام کیا گیا۔ (مثلاً دیکھئے سورۃ المائدہ:۳)

اور حدیث میں ہے کہ سمندر کا مُردار (یعنی مچھلی) حلال ہے۔

اگر کوئی کہے کہ مچھلی بھی مردار ہے، لہٰذا قرآن کی رُو سے، ذبح کئے بغیر حرام ہے تو کہا جائے گا کہ ایسے شخص کا کسی دماغی ہسپتال میں علاج کرایا جائے۔

معترض کے متعلقین سے درخواست ہے کہ وہ انھیں بھی اس دماغی ہسپتال میں پہنچا دیں جہاں انھیں خاص و عام اور استثناء کا فرق سمجھ آجائے۔

۲: امام سفیان بن حسین ثقہ اور صحیح الحدیث تھے، لیکن امام زہری سے اُن کی روایت ضعیف ہوتی ہے۔

۳: عبداللہ بن عمر العمری ضعیف تھے، لیکن امام نافع سے ان کی روایت حسن ہوتی ہے۔

۴: قتادہ مدلس تھے اور ان کی معنعن روایت (غیر صحیحین میں) ضعیف ہوتی ہے، لیکن

جب امام شعبہ قتادہ سے روایت کریں تو وہ روایت صحیح اور سماع پر محمول ہوتی ہے۔

۵: مختلط راوی کی روایت ضعیف ہوتی ہے، لیکن اس کے اختلاط سے پہلے والے شاگرد کی اس سے روایت صحیح ہوتی ہے۔

۵۱) حلیق: ''کیا ہمیں حق نہیں کہ امام بخاری کے قول سے سفیان ثوری کو قلیل التدلیس کی وجہ سے ان کی روایات برداشت کی تخصیص کر سکیں۔'' (ص ۴۴)

ج: حلیق صاحب کو دو وجہ سے حق حاصل نہیں ہے:

۱: امام شافعی کے اصول سے ثابت ہے کہ مدلس راوی قلیل التدلیس ہو یا کثیر التدلیس ہو، اس کی معنعن روایت (اپنی شرائط کے ساتھ) ضعیف ہوتی ہے۔

۲: خود امام بخاری اس اصول کے قائل نہیں ہیں، جیسا کہ عینی حنفی کے قول کی تشریح میں آرہا ہے۔

۵۲) حلیق: ''اور یہی وہ نکتہ عمیق ہے جو غیر مقلدین حضرات اور زبیر علیزئی صاحب کو سمجھ میں نہیں آرہا۔'' (ص ۴۴)

ج: نہ تو ابن المدینی رحمہ اللہ کے قول سے وہ بات ثابت ہوتی ہے جو حلیق صاحب پیش کر رہے ہیں اور نہ نوری وقریشی وغیرہما کی سمجھ میں یہ مسئلہ آرہا ہے۔

۵۳) حلیق: ''امام سفیان ثوریؒ نے یہ حدیث اپنے استاد عاصم بن کلیب سے سنی ہے''

(ص ۴۴)

ج: یہ بالکل جھوٹ ہے کہ ترکِ رفع یدین کی روایت مذکورہ کی کسی سند میں سفیان کے سماع کی تصریح موجود ہے اور اگر آلِ بریلی میں ہمت ہے تو حوالہ پیش کریں۔

۵۴) حلیق: ''یعنی اگر مدلس راوی قلیل التدلیس ہو تو اسکی روایت حجت ہوتی ہے۔''

(ص ۴۵)

ج: یہ حلیق صاحب کا خود تراشیدہ مفہوم مخالف ہے، امام ابن المدینی کے یہ الفاظ نہیں، لہٰذا عوام الناس کو دھوکا دینے کی کوشش نہ کریں۔

حلیق صاحب نے خود لکھا ہے: ''کیونکہ اصول اور تحقیق میں الزامی جواب کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ تدلیس کا مسئلہ اصولوں میں آتا ہے۔'' (ص۲۹)

لہٰذا اس اصولی مسئلے میں مفہومِ مخالف گھڑ کر اصول کو تارپیڈو مارنے کی کوشش مردود ہے۔

۵۵) حلیق: ''زبیر علیزئی صاحب اپنے دعویٰ میں اگر سچے ہیں تو امام ا المدینی کے قول میں سفیان ثوری کو طبقہ ثالثہ کا ہونا ثابت کریں۔'' (ص۳۵)

ج: میں نے ثابت کر دیا ہے کہ امام ابن المدینی امام سفیان ثوری کو بعض الناس (طبقاتی تقسیم والوں) کے نزدیک مقبول التدلیس یعنی طبقۂ اولیٰ یا ثانیہ میں سے نہیں سمجھتے تھے، ورنہ یحییٰ القطان کی روایت کا محتاج ہونا کیا ہے؟ دیکھئے الحدیث: ۶۷ ص ۱۳

تمام خود ساختہ نوریوں اور ناریوں سے مطالبہ ہے کہ اگر وہ اپنے دعوے میں سچے ہیں تو امام ابن المدینی سے ثابت کریں کہ سفیان ثوری طبقہ اولیٰ یا ثانیہ میں سے تھے اور ان کی غیر مصرح بالسماع معنعن روایت بھی صحیح ہی ہوتی ہے۔

۵۶) حلیق: ''امام یحیی بن القطان کا یہ فرمانا.... یہ قول محل نظر ہے۔'' (ص۳۶)

ج: یہ قول بالکل برحق ہے اور آپ اپنا محل نظر اپنے پاس ہی رکھیں۔!

۵۷) حلیق: ''زبیر علیزئی کے ان دونوں اقوال میں باہمی تعارض اور تضاد ہے۔'' (ص۳۶)

ج: ہرگز نہیں! بلکہ یہ تعارض اور تضاد دراصل معترض کے دماغ میں ہے، جس کا علاج کسی بیمارستان (ہسپتال) میں ہی ہو سکتا ہے۔!

۵۸) حلیق: ''یہاں ہم عرض کر دیں کہ امام یحی بن سعید کی بے شمار ایسی حدیثیں صحاح ستہ اور دیگر کتب احادیث میں موجود ہیں جس میں وہ سفیان ثوری کی عن والی روایت بھی لیتے ہیں۔''

پھر حلیق صاحب نے صحیح بخاری وغیرہ سے بغیر متن و سند کے صرف ارقام (Numbers) نقل کئے ہیں۔ (ص۳۶)

ج: جب یحییٰ القطان کی سفیان سے ہر روایت سماع پر محمول ہے تو پھر عن والی روایات بیان کرنا ذرہ بھی مضر نہیں، اور یہ عنعنہ سفیان ثوری کی طرف سے نہیں بلکہ امام یحییٰ بن سعید القطان یا اُن کے شاگردوں کی طرف سے ہے۔ عنعنے کی بحث کے لئے دیکھئے التنکیل بما فی تأنیب الکوثری من الاباطیل (۸۲/۱۔۸۳)

مجھے عبدالاول بن حماد بن محمد الانصاری (وھو ثقة صدوق) نے بتایا: (میرے والد شیخ) حماد الانصاری نے فرمایا: " **المعلّمي رجل محدّث عالم و هو شيخي** " معلّمی عالم محدّث آدمی اور میرے استاد ہیں۔

نیز دیکھئے المجموع فی ترجمۃ الشیخ حماد الانصاری (۵۹۳/۲ فقرہ: ۱۵)

تنبیہ: یاد رہے کہ فیصل خان حلیق صاحب نے شیخ حماد بن محمد الانصاری کے قول اور کتاب سے استدلال کیا ہے۔ (دیکھئے ک حلیق ص ۷۸ حوالہ نمبر ۱۲)

دوسرے یہ کہ حلیق صاحب کی ذکر کردہ پہلی روایت صحیح بخاری (۱۸۵۱، ہمارا نسخہ: ۱۹۸۷) باب ھل یخص شیئا من الایام میں عن سے موجود ہے اور یہی روایت مسند امام احمد (۵۵/۶ ح ۲۴۲۸۲ وسندہ صحیح) اور السنن الکبریٰ للبیہقی (۲۹۹/۴ روایۃ مسدد) میں سماعِ ثوری کی تصریح سے موجود ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ جعلی معارضہ بھی باطل ہے۔

۵۹) حلیق: "زبیر علیزئی صاحب اگر اپنے دعویٰ میں سچے ہے تو یحی بن قطان کے قول سے سفیان ثوری کا طبقہ ثالثہ کا مدلس ہونے کی تصریح ثابت کر دیں۔" (ص ۴۷)

ج: ہم نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ امام یحییٰ القطان امام سفیان ثوری کو طبقۂ اولیٰ یا طبقۂ ثانیہ میں سے نہیں سمجھتے تھے، ورنہ غیر مصرح بالسماع حدیثیں نہ لکھنے کا کیا فائدہ؟

(دیکھئے الحدیث: ۶۷ ص ۱۳)

اگر حلیق صاحب اور نوری و قریشی وغیرہما اپنے دعوے میں سچے ہیں تو یحییٰ بن سعید القطان سے سفیان ثوری کا طبقۂ ثانیہ کا مدلس ہونا ثابت کر دیں اور یہ تصریح بھی ثابت کریں کہ اُن کی اپنے استاذ سے ہر معنعن غیر مصرح بالسماع روایت صحیح و مقبول ہوتی ہے۔

قارئین کرام! آپ نے دیکھ لیا کہ فیصل خان حلیق صاحب اپنے مقرظین کے ساتھ امام علی بن المدینی اور امام یحییٰ بن سعید القطان کے اقوال کے غلط مفہوم پیش کرنے میں شکست فاش سے دوچار ہیں۔

تنبیہ: فیصل خان صاحب اس قدر حواس باختہ اور گھبرا چکے ہیں کہ ایک ہی بات بار بار دہراتے چلے جارہے ہیں۔ دیکھئے اُن کی کتاب صفحہ ۱۹، ۲۱، ۳۵، ۳۷ وغیرہ۔

یہ اس بات کی علامت ہے کہ وہ بوکھلاہٹ کا شکار ہیں اور اپنے جیسے عوام کو طفل تسلیاں دیتے ہوتے صفحات سیاہ کرتے چلے جارہے ہیں۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ''کوا سفید ہے'' کی شرط لگا کر ''میں نہ مانوں'' کے کلیے کو اپناتے ہوئے میدان میں اترنے کی کوشش میں غلطاں ہیں۔

۶۰) حلیق: ''حافظ ابن حبان کے قول سے طبقہ ثالثہ ثابت کرنا صراحتاً دھوکہ ہے۔'' (ص ۳۸)

ج: آنکھیں ہیں اگر بند تو پھر دن بھی رات ہے اس میں سورج کا بھلا کیا قصور ہے

ماہنامہ الحدیث: ۶۷ (ص ۱۳) میں حافظ ابن حبان کا قول دوبارہ پڑھ کر حلیق صاحب کو چاہئے کہ وہ اپنے نوری وقریشی وغیرہما سے سمجھنے کی کوشش کریں، شاید دل کی آنکھیں کھل جائیں، ورنہ اُن کے لئے پھر دن بھی رات ہے۔!!

حافظ ابن حجر کے طبقۂ ثالثہ کا مطلب اُن کے نزدیک یہ ہے کہ اس طبقے کے مدلس کی عن والی روایت حجت نہیں یعنی ضعیف ہوتی ہے۔ حافظ ابن حبان کے نزدیک ثوری کی عن والی روایت حجت نہیں یعنی ضعیف ہے۔

۶۱) حلیق: ''کہ امام ابن حبان ارسال پر تدلیس کا اطلاق کرتے ہیں۔'' (ص ۳۸)

ج: یہ اس صورت میں ہے جب حافظ ابن حبان کا تفرد ہو، یہاں تو بیس کے قریب علماء اُن کے موافق ہیں، لہٰذا یہاں ارسال والا طعنہ مردود ہے۔

دوسرے یہ کہ حافظ ابن حبان کا قول ہے: ہم اُن کی صرف ان مرویات سے ہی حجت

پکڑتے ہیں جن میں وہ سماع کی تصریح کریں۔ مثلاً سفیان ثوری... (الحدیث:۶۷ص۱۳)
معلوم ہوا کہ یہاں ارسال خفی نہیں بلکہ تدلیس اصطلاحی مراد ہے۔

۶۲) حلیق: ''زبیر علیزئی صاحب کے استاد علامہ ارشاد الحق اثری صاحب..'' (ص۳۸)

ج: یہ جھوٹ ہے۔

۶۳) حلیق: ''صحیح ابن حبان... کہ انکے نزدیک سفیان ثوری کی عن والی روایات قابل قبول اور صحیح ہیں۔'' (ص۳۹)

ج: یہ حلیق صاحب کا اپنا استنباط اور خود تراشیدہ مفہوم ہے، جب کہ حافظ ابن حبان کا اپنا صریح قول اس کے سراسر خلاف ہے۔ دیکھئے فقرہ نمبر ۶۱، اور الاحسان (۹۰/۱)

حافظ ابن حبان کے بارے میں حلیقی تحریفات باطل ثابت ہوئیں اور یہ ثابت ہو گیا کہ امام سفیان ثوری کی معنعن روایت (اپنی شرائط کے ساتھ) ضعیف ہے۔

۶۴) حلیق: ''امام شافعی کا قول اور اصول علی الاطلاق ہے۔'' (ص۴۰)

ج: علی الاطلاق ہے مگر جہاں تخصیص اور استثناء ثابت ہے وہاں تخصیص اور استثناء کرنا ضروری ہے۔ آپ لوگوں کے نزدیک اگر امام شافعی کا اصول صحیح نہیں تو پھر امام ابوحنیفہ کا اصول پیش کریں۔

۶۵) حلیق: ''جو تدلیس پر ارسال کا اطلاق کرتے ہیں۔'' (ص۴۰)

ج: یہ اس صورت میں ہے جب ایسے محدث کا تفرد ہو اور اگر تفرد نہ ہو بلکہ اتفاق و اجماع ہو یا تدلیس الاسناد کی صراحت ہو تو پھر پیش کرنا بالکل صحیح اور اس پر تنقید کرنا غلط ہے۔

۶۶) حلیق: ''تو سفیان ثوری کے جنس ثالث کا مدلس قرار دینے میں اتفاق کیوں؟''
(ص۴۰)

ج: اس لئے کہ یہ جمہور محدثین اور امام شافعی کے اصول کے بالکل مطابق ہے۔

۶۷) حلیق: ''تقریباً ۲۴۰ معنعن روایات نقل کی ہیں۔ اور انکی معنعن روایات کی تصحیح بھی کی ہے...'' (ص۴۱)

ج: اصول اور مخالفت میں ہمیشہ اصول کو ترجیح ہوتی ہے، جیسا کہ حلیق صاحب نے خود لکھا ہے: ''میں یہاں پر یہ بھی عرض کردوں کہ فوقیت ہمیشہ اصول کی ہوتی ہے۔''

(ک حلیق ص ۱۴۹، نیز دیکھئے فقرہ نمبر ۱۹۶)

دوسرے یہ کہ یہ حاکم کا تساہل ہے۔ تیسرے یہ کہ کسی ایک مدلس (چاہے طبقۂ ثالثہ کا ہو یا رابعہ کا مدلس) کا نام بتائیں جس کی روایات کو فرقہ بریلویہ عن کی وجہ سے ضعیف سمجھتا ہے تو میں حاکم وغیرہ سے اس مدلس کی روایات کی تصحیح اور روایت ثابت کردوں گا۔ (ان شاء اللہ)

لہٰذا ثابت ہوا کہ حلیقی مغالطات تارِ عنکبوت سے بھی کمزور اور مردود ہیں۔ چوتھے یہ کہ حاکم نے طبقۂ ثالثہ اور رابعہ کی بعض معنعن روایات کو بھی صحیح قرار دیا ہے۔ کیا وہاں بھی یہ حلیقی اصول چلے گا؟

۶۸) حلیق: ''البتہ حافظ ابن حجر نے مدلسین کے طبقات بنائے اور پھر انھوں نے خود تصریح کی کہ طبقہ اولیٰ اور طبقہ ثانیہ کے مدلسین کی روایات قابل قبول اور طبقہ ثالثہ کے روایوں کی معنعن المدلسین حدیثیں ضعیف ہوتی ہیں۔'' (ص ۴۱)

ج: یہ طبقات اور اصول اپنے مزعوم امام ابوحنیفہ سے ثابت کریں، کیونکہ آپ لوگ (اپنے دعوے کے مطابق) نہ یوسفی ہیں اور نہ شیبانی ہیں، بلکہ حنفی ہونے کے دعویدار ہیں، لہٰذا حافظ ابن حجر کی گود میں کیوں پناہ لے رہے ہیں؟

دوسرے یہ کہ اس طبقاتی تقسیم کو نہ بریلویہ جانتے ہیں اور نہ حنفیہ، جیسا کہ میں نے ثابت کردیا ہے۔ مثلاً دیکھئے الحدیث حضرو: ۶۶ ص ۱۲ (قولِ رضوی)

تیسرے یہ کہ یہ طبقاتی تقسیم خود حافظ ابن حجر کے اصول (مدلس کی عن والی روایت غیر مقبول ہوتی ہے۔ دیکھئے نزھۃ النظر شرح نخبۃ الفکر لابن حجر ص ۷۲) سے معارض ہونے کی وجہ سے بھی ناقابلِ قبول اور غلط ہے۔ حلیق صاحب نے یہ فیصلہ کردیا ہے کہ ''فوقیت ہمیشہ اصول کی ہوتی ہے۔'' (دیکھئے فقرہ: ۶۷، ۱۹۶)

۶۹) حلیق: ''جو سراسر زیادتی اور علمی خیانت ہے۔'' (ص ۴۲)

ج: یہ زیادتی اور علمی خیانت نہیں بلکہ فیصل خان بریلوی رضاخانی (حلیق) کا کذب و افتراء اور فنِ مغالطہ ہے۔

۷۰) حلیق: ''امام ابوعاصمؒ کے قول کی تحقیق...اسکا جواب دے چکے ہیں۔'' (ص۴۲)

ج: یہ جواب باطل ہے، جیسا کہ جواب الجواب میں عرض کر دیا گیا ہے اور امام ابوعاصم رحمہ اللہ کی گستاخی بھی ہے۔ امام ابوعاصم نے سفیان ثوری کو مدلس قرار دیا اور مدلس کی معنعن روایت بیان کر دینا سماع کی تصریح نہیں کہلاتا۔ یہ عام فہم بات حلیق اور اُن کے مقرظین کی سمجھ میں نہیں آ رہی۔!

امام ابوعاصم کے قول کے جواب میں بھی حلیق صاحب بالکل ناکام رہے ہیں۔

۷۱) حلیق: ''یہ حوالہ بھی پیش کرنا مفید نہیں کیونکہ امام ابوحاتم الرازی ارسال پر تدلیس کا اطلاق کرتے ہیں۔'' (ص۴۲)

ج: یہ حوالہ زبردست مفید ہے، کیونکہ ابوحاتم متفرد نہیں بلکہ ایک بڑی جماعت اُن کے موافق ہے۔ دوسرے یہ کہ حلیق صاحب کے حوالے (علل الحدیث: ۲۰/۱، ک حلیق ص ۱۶) میں ارسال پر تدلیس کا اطلاق نہیں بلکہ تدلیس پر ارسال کا لفظ بولا گیا ہے۔
دیکھئے علل الحدیث (۱۹۳/۱)

لغوی اور اصطلاحی معنوں میں جو فرق ہوتا ہے، اُسے ہمیشہ ملحوظِ خاطر رکھیں۔

ہم نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ امام سفیان ثوری مدلس تھے اور یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ مدلس کی عن والی روایت (اپنی شروط کے ساتھ) ضعیف ہوتی ہے۔ میری طرف سے نوری اور قریشی وغیرہما کو چیلنج ہے کہ وہ اپنے مزعوم امام ابوحنیفہ، قاضی ابویوسف یا ابن فرقد شیبانی سے ثابت کریں کہ سفیان ثوری مدلس نہیں تھے، یا یہ کہ اُن کی ہر معنعن غیر مصرح بالسماع روایت صحیح ہوتی ہے اور اگر نہ ثابت کر سکیں تو پھر توبہ کر کے رجوع إلی الحق کریں۔

۷۲) حلیق: ''امام ابوحاتم نے خود ترک رفع یدین والی حدیث پر سفیان ثوری کی تدلیس کا اعتراض نقل نہیں کیا۔'' (ص۴۴)

ج: نقل نہ کرنا اس کی دلیل نہیں کہ تدلیس کا اعتراض باطل ہے بلکہ خود حلیق صاحب نے لکھا ہے: ''دوسرا زبیر علیزئی صاحب کا امام عبداللہ بن المبارک کے خاموشی سے یہ اخذ کرنا کہ انکے نزدیک ہشیم بن بشیر طبقہ ثالثہ کے مدلس ہیں اور انہوں نے ہشیم کی طرح سفیان ثوری اور اعمش کا مدلس ہونا تسلیم کرلیا ہے، بالکل غلط اور مردود ہے۔'' (ص ۴۵)

جب خاموشی سے نتیجہ اخذ کرنا غلط و مردود ہے تو حلیقی اعتراض بھی غلط و مردود ہے۔

۷۳) حلیق: ''پھر اس کو ہمارے خلاف کیوں پیش کیا گیا؟'' (ص ۴۵)

ج: اس لئے کہ یہ آپ کے خود ساختہ باطل موقف کی جڑیں کاٹ کر اسے تہس نہس کر دیتا ہے۔

۷۴) حلیق: ''کہ وہ حضرت عبداللہ بن المبارک سے مدلسین کے طبقات ثابت کریں۔'' (ص ۴۵)

ج: حلیق اور نوری و قریشی وغیرہما پر فرض ہے کہ وہ امام عبداللہ بن المبارک سے صراحتاً یہ ثابت کریں کہ سفیان ثوری کی تدلیس مضر نہیں بلکہ مقبول ہے، یا یہ کہ وہ طبقۂ ثانیہ میں سے یعنی ان کے نزدیک مقبول التدلیس تھے۔!

۷۵) حلیق صاحب نے لکھا ہے: ''زبیر علیزئی صاحب کے اس قول سے سفیان ثوری کا مدلس ہونا تو ثابت ہوتا ہے۔ جس سے کوئی بھی انکار نہیں کرتا مگر...'' (ص ۴۵)

ج: میرے صحیح العقیدہ سنی یعنی اہلِ حدیث بھائیو! مبارک ہو! فرقۂ بریلویہ رضاخانیہ نے بھی تسلیم کرلیا ہے کہ امام سفیان ثوری مدلس تھے اور اس سے انکار نہیں کیا۔ مدلس کے بارے میں ائمہ اربعہ میں سے امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنی مشہور کتاب الرسالۃ میں یہ اصول سمجھایا ہے کہ اُس کی عن والی روایت ضعیف ہوتی ہے، لہٰذا ترکِ رفع یدین والی روایت اس علتِ قادحہ کی وجہ سے ضعیف و مردود ہے۔

۲: امامُ احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اپنے شاگرد عبدالملک بن عبدالحمید المیمونی سے فرمایا: کتاب الرسالہ دیکھو (یعنی پڑھا کرو) کیونکہ یہ اُن (شافعی) کی سب سے اچھی کتابوں میں

سے ہے۔ (تاریخ دمشق لابن عساکر ۲۹۱/۵۴ وسندہ صحیح)

نیز دیکھئے میرا تحقیقی مضمون: امام شافعی رحمہ اللہ اور مسئلہ تدلیس (ص ۳۔۴)

۳: امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ کے پاس کتاب الرسالہ موجود تھی مگر ان سے کوئی مخالفت ثابت نہیں، لہٰذا وہ بھی شافعی اصول سے متفق تھے۔

۴: امام اسماعیل المزنی بھی کتاب الرسالہ سے متفق تھے۔

(دیکھئے روایۃ ابن الاکفانی: ۵۴ وسندہ حسن)

۵: امام عبدالرحمٰن بن مہدی رحمہ اللہ بھی اس کتاب کو پسند کرتے تھے۔

دیکھئے الطیوریات (۶۱/۲۔۷ ح ۶۸۱ وسندہ صحیح)

معلوم ہوا کہ امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام اسحاق بن راہویہ، امام مزنی اور امام عبدالرحمٰن بن مہدی (وغیرہم) سب کے نزدیک مدلس کی عن والی روایت ضعیف ہوتی ہے، چاہے اُس نے ساری عمر میں صرف ایک دفعہ تدلیس کی ہو، نیز اصولِ حدیث کا بھی یہی مسئلہ ہے۔ دیکھئے میرا مضمون: اصولِ حدیث اور مدلس کی عن والی روایت کا حکم

فرقہ بریلویہ رضاخانیہ والوں سے درخواست ہے کہ وہ امام ابوحنیفہ سے ثابت کریں کہ

(۱) سفیان ثوری مدلس نہیں تھے۔!!

(۲) مدلس اگر قلیل التدلیس ہو تو پھر اس کی عن والی روایت ہر جگہ صحیح ہوتی ہے۔!!

اور اگر نہ کر سکیں تو پھر آٹھویں صدی ہجری کے حافظ ابن حجر کے مرجوح قول کو حجت نہ بنائیں اور عسقلانوی نہ بنیں ورنہ...!!

۷۶) حلیق: ''تو یہ پتہ چلتا ہے کہ ہشیم بن بشیر کے نزدیک امام سفیان ثوری اور امام اعمش کی تدلیس قابل قبول تھی۔'' (ص ۴۶)

ج: ہرگز نہیں بلکہ اگر قابلِ قبول تھی تو پھر امام عبداللہ بن المبارک نے سوال کیوں کیا تھا؟ بلکہ امام ہشیم کے قول سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سفیان ثوری مدلس تھے۔ ہشیم نے یہ کیوں نہیں کہا کہ ہم تو طبقۂ ثانیہ سے تعلق رکھتے ہیں، یا یہ کہ ہماری تدلیس مقبول ہے۔!

امام ہشیم سفیان ثوری کو اپنے جیسا مدلس سمجھتے تھے، لہٰذا فرقۂ بریلویہ سے سوال ہے کہ کیا وہ ہشیم کو بھی طبقۂ ثانیہ میں سے سمجھتے ہیں؟ اور اگر نہیں تو پھر یہ دوغلی پالیسی کیوں ہے؟!

۷۷) حلیق: ''زبیر علیزئی صاحب جب حافظ ابن حجر کے طبقات کو ہی تسلیم نہیں کرتے۔'' (ص۴۶)

ج: میں نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ بریلوی اور حنفی دونوں علیحدہ علیحدہ فرقے بھی اس طبقاتی تقسیم کو تسلیم نہیں کرتے، بصورتِ دیگر عباس رضوی صاحب کبھی سفیان ثوری اور اعمش کی معنعن روایات پر اعتراض نہ کرتے۔ ابن الترکمانی کبھی ثوری کی معنعن روایت پر اعتراض نہ کرتے اور معلول نہ قرار دیتے۔

ہم نے طبقاتی تقسیم کے ناقابلِ تقسیم ہونے کے دلائل بار بار بیان کر دیئے ہیں اور نہ ماننے والے ضدیوں کا ہمارے پاس کوئی علاج نہیں ہے۔

۷۸) حلیق: ''تو ان کے نزدیک امام سفیان ثوری کس طرح طبقہ ثالثہ کے مدلس ہو سکتے ہیں۔'' (ص۴۶)

ج: کسی عالم کے ایک قول کے غلط ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس کا ہر قول ضرور بالضرور غلط ہے، لہٰذا تدلیس کو اچھا سمجھنا جمہور محدثین کے خلاف ہونے کی وجہ سے غلط ہے اور سفیان ثوری کو مدلس قرار دینا جمہور کے موافق ہونے کی وجہ سے مقبول ہے۔

۷۹) حلیق: ''تو وہ ہر حال میں طبقہ ثالثہ کا مدلس ہوگا۔'' (ص۴۶)

ج: امام شافعی رحمہ اللہ کے بیان کردہ اصول سے تو یہی بات ثابت ہے۔ اگر آپ کو سمجھ نہیں آ رہی تو نوری اور قریشی وغیرہما سے سمجھ لیں۔

۸۰) حلیق: ''امام ہشیم بن بشیر کے قول سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے امام سفیان ثوری اور امام اعمش مدلس تھے۔'' (ص۴۶۔۴۷)

ج: ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ جس طرح ہشیم مدلس تھے، اُسی طرح سفیان ثوری اور اعمش بھی مدلس تھے، لہٰذا داڑھی منڈے کا ''اس قول سے استدلال جہالت ہے۔'' کہنا خود اس

کی اپنی جہالت کی دلیل ہے۔

جب مدلس ہونا ثابت ہو گیا تو پھر عن والی روایت ضعیف ہوئی اور معترض کا دفاع، مغالطات اور اکاذیب فنا ہوئے۔

امام ہشیم اور امام عبداللہ بن المبارک کے اقوال کے جوابات میں بھی حلیق صاحب کو زبردست ناکامی کا سامنا کرنا پڑا مگر پھر بھی توبہ نہیں کر رہے۔

۸۱) حلیق: ''...اقوال سے دلیل نہیں پکڑ سکتے جو تدلیس الاسناد اور مرسل خفی کو ایک ہی چیز سمجھتے ہیں۔'' (ص ۴۷)

ج: الکفایہ (ص ۴۰۰) کا اصل حوالہ مع متن مطلوب ہے اور دوسرے یہ کہ یہ اس وقت ہے جب تفرد ہو، یہاں تو سفیان ثوری کے مدلس ہونے پر اجماع ہے، لہٰذا امام یعقوب بن شیبہ کے قول سے استدلال بالکل صحیح ہے۔

۸۲) حلیق: ''خود اس اصول سے متفق نہیں تو اس سے استدلال کیسے کر سکتے ہیں۔'' (ص ۴۸)

ج: ہم امام شافعی رحمہ اللہ کے اصول سے سو فیصد متفق ہیں، لیکن یاد رہے کہ جس کی تخصیص یا استثناء ثابت ہے ہم اس کے بھی قائل ہیں۔ ہمارے نزدیک خاص ہمیشہ عام پر مقدم ہوتا ہے، لہٰذا خاص کو عام سے ٹکرانے کی کوشش کبھی کامیاب نہیں ہوگی۔ ان شاء اللہ

اہلِ بدعت کا بعض مستثنیات اور تخصیص کو لے کر اصول کو ہی ختم کرنے کی کوشش کرنا انتہائی قابلِ مذمت ہے۔

۸۳) حلیق: ''اپنے دلائل کے حق میں پیش کرنا ہی مردود ہے۔'' (ص ۴۸)

ج: مردود نہیں بلکہ حق اور صحیح ہے اور معترض کا خود ساختہ تفلسف مردود ہے۔

۸۴) حلیق: ''حافظ ابن رجبؒ نے ... تردید کر دی ہے۔'' (ص ۴۸)

ج: امام یعقوب بن شیبہ رحمہ اللہ نے فرمایا: پس اگر غیر ثقہ سے تدلیس کرے یا اُس سے جس سے اُس نے نہیں سنا تو اُس نے تدلیس کی حد کو پار (عبور) کر لیا جس کے بارے میں

(بعض) علماء نے رخصت دی ہے۔ (الکفایہ ص۳۶۱۔۳۶۲، الحدیث حضرو:۶۷ ص۱۶)
اس عبارت کو ذکر کر کے آٹھویں صدی ہجری کے ابن رجب حنبلی (متوفی ۷۹۵ھ) نے کہا:
" كذا قال يعقوب و قد كان الثوري وغيره يدلسون عمن لم يسمعوا منه أيضًا فلا يصح ما ذكره يعقوب " یعقوب نے اسی طرح کہا اور ثوری وغیرہ اُن سے بھی تدلیس کرتے تھے جن سے انھوں نے سنا نہیں تھا، لہٰذا یعقوب نے جو ذکر کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ (شرح علل الترمذی ج۱ ص۳۵۸)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ ابن رجب نے " عمن لم يسمعوا منه " کے بارے میں " فلا يصح " کہا ہے، " من دلس عن غير ثقة " کے بارے میں نہیں کہا۔
دوسرے یہ کہ امام یعقوب بن شیبہ کا یہ قول دوسرے علماء کے موافق ہے، لہٰذا مقبول ہے۔
تیسرے یہ کہ امام یعقوب بن شیبہ کے مقابلے میں بھی فیصل خان الحلیق مع المقرظین سخت ناکام رہے ہیں اور اوندھے منہ گرے پڑے ہیں۔

۸۵) حلیق: '' امام نووی نے جس حدیث پر اعتراض کیا ہے وہ صحیح مسلم کی حدیث ہے۔'' (ص۴۹)

ج: علامہ نووی نے ہرگز صحیح مسلم کی حدیث پر اعتراض نہیں کیا بلکہ ایک علمی فائدہ سمجھایا ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ امام مسلم نے ایک حدیث دوسندوں سے بیان کی:
(۱) سفيان عن علقمة بن مرثد (۲) سفيان قال: حدثني علقمة بن مرثد
علامہ نووی نے سمجھایا کہ ان میں سے یہ فائدہ بھی ہے کہ سفیان (ثوری) رحمہ اللہ مدلسین میں سے تھے اور انھوں نے پہلی روایت میں عن علقمہ کہا اور مدلس کی عن والی روایت بالاتفاق حجت نہیں ہوتی الا یہ کہ دوسری سند میں سماع کی تصریح ثابت ہوجائے۔
(شرح صحیح مسلم ج۱ ص۱۴۲، الحدیث حضرو:۶۷ ص۱۶)
یاد رہے کہ علامہ نووی کے نزدیک صحیحین میں مدلسین کی روایات سماع پر محمول ہیں۔
دیکھئے التقریب للنووی (ص۹ نوع ۱۲) اور شرح صحیح مسلم للنووی (درسی نسخہ ج۱ ص۹ سطر۴)

۸۶) حلیق: ''جس سے معلوم ہوا کہ امام نووی مندرجہ بالا اصول سے اختلاف کرتے ہیں۔'' (ص ۴۹)

ج: یہ بات بالکل جھوٹ اور افتراء ہے، بلکہ اس کے سراسر برعکس علامہ نووی کے نزدیک صحیحین میں مدلسین کی معنعن روایات بھی سماع پر محمول ہیں۔ دیکھئے فقرہ: ۸۵

نووی کے عظیم الشان قول اور تحقیق کے جواب سے حلیق صاحب اور اُن کے مقرظین مکمل ناکام رہے ہیں اور یہاں اُن کا خودساختہ فلسفہ اور لفاظی بھی کسی کام نہیں آئی۔

۸۷) حلیق: ''علامہ عینیؒ نے صحیح بخاری کی حدیث پر اعتراض کرتے ہوئے سفیان ثوری کی تدلیس کا اعتراض لکھا ہے۔'' (ص ۵۰)

ج: یہ بات بالکل جھوٹ ہے، کیونکہ عینی نے صحیح بخاری کی حدیث پر کوئی اعتراض نہیں کیا بلکہ ایک علمی نکتہ اور فائدہ سمجھایا ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ امام بخاری نے ایک حدیث دو سندوں سے بیان کی:

(۱) سفیان عن عمرو بن عامر (۲) سفیان قال: حدثني عمرو بن عامر

عینی نے سمجھایا کہ لطائف اسناد میں سے یہ ہے کہ دوسری سند میں تصریحِ سماع ہے، نیز سمجھایا کہ سفیان (ثوری) مدلسین میں سے ہیں اور مدلس کی عن والی روایت حجت نہیں ہوتی اِلا یہ کہ دوسری سند میں سماع کی تصریح ثابت ہو جائے۔ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۱۱۲)

عینی نے دوسرے مقام پر صحیحین کی معنعن روایات کے بارے میں ابن الصلاح الشافعی کا قول نقل کیا کہ صحیحین میں مدلسین کی روایات سماع پر محمول ہیں۔

(ملخصاً ج ۱ ص ۲۱۴ تحت ح ۳۲)

عینی نے کہا: علمائے مشرق و مغرب کا اتفاق ہے کہ کتاب اللہ کے بعد صحیح بخاری و صحیح مسلم سے زیادہ صحیح کتاب کوئی نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱ ص ۵، فائدہ ثانیہ)

عینی کے قول کا جواب دینے میں بھی معترض صاحب بہت بڑی شکست سے دوچار ہو کر گہرے گڑھے میں گرے ہیں، جس میں سے توبہ کئے بغیر نہیں نکل سکتے۔

فائدہ: عینی کی تشریح سے صاف معلوم ہوا کہ امام بخاری امام سفیان ثوری کو مدلس سمجھتے تھے، لہٰذا اُن کی عن والی روایت کے متصل بعد تصریحِ سماع والی روایت بیان کر دی تا کہ تدلیس کا اعتراض ختم ہو جائے۔

اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ امام بخاری کے نزدیک مدلس کی عن والی روایت حجت نہیں ہوتی، ورنہ تصریحِ سماع کی کیا ضرورت تھی؟

تیسرے یہ کہ امام بخاری امام سفیان ثوری کو ان مدلسین میں شمار نہیں کرتے تھے جن کی عن والی روایت (اپنی شرائط کے بغیر) کے بارے میں بعض اہلِ بدعت کی طرف سے ہر جگہ حجت قرار دینے کا دعویٰ کیا جاتا ہے۔

۸۸) حلیق: ''کیونکہ ابن ترکمانی ؒ کا یہ جواب امام بیہقی ؒ پر الزامی جواب ہے۔ دوسرا ابن ترکمانی ؒ نے مختلف مقامات پر سفیان ثوری کی معنعن روایات کی تصحیح کے قائل ہیں۔'' (ص ۵۱)

ج: اسے الزامی جواب قرار دینا تین وجہ سے غلط ہے:

۱: میرے علم کے مطابق امام بیہقی سے یہ ثابت نہیں کہ انھوں نے کسی روایت کو معلول قرار دیتے ہوئے ''الثوري مدلس و قد عنعن '' کہا ہو، جیسا کہ ابن الترکمانی نے کہا ہے۔

۲: یہاں الزامی جواب کی صراحت یا اشارے کا نام و نشان تک نہیں ہے۔

۳: فیصل خان حلیق نے بذاتِ خود لکھا ہے کہ ''کیونکہ اصول اور تحقیق میں الزامی جواب کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ تدلیس کا مسئلہ اصولوں میں آتا ہے۔'' (ک حلیق ص ۲۹)

اب رہا یہ کہنا کہ ابن الترکمانی نے مختلف مقامات پر سفیان ثوری کی معنعن روایات کی تصحیح کی ہے، تو ہم اس کے ذمہ دار نہیں بلکہ اس دوغلی پالیسی کے ذمہ دار خود ابن الترکمانی صاحب ہیں۔ **كل نفس بما كسبت رهينة**

جو شخص خود نابلد ہے، وہ دوسروں کے بارے میں لکھتا ہے: ''نابلد ہی نظر آئے ہیں۔''!!

۸۹) حلیق: ''علامہ کرمانی ؒ نے صحیح بخاری کی اسی حدیث پر سفیان ثوری تدلیس کا

اعتراض کیا ہے جس پر علامہ عینیؒ نے اعتراض کیا تھا۔'' (ص۵۲)

ج: کرمانی نے صحیح بخاری کی حدیث پر ہرگز اعتراض نہیں کیا (لہٰذا حلیق صاحب نے جھوٹ بولا ہے) بلکہ کرمانی نے '' و في ذكر الاسناد الثاني فوائد '' کے تحت فائدہ بیان کیا ہے اور اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ بھی سفیان ثوری کی روایت میں سماع کی تصریح کے قائل تھے، ورنہ پھر دوسری سند لانے کا کیا فائدہ ہے؟

معلوم ہوا کہ کرمانی کے سلسلے میں بھی آلِ بریلی شکست فاش سے دوچار ہوئے ہیں، لہٰذا کرمانی کا حوالہ پیش کرنا بالکل صحیح ہے اور اسے ''بالکل غلط'' کہنا بذاتِ خود بالکل غلط ہے۔

۹۰) حلیق: ''علامہ قسطلانی نے صحیح بخاری کی حدیث پر اعتراض کیا ہے۔'' (ص۵۳)

ج: یہ بالکل جھوٹ ہے، جبکہ سچ یہ ہے کہ قسطلانی نے صحیح بخاری کی حدیث پر کوئی اعتراض نہیں کیا بلکہ '' فائدة اتيانه بالسندين '' لکھ کر فائدہ بیان کیا ہے۔

قسطلانی تو صحیحین کی معنعن روایاتِ مدلسین کو سماع پر محمول سمجھتے تھے۔

دیکھئے ارشاد الساری (ج۱ص۱۰)

معلوم ہوا کہ قسطلانی کے سلسلے میں حلیق صاحب کا تفلسف اور خیالی تعارضات و تضادات باطل ہیں۔

۹۱) حلیق: ''زبیر علیزئی صاحب اصول کے مطابق علامہ ذہبیؒ کے قول پیش نہیں کر سکتے ہیں'' (ص۵۳)

ج: حافظ ذہبی کے قول '' المدلّس عن شيخه '' (الحدیث: ۶۷ص۱۲) سے صاف ظاہر ہے کہ یہاں ارسال مراد نہیں بلکہ تدلیس اصطلاحی مراد ہے، لہٰذا یہ قول پیش کرنا بالکل صحیح ہے۔ حافظ ذہبی کے اس قول سے ثابت ہوا کہ سفیان ثوری (مدلس عن الضعفاء) کی عن والی روایت ضعیف ہوتی ہے اور غالباً حلیق صاحب طبقہ ثالثہ (عند ابن حجر) کی معنعن روایات کو ضعیف سمجھتے ہیں۔

کان کو اُلٹی طرف سے پکڑیں یا سیدھی طرف سے نتیجہ ایک ہی ہے، پس مدلس کی عن والی روایت (اپنی شروط کے ساتھ مثلاً غیر صحیحین میں) ضعیف ہوتی ہے، لہٰذا ترکِ رفع یدین کا مسئلہ فنا ہوا۔ حافظ ذہبی کے اصول کے نتیجے کو خیانت کہنے والا بذاتِ خود خیانت کا مرتکب ہے۔

تنبیہ: اگر حافظ ذہبی نے کسی مدلس کی معنعن روایت کو صحیح قرار دیا ہے تو یہ اُن کا تساہل ہے۔ اُصول اور تساہل کا مقابلہ ہو تو ہمیشہ اصول کو ترجیح ہوتی ہے (نیز دیکھئے فقرہ: ٦٧، ١٩٦) ورنہ پھر ہر مدلس کی ہر معنعن روایت کو اس خود ساختہ فلسفے سے صحیح ثابت کیا جا سکتا ہے۔

فائدہ: خود حلیق صاحب نے لکھا ہے کہ اصول حدیث کا ایک مشہور قاعدہ ہے کہ جو راوی ضعیف راویوں سے تدلیس کرے تو اس کی عن والی روایت ضعیف ہوتی ہے۔
دیکھئے فقرہ نمبر: ۴۱

۹۲) حلیق: ''پہلے وہ امام یحییٰ بن معین سے تدلیس کی تعریف کریں'' (ص ۵۵)

ج: پہلے وہ (یعنی معترض صاحب عرف حلیق) اپنے مزعوم امام ابو حنیفہ سے تدلیس کی تعریف باحوالہ پیش کریں اور اس حوالے کا صحیح و متصل ہونا بھی ثابت کریں۔

اوروں کو نصیحت اور خود میاں فضیحت نہ بنیں۔

تنبیہ: جب دوسرے محدثین و علماء نے تدلیس کی تعریف بیان کر دی ہے تو خاص ابن معین سے اس کی تعریف کا مطالبہ کرنا غلط ہے۔ تمام علماء کی تحقیقات کو پیشِ نظر رکھ کر ہی فیصلہ کیا جاتا ہے۔

۹۳) حلیق: ''اس اصول کو ہمارے خلاف پیش کرنا ہی غلط ہے۔'' (ص ۵۵)

ج: حدثنا اور أخبرنا سے صاف ظاہر ہے کہ امام ابن معین کے قول سے یہاں مراد تدلیس اصطلاحی ہے، ارسال نہیں ہے، لہٰذا معترض کا معارضہ غلط ہے۔

۹۴) حلیق: ''دوسرا امام یحیی بن معین نے سفیان ثوری کی متعدد معنعن روایات نقل کی

ہیں۔'' (ص ۵۵)

ج: مجرد روایات نقل کرنا تصحیح نہیں ہوتی، دوسرے یہ کہ ہر مدلس کی متعدد معنعن روایات جلیل القدر محدثین نے اپنی کتابوں میں نقل کر رکھی ہیں تو کیا ہر مدلس کی ہر معنعن روایت صحیح ہے۔؟!

کچھ تو غور کریں!.....ہم عرض کریں گے تو شکایت ہوگی۔

دوسرے یہ کہ فوائد ابن معین میں ابو الھزم (۱۲۴) لیث بن ابی سلیم (۸۵) اور رجل (؟ ۵۵، ۷۰) سے بھی روایتیں موجود ہیں، تو کیا یہ روایتیں امام ابن معین کے نزدیک صحیح ہیں؟

۹۵) حلیق: ''زبیر علیزئی صاحب صرف عددی تعداد بڑھانے کی خاطر فضول حوالے نقل کرتے آرہے ہیں۔'' (ص ۵۶)

ج: اگر ابن الصلاح، ابن کثیر اور ابن الملقن وغیرہم کے حوالے فضول ہیں تو کیا محمد بن شجاع الثلجی، حسن بن زیاد اللولوی اور بشر بن غیاث المریسی وغیرہ کذابین یا ابن فرقد الشیبانی اور یعقوب بن ابراہیم وغیرہما مجروحین کے حوالے پیش کرنے چاہئیں؟!

قارئین کرام! ماہنامہ الحدیث: ۶۷ ص ۱۷۔۱۸ پڑھ لیں، آپ ان حوالوں کو بہت زیادہ مفید اور برمحل مطابقِ عنوان (یعنی سفیان ثوری کی تدلیس اور طبقۂ ثانیہ؟) پائیں گے۔ (ان شاء اللہ)

لا نسلّم اور ہمارے پاس نہ مانوں کی رٹ لگانے والوں کا کوئی علاج نہیں ہے۔ اللہ ہی انھیں ہدایت دے۔ آمین

۹۶) حلیق: ''یہ تینوں محدثین کرام ارسال پر تدلیس کا اطلاق کرتے ہیں۔'' (ص ۵۷)

ج: حوالۂ مذکورہ میں غیر مصرح بالسماع روایت کی شرط سے ظاہر ہے کہ یہاں تدلیس اصطلاحی مراد ہے، ارسال مراد نہیں، لہٰذا معترض کا اعتراض باطل ہے۔

بعد میں آنے والے حافظ ابن حجر کی بات مانیں یا امام شافعی کی؟

ابن رجب حنبلی کا رسالہ ''فضل علم السلف علی علم الخلف'' پڑھ لیں۔

(دیکھئے مجموعہ رسائل ابن رجب ج ۴ ص ۴۳-۸۳)

امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کا دامن چھوڑ کر حافظ ابن حجر کی طبقاتی تقسیم کے دامن میں پناہ لینے والو! کس منہ سے یہ کہتے ہو کہ ہم یوسفی وشیبانی نہیں ہیں بلکہ حنفی ہیں؟!

یہ مذہبی خودکشی کی بڑی مثال ہے۔

۹۷) حلیق: ''کیونکہ علامہ عبدالرحمٰن یحیٰ المعلمی کے معاصر اور ناصر الدین البانی نے اس کا جواب دیا ہے۔'' (ص ۵۸)

ج: البانی صاحب نے ہرگز جواب نہیں دیا۔ علامہ معلمی کا دعویٰ ہے:

''سفیان تدلیس کرتے تھے اور کسی سند میں اُن کے سماع کی تصریح نہیں ہے۔''

(التنکیل ۲/ ۲۰، الحدیث حضرو: ۶۷ ص ۱۸)

البانی نے روایتِ مذکورہ میں سماع کی تصریح پیش نہیں کی، لہٰذا معترض صاحب لوگوں کی آنکھوں میں مرچیں ڈالنے کی کوشش نہ کریں۔ وَ لَا یُفْلِحُ السَّاحِرُ حَیْثُ اَتٰی

میری طرف سے فیصل خان حلیق بریلوی، غلام مصطفیٰ نوری، حنیف قریشی بریلوی رضاخانی اور تمام آلِ بریلی (رضاخانیہ) کو چیلنج ہے کہ وہ ترکِ رفع یدین کی صراحت کے ساتھ روایتِ مذکورہ میں امام سفیان ثوری کے سماع کی تصریح ثابت کردیں۔

ثبوت معلوم ہونے کے بعد ہم فوراً تسلیم کرلیں گے۔ ہم کوئی بریلوی تو نہیں ہیں کہ خواہ مخواہ باطل پر ڈٹے رہیں اور ضد کریں، بلکہ ہم تو اہلِ حدیث ہیں اور حق کی طرف علانیہ رجوع کرنے والے ہیں۔

۹۸) حلیق: ''کہ اس کی اسناد صحیح مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔'' (ص ۵۸)

ج: امام مسلم رحمہ اللہ نے بتایا کہ جو راوی تدلیس کے ساتھ معروف (معلوم) اور (بمعنی یا) مشہور ہو تو روایت میں اس کے سماع کی تحقیق کی جاتی ہے۔

(دیکھئے مقدمہ صحیح مسلم درسی نسخہ ج ۱ ص ۲۳)

چونکہ روایتِ مذکورہ میں مدلس کے سماع کی تصریح نہیں، لہٰذا یہ مسلم کی شرط پر نہیں ہے۔

شعیب ارناووط حنفی، زہیر شاویش اور مشہور حسن بھی روایتِ مذکورہ میں سماع کی تصریح پیش نہیں کر سکے، لہٰذا اُن کی تصحیح باطل و مردود ہے۔

تنبیہ: راقم الحروف نے علامہ معلمی کا قول اُن لوگوں کے خلاف پیش کیا تھا جو البانی صاحب کو بہت بڑا محقق سمجھ کر ان کی ہر بات کو حرفِ آخر جانتے ہیں، جبکہ خود البانی صاحب محقق معلمی صاحب کو ''العلامۃ المحقق'' سمجھتے تھے۔ (دیکھئے مقدمۃ التنکیل ج ۱ ص ۳)

اگر کسی میں ہمت ہے تو روایتِ مذکورہ میں سفیان کے سماع کی تصریح پیش کر کے معلمی رحمہ اللہ کو جواب دے، ورنہ پھر چپ رہنا بہتر ہے۔ نیز دیکھئے فقرہ: ۵۸

۹۹) حلیق: ''علامہ الیمانی نے یہ اعتراض محدث العصر علامہ زاہد الکوثری کے جواب میں دیا تھا۔ لہٰذا الزامی جواب کیا اہمیت تحقیق کے میدان میں نہیں ہوتی۔'' (ص ۵۸)

ج: علامہ الیمانی المعلمی رحمہ اللہ کا یہ اعتراض الزامی نہیں بلکہ انھوں نے اسے جہمیِ عصر زاہد الکوثری الکذاب القبوری کا رد کرتے ہوئے تحقیقی جواب میں لکھا تھا۔

اسے الزامی جواب کہہ کر رد کر دینا غلط ہے۔

۱۰۰) حلیق: ''زبیر علیزئی صاحب کا شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز کا حوالہ مفید نہیں ہے۔'' (ص ۵۹)

ج: بلکہ زبردست مفید ہے۔

تنبیہ: شیخ ابن باز کا یہ قول اہلِ حدیث اور شیخ البانی کے اندھا دھند مؤیدین کے خلاف پیش کیا گیا ہے۔

۱۰۱) حلیق: ''...ناموں کے آگے رحمہ اللہ لکھنا مناسب نہ سمجھا۔ یہ ایک تعصب کی بدترین مثال ہے۔'' (ص ۶۰)

ج: اس سلسلے میں چار باتیں پیشِ خدمت ہیں:

۱: ہمارے نزدیک امام علی بن المدینی، امام یحییٰ بن سعید القطان اور امام سفیان ثوری وغیرہم اہلِ حدیث (اور بریلوی اصطلاح میں: غیر مقلدین) تھے اور مذکورہ مضمون میں کئی

جگہ ان کے ناموں کے ساتھ رحمہ اللہ نہیں لکھا گیا تو کیا ہم ان سے بھی تعصب کرتے ہیں؟

۲: فرقہ بریلویہ رضاخانیہ اہلِ بدعت میں سے ہے اور اہلِ بدعت سے براءت کا اعلان کرنا ہمارے ایمان کا مسئلہ ہے۔

((من وقّر صاحب بدعة فقد أعان علىٰ هدم الإسلام .))

جس نے کسی بدعتی کی تکریم کی تو اس نے اسلام کو گرانے میں مدد دی۔

(کتاب الشریعۃ للآجری ص۹۶۲ ح ۲۰۴۰ وسندہ صحیح، علمی مقالات ج ۲ص ۵۵۶)

۳: ہر متوفی کے نام کے ساتھ رحمہ اللہ لکھنا ضروری نہیں ہے۔

۴: معترض نے شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز وغیرہ کے ساتھ رحمہ اللہ کیوں نہیں لکھا؟ کیا یہ تعصب کی بدترین مثال نہیں ہے؟

۱۰۲) حلیق: ''زبیر علیزئی صاحب اس مضمون میں حق کا دامن چھوڑے بیٹھے ہیں۔ انھیں یہ کیسے گوارہ ہوا کہ دیوبندیوں کے حوالہ ہمارے خلاف پیش کرسکیں۔'' (ص۶۰)

ج: راقم الحروف نے بریلویوں کے خلاف بیس (۲۰) حوالے پیش کئے ہیں اور پھر البانی صاحب کے پیروکاروں کو مدنظر رکھتے ہوئے معلّمی اور ابن باز کے حوالے پیش کئے اور پھر لکھا: ''ان دلائل وعبارات کے بعد آلِ تقلید (آلِ دیوبند وآلِ بریلوی) کے بعض حوالے پیشِ خدمت ہیں:'' (الحدیث:۶۷ص ۱۸)

دلائل سے مراد بیس حوالے اور عبارات سے مراد اکیسویں اور بائیسویں حوالے ہیں۔ چونکہ میرا یہ علمی وتحقیقی مضمون تھا اور اس میں دونوں تقلیدی فرقوں پر رد تھا، لہٰذا فریقین کے بعض حوالے لکھ دیئے۔ اس واضح صراحت کے باوجود میرے خلاف پروپیگنڈا کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔؟!

اب دوسرا رُخ ملاحظہ فرمائیں!

فیصل خان حلیق صاحب نے اپنی کتاب: ''رفع یدین کے موضوع پر نامور غیر مقلد زبیر علیزئی کی کتاب نور العینین کا محققانہ تجزیہ'' میں ''جمہور محدثین کرام اور حدیث ابن

مسعود رضی اللہ عنہ کی تصحیح'' کی سرخی کے تحت انور شاہ کشمیری دیوبندی اور شبیر احمد عثمانی دیوبندی کے حوالے پیش کئے ہیں۔ (دیکھئے ص ۱۲۵)

دوسروں کو نصیحت کرنے والے میاں فضیحت صاحب! ذرا اپنی چارپائی کے نیچے لاٹھی پھیر کر بھی دیکھ لیں۔ واہ کیا انصاف ہے؟!

۱۰۳) حلیق: ''لہٰذا زبیر علیزئی صاحب کا محدث کوٹلوی کا حوالہ نقل کرنا مردود ہے۔''

(ص ۶۲)

ج: مُحدِث محمد شریف کوٹلوی (غالی بدعتی) کا حوالہ نقل کرنا بالکل صحیح ہے، کیونکہ کوٹلوی نے لکھا ہے: ''...اور سفیان کی روایت میں تدلیس کا شبہ ہے۔''

(فقہ الفقیہ ص ۱۳۴، اور معترض کی کتاب ص ۶۱)

کبھی اس پر بھی ''غور شریف'' کیا ہے کہ تدلیس کا شبہ کیوں ہے؟ چونکہ سفیان ثوری رحمہ اللہ مدلس تھے، لہٰذا اُن کی معنعن روایت میں تدلیس کا شبہ ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ کوٹلوی کے نزدیک وہ مدلس تھے۔ کوٹلوی کے نزدیک وجۂ ترجیح شعبہ کا مدلس نہ ہونا اور سفیان ثوری کا مدلس ہونا ہے۔ چارپائی پر جس طرف سے بھی لیٹیں گے، ازار بند درمیان میں ہی آئے گا۔

۱۰۴) حلیق: ''امین اوکاڑوی دیوبندی کا حوالہ میرے خلاف پیش کرنا تو ویسے ہی فضول ہے۔'' (ص ۶۲)

ج: اوکاڑوی کا حوالہ آپ کے خلاف نہیں بلکہ دیوبندیوں کے خلاف ہے۔

خواہ مخواہ ٹینشن لینے کی ضرورت نہیں ہے اور رہا یہ کہ الزامی جواب ہے تو اس کی تردید کے لئے فقرہ نمبر ۱۰۵ غور سے پڑھیں، شاید کچھ ''سمجھ شریف'' میں آ جائے۔

۱۰۵) حلیق: ''محدث العصر علامہ محمد عباس رضوی صاحب نے یہ بات غیر مقلد جناب محمد سلیمان صاحب سے تحریری مناظرے میں الزامی جواب کے طور پر سینے پر ہاتھ باندھنے کے موضوع پر لکھی ہے۔ کیونکہ غیر مقلدین حضرات رفع یدین کے...'' (ص ۶۳)

ج: عباس رضوی بریلوی رضاخانی کی عبارت کو الزامی جواب قرار دینا پانچ وجہ سے باطل

اور مردود ہے:

ا: رضوی کی کتاب (مناظرے ہی مناظرے ص ۲۴۹) کے صفحہ مذکورہ میں الزامی جواب کا نام ونشان تک نہیں ہے بلکہ حافظ ابن حجر اور حافظ علائی کے اقوال پیش کر کے سفیان ثوری کا مدلس ہونا ثابت کیا گیا ہے۔ کیا آپ لوگ یہ لکھ کر دینے کے لئے تیار ہیں کہ حافظ ابن حجر اور حافظ العلائی دونوں اہلِ حدیث (اور آپ لوگوں کی اصطلاح میں غیر مقلد) تھے؟ اگر نہیں تو بتائیں کہ صفحہ مذکورہ پر کس اہلِ حدیث عالم سے تدلیسِ ثوری کا حوالہ پیش کیا گیا ہے، تا کہ اسے الزامی جواب کہا جا سکے۔!

۲: اسی کتاب میں آگے چل کر رضوی نے اپنے بارے میں لکھا ہے:

''سفیان ثوری کے باب میں لکھا تھا کہ۔

یہ مدلس ہے... اور یہ روایت اس نے عن سے بیان کی ہے لہٰذا مردود ہے۔ اس کا آپ نے کوئی جواب نہیں دیا۔'' (مناظرے ہی مناظرے ص ۳۴۵)

اس سے بھی معلوم ہوا کہ پہلی عبارت الزامی نہیں بلکہ تحقیقی تھی اور یہ علیحدہ بات ہے کہ رضوی نے دوسرے مقام پر ترکِ رفع یدین والی روایت کو صحیح ثابت کرنے کے لئے الزامی جواب پیش کر کے ناکام کوشش کی۔

اسے دوغلی اور منافقانہ پالیسی کے علاوہ کیا نام دیا جا سکتا ہے؟

۳: ایک دیوبندی (شیر محمد مماتی) نے امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کی ایک روایت پر اعتراض کیا: ''اس کے راویوں میں ایک راوی سفیان ثوری ہیں جو کہ مدلس ہیں اور وہ یہ روایت :عن: کے ساتھ کر رہے ہیں لہٰذا یہ روایت ضعیف اور مردود ہے۔''

(آئینہ تسکین الصدور ص ۹۲)

تو اس کے جواب میں عباس رضوی نے کہا:

''اس میں کوئی شک نہیں کہ مدلس راوی کا عنعنہ مردود ہوتا ہے لیکن معترض نے کما حقہ تتبع نہیں کیا اور یہ فعل اہلِ علم کے نزدیک جہالت ہے کیونکہ اس روایت میں سفیان ثوری رحمۃ

اللہ علیہ نے تحدیث کی ہے جیسا کہ...'' (واللہ آپ زندہ ہیں ص۳۳۱۔۳۳۲)
رضوی صاحب نے یہاں طبقہ ثانیہ کی بحث نہیں چھیڑی بلکہ امام سفیان رحمہ اللہ کے سماع کی تصریح کا ثبوت پیش کیا، لہٰذا ثابت ہوا کہ وہ خود حقیقی طور پر سفیان ثوری کو مدلس سمجھتے ہیں اور ایسا مدلس جس کا عن سے روایت کرنا غیر مقبول اور مردود ہے۔

۴: امام سلیمان الاعمش (مدلس طبقہ ثانیہ عند ابن حجر) کی ایک روایت پر جرح کرتے ہوئے عباس رضوی نے لکھا ہے:

''اس روایت میں ایک راوی امام اعمش ہیں جو کہ اگر چہ بہت بڑے امام ہیں لیکن مدلس ہیں اور مدلس راوی جب عن: سے روایت کرے تو اس کی روایت بالاتفاق مردود ہوگی۔''

(واللہ آپ زندہ ہیں ص۳۵۱)

امام شافعی وغیرہ کے اقوال سے استدلال کرنے کے بعد رضوی نے مزید کہا:

''تو ثابت ہوا کہ مدلس روایت قابل قبول نہیں ہوتی اور مذکورہ بالا حدیث کا مدار چونکہ سلیمان بن مھران الاعمش پر ہے جو کہ مدلس ہیں اور وہ روایت بھی ''عن'' کے ساتھ کر رہے ہیں۔لہٰذا یہ روایت قابل قبول نہیں ہوسکتی۔'' (واللہ آپ زندہ ہیں ص۳۵۲)

سفیان ثوری اور اعمش کا طبقات المدلسین میں ایک ہی طبقہ (یعنی ثانیہ) ہے، لہٰذا جو اعمش کی روایت کا حکم ہے وہی ثوری کی روایت کا حکم ہے۔

۵: فیصل خان حلیق نے خود لکھا ہے: ''کیونکہ اصول اور تحقیق میں الزامی جواب کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔تدلیس کا مسئلہ اصولوں میں آتا ہے۔'' (ک حلیق ص۲۹)

اور مزید لکھا ہے: 'لہٰذا الزامی جواب کیا اہمیت تحقیق کے میدان میں نہیں ہوتی۔''

(ک حلیق ص۵۸)

اور لکھا ہے: ''اور فوقیت ہمیشہ اصول کی ہوتی ہے۔'' (ک حلیق ص۱۴۹)

لہٰذا اسے الزامی جواب کہنا غلط ہے۔

تنبیہ: عباس رضوی نے ''مناظرے ہی مناظرے'' نامی کتاب میں آمین بالجہر کے مسئلے

میں مولانا محمد یحییٰ گوندلوی رحمہ اللہ کا حوالہ اُن کی کتاب ''خیر البراہین فی الجھر بالتامین'' (ص ۲۵۔۲۶) سے پیش کیا ہے کہ ''اگرچہ امام ثوری مدلس تھے مگر ان کی تدلیس مضر نہیں...'' (ص ۳۵۷)

یہ بے شک الزامی جواب ہے، جسے حلیق صاحب نے حقیقی جواب باور کرانے کی کوشش کی ہے اور جو حقیقی جواب ہے اُسے الزامی جواب بنانے کے چکر میں ہیں۔

فائدہ: مولانا محمد یحییٰ گوندلوی رحمہ اللہ صحیح العقیدہ ثقہ عالم، مسلکِ حق کا دفاع کرنے والے اور اہلِ سنت یعنی اہلِ حدیث کے مناظرین میں سے ایک مناظر تھے، وہ بریلویوں کی طرح متعصب اور ضدی نہیں تھے کہ باطل پر ڈٹے رہیں بلکہ جب انھیں علم ہوا کہ سفیان ثوری کے بارے میں اُن کی تحقیق غلط ہے تو فوراً درج ذیل الفاظ میں علانیہ رجوع کیا:

''راقم نے خیر البراہین میں لکھا تھا کہ سفیان کی تدلیس مضر نہیں مگر بعد ازاں تحقیق سے معلوم ہوا کہ مضر ہے۔'' (ضعیف اور موضوع روایات ص ۲۵۹ حاشیہ طبع ثانی ستمبر ۲۰۰۶ء)

لہٰذا یہ الزامی اعتراض بھی باطل ہوا اور رضوی وغیرہ اپنی بدعات میں سرگرداں پھرتے رہ گئے۔

۱۰۶) حلیق: ''شیر محمد دیوبندی... لہٰذا حوالہ بالکل باطل اور مردود ہے۔'' (ص ۶۴)

ج: اگر حوالہ بالکل باطل اور مردود تھا تو پھر عباس رضوی کو کیا چٹی پڑی تھی کہ سفیان ثوری کی تصریحِ سماع تلاش کر کے اس کا حوالہ لکھ کر جواب دیا اور ''کوئی شک نہیں کہ مدلس راوی کا عنعنہ مردود ہوتا ہے'' کا اصول علانیہ لکھا۔ (دیکھئے فقرہ: ۱۰۵)

تنبیہ: شیر محمد دیوبندی کا حوالہ دیوبندیوں کے لئے لکھا گیا تھا (دیکھئے الحدیث: ۶۷ ص ۱۸) نہ کہ بریلویوں کے لئے، لہٰذا اسے حلیق کا ''ہمارے خلاف پیش کرنا ہی غلط ہے۔'' قرار دینا بذاتِ خود غلط ہے۔

۱۰۷) حلیق: ''نیموی کے حوالے کو پیش کرنا بھی باطل اور مردود ہے۔'' (ص ۶۴)

ج: باطل اور مردود نہیں بلکہ بالکل صحیح اور حق ہے، کیونکہ اس حوالے سے صاف ظاہر ہے

کہ نیموی کے نزدیک ثوری مدلس تھے۔ نیز دیکھئے فقرہ:۱۰۳

۱۰۸) حلیق: ''حسین احمد دیو بندی...تجاہل عارفانہ ہے۔'' (ص ۶۵)

ج: تقی عثمانی کے نزدیک ثوری کبھی کبھی تدلیس کرتے تھے، لہٰذا یہ حوالہ تجاہلِ عارفانہ نہیں بلکہ معترض کا اعتراض تجاہل فلسفیانہ ہے۔

۱۰۹) حلیق: ''حسین احمد دیو بندی نے شعبہ کی...تجاہل عارفانہ ہے۔'' (ص ۶۵۔۶۶)

ج: حوالہ اور استدلال بالکل صحیح ہے، لہٰذا یہ معترض کا تجاہل فلسفیانہ اور مکارانہ ہے۔

۱۱۰) حلیق: ''...احمد رضا خان...کی تحریر پر اعتراض فضول ہے۔'' (ص ۶۶)

ج: صحیحین کی تمام مسند متصل مرفوع روایات بالکل صحیح ہیں، لہٰذا ان روایات پر احمد رضا خان بریلوی یا آلِ بریلی کے تمام اعتراضات بالکل باطل و مردود ہیں۔

۱۱۱) حلیق: ''ڈاکٹر عواد الحسین خلف نے...تقریباً ۱۳۲ اصول'' (ص ۶۷)

ج: انھیں اصول نہیں بلکہ شرائط، تخصیصات اور مستثنیات کہتے ہیں اور محدثین کرام سے جو شرائط، تخصیصات اور مستثنیات ثابت ہیں وہ ہمیں برضا و رغبت تسلیم ہیں، لیکن یاد رہے کہ (عواد حسین وغیرہ کا) طبقۂ اولیٰ اور ثانیہ قرار دے کر ثابت شدہ مدلسین کی معنعن روایات کو (غیر صحیحین میں) صحیح قرار دینا غلط ہے، جیسا کہ ہم نے بار بار بیان کر دیا ہے۔

۱۱۲) حلیق: ''طبقہ ثانیہ...حافظ ابن حجرؒ کے ساتھ جمہور علماء نے موافقت بھی کی ہے۔'' (ص ۶۸)

ج: یہ جھوٹ ہے۔

۱۱۳) حلیق: ''جمہور نے ابو خذیفہؓ کی مخالفت کی ہے۔'' (ص ۶۹)

ج: سیدنا حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی بات نہیں بلکہ یہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب حدیث کی بات ہے اور یہ اہلِ سنت کا بنیادی اصول ہے کہ تمام صحابہ (روایت میں) عدول (یعنی ثقہ) ہیں۔

۱۱۴) حلیق: ''کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے حضرت حذیفہؓ کو کہا کہ آپ یاد نہ

رکھ سکے۔'' (ص۶۹)

ج: یہ جملہ بھی امام سفیان بن عیینہ والی روایت میں ہی ہے اور یہ روایت ہی صحیح نہیں، لہٰذا جملے سے استدلال غلط ہے۔ دوسرے یہ کہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ صحابی نبی ﷺ کی حدیث یاد نہ رکھ سکے اور ایسا سمجھنا باطل ہے۔ تیسرے یہ کہ اگر یہ حدیث صحیح ہے تو پھر نبی ﷺ کی بات کے مقابلے میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول کو ترجیح دینا کس قسم کا تفقہ ہے؟ کیا امام ابوحنیفہ نے یہ اصول سمجھایا ہے؟ اور ''و إذا صح الحديث فهو مذهبي'' کا مطلب کیا ہے؟ طحاوی کے بلا دلیل دعویٰ نسخ کی حیثیت ہی کیا ہے کہ اسے ذکر نہ کرنا خیانت کہلائے؟

۱۱۵) حلیق: ''زبیر علیزئی صاحب خود اپنے ماہنامہ رسالہ الحدیث میں اکثر مقامات پر ناصر الدین البانی سے استدلال کرتے ہیں۔'' (ص۷۰)

ج: یہ بات بالکل جھوٹ ہے۔

تنبیہ: شیخ البانی اور ان سے بعض مسائل، رجال اور روایات میں اختلاف ہے اور یہ ہمارا آپس کا معاملہ ہے، اس میں بریلویوں کو گھسنے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ آپ لوگ اپنی اوقات میں ہی رہیں تو آپ کے لئے بہتر ہے۔

۱۱۶) حلیق: ''اور دل میں اکابرین کا احترام ضروری ہے۔'' (ص۷۲)

ج: ہمارے دل میں تمام اکابر اہلِ سنت مثلاً صحابہ، ثقہ تابعین، ثقہ تبع تابعین، ثقہ محدثین اور علمائے حق مثلاً مولانا عبدالرحمٰن مبارکفوری رحمہم اللہ کا بہت احترام ہے۔ والحمد للہ

ان کا قول اہلِ حدیث بھائیوں کو سمجھانے کے لئے لکھا ہے نہ کہ بریلویہ رضاخانیہ کے لئے، لہٰذا بیچ میں ٹانگ اڑانے کی کوشش نہ کریں۔

۱۱۷) حلیق: ''آپ کے استاد ارشاد الحق اثری صاحب...'' (ص۷۳)

ج: یہ بالکل جھوٹ ہے۔

فیصل خان صاحب کو چاہئے کہ وہ اپنے جھوٹوں کا شمار کرتے جائیں تا کہ بعد میں صحیح

تعداد معلوم ہو جائے، ورنہ اگر وہ تعداد معلوم کرنا چاہیں تو ہم بتا دیں گے۔ ان شاء اللہ

۱۱۸) حلیق: ''دوسرا علامہ قسطلانی، کرمانی وغیرہم نے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیث پر تدلیس کا الزام وارد کیا ہے۔'' (ص ۷۳)

ج: یہ بالکل جھوٹ ہے، بلکہ الزام کے بجائے انھوں نے بطورِ فائدہ تدلیس کا مسئلہ سمجھایا ہے۔

۱۱۹) حلیق: ''ان محدثین کرام نے بخاری کی ایک خاص حدیث پر اعتراض کیا ہے۔'' (ص ۷۳)

ج: یہ بالکل جھوٹ ہے۔ انھوں نے اعتراض نہیں کیا بلکہ بطورِ فائدہ وبطورِ لطیفہ (باریک بنی) یہ مسئلہ سمجھایا ہے کہ مدلس کی عن والی روایت ضعیف ہوتی ہے اور صحیح بخاری (وغیرہ) کی اس روایت میں سماع کی تصریح موجود ہے۔

۱۲۰) حلیق: ''زبیر علیزئی صاحب کو امام شافعی کے قول سے خود بھی اتفاق نہیں...'' (ص ۷۳)

ج: یہ جھوٹ ہے۔ ہمیں امام شافعی کے اصول سے بالکل اتفاق ہے، لیکن تخصیصات و مستثنیات کا معاملہ علیحدہ ہے اور ہمیشہ خاص عام پر مقدم ہوتا ہے۔

حلیق صاحب، نوری اور قریشی وغیرہم سے مطالبہ ہے کہ وہ تدلیس کی تعریف اور اُس کا حکم اپنے مزعوم امام ابو حنیفہ سے باسند صحیح ثابت کریں اور اگر ثابت نہ کر سکیں تو پھر اپنے ساتھ ''حنفی'' کا لفظ کبھی نہ لکھیں بلکہ غیر مقلد ہونے کا اعلان کر دیں۔

۱۲۱) حلیق: ''زبیر علیزئی صاحب بھی مسئلہ تدلیس پر جمہور علماء کرام کے خلاف ہیں۔'' (ص ۷۵)

ج: یہ جھوٹ ہے۔

اس کے رد کے لئے دیکھئے میرا مضمون: ''امام شافعی رحمہ اللہ اور مسئلہ تدلیس''

۱۲۲) حلیق: ''انھیں مندرجہ ذیل باتیں امام شافعی سے ہی ثابت کرنا ہونگیں... جب

تک زبیر علیزئی صاحب امام شافعیؒ سے یہ مندرجہ بالا تعریفیں یا حوالے ثابت نہ کر سکیں انھیں اما شافعیؒ کے قول سے استدلال کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔" (ص۷۶)

ج: باطل شرائط کے ساتھ یہ مطالبہ بالکل غلط ہے اور ہمارے نزدیک یہ کوئی مسئلہ نہیں کہ ایک ہی عالم سے ہر بات کا ثابت کرنا ضروری ہو بلکہ کتاب وسنت کے فہم کے لئے محدثین کرام کے متفقہ فہم اور آثارِ سلف صالحین کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔

اگر یہی بات ہے تو پھر آلِ بریلی سے ہمارا مطالبہ ہے کہ اپنی اس شرط کے مطابق اپنے مزعوم امام ابوحنیفہ سے باسند صحیح متصل تدلیس کی تعریف اور تدلیس کا حکم ثابت کریں اور پھر سفیان ثوری کی معنعن روایت کا حکم بھی بتائیں اور اگر ثابت نہ کر سکیں تو پھر حنفیت کا دعویٰ چھوڑنے کا اعلان کر دیں۔ کیا خیال ہے؟!

۱۲۳) حلیق: "اس فہرست میں مندرجہ ذیل علماء کرام شامل ہیں۔

......اگر مزید حوالے درکار ہوں تو عرض کیجئے گا انشاء اللہ حاضر خدمت ہونگے۔"

(ص۷۷۔۷۸)

ج: ان حوالوں میں نمبر ۵ (مولانا مبارکپوری رحمہ اللہ) سے لے کر نمبر ۳۱ (حافظ عبدالرؤف حفظہ اللہ) تک تمام حوالے چودھویں پندرھویں صدی کے علماء کے ہیں، لہٰذا امام شافعی اور جمہور محدثین کرام کے مقابلے میں انھیں پیش کرنا غلط ہے۔

اب کل چار حوالے رہ گئے جن میں السبط ابن العجمی (۲) اور ابوزرعہ ابن العراقی (۳) کے حوالے ان کی اصل کتابوں میں نہیں ملے بلکہ کتابوں کے آخر میں حافظ علائی کے نام کی صراحت کے ساتھ اُن کا قول نقل کیا ہے جس سے حلیق صاحب بھی متفق نہیں۔

(دیکھئے ک حلیق ص۹۴)

ابوزرعہ ابن العراقی رحمہ اللہ نے اپنی اصل کتاب میں امام سفیان ثوری کے بارے میں لکھا ہے: "مشهور بالتدليس " وہ تدلیس کے ساتھ مشہور ہیں۔ (کتاب المدلسین: ۲۱)

اور مشہور بالتدلیس کے بارے میں امام مسلم نے یہ اصول سمجھایا ہے کہ ایسے راوی کی

معنعن روایت کی تحقیق ہوتی ہے۔ دیکھئے مقدمہ صحیح مسلم (ج۱ص۲۳)

یعنی یہ حوالہ فیصل خان صاحب کے خلاف ہے، موافق نہیں ہے، لہٰذا کل حوالے باقی بچے: دوعدد (۱) حافظ صلاح الدین العلائی اور (۲) حافظ ابن حجر

ان دو حوالوں کو لے کر اچھلنا کودنا اور امام شافعی، امام عبدالرحمٰن بن مہدی، امام احمد بن حنبل، امام اسحاق بن راہویہ اور امام مسلم وغیرہم کی مخالفت کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟!

لطیفہ: فیصل خان حلیق صاحب نے حوالہ نمبر ۲۱ سے نمبر ۲۶ تک ہر کتاب کے ساتھ ''بتحقیق'' کا لفظ لکھا ہے۔ اگر واقعی انھوں نے ان کتابوں کی تحقیق کی ہے تو شائع کرنے کی کوشش کریں اور اگر تحقیق نہیں کی بلکہ ''بتحقیقہ'' مراد ہے تو جو شخص اتنا جاہل ہے کہ ''تحقیقی'' اور ''تحقیقہ'' میں فرق نہیں کرسکتا، اُسے کتابیں لکھنے کی کیا ضرورت ہے اور پھر ''خبره دَتربور لپاره او کوتك هم تربور لپاره'' کے اصول کی رُو سے نوری اور قریشی کی تقریظوں کی کیا حیثیت ہے؟

۱۲۴) حلیق: ''بلکہ سفیان ثوری کی ہزاروں معنعن روایات نقل کی ہیں۔'' (ص۷۹)

ج: صرف روایات نقل کرنا اور انھیں صحیح نہ کہنا اس کی دلیل نہیں کہ مذکورہ مدلس کی معنعن روایات صحیح ہوتی ہیں۔ کیا محدثین کرام نے محمد بن اسحاق بن یسار، بقیہ اور دوسرے مدلسین کی معنعن روایات نقل نہیں کیں؟ بلکہ متعدد متساہلین نے ایسی کئی روایات کو صحیح بھی کہا ہے۔ کیا خیال ہے؟

۱۲۵) حلیق: ''کیونکہ یہ واضح کردینا چاہتا ہوں کہ زبیر علیزئی صاحب رجوع کرنے کو ایک کھیل سمجھتے ہیں... نور العینین کے پہلے ایڈیشن ... زبیر علیزئی صاحب نے یہ کتاب غالباً جرابوں پر مسئلہ سے پہلے لکھی تھی۔'' (ص۸۰)

ج: سبحانك هذا بهتان عظيم.

میں کوئی بریلوی تھوڑا ہوں کہ باطل پر ڈٹا رہوں اور رجوع نہ کروں، میں تو علانیہ رجوع کرتا ہوں اور باطل پر ڈٹنے سے حق کی طرف رجوع کرنے میں ہی نجات ہے۔

نور العینین صفر ۱۴۱۰ھ میں لکھی گئی تھی۔ (طبع اول ص ۱۴۹)
اور ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ میں نور العینین پہلی دفعہ طبع ہوئی۔
سفیان ثوری کے بارے میں طبقہ ثانیہ سے استدلال ۱۹/ ۷/ ۱۴۰۸ھ کو ایک خط میں لکھا گیا تھا، جسے عبدالرشید انصاری صاحب نے ''جرابوں پر مسح'' نامی کتاب میں شائع کیا۔ (ص ۴۲)
ثابت ہوا کہ طبقۂ ثانیہ والی بات پہلے کی ہے اور نور العینین بعد کی کتاب ہے۔
دوسرے یہ کہ داڑھی منڈے فیصل خان صاحب کے رد سے بہت پہلے ماہنامہ شہادت اسلام آباد (اپریل ۲۰۰۳ء ص ۳۹) میں میرے رجوع کا اعلان چھپ چکا ہے مگر پھر بھی مجھے طعنہ دیا جا رہا ہے۔ کیا بریلویت کی گھٹی میں اسی قسم کے دھوکے پڑے ہوئے ہیں؟
ثابت ہوا کہ فیصل خان صاحب کا ظن و گمان باطل ہے اور اس سے اُن کی باطنی حالت ظاہر ہوتی ہے۔ وما تخفی صدورهم اکبر.
یاد رہے کہ نور العینین میری پہلی کتاب ہے، جبکہ جرابوں پر مسح میری کتاب نہیں بلکہ عبدالرشید انصاری صاحب کی کتاب ہے۔
۱۲۶) حلیق: ''زبیر علیزئی کا یہ دعویٰ ہے کہ ان محدثین کرام نے سفیان ثوری پر تدلیس کا اعتراض نقل کیا ہے لہٰذا...'' (ص ۸۲)
ج: میرا دعویٰ ہے کہ ''جن (راویوں) پر تدلیس کا الزام صحیح ہے اور اُن کا تدلیس کرنا ثابت ہے، مثلاً قتادہ، سفیان ثوری...'' (دیکھئے الحدیث حضرو: ۶۷ ص ۲۷)
لہٰذا مجرد اعتراض کا ذکر کر کے خیانت نہ کریں اور دھوکا دینے کی کوشش نہ کریں۔
۱۲۷) حلیق: ''ہم نے جمہور محدثین کرام سے یہ ثابت کیا ہے کہ سفیان ثوری کی تدلیس قابل حجت ہے۔'' (ص ۸۴)
ج: ان جمہور محدثین کرام میں ارشاد الحق اثری صاحب کے نوجوان شاگرد ''علامہ محمد خبیب'' بھی شامل ہیں۔ دیکھئے ص ۷۷ (سبحان اللہ!)

صرف دو چار علماء کے حوالوں کے ساتھ فیصل خان صاحب جمہور محدثین کرام کی رٹ لگا رہے ہیں۔ دیکھئے فقرہ نمبر ۱۲۳

۱۲۸) حلیق: ''تو آمیں کونسے قاعدے اور اصول کی مخالفت ہوئی ہے۔'' (ص۸۴)

امام شافعی رحمہ اللہ کا اصول و قاعدہ تو آپ کی خدمت میں پیش کیا جا چکا ہے۔

ابن الصلاح الشافعی نے اصولِ حدیث کی مشہور کتاب میں لکھا ہے:

اور حکم (فیصلہ) یہ ہے کہ مدلس کی روایت تصریحِ سماع کے بغیر قبول نہ کی جائے، اسے شافعی رضی اللہ عنہ نے اس شخص کے بارے میں جاری فرمایا ہے جس نے ہماری معلومات کے مطابق صرف ایک دفعہ تدلیس کی ہے۔ واللہ اعلم

(مقدمہ ابن الصلاح ص ۹۹، امام شافعی رحمہ اللہ اور مسئلۂ تدلیس ص ۵ فقرہ: ۷)

اس اصول کی مخالفت ہوئی ہے۔ کچھ آیا ''سمجھ شریف'' میں؟!

۱۲۹) حلیق: ''پہلے امام شافعی سے تدلیس کی تعریف نقل کریں پھر...'' (ص۸۵)

ج: دیکھئے فقرہ: ۹ (ذیلی نمبر ۱)

دوسرے یہ کہ آپ لوگوں سے بار بار مطالبہ کیا گیا ہے کہ امام ابوحنیفہ سے تدلیس کی تعریف نقل کریں اور پھر خاص سفیان ثوری کے بارے میں امام ابوحنیفہ کا فیصلہ نقل کریں۔

آپ لوگ جواب کیوں نہیں دیتے؟ اپنے آپ پر نیند یا موت کیوں طاری کر رکھی ہے؟

یہ سوال آپ کے اصولوں کے بالکل مطابق ہے، لہٰذا جواب دیں اور بھاگنے کی کوشش نہ کریں۔

۱۳۰) حلیق: ''امام شافعی تدلیس کو راوی کے لیے باعث جرح سمجھتے ہیں۔'' (ص۸۵)

ج: یہ بالکل جھوٹ ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ پر بہتان ہے۔

دیکھئے فقرہ نمبر ۹ (ذیلی نمبر ۱)

۱۳۱) حلیق: ''امام شافعیؒ نے خود اپنی کتاب الام میں امام سفیان ثوری سے معنعن

روایات لی ہیں'' (ص۸۶)

ج: مجرد روایات بیان کرنا اس کی دلیل نہیں کی مدلس کی معنعن روایت صحیح ہوتی ہے، دوسرے یہ کہ امام شافعی نے کتاب الام میں محمد بن اسحاق بن یسار، ابراہیم بن محمد بن ابی یحییٰ الاسلمی اور ولید بن مسلم وغیرہم کی معنعن روایات بھی بیان کی ہیں تو سوال یہ ہے کہ کیا یہ بھی مقبول التدلیس یا طبقۂ ثانیہ میں سے تھے؟!

۱۳۲) حلیق: ''دوسرا ہم نے امام شافعی کے اقوال میں تضاد خود امام شافعی کے اسلوب کو سامنے رکھ کر ثابت کیا ہے۔'' (ص۸۷)

ج: تم کون ہوتے ہو امام شافعی رحمہ اللہ کے اقوال میں تضاد ثابت کرنے والے؟

کیا پدی اور کیا پدی کا شوربہ! کچھ تو شرم کریں!

تضاد اگر ثابت کرنا ہے تو اپنے مزعوم امام ابوحنیفہ کے اقوال میں تضاد ثابت کریں، لیکن یاد رکھیں! ہم امام شافعی کی گستاخی قطعاً برداشت نہیں کریں گے۔

لوگو! کیا زمانہ آ گیا ہے کہ داڑھی منڈے فاسق فاجر اور جاہل اُٹھ کر امام شافعی رحمہ اللہ کے اقوال میں تضاد ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔!

۱۳۳) حلیق: ''اگر امام شافعی کی روایات سفیان بن عیینہ سے محمول علی السماع ہیں تو پھر امام وکیع کی سفیان ثوری سے روایات محمول علی السماع کیوں نہیں؟'' (ص۸۷)

ج: اس لئے کہ اول الذکر بات زرکشی (متوفی ۷۹۴ھ) نامی ایک عالم نے فرمائی ہے جب کہ ہمارے علم کے مطابق کسی مستند عند الفریقین عالم نے وکیع کی سفیان ثوری سے روایت کو سماع پر محمول قرار نہیں دیا۔ آپ ہمت کریں اور نوری وقریشی وغیرہما کو اپنے ساتھ ملا کر ایسا حوالہ تلاش کریں جس سے آپ کا مقصود ثابت ہو جائے اور اگر تلاش نہ کر سکیں تو پھر ...لوگوں کو مغالطے میں ڈالنا چھوڑ دیں۔

۱۳۴) حلیق: ''بالترتیب علامہ نووی......امام سفیان ثوری کی تدلیس کا اعتراض نقل کیا ہے۔'' (ص۸۹)

ج: اعتراض نقل نہیں کیا بلکہ فوائد و لطائف کے تحت علمی نکتے سمجھائے ہیں۔ مثلاً دیکھئے فقرہ نمبر ۸۵، ۸۷، ۸۹، ۹۰

۱۳۵) حلیق: ''اس مضمون سے پہلے ہی رسالہ میں لکھا ہے کہ صحیح ابن خزیمہ میں وہ روایات جن پر صاحب کتاب نے اعتراض نقل نہیں کیا وہ حدیثیں صحیح ہونگی۔'' (ص۸۹)

ج: یہ دھوکا اور فراڈ ہے۔

میں نے مشارالیہ مقام پر جو لکھا تھا، دوبارہ پیشِ خدمت ہے:

''صحیح ابن خزیمہ کی وہ تمام روایات، جنھیں امام ابن خزیمہ نے روایت کر کے کوئی جرح نہیں [کی] 'امام ابن خزیمہ کے نزدیک صحیح ہیں، لیکن یہ ضروری نہیں کہ اس تصحیح کے ساتھ ہر عالم متفق ہو۔'' (الحدیث حضرو:۶۷ ص۷)

قارئین کرام! اگر آپ اس عبارت کو اور معترض کی عبارت کو ملا کر پڑھیں تو معترض کا دھوکا اور فراڈ سمجھ جائیں گے۔

۱۳۶) حلیق: ''کہ ان محدثین کرام نے کسی مقام پر سفیان ثوری کی تدلیس کا اعتراض نقل نہیں کیا...'' (ص۹۰)

ج: نقل نہ کرنا اس کی دلیل نہیں کہ تدلیس کا اعتراض ہی غلط ہے۔ کیا محمد بن اسحاق، بقیہ، ولید بن مسلم اور دیگر مدلسین کی ہر روایت کے ساتھ محدثینِ کرام نے تدلیس کا اعتراض لکھ رکھا ہے؟ جواب کیوں نہیں دیتے؟!

دوسرے یہ کہ اصولِ حدیث میں تدلیس کا مسئلہ اور اس کا حکم بیان کر دیا گیا ہے اور روایت پر بحث کے لئے یہی کافی ہے کہ اس اصول کو نافذ کیا جائے اور دوغلی و منافقانہ پالیسیوں سے مکمل اجتناب کیا جائے۔

۱۳۷) حلیق: ''محدثین کرام نے سفیان ثوری کی معنعن روایات کو برداشت کیا اور ان کو صحیح سمجھا۔'' (ص۹۰)

ج: مجرد روایت سے یہ نتیجہ نکالنا غلط ہے۔ صریح دلیل پیش کریں!

۱۳۸) حلیق: ''آپ ان ائمہ کرام کے نام کی تصریح تو کریں جو امام شافعی کے قول سے متفق ہیں'' (ص۹۱)

ج: دیکھئے میرا مضمون: امام شافعی رحمہ اللہ اور مسئلہ تدلیس

۱۳۹) حلیق: ''بلکہ اس اصول کو مندرجہ ذیل محدثین کرام نے بھی تصریح کی ہے۔

......امام ابو زرعۃ'' کتاب المدلسین ص۵۲'' (ص۹۱۔۹۲)

ج: اصل عبارتیں پیش کریں۔ ابو زرعہ ابن العراقی کی کتاب المدلسین میں یہ قاعدہ نہیں ملا کہ سفیان ثوری کی معنعن روایات صحیح ہوتی ہیں بلکہ صرف ''مشھور بالتدلیس'' لکھا ہوا ہے۔ (ص۵۲ فقرہ ۲۱)

اور آخر میں حافظ علائی کا (مرجوح) قول ذکر کیا گیا ہے۔

مشہور بالتدلیس کے بارے میں امام مسلم کا قول ہم نے ذکر کر دیا ہے۔

دیکھئے فقرہ نمبر ۱۲۳

۱۴۰) حلیق: ''زبیر علیزئی صاحب کا امام علی بن المدینی کے قول سے استدلال کرنا غلط ہے۔'' (ص۹۳)

ج: بالکل صحیح ہے، کیونکہ ابن المدینی کے قول کا یہی مفہوم ہے۔ دیکھئے فقرہ: ۴۷

۱۴۱) حلیق: ''مسفر بن غرم اللہ الدمینی کی اس تحریر نے تو زبیر علیزئی صاحب کے دعویٰ کی بالکل نفی کر دی ہے۔'' (ص۹۳)

ج: میرا حوالہ بالکل صحیح اور دعویٰ مضبوط ہے اور دمینی صاحب کے تضاد و تناقض کا میں ذمہ دار نہیں۔

۱۴۲) حلیق: ''تو زبیر علیزئی صاحب نے مسفر بن غرم اللہ الدمینی کی تقلید کی ہے۔''

(ص۹۳)

ج: یہ جھوٹ اور بہتان ہے، جس کا حساب اللہ تعالیٰ کی عدالت میں دینا پڑے گا۔ ان شاء اللہ (اور کیا صبح قریب نہیں ہے؟!)

۱٤۳) حلیق: ''کہ مسفر الدمینی اہل حدیث رغیر مقلد ہے یا کہ مقلد؟'' (ص۹۴)

ج: فیصل خان حلیق صاحب نے مسفر بن غرم اللہ کو ''غیر مقلدین کی نظر میں'' کے عنوان کے تحت ذکر کیا، یعنی انھیں غیر مقلد قرار دیا، لیکن اپنے اس دعویٰ پر کوئی دلیل پیش نہ کر سکے۔ کسی کتاب یا مصنف کے حوالے نقل کرنے کا یہ مطلب کہاں سے نکلتا ہے کہ وہ حوالے ''غیر مقلد'' کے ہیں؟ کیا راقم الحروف نے ابن الصلاح اور ابن رجب وغیرہما کے حوالے پیش نہیں کیے؟

فیصل خان صاحب کو چاہئے کہ اِدھر اُدھر نہ بھاگیں اور اپنے دعوے کی دلیل پیش کریں، ورنہ پھر اپنے جھوٹوں کی تعداد گن لیں۔

۱٤٤) حلیق: ''نہ کہ حافظ علائی ؒ کی طبقاتی تقسیم'' (ص۹۴)

ج: چلئے جامع التحصیل اور حافظ العلائی کے حوالوں کی تو چھٹی ہوئی۔

رہ گئی حافظ ابن حجر کی تقسیم تو یہ امام شافعی کے اصول اور خود حافظ ابن حجر کی اپنی شرح نخبۃ الفکر سے معارض ہو کر مرجوح و غلط ہے۔ بریلویوں کو چاہئے کہ امام ابو حنیفہ کی کتاب المدلسین یا اصولِ حدیث کی کتاب سے طبقاتی تقسیم یا امام سفیان ثوری کی معنعن روایات کا دفاع نقل کریں۔ ورنہ اپنی حرکاتِ مذبوحیہ سے غلط کو صحیح اور صحیح کو غلط قرار دینے کی کوشش نہ کریں۔

۱٤۵) حلیق: ''تقریباً ۳۴ اصول ہیں'' (ص۹۵)

ج: پندرھویں صدی ہجری کے ڈاکٹر عواد خلف کے مذکورہ اصولوں میں سے پہلے دو اصول طبقہ اولیٰ اور طبقہ ثانیہ والے، غلط و مردود ہیں اور باقی جو اصول ہیں اگر محدثین کرام سے ثابت ہیں تو قابلِ تسلیم ہیں۔ نیز دیکھئے فقرہ: ۱۱۱

۱٤٦) حلیق: ''اگر امام سفیان ثوریؒ نے یہ حدیث عاصم بن کلیب سے سنی ہی نہیں تو وہم کیسے ہو سکتا ہے۔'' (ص۹۷)

ج: جب سفیان ثوری کو اپنے استاذ عاصم بن کلیب سے روایت کرنے میں وہم ہو سکتا ہے

تو پھر دوسرے مجہول یا مجروح راوی سے روایت کرنے میں وہم کیوں نہیں ہوسکتا۔

اگر ثوری نے عاصم سے روایتِ مذکورہ سُنی تھی تو پھر سماع کی تصریح کہاں ہے؟

۱۴۷) حلیق: ''امام ابوحاتم کا یہ کہنا کہ کسی دوسرے امام نے سفیان ثوری والی بات بیان نہیں کی سفیان ثوری کی تدلیس نہ کرنے پر بھی دلیل ہیں۔'' (ص ۹۸)

ج: تفرد کرنا تدلیس نہ کرنے کی دلیل نہیں ہوتا ورنہ ہر مدلس کی معنعن روایت میں اگر اس کا تفرد ہو تو اس حلیقی اصول سے اسے تصریحِ سماع پر محمول کرنا پڑے گا۔

چونکہ یہ بات غلط ہے، لہٰذا حلیقی اصول بھی غلط ہے۔

۱۴۸) حلیق: ''امام سفیان ثوری کی معنعن روایت کو امام دارقطنی نے صحیح لکھا ہے۔''

(ص ۹۹)

ج: امام دارقطنی نے سفیان ثوری کی روایت کو نہیں بلکہ عبداللہ بن ادریس کی روایت کو صحیح لکھا ہے۔

" وکذلك رواه ابن إدریس عن عاصم بن کلیب عن عبدالرحمٰن بن الأسود عن علقمة عن عبد اللّٰه و إسناده صحیح، و فیه لفظة لیست بمحفوظة ذکرها أبو حذیفة في حدیثه عن الثوري ... " اور اسی طرح ابن ادریس نے اسے عاصم بن کلیب عن عبدالرحمٰن بن اسود عن علقمہ عن عبداللہ (بن مسعود) کی سند سے بیان کیا ہے اور اس کی سند صحیح ہے، اور اس (حدیث) میں ایک لفظ محفوظ نہیں ہے جسے ابوحذیفہ نے اپنی حدیث میں ثوری سے بیان کیا ہے... (العلل الواردہ ج ۵ ص ۱۷۲۔۱۷۳)

ثابت ہوا کہ امام دارقطنی نے ثوری کی روایت کو صحیح نہیں کہا بلکہ عبداللہ بن ادریس کی روایت کو صحیح کہا ہے۔

حدث به الثوري کا مطلب صرف یہ ہے کہ اس حدیث کو ثوری نے بیان کیا ہے۔

یہ کہنا کہ اس سے مراد ''سنی یا سماعت کی ہے'' بالکل غلط ہے۔

۱۴۹) حلیق: ''حافظ ابن حجر مکی کے ترجمہ میں زبیر علیزئی صاحب نے انکو مجروح کرنے

کے لیے ایک دلیل یہ بھی دی ہے کہ وہ اپنی کتاب الخیرات الحسان فی مناقب ابی نعمان میں بے سند اقوال نقل کرتے ہیں۔'' (ص۹۹)

ج: یہ بات جھوٹ ہے اور صحیح یہ ہے کہ ابن حجر مکی ''الخیرات الحسان'' نامی کتاب کے بغیر بھی بدعتی (گمراہ) یعنی مجروح ہے، لہٰذا امام دارقطنی رحمہ اللہ کو مجروح ثابت کرنے کی حلیقی، نوری اور قریشی فئۃ المقرظین کی کوشش ہرگز کامیاب نہیں ہوگی۔

دوسرے یہ کہ مناقب ابی نعمان نام نہیں بلکہ مناقب النعمان نام ہے اور جس شخص کو اپنے مزعوم امام کا نام تک معلوم یا یاد نہیں، اُسے کتابیں لکھنے کی کیا ضرورت ہے؟!

۱۵۰) خلیق: ''نمبر ۱ سے نمبر ۹ تک مرسل و موقوف تو ہیں مگر ضعیف اور مردود نہیں ہیں۔'' (ص۱۰۰)

ج: درج ذیل بحث پڑھ لیں:

(شاہد نمبر ۱): اس کے راوی ابراہیم نخعی کی پیدائش سے پہلے سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ فوت ہوگئے تھے، لہٰذا یہ روایت منقطع ہے اور یہ کہنا کہ مجھے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے بہت سے شاگردوں نے بتایا ہے، چنداں مفید نہیں، جب تک اُن میں سے کسی ایک ثقہ شاگرد کے نام کی صراحت نہ ہو۔

نیز دیکھئے تانیب الخطیب للکوثری (ص ۵۶، جواب حوالہ ص ۳۷۹ و ۳۸۵)

(شاہد نمبر ۲): اس میں عبدالرزاق مدلس ہیں اور روایت عن سے ہے۔

(شاہد نمبر ۳): اس میں حماد بن ابی سلیمان مدلس ہیں اور روایت عن سے ہے۔

(شاہد نمبر ۴): عبدالرزاق اور سفیان ثوری دونوں مدلس ہیں۔

(شاہد نمبر ۵): عبدالرزاق اور سفیان بن عیینہ دونوں مدلس ہیں۔

(شاہد نمبر ۶): عبدالرزاق اور ثوری دونوں مدلس ہیں۔

(شاہد نمبر ۷): اس میں کتاب الحجہ کا مصنف ابن فرقد جمہور محدثین کے نزدیک مجروح ہے۔

(شاہد نمبر ۸): یہ روایت سخت منقطع ہے۔ دیکھئے شاہد نمبر ۱ پر تبصرہ

(شاہد نمبر ۹): اس میں سفیان ثوری مدلس ہیں۔

(شاہد نمبر ۱۰): اس میں محمد بن جابر (جمہور کے نزدیک) ضعیف اور حماد بن ابی سلیمان مدلس ہیں۔

نتیجہ: یہ سب شواہد ضعیف و مردود ہیں۔

۱۵۱) حلیق: ''مگر آپ نے تو اپنی کتاب نماز میں ہاتھ باندھنے کا حکم اور مقام ص ۲۴ پر ضعیف مرسل حدیث کے شواہد میں دو ضعیف روایتیں نقل کی ہیں۔ کبھی اپنے انداز پر تو غور کیجئے۔'' (ص ۱۰۱)

ج: میں نے اپنی کتاب ''نماز میں ہاتھ باندھنے کا حکم اور مقام'' میں سینے پر ہاتھ باندھنے کی دو دلیلیں لکھی ہیں:

دلیل نمبر ۱: سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث از صحیح ابن خزیمہ (۴۸۰، ۱/۲۴۳) وغیرہ

اس کی سند بالکل صحیح ہے۔ (دیکھئے ص ۱۳)

اور اس پر عمل کرنے سے دونوں ہاتھ خود بخود سینے پر آجاتے ہیں۔

دلیل نمبر ۲: سیدنا ہلب رضی اللہ عنہ کی حدیث از مسند احمد (۲۲۶/۵)

اس کی سند حسن ہے۔ (دیکھئے ص ۱۴۔۱۵)

پھر اس کے بعد ان صحیح حدیثوں کے دو شواہد ذکر کئے ہیں:

شاہد نمبر ۱: حدیث وائل رضی اللہ عنہ از صحیح ابن خزیمہ (۴۷۹)

اس میں سفیان ثوری مدلس ہیں اور باقی سند صحیح ہے۔

یہ روایت معترض کے اصول سے بالکل صحیح ہے۔ ثوری کی تدلیس کا وہ دفاع کرتے ہیں اور مومل بن اسماعیل کی حدیث کو انھوں نے کتاب میں ''صحیح'' لکھا ہے۔

(دیکھئے۔۔۔محققانہ جائزہ ص ۹۶)

شاہد نمبر ۲: امام طاؤس رحمہ اللہ کی مرسل روایت از سنن ابی داود (۷۵۹)

امام طاوس تابعی تک سند حسن لذاتہ ہے اور بعض الناس کا یہ دعویٰ ہے کہ تابعین کی مراسیل حجت (یعنی صحیح) ہوتی ہے۔

فیصل خان صاحب! دھوکا نہ دیں، فراڈ نہ کریں، اصل دلیل کو شاہد اور شاہد کو اصل دلیل نہ بنا ڈالیں۔ کیا نہیں سوچا کہ ایک دن اللہ کے دربار میں پیش ہونا ہے؟ وہاں کیا جواب دو گے؟!

فیصل حلیق کے پانچ جھوٹ

۱۵۲) فیصل خان نے لکھا تھا:

" جمہور محدثین کرام اور حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی تصحیح

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ترک رفع یدین والی حدیث کو جمہور محدثین کرام نے تصحیح اور روایت کی ہے اور جمہور محدثین کے بارے میں مفصل تحقیق درجہ ذیل ہے۔

۱۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ ۳۲۱ھ ۔"تصحیح"۔(شرح معانی الآثار ۱/۱۵۴، ۱/۲۲۴)"

(...محققانہ تجزیہ ص ۱۲۲)

یعنی حلیق صاحب کے نزدیک طحاوی نے دو کام کئے:

(۱) اسے روایت کیا (۲) اور اسے صحیح کہا۔

چونکہ شرح معانی الآثار میں اسے صحیح نہیں کہا گیا، لہٰذا حلیق صاحب نے صریح جھوٹ بولا ہے۔ حلیق صاحب نے پشاور کے سلطان نامی چور کی طرح اپنی مزعوم وخود ساختہ تصحیح پیش کرنے کے بجائے لکھا ہے: "کسی بھی محدث سے تصحیح اسکے اسلوب اور طریقہ کار سے بھی کی جاتی ہے۔" (ک حلیق ص ۱۰۲)

ج: اپنا اسلوب اور طریقہ کار اپنے پاس ہی رکھیں اور وہ حوالہ پیش کریں جس میں آپ کی ذکر کردہ تصحیح ہے۔ مجرد روایت کرنا یا" فكان من حجة مخالفهم " کہہ دینا تصحیح نہیں ہوتا ورنہ پھر اعلان کریں کہ شرح معانی الآثار میں ذکر شدہ اہلِ حدیث کی تمام مستدل روایات (جن پر طحاوی نے جرح نہیں کی) طحاوی کے نزدیک صحیح ہیں۔

وتر والے باب میں گیارہ رکعات تراویح والے فاروقی حکم کو بھی دیکھ لیجئے گا۔

تنبیہ: سلطان چور نے ابو فراس شامی کے دو بیٹوں سے ایک بڑا لفافہ چرا لیا تھا جس میں تقریباً دو لاکھ کی رقم روپوں اور ڈالروں کی صورت میں موجود تھی۔ جب ٹاؤن تھانے

(پشاور) کی پولیس نے اسے گرفتار کیا اور اس سے مسروقہ رقم برآمد کر لی تو اس کے بعد وہ حوالات میں کہتا تھا: ''میں بے گناہ ہوں، مجھے رہا کریں''
اگر وہ بے گناہ تھا تو رقم کہاں سے برآمد ہوئی تھی؟!

۱۵۳) فیصل خان نے ترکِ رفع یدین والی حدیثِ ثوری کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (متوفی ۸۵۲ھ) سے نقل کیا: ''صحیح'' (الدرایہ ۱/۱۵۰)'' (...تجزیہ ص۱۲۳)

یہ صریح جھوٹ ہے، جس کی تاویل کرتے ہوئے حلیق نے لکھا ہے:

''امام سیوطی ترک رفع یدین کی حدیث کی تصحیح نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں...'' (ص۱۰۳)

ج: سیوطی نے یہ نہیں لکھا کہ حافظ ابن حجر نے الدرایہ میں اس حدیث کو ضعیف لکھا ہے، لہٰذا سیوطی پر جھوٹ بولنے کی کوشش نہ کریں اور اصل کتاب الدرایہ سے ''صحیح'' کا حکم اس حدیث کے بارے میں پیش کر دیں، ورنہ توبہ کریں، کیونکہ جھوٹ بولنا بہت بڑا گناہ ہے۔

۱۵۴) فیصل خان حلیق بریلوی نے استاذ محترم مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ پر صریح جھوٹ بولا، جس کی تفصیل ماہنامہ الحدیث حضرو: ٦٧ (ص۳۱) میں ہے اور اب لکھا ہے: ''رفع یدین اور ترک رفع یدین دونوں کا سنت ہونا جائز ہے پس دعویٰ نسخ رفع یدین کی کوئی وجہ نہیں (تعلیقات ۱/۱۰۲)'' (ص۱۰۴)

ج: یہ ان پانچ جھوٹوں کے علاوہ چھٹا (نمبر ٦) جھوٹ ہے، کیونکہ یہ عبارت بھی بھوجیانی رحمہ اللہ کی نہیں بلکہ ابوالحسن السندھی کی ہے۔

دیکھئے تعلیقاتِ سلفیہ (ص۱۰۲، حاشیہ نمبر ۵ ''سندی'')

اور سندھی کا سنن نسائی پر حاشیہ (ج۱ ص۱۴۰، شروع کتاب الافتتاح)

معترض نے تعلیقاتِ سلفیہ (۱/۱۲٦) سے ایک عبارت نقل کر کے لکھا ہے:

''عطاء اللہ حنیف کا یہ لکھنا کہ ''دونوں ثابت ہیں'' تصحیح ہے کہ نہیں'' (ص۱۰۵)

ج: یہ قول بھی مولانا عطاء اللہ کا نہیں بلکہ عبدالحئ لکھنوی (حنفی تقلیدی) کا ہے، جیسا کہ مولانا نے تعلیقات سلفیہ میں ''اقول اجاب عنه الشيخ عبدالحئي في التعليق

الممجد بقوله...'' لکھ کر وضاحت کر دی ہے۔

عبدالحئی کے قول کے لئے دیکھئے التعلیق الممجد (ص ۹۳ حاشیہ نمبر ۱)

لہذا یہ الزامی جواب ہے جس میں فریقِ مخالف کے قول کی صراحت کی دی گئی ہے۔

۱۵۵) فیصل خان حلیق صاحب نے لکھا تھا: ''کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بعد والا قول بھی یہی ہے کہ ان دونوں حضرات سے (حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) سے ترک رفع یدین ثابت ہے۔'' (...تجزیہ ص ۱۰۷)

یہ بالکل کالا جھوٹ ہے اور اب حلیق صاحب کی تاویل دیکھیں:

''اس کے بعد امام ماردینی لکھتے ہیں۔

''قول الشافعی بعد ذلک'' کے امام شافعی کا بعد والا قول بھی یہی ہے کہ ان دونوں حضرات سے (حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ) ترک رفع یدین ثابت ہے۔''

(ص ۱۰۵-۱۰۶)

ج: ماردینی کا یہ کہنا کہ ''**و قول الشافعي بعد ذلك و انما رواه عاصم بن كليب عن أبيه عن علي دليل علىٰ ثبوت ذلك عن علي لان عاصمًا و أباه ثقتان كما تقدم**'' اور اس کے بعد شافعی کا قول: اور اسے تو عاصم بن کلیب نے عن ابیہ عن علی کی سند سے روایت کیا ہے، اس کی دلیل ہے کہ یہ علی (رضی اللہ عنہ) سے ثابت ہے، کیونکہ عاصم اور اس کے والد دونوں ثقہ ہیں جیسا کہ گزر چکا ہے۔ (الجوہر النقی ج ۲ ص ۷۹)

اس عبارت میں سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کے بارے میں امام شافعی کے رجوع کا نام و نشان تک نہیں ہے، لہذا حلیق صاحب نے ماردینی پر بھی جھوٹ بولا ہے۔

تنبیہ: ماردینی کا مجرد قول: ''**رواه عاصم**'' سے استدلال کر کے اپنے نزدیک روایت کو ثابت قرار دینے کی کوشش کرنا مردود ہے۔ خاص عام پر اور مقید مطلق پر مقدم ہوتا ہے اور اسی طرح منطوق مفہوم پر مقدم ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ عاصم بن کلیب کی طرف منسوب موقوف روایتِ علی رضی اللہ عنہ بھی ثابت نہیں ہے۔ دیکھئے نور العینین (ص ۱۶۵)

امام شافعی کی اصل کتاب سے یا ان تک سند صحیح متصل سے یہ ثابت کریں کہ انھوں نے بعد میں حدیثِ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو صحیح قرار دیا تھا اور اگر نہ کر سکیں تو یہ "مردود بہتان" نہیں بلکہ معترض کا بہت بڑا جھوٹ ہے۔

۱۵۶) حلیق: "...وہ خود جھوٹ بول رہے ہیں۔" (ص ۱۰۷)

ج: حلیق صاحب نے لکھا تھا کہ "زبیر علی زئی صاحب امام بزار رحمۃ اللہ علیہ پر جرح کرتے ہیں اور ان کی توثیق کے قائل نہیں ہیں۔" (الحدیث: ۶۷ ص ۳۱۔۳۲)

میں نے بزار کو کہاں غیر ثقہ یا مجروح لکھا ہے؟ حلیق صاحب کوئی حوالہ پیش نہیں کر سکے، لہٰذا انھوں نے جھوٹ بولا ہے۔

میری عبارت منقولہ میں بھی ثقہ وصدوق کے الفاظ موجود ہیں۔ متکلم فیہ کا یہاں مطلب غیر ثقہ ہونا نہیں بلکہ صرف یہ ہے کہ اُن کے ثقہ ہونے پر اجماع نہیں بلکہ اختلاف ہے۔ چونکہ جمہور نے اُن کی توثیق کی ہے، لہٰذا وہ حسن الحدیث ہیں۔ ثقہ راوی کی روایت معلول ہو سکتی ہے تو صدوق کی روایت معلول کیوں نہیں ہو سکتی۔

۱۵۷) حلیق: "محدثین کرام کا صرف ثم لا یعود پر اعتراض احناف کے دعویٰ کو غلط ثابت نہیں کر سکتا کیونکہ ان الفاظ کے بغیر بھی صرف الا فی اول مرۃ یا مرۃ واحدہ کے ساتھ بھی ثابت ہوتا ہے۔" (ص ۱۰۸)

ج: ثم لا یعود ہو یا الا فی اول مرہ یا الا مرہ واحدہ مطلب ایک ہی ہے اور یہ سارے الفاظ ثابت نہیں ہیں۔ الا فی اول مرہ پر امام عبداللہ بن المبارک کی جرح ثابت ہے اور الا مرۃ واحدہ پر صاحبِ مشکوۃ نے امام ابوداود کی جرح نقل کر رکھی ہے۔

ثم لا یعود اور اس کے مفہوم کی زیادت (مثلاً الا فی اول مرہ یا الا مرۃ واحدہ) کے باطل ثابت ہو جانے کے بعد آلِ بریلی کے دعوے کی بنیاد ختم ہو جاتی ہے اور ان کی ساری عمارت دھڑام سے گر کر ملیا میٹ ہو جاتی ہے، لہٰذا یہ کہنا کہ ثم لا یعود کے بغیر بھی بریلویوں کا دعویٰ ثابت ہے، باطل ومردود ہے۔

۱۵۸) حلیق: ''مجھے امید ہے کہ انشاء اللہ اس مضمون میں سفیان ثوری کی معنعن روایات پر تمام اشکالات کی وضاحت بخوبی ہوگی ہے۔'' (ص۱۰۹)

ج: اس مضمون (یعنی جدید کتاب) سے فیصل خان صاحب کے اکاذیب وافتراءات میں مزید بہت اضافہ ہو چکا ہے۔ رہا مسئلہ تدلیس الثوری تو وہ اس مسئلے میں نہ تو روایتِ مذکورہ متنازعہ میں تصریحِ سماع ثابت کر سکے ہیں اور نہ ثوری کو تدلیس سے بری ثابت کیا ہے۔

ان کے فلسفیانہ مغالطات اور باطل تاویلات کے مسکت جوابات ہم نے اس کتاب ''انوار الطریق'' میں دے دیئے ہیں اور ان شاء اللہ اسے انٹرنیٹ پر نشر کر دیا جائے گا۔

خلاصۃ التحقیق: سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب حدیثِ ثوری کی سند سفیان ثوری مدلس کے عن (تدلیس) کی وجہ سے ضعیف و مردود ہے اور اصولِ حدیث کا بھی یہی مسئلہ ہے کہ مدلس کی عن والی روایت ضعیف ہوتی ہے، لہٰذا بعض علماء کا اسے جمہور محدثین کے مقابلے میں صحیح قرار دینا غلط ہے۔

نیز دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو: ۶۷ ص ۱۱۔۳۲ (امام سفیان ثوری کی تدلیس اور طبقۂ ثانیہ)

مہمانوں کی کثرت کے باوجود یہ مکمل مضمون صرف تین دنوں میں لکھا گیا ہے۔

والحمد للہ رب العالمین (۱۴/ رمضان ۱۴۳۱ھ بمطابق ۲۵/ اگست ۲۰۱۰ء)

حدیثِ ثوری اور محدثین کی جرح

۱۵۹) حلیق: ''حضرت عبداللہ بن المبارکؒ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی ترک رفع یدین والی حدیث پر خود جرح بھی کی (دیکھئے سنن ترمذی ۱/ ۵۹) مگر حضرت ابن المبارکؒ نے اس حدیث کو خود بھی روایت کیا (دیکھئے سنن نسائی ۱۰۹۱) اب اس جرح کے محل اور وقت کے تعین کے لیے...'' (ص ۱۱۲)

ج: یہاں کسی قسم کا تعارض و تضاد ہرگز نہیں ہے کہ ناسخ و منسوخ یا مقدم و موخر دیکھا جائے۔ اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ سوید بن نصر متاخر شاگرد ہیں تو اس سے راجح مرجوح یا ناسخ منسوخ ثابت نہیں ہوتا۔

تنبیہ: مجھے الکاشف (۱/ ۳۳۰) اور تہذیب التہذیب (۲۸۰/۲؟) میں یہ حوالہ نہیں ملا کہ سفیان بن عبدالملک امام ابن المبارک کے قدیم السماع شاگرد تھے اور سوید بن نصر آخر السماع شاگرد تھے۔ معترض نے بھی اصلِ عبارتیں پیش نہیں کیں اور غالباً وفیات سے خود نتیجہ نکالا ہے۔ واللہ اعلم

۱۶۰) حلیق: ''دوسرا تحقیقی مقام یہ ہے کہ ابن مبارکؒ کا اس حدیث پر جرح کرنا اور پھر خود ہی اس حدیث کو روایت کرنا انکے اقوال میں تعارض ثابت کرتا ہے۔'' (ص ۱۱۳)

ج: اس سے تعارض ہرگز ثابت نہیں ہوتا بلکہ معترض کی مکاری اور چالبازی ثابت ہوتی ہے۔

جب کسی موہوم تعارض کا نام و نشان نہیں تو پھر ''دونوں اقوال ساقط'' قرار دینے کا دعویٰ جھوٹا اور باطل ہے۔

۱۶۱) حلیق: ''کیونکہ یہ حدیث سوید بن نصر اپنے اُستاد ابن مبارک سے روایت کرتے ہیں نہ کہ حضرت ابن المبارک اپنے شاگرد سوید بن نصر سے روایت کرتے ہیں''

(ص۱۱۳-۱۱۴)

ج: میری عبارت کو سمجھنے کی کوشش کریں، میں نے لکھا تھا:

''لہٰذا امام ابن المبارک کا سوید بن نصر کی روایت میں اس حدیث کو بیان کرنا اس حدیث کی تصحیح نہیں ہے اور نہ کسی خیالی موہوم رجوع کی دلیل ہے۔'' (الحدیث:۶۹ ص ۲۵)

اس عبارت میں امام ابن المبارک کو استاذ اور سوید بن نصر کو ان کا شاگرد ظاہر کیا گیا ہے، لہٰذا معترض کا الٹا فہم باطل ہے۔

۱۶۲) حلیق: ''کم از کم یہ تو ثابت ہوتا ہے کہ اُن کے نزدیک یہ روایت صحیح تھی۔''

(ص۱۱۴)

ج: معترض کا یہ دعویٰ بالکل جھوٹا ہے، ورنہ وہ امام ابن المبارک سے اس روایت ترک کا صحیح ہونا صراحتاً ثابت کریں۔ مجرد روایت تصحیح کی دلیل نہیں ہوتی۔

۱۶۳) حلیق: ''امام ابن المبارکؒ کے نزدیک جرح مرجوح ہے۔'' (ص۱۱۴)

ج: جب رجوع ہی ثابت نہیں تو جرح مرجوح کیسے ہوگئی؟ عالمِ خواب سے ذرا باہر آئیں تا کہ آپ کو کچھ نظر آئے اور جھوٹ بولنے کی کوشش نہ کریں۔!

۱۶۴) حلیق: ''اگر آپ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو ترمذی سے ان الفاظ کو ثابت کریں۔'' (ص۱۱۵)

ج: یہ سوال مجھ سے نہیں بلکہ زیلعی اور ابن القطان سے ہے، کیونکہ یہ ابن القطان کی روایت ہے۔ دوسرے یہ کہ معترض نے اسی روایت پر جرح کو تسلیم کر کے مرجوح قرار دینے کی کوشش کی ہے، جو اس کی دلیل ہے کہ وہ اسی روایت پر یہ جرح ثابت سمجھتے ہیں۔

۱۶۵) حلیق: ''جب ابن مبارکؒ کی جرح ہی مرجوع ہے تو...'' (ص۱۱۵)

ج: مرجوح ہونے کی کوئی دلیل نہیں بلکہ یہ حلیقی دماغ کی کھچڑی ہے۔

۱۶۶) حلیق: ''میں نے اپنی کتاب میں ۷۵ محدثین کرام سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث کی تصحیح ثابت کی ہے'' (ص۱۱۶)

ج: جن میں سے دو دیوبندی، کچھ اہلِ حدیث اور بہت سے چودھویں پندرھویں صدی کے علماء ہیں جن کے اقوال کا ہونا یانہ ہونا برابر ہے۔

تفصیل اس مضمون کے بالکل آخر میں آرہی ہے۔ان شاءاللہ

۱۶۷) حلیق: ''جمہور نے مبہم الفاظ کی جرح کورد کیا ہے۔'' (ص ۱۱۷)

ج: ترک رفع یدین کی روایت اصولِ حدیث کی روح سے بھی ضعیف ہےاوراس پر جمہور محدثین مثلاً امام عبداللہ بن المبارک، شافعی، احمد بن حنبل، ابو حاتم الرازی، دارقطنی، ابن حبان، اور ابوداود وغیرہم نے بھی جرح کی ہے، جسے حلیق صاحب مبہم قرار دے کر رد کر رہے ہیں اور خود انور شاہ کاشمیری دیوبندی، شبیر احمد عثمانی دیوبندی، محمد حسن سنبھلی اور نجیب آبادی وغیرہم کو جمہور محدثین قرار دے کر اس روایت کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔کیا انصاف ہے!

۱۶۸) حلیق: ''زبیر علیزئی کو بیان کرنا چاہئے کہ جمہور کسے کہتے ہیں۔'' (ص ۱۱۸)

ج: امام عبداللہ بن المبارک، شافعی، احمد، ابو حاتم، دارقطنی، ابن حبان، ابوداوداور بخاری وغیرہم کو جمہور کہتے ہیں، جبکہ انور شاہ کشمیری، شبیر احمد عثمانی، سنبھلی، نجیب آبادی اور سیالکوٹی وغیرہم کو جمہور نہیں کہتے۔

خاک کو عالَمِ پاک سے کیا نسبت ہے؟!

۱۶۹) حلیق: ''طحاوی خود اپنی کتاب شرح معانی الآثار ۱/۲۲۴،۵۴/۱ میں اس حدیث کی تصحیح کے قائل ہیں۔'' (ص ۱۱۹)

ج: یہ جھوٹ ہے۔

۱۷۰) حلیق: ''میں نے تو ابن ترکمانی ؒ کی کتاب الجوھر النقی ۷۹/۲ کے حوالے سے یہ بات لکھی ہے۔'' (ص ۱۱۹)

ج: ابن الترکمانی کی عبارت میں سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کے بارے میں امام شافعی کے رجوع کا کوئی ذکر نہیں اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی نری لفاظی اور باطل

استدلال ہے۔اپنے ساتھ ابن الترکمانی کو بھی لے ڈوبنے کی کوشش نہ کریں ورنہ پھر یہ مصرع فٹ آجائے گا:

ہم تو ڈوبے ہیں صنم تجھے بھی لے ڈوبیں گے!

نیز دیکھئے فقرہ:۱۵۵

۱۷۱) حلیق: ''زبیر علیزئی کو چاہیے کہ وہ امام محمد بن عبدالباقی الزرقانیؒ سے امام شافعی تک سند پیش کریں تا کہ معاملہ واضح ہو سکے۔'' (ص ۱۲۰)

ج: روایتِ مذکورہ پر امام شافعی کی جرح کتاب الام للشافعی (۲۰۱/۱/۷) میں اشارتاً موجود ہے، اور امام شافعی سے امام بیہقی نے زعفرانی کی سند سے روایت کیا ہے۔

(السنن الکبریٰ ۸۱/۲)

حسن بن محمد الزعفرانی تک بیہقی کی صحیح سند السنن الکبریٰ میں موجود ہے۔(۲۶/۱)

لہٰذا زرقانی سے شافعی تک سند کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اب بتائیں کہ بے سند فقہ حنفی اور ابن فرقد و یعقوب بن ابراہیم وغیرہما مجروحین کی روایات کا کیا بنے گا؟!

۱۷۲) حلیق: ''احناف کا دعویٰ ثم لا یعود کے الفاظ کے بغیر بھی ثابت ہے۔'' (ص ۱۲۱)

ج: سب سے پہلے عرض ہے کہ ثم لا یعود، الا فی اول مرۃ اور اِلا مرۃ واحدہ وغیرہ الفاظ کا مطلب ایک ہی ہے اور انھیں الفاظ پر محدثین کرام نے جرح کی ہے۔ان الفاظ کے بغیر یہ روایت سفیان ثوری نے نہیں بلکہ عبداللہ بن ادریس نے بیان کی ہے اور ہم اعلان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن ادریس کی روایت صحیح ہے، لیکن اس سے احناف اور احناف سے علیحدہ فرقے بریلویہ کا دعویٰ ہرگز ثابت نہیں ہوتا، لہٰذا معترض کا بار بار تکرار کرنا کہ ''بغیر بھی ثابت ہے۔'' جھوٹ اور فراڈ کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔

۱۷۳) حلیق: ''کیونکہ امام احمد بن حنبل نے سفیان بن عیینہ کے بارے میں لکھتے ہیں :-'' (ص ۱۲۲)

ج: بات یہاں سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کی نہیں بلکہ امام احمد کی ہے، اُن کے بارے میں ثابت کریں کہ وہ کبھی کبھار رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ اور اگر ثابت نہ کرسکیں تو پھر اُن کے نزدیک... ناقص ہے۔!

۱۷٤) حلیق: ''یہ الفاظ امام احمدؒ سے ثابت ہی نہیں ہیں۔'' (ص۱۲۲)

ج: یہ الفاظ یقیناً ثابت ہیں، جس کی دو دلیلیں درج ذیل ہیں:

۱: امام بخاری (ان الفاظ کے راوی) زبردست ثقہ امام اور امیر المومنین فی الحدیث تھے۔

۲: جزء رفع الیدین امام بخاری سے بلاشک وشبہ ثابت ہے۔

اچھا! یہ بتائیں کہ امام ابوحنیفہ نے ثم لا یعود یا اس مفہوم کے الفاظ کے بارے میں کیا فرمایا تھا؟ ابن فرقد وغیرہ مجروحین کے حوالے پیش کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ صحیح سند سے ثبوت پیش کریں۔

۱۷۵) حلیق: ''جس سے معلوم ہوا کہ امام احمد اس حدیث کو ثم لا یعود کے الفاظ کے بغیر صحیح مانتے ہیں۔'' (ص۱۲۳)

ج: ترکِ رفع یدین کے الفاظ کے ساتھ ہرگز صحیح نہیں مانتے بلکہ ثم لا یعود، الا فی اول مرۃ یا اِلا مرۃ واحدہ والی روایت کو ضعیف اور امام ابن ادریس والی روایت کو صحیح مانتے ہیں۔

امام ابن ادریس کی روایت سے حنفیہ کا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا بلکہ وہ بے یار و مددگار وادیٔ حسرت میں سرگرداں پھرتے ہیں۔

۱۷٦) حلیق: ''تو معدلین کی تعداد ۵۷ ہے۔'' (ص۱۲۴)

ج: جن میں انور شاہ کشمیری، شبیر احمد عثمانی اور سنبھلی وغیرہم بھی شامل ہیں۔ سبحان اللہ! تفصیل آگے آرہی ہے۔ ان شاء اللہ

۱۷۷) حلیق: ''امام ابوحاتم کی جرح سیدنا ابوحمید الساعدیؓ کی حدیث بالکل اصول کے مطابق ہے۔'' (ص۱۲۵)

ج: جمہور محدثین کے خلاف جرح تو اصول کے مطابق ہوئی اور جو جرح جمہور کے موافق ہے وہ مبہم ہو کر مردود ہے۔ سبحان اللہ! کیا انصاف ہے!!

کچھ تو شرم کریں!

غیرت تھا نام جس کا گئی تیمور کے گھر سے

کیا امام عبدالحمید بن جعفر اور امام محمد بن عمرو بن عطاء رحمہما اللہ دونوں جلیل القدر ثقہ راویوں پر ابن فرقد (ضعیف و مجروح) اور یعقوب بن ابراہیم (ضعیف عندالجمہور) سے زیادہ جرح یا جرح مفسر ہے؟!

جس پر تعصب کی انتہا ہے، اس پر سب کچھ روا ہے

ایک پختون شاعر (حافظ الپوریؒ) نے کیا خوب کہا ہے:

نُور دَ نور بناپیرك ته لیدے نه شی

دے کور چشمه په نُور داغ دَ تهمت ږدی

مفہوم: سورج کی روشنی چمگادڑ نہیں دیکھ سکتا، یہ اندھا (اپنے اندھے پن کی وجہ سے) سورج پر تہمت کا داغ لگاتا ہے۔

۱۷۸) حلیق: ''کیونکہ کسی بھی محدث کے قول سے سفیان ثوری کا اعتراض منقول نہیں ہے۔'' (ص ۱۲۶)

ج: امام شافعی رحمہ اللہ نے مدلس راوی کے بارے میں یہ اصول سمجھایا ہے کہ اس کی غیر مصرح بالسماع روایت غیر مقبول ہوتی ہے۔ اس اصول سے روایتِ مذکورہ ضعیف ہے، کیا امام شافعی محدّث نہیں تھے؟ کچھ تو غور کریں، اگر ہم عرض کریں گے تو شکایت ہوگی!

۱۷۹) حلیق: ''امام دارقطنی اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں...'' (ص ۱۲۷)

ج: اس پر بحث پہلے گزر چکی ہے، تاہم بطورِ قند مکرر عرض ہے:

امام دارقطنی نے فرمایا:

''... و كذلك رواه ابن إدريس عن عاصم بن كليب عن عبدالرحمٰن بن

الأسود عن علقمة عن عبد الله . و إسناده صحيح ،
و فيه لفظة ليست بمحفوظة ذكرها أبو حذيفة في حديثه عن الثوري و هي
قوله : ثم لم يعد ... " (العلل الواردہ ۵/۱۷۲۔۱۷۳)

اس عبارت میں امام دارقطنی نے امام عبداللہ بن ادریس کی بیان کردہ حدیث کو "و إسناده صحيح" کہا ہے، امام سفیان ثوری کی حدیث کو نہیں کہا اور پھر سفیان ثوری سے ابوحذیفہ راوی کی روایت کو غیر محفوظ (ضعیف) کہا ہے۔
امام دارقطنی نے ثوری کی روایت پر بحث کرتے ہوئے فرمایا: اور احمد بن حنبل ... نے وکیع سے اسے روایت کیا تو لم یعد کے الفاظ نہیں کہے۔

امام احمد کی روایت مسند احمد (۱/۴۴۲ ح ۴۲۱۱) میں "...فرفع يديه في أول" کے الفاظ سے ہے، اس کی سند بھی سفیان ثوری کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے اور معترض کا دعویٰ بھی ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اس میں بعد والے رفع یدین کی نفی یا انکار نہیں ہے۔
متن کے اس تعارض پر بھی غور کر لیں تو آپ لوگوں کے لئے بہتر رہے گا۔ ان شاء اللہ

۱۸۰) حلیق: "میری عرض ہے کہ "فيه لفظة" کے الفاظ کیوں حذف کر دیے اور یہ الفاظ کس روایت کے بارے میں ہے؟" (ص ۱۲۸)

ج: اختصار کے لئے حذف کئے تھے، کیونکہ ابن ادریس کی "اسنادہ صحیح" والی روایت سے ان کا کوئی تعلق نہیں تھا اور یہ الفاظ ابو حذیفہ کی سفیان ثوری سے روایت کے بارے میں ہیں، جو کہ ضعیف روایت ہے۔

۱۸۱) حلیق: "اس بات کا تو اقرار کر لیں کہ یہ حدیث "ثم لا یعود" کے بغیر بھی سنداً اور متناً صحیح ہے۔" (ص ۱۲۸)

ج: اس میں کوئی شک نہیں کہ ثوری کی یہ معنعن روایت سنداً بالکل ضعیف ہے، قطعاً صحیح نہیں اور اس کا متن: ثم لا یعود، لم یرفع إلا فی اول مرۃ، الا مرۃ واحدہ یا اس مفہوم کے ساتھ بالکل ضعیف و مردود ہے۔ امام ابن ادریس کی بیان کردہ حدیث بالکل صحیح ہے، لیکن اس میں

ترکِ رفع یدین کا نام ونشان نہیں اور ثوری کی جس روایت میں ترکِ رفع یدین کا نام ونشان یا اشارہ تک نہیں ہے اگر اسے ابن ادریس کی روایت کے شاہد سے صحیح تسلیم کرلیا جائے تو معترض کے لئے کوئی فائدہ نہیں ہے۔

۱۸۲) حلیق: ''دیگر ازاں حافظ ابن حبان کی جرح مبہم ہی ہے۔'' (ص۱۳۱)

ج: مختلف قسم کی لفاظی کے بعد معترض نے دوبارہ حافظ ابن حبان کی جرح کو مبہم قرار دیا، حالانکہ حدیث کے صحیح اور ضعیف ہونے کا دار و مدار محدثین کرام پر ہے اور اگر روایت میں علتِ قادحہ موجود ہو پھر محدثین کرام کے درمیان اختلاف ہو تو دو کے مقابلے میں بیس کو ترجیح دینا ضروری ہے اور یہی وہ بات ہے جسے ہم کہتے ہیں کہ جمہور محدثین نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

جب جرابوں پر مسح والی روایت ہو یا سینے پر ہاتھ باندھنے والی حدیث تو ان لوگوں کے نزدیک محدثین کی جرح مفسر بن جاتی ہے اور ترکِ رفع یدین میں غیر مفسر۔

جب محمد بن اسحاق بن یسار، مومل بن اسماعیل یا عیسیٰ بن جاریہ کا معاملہ ہو تو ان لوگوں کے نزدیک بعض محدثین کی جرح جرح مفسر بن جاتی ہے، لیکن ابن فرقد شیبانی اور قاضی ابو یوسف وغیرہما پر جمہور محدثین کی جرح غیر مفسر ہوتی ہے۔ سبحان اللہ!

۱۸۳) حلیق: ''کہ امام ابوداود کی یہ جرح منسوخ و مرجوع ہے اور...'' (ص۱۳۱)

ج: ہرگز نہیں۔

امام ابوداود کی جرح ثابت ہے اور اس کی مخالفت یا رجوع قطعاً ثابت نہیں۔ بعض نسخوں میں ہونا اور بعض میں نہ ہونا منسوخ یا مرجوح ہونے کی دلیل نہیں ہوتا۔

محترم محمد رفیق طاہر صاحب (ملتان) کی طرف سے سنن ابی داود کے دو مخطوطوں میں حدیثِ مذکور کے صفحات موصول ہوئے، جن میں اس پر امام ابوداود کی جرح مذکور ہے:

۱: ابوعلی محمد بن احمد بن عمر اللؤلؤی کا نسخہ

اس میں ترکِ رفع یدین والی حدیث مذکور کے متصل بعد متن میں لکھا ہوا ہے:

" قال ابو داود هذا حديث مختصر من حديث طويل وليس هو بصحيح علٰى هذا اللفظ "

۲: ابوبکر محمد بن بکر بن محمد بن عبدالرزاق التمار البصری عرف ابن داسہ کا نسخہ اس میں اس روایت کے متصل بعد متن میں لکھا ہوا ہے:

قال ابو داود هذا حديث مختصر من حديث طويل وليس هو بصحيح على هذا المعنٰى "

اور حاشیے میں "المعنٰی" کے نیچے "اللفظ" لکھا ہوا ہے۔

یہ دونوں وہ شاگرد ہیں جنھیں فیصل خان حلیق صاحب نے متاخر (یعنی آخری) شاگردوں میں ذکر کیا ہے۔ (...جائزہ ص ۲۳)

ان مخطوطوں کی معلومات کے لئے رابطہ:

Rafiqtahir2000@gmail.com

Phon No. 0321-7302283

ثابت ہوا کہ امام ابوداود کی جرح کو منسوخ یا مرجوح سمجھنا باطل اور فراڈ ہے۔

۱۸۴) حلیق: "علامہ ذہبیؒ کے پاس سنن ابی داوٗد کا جو نسخہ ہے۔ اس میں یہ الفاظ جرح موجود نہیں ہیں۔" (ص ۱۳۳)

ج: تو کیا ہوا؟ ابن الجوزی وغیرہ کے نسخوں میں تو یہ الفاظ موجود ہیں اور خود سنن ابی داود کے دو قلمی نسخوں میں یہ الفاظ موجود ہیں تو پھر انکار کیسا؟!

باب في من لم يذكر الرفع عند الركوع
حدثنا ابوداود قال نا عثمان بن ابي شيبة قال نا
وكيع عن سفيان عن عاصم يعني ابن كليب عن عبدالرحمان

ابن الاسود عن علقمة قال قال عبدالله بن مسعود الا اصلي بكم
صلاة رسول الله صلى الله عليه قال فصلى فلم يرفع يديه الا مرة.
قال ابوداود هذا حديث مختصر من حديث طويل وليس
هو بصحيح على هذا اللفظ. حدثنا ابوداود قال نا

۱۸۵) حلیق: ''امام ابوداوٗد سے جرح ان کے قدیم شاگرد ابن العبد الانصاریؒ سے منقول ہے۔'' (ص ۱۳۴)

ج: اس کی دلیل پیش کریں۔ دوسرے یہ کہ ابن داسہ اور لؤلؤی کے نسخوں میں بھی یہ جرح موجود ہے۔ دیکھئے فقرہ نمبر ۱۸۲۔۱۸۳

فیصل خان صاحب! دھوکا دینا اور فراڈ کرنا بہت بُری بات ہے اور دینی اُمور میں تو یہ جرمِ عظیم ہے جس کا خمیازہ مرنے کے بعد بھگتنا پڑے گا۔ ان شاء اللہ

۱۸۶) حلیق: ''محدث مغلطائی کو جمہور محدثین نے ثقہ لکھا ہے۔'' (ص ۱۳۵)

ج: بالکل جھوٹ ہے۔

فیصل خان صاحب نے جتنے بھی حوالے لکھے ہیں مثلاً انتهت اليه رئاسة الحديث في زمانه... العلامة الحافظ المحدث المشهود، وغیرہ تو کسی ایک میں بھی صریح توثیق نہیں ہے۔

پہلا حوالہ حافظ ابن حجر کی تعجیل المنفعہ میں نہیں ملا، بلکہ لسان المیز ان میں ملا ہے۔

(ج ۷ ص ۱۷، دوسرا نسخہ ج ۶ ص ۷۳)

تعجیل المنفعہ میں تو مغلطائی کے بارے میں لکھا ہوا ہے کہ ''و فيه له أوهام كثيرة'' اور اس کتاب (اکمال تہذیب الکمال) میں اسے کثرت سے اوہام ہوتے ہیں۔ (ص ۲۱)

اورلسان المیزان میں اس کے ''اوھام شنیعہ'' کی صراحت ہے۔
ابن فہد المکی نے لکھا ہے:
" غیر أنه ادعی السماع من جماعة قدماء ماتوا قبل هذا کالدمیاطی و ابن دقیق العید و ابن الصواف و وزیرة ابنة المنجا و تکلم فیه الجها بذة من الحفاظ لأجل ذلك ببراهین واضحة ... "
سوائے اس کے کہ اس نے قدیم لوگوں کی ایک جماعت سے سماع کا دعویٰ کیا جو اس سے پہلے فوت ہو چکے تھے، مثلاً دمیاطی ، ابن دقیق العید، ابن الصواف اور وزیرہ بنت المنجا. اور ماہر حفاظِ حدیث نے اس وجہ سے واضح دلائل کے ساتھ اس پر کلام کیا ہے۔

(لحظ الالحاظ ص ۱۳۶)

اس جرح سے تو مغلطائی کی عدالت ہی ساقط ہوگئی، کیونکہ ایسے لوگوں سے سماع کا دعویٰ کرنا، جن سے سماع نہیں ہے، کذاب لوگوں کا کام ہے۔
زرکلی عصرِ حاضر کا ایک گمراہ شخص تھا اور باقی حوالے (جن میں توثیق کا نام ونشان تک نہیں) چیک کر کے وہاں سے جرح نقل کرنے کی ہمارے پاس فرصت نہیں، صرف امام ابن ناصر الدین کے حوالے کے بارے میں فیصل خان کی خیانت ظاہر کرتا ہوں:
امام ابن ناصر الدین نے اگرچہ مغلطائی کے بارے میں " و کان معدودًا فی الحفاظ المصنفین " لکھا ہے مگر اس سے چند سطریں پہلے درج ذیل عبارت بھی لکھی ہے، جسے فیصل خان نے چھپا لیا ہے:
" و روی عن أبی الفتح بن دقیق العید و أبي محمد الدمیاطي و وزیرة وغیرهم ممن ادعی منهم السماع فلم تصحّ روایته عنهم لأنه ما سمع منهم" اور اس نے ابوالفتح بن دقیق العید، ابومحمد الدمیاطی اور وزیرہ وغیرہم سے روایت کی، اُن میں سے جن سے سماع کا دعویٰ کیا، پس اس کی ان سے روایت صحیح نہیں ہوتی، کیونکہ اُس نے ان سے نہیں سنا۔ (التبیان لبدیعۃ البیان ج ۳ ص ۱۴۹۷، مطبوعہ دار النوادر)

ابن ناصرالدین نے مغلطائی کی ایک کتاب کے بارے میں فرمایا:

"و في آخره - كما ذكر ابن رجب المقرئ - اثبات تغزل تدلّ على استهتارٍ و ضعف فى الدين ..."

اوراس کے آخر میں۔جیسا کہ ابن رجب مقری نے بیان کیا: عشق بازی کا اثبات ہے جو (اس کے) دین کی کمزوری اور بیہودگی پر دلالت کرتا ہے۔

(التبیان ج ۳ ص ۱۴۹۸، شعر ۸۸ فقرہ: ۱۲۱۱)

ثابت ہوا کہ مغلطائی ثقہ نہیں بلکہ غیر ثقہ تھا اوراپنی عشق معشوقی والی حرکتوں کی وجہ سے دین میں بھی بہت کمزور تھا۔اے اللہ! ہمیں معاف فرمادے۔(آمین)

۱۸۷) حلیق: ''اوردلائل کا انبار پیش کیا تھا۔'' (ص ۱۳۷)

ج: اس انبار میں اپنی خیانتیں،اکاذیب اورافتراءات بھی شمار کرلیں، پھر توبہ کرکے آئندہ اصلاح کی کوشش کریں۔

۱۸۸) حلیق: ''بلکہ حافظ مغلطائی'' کے قول کی بنیاد پر امام ابوداود کی جرح کو مرجوح قراردیاہے۔'' (ص ۱۳۹)

ج: اور مغلطائی کا غیر ثقہ ہونا انھیں کتابوں سے ثابت ہے، جہاں سے فیصل خان صاحب نے توثیق پیش کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔دیکھئے فقرہ نمبر ۱۸۵

۱۸۹) حلیق: ''اعتراض صرف ثم لا یعود کے الفاظ پر ہیں'' (ص ۱۴۱)

ج: ثم لا یعود یا الا فی اول مرہ کا مطلب ایک ہی ہے۔اس مفہوم کے بغیر روایت ابن ادریس کی ہے جو کہ صحیح ہے۔

چارپائی پر جس طرح سے بھی لیٹیں ''لک وِچکار'' ہی آتا ہے۔

۱۹۰) حلیق: ''وگرنہ امام بزارؒ کا نام جارحین میں نہ شمار کریں۔'' (ص ۱۴۳)

ج: یہ اعتراض حافظ ابن عبدالبر پر ہے۔دوسرے یہ کہ مسند البزار میں سفیان ثوری کی روایت نہیں ملی،لہٰذا جب تک اصل کتاب کا مکمل مخطوطہ دستیاب نہ ہو حتمی فیصلہ ناممکن ہے۔

تیسرے یہ کہ البحر الزخار (۵/۴۶-۴۷ ح ۱۶۰۸) میں بزار نے عبداللہ بن ادریس والی روایت کی طرف اشارہ کیا ہے جس میں ترکِ رفع یدین نہیں بلکہ " أنه رفع يديه في أول تكبيرة " کے الفاظ لکھے ہوئے ہیں۔

پہلی تکبیر میں رفع یدین تو اہلِ حدیث بھی کرتے ہیں، لہٰذا اضطراب کا دعویٰ محلِ نظر ہے اور صحیح یہ ہے کہ ثوری والی روایت ضعیف ہے اور ابن ادریس والی روایت ضعیف نہیں بلکہ صحیح ہے۔

۱۹۱) حلیق: ''ابن وضاح کی جرح مضر ہی نہیں کیونکہ ان کی جرح ثم لا یعود کے الفاظ پر ہے۔'' (ص۱۴۳)

ج: ثم لا یعود کا مطلب ہے کہ پھر دوبارہ نہیں کیا۔ معلوم ہوا کہ جس روایت میں دوبارہ رفع یدین نہ کرنے کا ذکر ہے وہ ابن وضاح کے نزدیک ضعیف ہے، چاہے ثم لا یعود کے الفاظ ہوں یا اس مفہوم کے کوئی الفاظ (مثلاً إلا فی اول مرۃ) ہوں۔

۱۹۲) حلیق: ''دوم کچھ محدثین کرام کو جمہور کہنا ہی غلط ہے۔'' (ص۱۴۶)

ج: دو تین کے مقابلے میں ابن المبارک، شافعی، احمد، ابو حاتم، دارقطنی، ابن حبان اور ابو داود وغیرہم جمہور نہیں تو پھر کیا ہیں؟

۱۹۳) حلیق: ''اس لیے امام بخاریؒ نے اس حدیث پر کسی ایک راوی پر بھی جرح نہیں کی بلکہ دیگر محدثین سے ثم لا یعود کی زیادتی پر اعتراض کیا۔'' (ص۱۴۶)

ج: امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: ہم نے حجاز عراق کے جتنے محقق علماء کو پایا ہے (مثلاً) ان میں عبداللہ بن الزبیر (الحمیدی) علی بن عبداللہ بن جعفر (المدینی) یحییٰ بن معین، احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ ہیں، یہ اپنے زمانے کے (بڑے) علماء تھے۔ ان میں سے کسی ایک کے پاس بھی ترک رفع یدین کا علم نہ تو نبی ﷺ سے (ثابت) ہے اور نہ نبی ﷺ کے کسی صحابی سے کہ اس نے رفع یدین نہیں کیا۔ (جزء رفع الیدین: ۴۰)

امام بخاری نے مزید فرمایا: اور نبی ﷺ کے صحابہ میں سے کسی ایک سے بھی یہ ثابت

نہیں کہ وہ رفع یدین نہیں کرتے تھے..الخ (جزء رفع الیدین:۷۶)

اس سے بھی یہ ثابت ہوا کہ امام بخاری حدیثِ ثوری کو غیر ثابت یعنی ضعیف سمجھتے تھے۔

۱۹۴) حلیق: ''ثم لا یعود کے بغیر کیا فائدہ پہنچتا ہے اس کا نتیجہ ہم پر رہنے دیں۔'' (ص۱۴۷)

ج: ثم لا یعود، الا فی اول مرہ اور اِلا مرۃ واحدہ یا اس مفہوم کی تمام روایات ایک ہی ہیں اور یہ سب ضعیف ہیں۔ اس مفہوم کے بغیر (جیسے ابن ادریس کی روایت ہے) کا نتیجہ ہم آپ پر چھوڑ دیتے ہیں۔ شاباش! جلدی فیصلہ کریں مگر یاد رکھیں کہ اس سے ترک ثابت نہیں ہوگا۔ جب دوبارہ نہ کرنے کی صراحت نہیں تو پھر بریلوی مذہب کہاں سے ثابت ہوگا؟!

صحیحین کی متفق علیہ احادیث کو چھوڑ کر ضعیف روایات کے پیچھے کیوں بھاگ رہے ہیں؟!

۱۹۵) حلیق: ''لہٰذا عبدالحق الاشبیلی کی جرح قابل قبول نہیں ہے۔'' (ص۱۴۹)

ج: ثقہ مدلس کی عن والی ضعیف روایت کے بارے میں عبدالحق اشبیلی کی جرح قابلِ قبول بلکہ بالکل صحیح ہے۔

۱۹۶) حلیق: ''میں یہاں پر یہ بھی عرض کردوں کہ فوقیت ہمیشہ اصول کی ہوتی ہے۔'' (ص۱۴۹)

ج: بالکل تسلیم ہے اور اصولِ حدیث کا مشہور مسئلہ ہے (جسے عباس رضوی صاحب نے بھی تسلیم کیا ہے) کہ مدلس کی عن والی روایت ضعیف ہوتی ہے (نیز دیکھئے فقرہ:۶۷)

لہٰذا سفیان ثوری کی روایت معنعن ضعیف ہے۔

دوسرے یہ کہ جمہور محدثین نے بھی اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے اور ہم اسے بطورِ تائید اور ترجیح سلف صالحین پیش کرتے ہیں۔

۱۹۷) حلیق: ''لہٰذا ابن قیم کی مبہم جرح قابل رد جبکہ ان کی مفسر تعدیل قابل قبول

ہوگی۔‘‘ (ص۱۵۱)

ج: مرضی کی روایت کو مفسر اور مخالف کی روایت کو مبہم کہہ کر رد کرنے والے اصل میں میٹھا میٹھا ہپ اور کڑوا کڑوا تھو پر گامزن ہیں۔

۱۹۸) حلیق: ’’...لکھا تھا کہ امام نووی کا دعویٰ اجماع صحیح نہیں جبکہ جمہور محدثین کرام اس حدیث کے قائل ہیں۔‘‘ (ص۱۵۱)

ج: ’’جمہور محدثین حدیثِ ترک کو صحیح سمجھتے ہیں‘‘ یہ بالکل جھوٹ ہے۔

نووی کے دعویٔ اجماع کا مطلب جمہور کی تضعیف ہے جیسا کہ قرائن سے ثابت ہے۔

۱۹۹) حلیق: ’’میں نے اپنی کتاب میں تقریباً ۷۵ محدثین کرام سے اس حدیث کی تصحیح بھی ثابت کی ہے۔‘‘ (ص۱۵۲)

ج: سب جھوٹ اور فراڈ ہے۔

اس کے تفصیلی رد کے لئے اس مضمون کا آخری حصہ دیکھیں۔

۲۰۰) حلیق: ’’الحمد اللہ فقہ حنفی روایتاً ودرایتاً دونوں طریق سے ثابت ومدون ہے۔‘‘ (ص۱۵۳)

ج: بالکل جھوٹ ہے۔ قدوری اور ہدایہ وغیرہما بے سند کتابیں ہیں، لہٰذا مردود ہیں اور ابن فرقد ویعقوب بن ابراہیم دونوں ضعیف ہیں، لہٰذا اُن کے حوالے بھی مردود وباطل ہیں، باقی جو کچھ بچا وہ بے سند یا نادر کے حکم میں ہے۔

۲۰۱) حلیق: ’’لہٰذا یہ ثابت ہوتا ہے کہ امام مروزیؒ کے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے۔‘‘ (ص۱۵۴)

ج: جھوٹ ہے۔ ورنہ حوالہ پیش کریں!

۲۰۲) حلیق: ’’عرض ہے کہ جب تک جرح مفسر پیش نہ کی جائے گی تب تک جرح قابل قبول نہ ہوگی۔‘‘ (ص۱۵۵)

ج: جرح مفسر (تدلیس ثوری) بھی ہے، جیسا کہ اصولِ حدیث کا مسئلہ ہے اور جمہور کی تضعیف بھی ہے۔ معترض کے اس قول سے یہ ظاہر ہے کہ ابن قدامہ نے حدیث مذکور کو ضعیف کہا ہے۔

۲۰۳) حلیق: ''اور دوسرا جمہور محدثین ثم لا یعود کے بغیر بھی اس حدیث کو صحیح مانتے ہیں۔'' (ص ۱۵۵)

ج: اگر بغیر سے مراد ابن ادریس کی حدیث ہے تو صحیح ہے اور اگر اس سے مراد ترکِ رفع یدین ہے تو بالکل جھوٹ ہے۔

معترض سے درخواست ہے کہ اپنے جھوٹ گن لیں۔

۲۰۴) حلیق: ''کیونکہ الحمد اللہ ہمارا دعویٰ بغیر ثم لا یعود کے الفاظ بھی ثابت ہے۔'' (ص ۱۵۶)

ج: ہرگز ثابت نہیں، لہٰذا بار بار طوطے کی طرح رٹ لگا کر دھوکا نہ دیں۔

۲۰۵) حلیق: ''کہ اس حدیث کو صحیح ماننا امام ترمذیؒ اور ابن حزم کے قول پر نہیں بلکہ اصول حدیث و جرح و تعدیل کی بنیاد پر ہے۔'' (ص ۱۵۶)

ج: اصولِ حدیث اور جرح و تعدیل کی رُو سے روایتِ مذکورہ مردود ہے، کیونکہ ثوری مشہور مدلس ہیں اور تصریحِ سماع ثابت نہیں۔

نیز دیکھئے میرا مضمون: اصولِ حدیث اور مدلس کی عن والی روایت کا حکم

اگر ترمذی اور ابن حزم کی تصحیح سے آپ لوگ دست بردار ہوتے ہیں تو پھر نووی کا دعویٰ اجماعِ صحیح ثابت ہو جاتا ہے۔ کیا خیال ہے؟!

۲۰۶) حلیق: ''کیونکہ اس میں کوئی مفسر علت یا کوئی ضعیف راوی موجود نہیں ہے۔'' (ص ۱۵۶)

ج: اس میں علتِ قادحہ موجود ہے اور وہ سفیان ثوری امام کا عنعنہ ہے۔

آپ اپنی ساری کتاب میں صفحہ نمبر ۱ سے صفحہ نمبر ۱۵۷ (اختتام) تک ان کے سماع کی تصریح

ثابت نہیں کر سکے اور پھر بھی ایسی باتیں لکھ رہے ہیں۔ سبحان اللہ!

۲۰۷) حلیق: ''محققانہ جائزہ ص ۱۲۲ سے ص ۱۲۷ تک ۵۷ محدثین کرام وعلماء سے اس حدیث کی تصحیح ثابت کی ہے۔'' (ص ۱۵۶)

ج: چودھویں پندرھویں صدی کے آلِ دیو بند وغیرہ کو ملا کر ۵۷ کے اس عدد کا جائزہ آئندہ صفحات پر آرہا ہے۔ ان شاء اللہ

لطیفہ: فیصل خان صاحب کو اپنی کتاب کا نام بھی بھول گیا ہے۔ ''محققانہ تجزیہ'' کو ''محققانہ جائزہ'' لکھ دیا ہے۔!

انھیں چاہئے کہ اپنے باب التاویلات سے کوئی باطل تاویل نکال کر یہاں بھی اپنے عمل کی کوئی توجیح پیش کریں۔!

۲۰۸) حلیق: ''امام بخاری سے منسوب جزء رفع یدین'' (ص ۱۵۶)

ج: یہ منسوب نہیں بلکہ ثابت شدہ کتاب ہے جیسا کہ نور العینین اور جزء رفع الیدین (مترجم) کے شروع میں ثبوت پیش کر دیا گیا ہے۔

۲۰۹) حلیق: ''اگر اس کے بعد بھی کوئی تحقیقی اعتراض سامنے آئے گا تو انشاء اللہ اصول کی روشنی میں حتی الامکان صحیح جواب دینے کی کوشش جاری رہیں گیں۔'' (ص ۱۵۶)

ج: ﴿ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ . ﴾

''اور اگر تم پھر شرارت کرو گے تو ہم پھر سزا دینگے اور نہ فائدہ پہنچائے گی تمھیں تمھاری جماعت کچھ بھی چاہے اس کی تعداد بہت زیادہ ہو اور یقیناً اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کے ساتھ ہے۔'' (الانفال: ۱۹، ضیاء القرآن ج ۲ ص ۱۳۸)

وما علینا إلا البلاغ (۲۶/ اگست ۲۰۱۰ء)

❁❁❁

اکاذیب الحلیق

فیصل خان حلیق بریلوی رضاخانی نے محمد خان قادری بریلوی اور غلام مصطفیٰ نوری بریلوی وغیرہما کی چھتری کے نیچے ''جمہور محدثین کرام اور حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی تصحیح'' کے عنوان سے ستاون (۵۷) نام اور گول مول حوالے لکھے ہیں۔ دیکھئے ...محققانہ تجزیہ (ص۱۲۲۔۱۲۷)

ان میں سے پچیس (۲۵) حوالے تیرھویں چودھویں صدی کے ہیں:

۱: عابد سندھی (۲۵)

۲: ہاشم سندھی (۲۶)

۳: عبداللطیف سندھی (۲۷)

۴: وصی احمد سورتی (۲۸)

۵: نذیر حسین دھلوی (۳۰)

۶: احمد شاکر (۳۱)

۷: نیموی (۳۳)

۸: انور شاہ کشمیری دیوبندی (۳۴)

۹: شعیب ارناووط (۳۵)

۱۰: زہیر شاویش (۳۶)

۱۱: عطاء اللہ حنیف (۳۷) حوالہ غلط ہے۔

۱۲: عبداللہ پنجابی (۳۸)

۱۳: شبیر احمد عثمانی دیوبندی (۳۹)

۱۴: البانی (۴۰)

۱۵: سندھی (۴۱)

۱۶: لکھنوی (۴۲)

۱۷: ابراہیم سیالکوٹی (۴۳)

۱۸: ڈاکٹر ابن عون (۴۴)

۱۹: عبدالمعطی قلعجی (۴۷)

قلت : أخبرني أبو أيوب البرقوي قبل أن يختلط، قال قال عبد الله بن يوسف الجديع العراقي :عبدالمعطي قلعجي ليس بثقة .

و أخبرني عبد الأول بن حماد بن محمد الأنصاري عن أبيه أنه كان ينكر أشد الإنكار علٰى عمل القلعجي فى الإستذكار و التمهيد والسنن والآثار و يقول : " ان القلعجي خرب هذه الكتب "

و أخبرني عبد الأول عن أبيه قال : " كل الكتب التي يطبعها القلعجي وهو العربجي لا تصلح ، لا بدّ أن يعاد تحقيقها و تعاد و طباعتها . "

(وانظر المجموع فی ترجمۃ حماد الانصاری ۲/۵۶۷، ۵۹۴)

خلاصہ یہ کہ عبدالمعطی قلعجی ثقہ نہیں بلکہ ضعیف ہے۔

۲۰: ہاشم عبداللہ یمانی (۴۸)

۲۱: عبدالقادر ارناووط (۴۹)

۲۲: طاہر محمد دریری (۵۰)

۲۳: حسین سلیم اسد (۵۱)

۲۴: محمد حسن سنبھلی (۵۳)

۲۵: محمد صدیق نجیب آبادی (۵۷)

ستاون میں سے پچیس (۲۵) باہر نکلے تو باقی رہ گئے :۳۲

ان بتیس (۳۲) میں سے اٹھارہ حوالے غلط اور جھوٹ ہیں، کیونکہ محولہ کتابوں میں تصحیح

موجود نہیں:

۱: طحاوی (۱)

۲: ابوداود (۳)

۳: نسائی (۴)

۴: ابوبکر بن ابی شیبہ (۵)

۵: احمد بن حنبل (۶)

۶: ابویعلی موصلی (۱۰)

۷: سحنون بن سعید (۱۲)

۸: زیلعی حنفی! (۱۷)

۹: ابن حجر (۱۸)

۱۰: بوصیری (۱۹)

۱۱: سیوطی (۲۱)

۱۲: ابن دقیق العید (۲۲)

۱۳: ابن قیم (۲۳)

۱۴: منذری (۲۴)

۱۵: ابن کثیر (۴۶)

۱۶: ذہبی (۵۴)

۱۷: ابن رشد (۵۵)

۱۸: ابن عبدالہادی (۵۶)

۳۲ میں سے ۱۸ باہر نکلے تو باقی رہ گئے: ۱۴

ان میں سے دارقطنی (۸) ابن القطان (۹) نے ترکِ رفع یدین والی روایت کو صحیح نہیں کہا، لہٰذا باقی رہ گئے: ۱۲

ابن الترکمانی (۱۳) مغلطائی: ضعیف غیر ثقہ (۱۴) عینی (۱۵) قاسم بن قطلو بغا: مجروح (۱۶) ابن ہمام (۲۹) ملا علی قاری (۳۲) اور مرتضی زبیدی (۴۵) حنفی یعنی فریقِ مخالف تھے، لہٰذا اگر ان سے تصحیح ثابت بھی ہو تو امام عبداللہ بن المبارک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور امام بخاری وغیرہم کے مقابلے میں مردود ہے۔

باقی بچے ۵

اصل کتاب میں گیارہ (۱۱) نمبر اور بیس (۲۰) نمبر موجود ہی نہیں ہیں، جبکہ فیصل خان صاحب ۵۷ کی رٹ لگا رہے ہیں۔ سبحان اللہ!

باقی بچے ۳

طوسی کے حوالے کی تحقیق باقی ہے۔

تین یا چار حوالوں کو لے کر فیصل خان حلیق نور العینین میں مذکورہ جمہور محدثین مثلاً: (۱) عبداللہ بن المبارک (۲) شافعی (۳) احمد بن حنبل (۴) ابو حاتم الرازی (۵) دارقطنی (۶) ابن حبان (۷) ابو داود (۸) یحییٰ بن آدم اور امام بخاری وغیرہم کی مخالفت کرتے ہیں اور دعویٰ یہ ہے کہ جمہور اُن کے ساتھ ہیں۔ سبحانك هذا بهتان عظيم.

(۲۶/ اگست ۲۰۱۰ء)

طاہر القادری صاحب اور موضوع روایات کی ترویج

یہ بات بالکل سچ اور حق ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لا تکذبوا عليّ فإنه من کذب عليّ فليلج النار .)) مجھ پر جھوٹ نہ بولو! کیونکہ بے شک جس نے مجھ پر جھوٹ بولا تو وہ (جہنم کی) آگ میں داخل ہوگا۔

(صحیح بخاری، کتاب العلم باب اثم من کذب علی النبي ﷺ ح ۱۰۶، صحیح مسلم: ۱)

ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((من حدّث عني بحديث يرى أنه کذب فهو أحد الکاذبين .)) جس نے مجھ سے ایسی حدیث بیان کی جس کا جھوٹ ہونا معلوم ہو، تو وہ شخص جھوٹوں میں سے ایک (یعنی جھوٹا) ہے۔

(صحیح مسلم قبل ح ۱، ترقیم دار السلام: ۱)

ان احادیث اور دیگر دلائل کو مدنظر رکھ کر علمائے کرام نے فرمایا کہ موضوع (جھوٹی، من گھڑت) روایت کا بیان کرنا حلال نہیں ہے۔ حافظ ابن الصلاح نے فرمایا:

" اعلم أن الحديث الموضوع شر الأحاديث الضعيفة ولا تحل روايته لأحد علم حاله في أي معنى کان إلا مقروناً ببيان وضعه " جان لو! کہ بے شک موضوع حدیث ضعیف احادیث میں سب سے بُری ہوتی ہے اور حال معلوم ہونے کے بعد کسی شخص کے لئے اسے روایت کرنا حلال نہیں ہے، چاہے جس معنی میں (بھی) ہو، ماسوائے اُس کے موضوع ہونے کا ذکر ساتھ بیان کر دیا جائے۔

(مقدمہ ابن الصلاح مع التقیید والایضاح ص ۱۳۰۔۱۳۱، دوسرا نسخہ ص ۲۰۱)

مگر افسوس ہے اُن لوگوں پر جو احادیث نبویہ اور آثارِ صحیحہ کے باوجود جھوٹی اور بے اصل روایتیں مزے لے لے کر بیان کرتے ہیں اور آخرت کی پکڑ سے ذرا بھر بھی نہیں ڈرتے۔

ایک طویل حدیث میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خواب میں دیکھا: ایک شخص کی باچھیں چیری جارہی ہیں۔ (دیکھئے صحیح بخاری:۱۳۸۶)

یہ عذاب اس لئے ہورہا تھا کہ وہ شخص جھوٹ بولتا تھا، لہٰذا آپ غور کریں کہ رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ بولنے یا جھوٹ پھیلانے والے کو کتنا بڑا عذاب ہوگا؟!

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''و إیا کم و الکذب ''اور (تم سب) جھوٹ سے بچ جاؤ۔ (صحیح مسلم:۲۶۰۷، ترقیم دارالسلام:۶۶۳۹)

حافظ ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم الاندلسی (متوفی ۴۵۶ھ) نے لکھا ہے:

''و أما الوضع في الحدیث فباق ما دام إبلیس و أتباعه في الأرض ''

اور اس وقت تک وضعِ حدیث (کا فتنہ) باقی رہے گا، جب تک ابلیس اور اُس کے پیروکار رُوئے زمین پر موجود ہیں۔ (المحلی ج۹ ص۱۳ مسألہ:۱۵۱۴)

معلوم ہوا کہ شیطان اور اُس کے چیلوں کی وجہ سے جھوٹی روایات گھڑنے اور ان کے پھیلانے کا فتنہ قیامت تک باقی رہے گا، لہٰذا ہر انسان کو اپنے ایمان کی فکر کرنی چاہئے اور اپنی خیر منانی چاہئے، کہیں ایسا نہ ہو کہ ٹھکانا جہنم مقرر کر دیا گیا ہو اور بندہ اپنے آپ کو بڑا نیک، جنتی، مبلغ اور عظیم سکالر سمجھتا رہے۔!

اس تمہید کے بعد عرض ہے کہ جھوٹی روایات پھیلانے اور غلط بیانیاں لکھنے میں ''پروفیسر ڈاکٹر'' محمد طاہر القادری صاحب بھی کسی سے پیچھے نہیں ہیں، جس کی فی الحال دس (۱۰) مثالیں مع ردپیشِ خدمت ہیں:

۱) سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس سفید ٹوپی تھی جسے آپ پہنا کرتے تھے، وہ آپ کے سرِ اقدس پر جمی رہتی تھی۔

(المنہاج السوی ص ۷۷۰ ح ۹۸۵ بحوالہ ابن عساکر فی تاریخ دمشق ۱۹۳/۴ [دوسرا نسخہ ۳۴۳/۴]، کنز العمال ۱۲۱/۷ ح ۱۸۲۸۵)

اس روایت کو طاہر القادری صاحب نے بطورِ حجت پیش کیا ہے، حالانکہ اس کی سند

میں عاصم بن سلیمان الکوزی راوی ہے، جس کے بارے میں حافظ ابن عدی نے فرمایا:
"یعدّ فیمن یضع الحدیث "اُس کا شمار اُن لوگوں میں ہے جو حدیث گھڑتے تھے۔

(الکامل لابن عدی ۱۸۷۷/۵، دوسرا نسخہ ۴۱۲/۶)

امام دارقطنی نے فرمایا: "بصري كذاب عن هشام وغيره"
ہشام (بن عروہ) وغیرہ سے روایت کرنے والا بصری جھوٹا ہے۔ (الضعفاء والمتروکین: ۴۱۲)

۲) کئی مجہول راویوں کی ایک روایت میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: " إذا كان يوم القيامة نادى منادٍ يا محمد! قم فادخل الجنة بغير حساب ، فيقوم كل من اسمه محمد فيتوهم أن النداء له فلكرامة محمد لا يمنعون ."
جب قیامت کا دن ہوگا تو ایک منادی پکارے گا: اے محمد! اُٹھ کر جنت میں بغیر حساب کے داخل ہو جاؤ، تو ہر وہ شخص جس کا نام محمد ہوگا یہ سمجھتے ہوئے اُٹھ کھڑا ہوگا کہ یہ نداء اُس کے لئے ہے، پس محمد ﷺ کی کرامت (بزرگی) کے سبب انھیں منع نہیں کیا جائے گا۔

(اللآلی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ للسیوطی ج ۱ص ۱۰۵)

یہ روایت بیان کر کے جلال الدین سیوطی نے فرمایا:
" هذا معضل، سقط منه عدة رجال و الله أعلم " یہ معضل (یعنی شدید منقطع) ہے، اس سے کئی راوی گر گئے ہیں۔ واللہ اعلم (ایضاً ص ۱۰۵۔۱۰۶)
محدثین کی اصطلاح میں "معضل" اُس روایت کو کہتے ہیں جس کے " درمیان سند سے دو متوالی راویوں کو چھوڑ دیا جائے۔" (دیکھئے تذکرۃ المحدثین لغلام رسول سعیدی ص ۳۴)
متوالی کا مطلب ہے: اوپر نیچے، پے در پے، لگا تار۔

سیوطی کی بیان کردہ اس موضوع اور معضل روایت کو علی بن برہان الدین الحلبی الشافعی (متوفی ۱۰۴۴ھ) نے اپنی کتاب "انسان العیون" یعنی السیرۃ الحلبیہ میں درج ذیل الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے:
" و في حديث معضل إذا كان يوم القيامة ... " (ج ۱ص ۸۳، دوسرا نسخہ ج ۱ص ۱۳۵)

اس روایت کو طاہر القادری صاحب نے اپنی علمیت کا اظہار کرتے ہوئے درج ذیل الفاظ میں نقل کیا ہے:

''معضل سے مروی حدیث مبارکہ میں ہے: إذا كان يوم القيامة ...''

(تبرک کی شرعی حیثیت ص ۵۸، اشاعت سوم ستمبر ۲۰۰۸ء)

گویا کہ طاہر القادری صاحب کے نزدیک معضل نامی کوئی راوی تھا، جس سے یہ موضوع حدیث مروی ہے۔ سبحان اللہ !!

اصولِ حدیث کی اصطلاح معضل (یعنی منقطع) کو راوی بنا دینا اس بات کی دلیل ہے کہ واقعی طاہر القادری صاحب بہت بڑے ''ڈاکٹر'' اور ''پروفیسر'' ہیں۔! سبحان اللہ!

۳) ایک روایت میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم! (اے نبی کریم ﷺ) میں کسی ایسے شخص کو آگ کا عذاب نہیں دوں گا جس کا نام آپ کے نام پر (یعنی محمد) ہوگا۔ (انسان العیون یعنی السیرۃ الحلبیہ ج ۱ص ۸۳، دوسرا نسخہ ج ۱ص ۱۳۵)

اس روایت کو طاہر القادری صاحب نے روایت نمبر ا قرار دے کر بحوالہ انسان العیون بطورِ حجت پیش کیا ہے، حالانکہ انسان العیون (السیرۃ الحلبیہ) نامی کتاب میں اس کی کوئی سند یا حوالہ موجود نہیں ہے۔

عجلونی حنفی اور ملا علی قاری نے بتایا کہ اسے ابونعیم نے روایت کیا ہے۔

(دیکھئے کشف الخفاء و مزیل الالباس ج ۱ص ۳۹۰ ح ۱۲۴۵، الاسرار المرفوعہ فی الاخبار الموضوعہ ص ۲۰۱ رقم ۱۹۲)

ابونعیم والی روایت کی سند سیوطی کی کتاب ذیل اللآلی المضوعہ (ص ۲۰۱) میں موجود ہے اور ابونعیم کی سند سے ہی اسے مسند الفردوس میں نقل کیا گیا ہے۔ دیکھئے مسند الفردوس اور اس کا حاشیہ (ج ۳ص ۲۲۰ ح ۴۴۹۱ وقال في الأصل : نبيط بن شريط)

اس کے راوی احمد بن اسحاق بن ابراہیم بن نبیط بن شریط کے بارے میں حافظ ذہبی نے فرمایا: ''لا يحل الاحتجاج به فإنه كذاب'' اس سے حجت پکڑنا حلال نہیں، کیونکہ وہ کذاب (جھوٹا) ہے۔ (میزان الاعتدال ج ۱ص ۸۳ ت ۲۹۶، لسان المیزان ج ۱ص ۱۳۶)

کذاب کے موضوع نسخے سے روایت کو ''مشہور حدیث مبارکہ'' کہہ کر بطورِ حجت نقل کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ناقل ترویج اکاذیب میں مصروف ہے۔

٤) ایک روایت میں آیا ہے کہ آدم (علیہ السلام) نے (سیدنا) محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے دعا کی تھی۔ طاہر القادری صاحب نے اس روایت کو بحوالہ المستدرک للحاکم (۶۱۵/۲) نقل کر کے لکھا ہے:

''اس حدیث پاک کو جن اجل علماء اور ائمہ وحفاظ حدیث نے اپنی کتب میں نقل کر کے صحیح قرار دیا ہے ان میں سے بعض یہ ہیں:

۱۔ (البیہقی فی الدلائل، ۵: ۴۸۹)
۲۔ (ابونعیم فی الحلیہ، ۹: ۵۳)
۳۔ التاریخ الکبیر، ۷: ۳۷۴)
۴۔ المعجم الصغیر للطبرانی، ۲: ۸۲
۵۔ الہیثمی فی مجمع الزوائد، ۸: ۱۵۳
۶۔ ابن عدی فی الکامل، ۴: ۱۵۸۵
۷۔ الدر المنثور: ۱: ۶۰
۸۔ الآجری فی الشریعہ ۴۲۵-۴۲۲
۹۔ فتاوی ابن تیمیہ، ۲: ۱۵۰ ''

(عقیدہ توحید اور حقیقت شرک ص ۲۶۶، اشاعت ہفتم جون ۲۰۰۵ء)

اس عبارت میں طاہر القادری صاحب نے نو (۹) مذکورہ کتابوں اور علماء کے بارے میں نو (۹) عدد غلط بیانیاں کی ہیں، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱: امام بیہقی نے اس روایت کو صحیح نہیں کہا، بلکہ فرمایا: ''تفرد به عبدالرحمٰن بن زید ابن أسلم من هذا الوجه عنه وهو ضعيف (والله أعلم) ''

اس سند کے ساتھ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم منفرد ہوا، اور وہ ضعیف ہے۔ (واللہ اعلم)

(دلائل النبوۃ ج۵ ص۴۸۹ طبع دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

امام بیہقی نے تو راوی کو ضعیف قرار دیا ہے اور قادری صاحب کہہ رہے ہیں کہ انھوں نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔ سبحان اللہ!

۲: حافظ ابونعیم الاصبہانی کی کتاب حلیۃ الاولیاء (۵۳/۹؟) میں یہ روایت نہیں ملی اور نہ اسے ابونعیم کا صحیح قرار دینا ثابت ہے۔

۳: التاریخ الکبیر سے مراد اگر امام بخاری کی کتاب التاریخ الکبیر ہے تو یہ روایت وہاں نہیں ملی اور نہ امام بخاری سے اسے صحیح قرار دینا ثابت ہے۔

اگر التاریخ الکبیر سے مراد کوئی دوسری کتاب ہے تو اس کی صراحت کیوں نہیں کی گئی بلکہ یہ تو صریح تدلیس ہے۔

۴: المعجم الصغیر للطبرانی (۸۲/۲۔۸۳ ح ۱۰۰۵، بترقیمی) میں یہ روایت موجود ہے، لیکن امام طبرانی نے اسے صحیح قرار نہیں دیا بلکہ فرمایا: یہ (سیدنا) عمر (رضی اللہ عنہ) سے صرف اسی اسناد (سند) کے ساتھ مروی ہے، احمد بن سعید نے اس کے ساتھ تفرد کیا ہے۔

۵: حافظ ہیثمی نے اس روایت کو صحیح قرار نہیں دیا بلکہ لکھا ہے:

''**رواه الطبراني في الأوسط والصغير و فيه من لم أعرفهم** '' اسے طبرانی نے الاوسط اور الصغیر میں روایت کیا اور اس میں ایسے راوی ہیں جنھیں میں نہیں جانتا۔

(مجمع الزوائد ۲۵۳/۸)

۶: ابن عدی کی کتاب الکامل کے محولہ صفحے بلکہ ساری کتاب میں یہ روایت نہیں ملی۔

۷: درمنثور (۵۸/۱، دوسرا نسخہ ۱۳۱/۱) میں یہ روایت بحوالہ المعجم الصغیر للطبرانی، حاکم، الدلائل لابی نعیم، الدلائل للبیہقی اور ابن عساکر موجود ہے، لیکن اسے صحیح قرار نہیں دیا گیا۔

۸: الآجری نے اسے صحیح قرار نہیں دیا۔

دیکھئے الشریعہ (ص ۴۲۷۔۴۲۸ ح ۹۵۶، دوسرا نسخہ ج ۳ ص ۱۴۱۵)

۹: حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس روایت کو بحوالہ ابونعیم فی دلائل النبوۃ نقل کیا مگر صحیح

قرار نہیں دیا، بلکہ عرش کے بارے میں صحیح احادیث کی تفسیر کے طور پر نقل کیا۔
دیکھئے مجموع فتاویٰ (ج ۲ ص ۱۵۰۔۱۵۱)
بلکہ حافظ ابن تیمیہ نے بذاتِ خود اس روایت پر جرح کی، فرمایا:
اس حدیث کی روایت پر حاکم پر انکار کیا گیا ہے، کیونکہ انھوں نے خود (اپنی) کتاب المدخل میں کہا: عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم نے اپنے باپ سے موضوع حدیثیں روایت کیں...
(قاعدہ جلیلۃ فی التوسل والوسیلۃ ص ۸۵، مجموع فتاویٰ ج ۱ ص ۲۵۴۔۲۵۵)
فائدہ: مجھے عبدالاول بن حماد بن محمد الانصاری المدنی حفظہ اللہ نے خبر دی کہ میں نے اپنے والد (شیخ حماد الانصاری رحمہ اللہ) کو فرماتے ہوئے سنا: ''**إن الاعتماد علی الفتاوی التي في خمسة و ثلاثين مجلدًا لا ينبغي و تحتاج إلٰی اعادة النظر و قد وجدت فيها تصحيفًا و تحريفًا**'' بے شک پینتیس (۳۵) جلدوں والے فتاویٰ پر اعتماد نہیں کرنا چاہئے اور (اس میں) نظرِ ثانی کی ضرورت ہے، میں نے اس میں تصحیف اور تحریف پائی ہے۔ (نیز دیکھئے المجموع فی ترجمۃ حماد الانصاری ج ۲ ص ۲۳ ۷ فقرہ نمبر ۱۱۰)
معلوم ہوا کہ فتاویٰ ابن تیمیہ مطبوعہ پر اندھا دھند اعتماد صحیح نہیں بلکہ اس کی عبارات کو حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی دوسری عبارات پر پیش کرنا چاہئے۔
قادری صاحب کی نو (۹) غلط بیانیوں کے تذکرے کے بعد عرض ہے کہ مستدرک الحاکم وغیرہ کی روایتِ مذکورہ موضوع ہے۔ اسے حافظ ذہبی نے موضوع کہا اور باطل خبر قرار دیا۔ حافظ ابن حجر نے ''خبرًا باطلاً'' والی جرح نقل کر کے کوئی تردید نہیں کی یعنی حافظ ابن حجر کے نزدیک بھی یہ روایت باطل ہے۔
دیکھئے لسان المیزان (ج ۳ ص ۳۶۰، دوسرا نسخہ ج ۴ ص ۱۶۲)
اگر کوئی کہے کہ حاکم نے اسے ''صحیح الإسناد'' کہا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تصحیح کئی وجہ سے غلط ہے۔ مثلاً:
۱: خود حاکم نے اس روایت کے ایک راوی عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کے بارے میں

فرمایا: ''روی عن أبیہ أحادیث موضوعۃ ... ''اُس نے اپنے باپ سے موضوع حدیثیں بیان کیں۔ (المدخل الی الصحیح ص ۱۵۴ ت ۹۷)

گویا وہ اپنی شدید جرح بھول گئے تھے۔

۲: حاکم کی یہ جرح جمہور علماء مثلاً حافظ ذہبی وغیرہ کی جرح سے معارض ہے۔

۳: حاکم اپنی کتاب المستدرک میں متساہل تھے۔

۴: اس کی سند میں عبداللہ بن مسلم راوی ہے، جس کے بارے میں حافظ ابن حجر نے فرمایا کہ اس کا عبداللہ بن مسلم بن رشید ہونا میرے نزدیک بعید نہیں ہے۔ (لسان المیزان ۳/۳۶۰)

اس ابن رشید کے بارے میں حافظ ابن حبان نے فرمایا: ''یضع'' وہ (حدیثیں) گھڑتا تھا۔ (المجروحین ۲/۴۴، لسان المیزان ۳/۳۵۹)

۵) ایک روایت میں آیا ہے کہ'' کوئی قوم مشورہ کے لئے جمع ہو اور محمد نام والا کوئی شخص اُن کے مشورہ میں داخل نہ ہو تو اُن کے کام میں برکت نہیں ہوگی۔''

(موضح اوہام الجمع والتفریق للخطیب ۱/۴۲۹، دوسرا نسخہ ۱/۴۴۶ ذکر احمد بن حفص الجزری)

یہ روایت نقل کر کے طاہر القادری صاحب نے لکھا ہے کہ ''حلبی نے اِنسان العیون (۱:۱۳۵) میں کہا ہے حفاظِ حدیث نے اِس روایت کی صحت کا اِقرار کیا ہے۔''

(تبرک کی شرعی حیثیت ص ۶۰ حاشیہ ۲)

عرض ہے کہ نہ تو حلبی نے انسان العیون (۱/۱۳۵، دوسرا نسخہ ۱/۸۳) میں یہ بات کہی ہے اور نہ حفاظِ حدیث نے اس کی صحت کا اقرار کیا ہے، بلکہ حلبی نے روی کہہ کر اس روایت کو بغیر سند اور بغیر حوالے کے ذکر کیا ہے، جبکہ حافظ ذہبی نے اس روایت کے راوی احمد بن کنانہ الشامی پر ابن عدی کی جرح نقل کی، اور یہ حدیث مع دیگر احادیث نقل کر کے فرمایا:

''قلت : و ھذہ أحادیث مکذوبۃ ''میں نے کہا: اور یہ حدیثیں جھوٹی ہیں۔

(میزان الاعتدال ج ۱ ص ۱۲۹ ت ۵۲۲)

حافظ ابن حجر نے اس جرح کو نقل کر کے برقرار رکھا اور کوئی تردید نہیں کی۔

(دیکھئے لسان المیزان ج ۱ص ۲۵۰، دوسرا نسخہ ج ۱ص ۳۷۷)

حفاظِ حدیث نے تو اس روایت کو مکذوب (جھوٹی) قرار دیا ہے، لیکن طاہر القادری صاحب اسے صحیح باور کرانے کی فکر میں ہیں۔

۶) طاہر القادری صاحب نے امام ابوحنیفہ سے ایک روایت نقل کی:

''میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا، انھوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: (طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ) علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔'' (امام ابوحنیفہ امام الائمۃ فی الحدیث ج ۱ص ۷۸۷۔۷۸۶)

قادری صاحب نے اس کے لئے تین حوالے دیئے:

'' ۱: ابونعیم الاصبهانی، مسند الامام ابی حنیفہ: ۱۷۶ (ہمارا نسخہ ص ۲۴)

۲: خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، ۴: ۲۰۸، ۹: ۱۱۱

۳: موفق، مناقب الامام الاعظم أبي حنیفہ، ۱: ۲۸ ''

اس کے بعد قادری صاحب نے دیگر محدثین کے حوالے دیئے، جن کی روایات میں امام ابوحنیفہ'' قال: سمعت أنس بن مالك رضي الله عنه يقول '' کا نام ونشان تک نہیں، لہٰذا اُن کا یہاں ذکر صحیح نہیں ہے۔

روایتِ مذکورہ کی تینوں سندوں میں احمد بن الصلت الحمانی راوی ہے، جسے امام ابن عدی، حافظ ابن حبان اور امام دارقطنی وغیرہم نے کذاب قرار دیا اور حافظ ذہبی نے فرمایا: ''كذاب وضاع '' وہ جھوٹا، حدیثیں گھڑنے والا ہے۔ الخ (میزان الاعتدال ج ۱ص ۱۴۰)

تفصیل کے لئے دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو (عدد ۲۷ص ۱۲۔۱۳)

قادری صاحب کی خدمت میں عرض ہے کہ کذاب راوی کی منفرد روایت موضوع ہوتی ہے اور روایتِ مذکورہ کو کسی ثقہ وصدوق راوی کا امام ابوحنیفہ سے ''قال سمعت أنس ابن مالك رضي الله عنه '' کی سند سے بیان کرنا کہیں بھی ثابت نہیں ہے۔ موٹی موٹی کتابیں لکھنے کے بجائے اگر چھوٹی سی مختصر اور صحیح احادیث والی کتاب ہو تو دنیا اور آخرت

دونوں کے لئے مفید ہو سکتی ہے، بشرطیکہ آدمی کا عقیدہ صحیح ہو اور کتاب سلف صالحین کے فہم و منہج پر ہو۔

تنبیہ: روایتِ مذکورہ پر خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے درج ذیل جرح فرمائی ہے:

اسے بشر (بن الولید) سے احمد بن الصلت کے سوا کسی نے روایت نہیں کیا اور یہ ابو یوسف سے محفوظ (یعنی صحیح ثابت) نہیں ہے اور انس بن مالک (رضی اللہ عنہ) سے امام ابوحنیفہ کا سماع ثابت نہیں ہے۔ واللہ اعلم (تاریخ بغداد ج ۴ ص ۲۰۸)

دوسرے حوالے میں اس روایت کے بارے میں خطیب بغدادی نے فرمایا:

''لا يصح لأبي حنيفة سماع من أنس بن مالك و هذا الحديث باطل بهذا الإسناد ... ''انس بن مالک (رضی اللہ عنہ) سے ابوحنیفہ کا سماع صحیح نہیں ہے اور یہ حدیث اس سند سے باطل ہے... (تاریخ بغداد ۹/۱۱۱ ت ۴۷۱۹)

تاریخ بغداد کے مذکورہ حوالے پیش کرنا اور اس جرح کو چھپانا اگر خیانت نہیں تو پھر کیا ہے؟

۷) طاہر القادری صاحب نے امام ابوحنیفہ سے ذکر کیا کہ ''میں نے حضرت عبداللہ بن اُنیس رضی اللہ عنہ سے سنا: انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا: تیری کسی چیز سے محبت تجھے اندھا اور بہرا کر دیتی ہے''

(المنہاج السوی ص ۸۰۸ ح ۱۰۴۶ بحوالہ جامع المسانید للخوارزمی ۱/۷۸)

عرض ہے کہ مسند الخوارزمی کی اس روایت کا دارومدار ابوعلی الحسن بن علی بن محمد بن اسحاق الدمشقی التمار پر ہے، جس نے اسے علی بن بابویہ الاسواری عن جعفر بن محمد بن علی بن الحسن عن یونس بن حبیب عن ابی داود الطیالسی کی سند سے روایت کیا ہے۔

(جامع المسانید ج ۱ ص ۷۸۔۷۹)

اس الحسن بن علی کے بارے میں امام ابن عساکر نے فرمایا:

''حدّث عن علي بن بابويه الأسواري عن أبي داود الطيالسي بخبر كذب و الحمل فيه عليه أو على شيخه فإنما مجهولان ''اس نے علی بن بابویہ الاسواری

عن ابی داود الطیالسی کی سند سے جھوٹی روایت بیان کی، جس کا ذمہ دار وہ یا اُس کا استاد ہیں کیونکہ یہ دونوں مجہول ہیں۔ (لسان المیزان ۲/ ۲۴۰۔۲۴۱ ز)

نیز دیکھئے لسان المیزان (ج ۲ ص ۲۳۶)

سیدنا عبداللہ بن اُنیس رضی اللہ عنہ چون (۵۴) ہجری میں فوت ہوئے تھے اور امام ابوحنیفہ اسی (۸۰) ہجری میں پیدا ہوئے تھے۔ دیکھئے تقریب التہذیب (۳۲۱۶، ۷۱۵۳)

اپنی پیدائش سے چھبیس (۲۶) سال پہلے فوت ہو جانے والے صحابی سے امام ابوحنیفہ کس طرح حدیث سن سکتے تھے؟ کیا انھی ''تحقیقات'' پر ڈاکٹری کی ڈگری دے دی جاتی ہے؟!

۸) طاہر القادری صاحب فرماتے ہیں:

''حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ۸۰ ہجری میں پیدا ہوا اور میں نے اپنے والد کے ساتھ ۹۶ ہجری میں ۱۶ سال کی عمر میں حج کیا پس جب میں مسجد حرام میں داخل ہوا میں نے ایک بہت بڑا حلقہ دیکھا تو میں نے اپنے والد سے پوچھا یہ کس کا حلقہ ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: یہ عبداللہ بن جزء زبیدی کا حلقہ ہے پس میں آگے بڑھا اور ان کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: جو اللہ تعالیٰ کے دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے غموں کو کافی ہو جاتا ہے اور اسے وہاں وہاں سے رزق دیتا ہے جہاں کا وہ سوچ بھی نہیں سکتا۔'' (المنہاج السوی ص ۸۰۹ ح ۱۰۴۸، بحوالہ جامع المسانید للخوارزمی ۱/ ۸۰، تاریخ بغداد للخطیب البغدادی ۴/ ۳۳۲ رقم ۹۵۶)

اس روایت کی دو سندیں ہیں:

۱: ایک میں احمد بن الصلت الحمانی ہے جو کہ بہت بڑا کذاب تھا۔

دیکھئے مضمون روایت نمبر ۶

۲: الحسن بن علی الدمشقی کذاب ہے۔ دیکھئے روایت نمبر ۷

اس کے باقی کئی راوی مجہول ہیں اور سیدنا عبداللہ بن الحارث بن جزء الزبیدی رضی اللہ عنہ

اس جھوٹی روایت کے برعکس ۸۵، ۸۶، ۸۷ یا ۸۸ھ میں فوت ہو گئے تھے۔

(دیکھئے تقریب التہذیب: ۳۲۶۲)

۹) طاہر القادری صاحب نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب سند سے نقل کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک شامی سفید ٹوپی تھی۔

(المنہاج السوی ص ۷۶۹ ح ۹۸۳، بحوالہ جامع المسانید للخوارزمی ۱/ ۱۹۸)

اس روایت کا پہلا راوی ابو محمد عبداللہ بن محمد بن یعقوب البخاری الحارثی کذاب ہے۔ اس کے بارے میں امام ابو احمد الحاکم الکبیر اور حاکم نیشاپوری صاحب المستدرک دونوں نے فرمایا: وہ حدیث بناتا تھا۔ (کتاب القراءت للبیہقی ص ۱۵۴، دوسرا نسخہ ص ۱۷۸ ح ۳۸۸ وسندہ صحیح الیہما)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے الکشف الحثیث عمن رمی بوضع الحدیث (ص ۲۴۸) لسان المیزان (۳/ ۳۴۸۔ ۳۴۹) اور میری کتاب: نور العینین (ص ۴۳)

نیز اس روایت میں کئی راوی نامعلوم ہیں۔

۱۰) طاہر القادری صاحب نے لکھا ہے: ''اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک قدموں کو بھی یہ معجزہ عطا فرمایا کہ اُن کی وجہ سے پتھر نرم ہو جاتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدومِ مبارک کے نشان بعض پتھروں پر آج تک محفوظ ہیں۔

۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: **أَنَّ النَّبِيَّ** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم **كَانَ إِذَا مَشَى عَلَى الصَّخرِ غَاصَتْ قَدَمَاهُ فِيهِ وَ أَثرت .**

(۱۔ زرقانی، شرح المواهب اللدنیہ، ۵: ۴۸۲ ۲۔ سیوطی، الجامع الصغیر، ۱: ۲۷، رقم: ۹)

''حضور نبی اکرم ﷺ جب پتھروں پر چلتے تو آپ ﷺ کے پاؤں مبارک کے نیچے وہ نرم ہو جاتے اور قدم مبارک کے نشان اُن پر لگ جاتے۔''

(تبرک کی شرعی حیثیت ص ۷۶، اشاعت سوم ستمبر ۲۰۰۸ء)

حالانکہ یہ روایت ذکر کرنے کے بعد زرقانی (متوفی ۱۱۲۲ھ) نے لکھا تھا:

''و أنكره السيوطي و قال: لم أقف له على أصل و لا سند ولا رأيت من

خرجه في شيءٍ من كتب الحديث و كذا أنكره غيره لكن ... ''اور سیوطی نے اس (روایت) پر انکار کیا اور کہا: مجھے اس کی کوئی اصل یا سند نہیں ملی اور نہ میں نے دیکھا کہ حدیث کی کتابوں میں کسی نے اسے روایت کیا ہے، اور اس طرح دوسروں نے بھی اس (روایت) کا انکار کیا لیکن ... (المواہب اللدنیہ ج۵ ص۴۸۲)

لیکن ولیکن والی بات تو بے دلیل ہے اور سیوطی کی کتاب الجامع الصغیر میں یہ روایت قطعاً موجود نہیں بلکہ عبدالرؤف المناوی (نامی ایک صوفی) نے اسے الجامع الصغیر کی شرح میں ذکر کیا اور کہا: '' و لم أقف له علٰی أصل '' مجھے اس کی کوئی اصل نہیں ملی۔

(فیض القدیر شرح الجامع الصغیر ج۵ ص۹۱ ح ۶۴۷۸)

مناوی کی اس شرح کے شمائل والے حصے کو حسن بن عبید باحبشی (مجہول) نے الشمائل الشریفہ کے نام سے دار طائر العلم سے شائع کیا اور اس کی ج ۱ ص ۹ رقم ۹ (الشاملہ) پر یہ روایت مناوی کی جرح کے ساتھ موجود ہے۔

محمد بن یوسف الصالحی الشامی نے کہا: '' ولا وجود لذلك في كتب الحديث البتة'' اور اس (روایت) کا کتبِ حدیث میں کوئی وجود نہیں ہے۔

(سبل الھدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد ۲/۹۷، المکتبۃ الشاملہ)

خلاصہ یہ کہ اس بے سند اور بے اصل (موضوع) روایت کو طاہر القادری نے حدیثِ رسول قرار دے کر عام لوگوں کے سامنے پیش کیا ہے۔

تنبیہ: حال ہی میں دھرابی (چکوال) میں ایک بریلوی نے زمین پر پانچ فٹ سے زیادہ نشان کو نبی ﷺ کے قدم مبارک کا نشان قرار دیا تھا، جس کی ''زیارت'' کے لئے بہت سے لوگ ٹوٹ پڑے تھے مگر بعد میں وقت ٹی وی والوں نے اس فتنے کی بروقت سرکوبی کر کے لوگوں کے سامنے یہ ظاہر کر دیا کہ یہ حلوہ پکانے کے لئے استعمال ہونے والے چولہے کا نشان ہے اور یہ ثابت کر دیا کہ یہ سب فراڈ اور دھوکا تھا۔

(۱۰/ جون ۲۰۱۰ء)

شیعیت کا مقدمہ اور جھوٹی روایات

الحمد للّٰہ ربّ العالمین والصّلٰوۃ والسّلام علٰی رسوله الأمین و رضي اللّٰہ عن أصحابه أجمعین و رحمة اللّٰہ علٰی من تبعهم بإحسان : السلف الصالحین ، أما بعد:

سیدنا امام النبیین محمد رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہو یا صحابی کا اثر، سلف صالحین کی روایات ہوں یا کسی عالم وغیرہ کا منقول قول وفعل، اہلِ سنت کے نزدیک ہر روایت ومنقول کے لئے صحیح وحسن یعنی مقبول متصل سند کا ہونا ضروری ہے، جیسا کہ مشہور ثقہ امام عبداللہ بن المبارک المروزی رحمہ اللہ (متوفی ۱۸۱ھ) نے فرمایا:

" الإسناد من الدین ولو لا الإسناد لقال من شاء ما شاء . "

سندیں دین میں سے ہیں اور اگر سندیں نہ ہوتیں تو جو آدمی جو چاہتا وہ کہہ دیتا۔

(مقدمہ صحیح مسلم ج ا ص ۱۲، ترقیم دارالسلام: ۳۲ وسندہ صحیح)

امام یحییٰ بن سعید القطان رحمہ اللہ (متوفی ۱۹۸ھ) نے فرمایا: " لا تنظروا إلی الحدیث ولکن انظروا إلی الإسناد فإن صح الإسناد و إلا فلا تغترّ بالحدیث إذا لم یصح الإسناد . " حدیث نہ دیکھو بلکہ سند دیکھو، پھر اگر سند صحیح ہو تو (ٹھیک ہے) اگر سند صحیح نہ ہو تو دھوکے میں نہ آنا۔ (الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع ۱۰۲/۲ ح ۱۳۰۱، وسندہ صحیح)

ضعیف ومردود اور بے سند روایات کا ہونا اور نہ ہونا ایک برابر ہے، جیسا کہ حافظ ابن حبان نے فرمایا: " لأن ماروی الضعیف و ما لم یرو : فی الحکم سیان "

کیونکہ جو ضعیف روایت بیان کرے اور جس کی روایت ہی نہ ہو: دونوں حکم میں برابر ہیں۔

(المجروحین لابن حبان ج ا ص ۳۲۸، دوسرا نسخہ ج ا ص ۴۱۲ ترجمۃ سعید بن زیاد)

اہلِ سنت کے نزدیک قرآن مجید کے بعد صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا مقام ہے اور صحیحین

کی تمام مسند متصل مرفوع احادیث یقیناً صحیح ہیں، کیونکہ انھیں اُمت کی طرف سے متفقہ تلقی بالقبول حاصل ہے۔ دیکھئے اختصار علوم الحدیث لابن کثیر (۱۲۴/۱۔۱۲۸، نوع اول) اور مقدمہ ابن الصلاح (مع التقیید والایضاح ص ۴۱۔۴۲، دوسرا نسخہ ص ۹۷، نوع اول)

صحیحین کے علاوہ ہر کتاب کی صرف وہی روایت اور حوالہ مقبول ہے، جس میں تین شرطیں ہوں:

۱: صاحبِ کتاب ثقہ وصدوق عند جمہور المحدثین ہو۔

۲: کتابِ مذکور اپنے مصنف یعنی صاحبِ کتاب سے ثابت ومشہور ہو۔

۳: صاحبِ کتاب سے آخری راوی یا قائل وفاعل تک سند متصل ومقبول (صحیح یا حسن) ہو۔

اگر ان میں سے ایک شرط بھی مفقود ہو تو حوالہ بے کار ہے اور روایتِ مذکورہ نا قابلِ اعتماد و مردود ہے۔

اہلِ سنت کی اصولِ حدیث اور اسماء الرجال کی معتبر کتابیں مشہور ومعروف ہیں اور ان کے بغیر کسی کتاب مثلاً مسند احمد، سنن ترمذی، سنن ابی داود اور سنن ابن ماجہ وغیرہ کی روایات سے استدلال غلط ہے اور اُصول کے خلاف ہونے کی وجہ سے سرے سے مردود ہے۔

اس تمہید کے بعد حسین الامینی صاحب (ایک شیعہ) کی کتاب: ''شیعیت کا مقدمہ'' سے دس (۱۰) جھوٹی اور مردود روایات پیشِ خدمت ہیں، جن سے امینی مذکور نے اہلِ سنت کی بعض کتابوں کے حوالے دے کر استدلال کیا ہے، حالانکہ مذکورہ کتابوں کے مصنفین نے اپنی ان کتابوں میں روایات کے صحیح ہونے کا التزام نہیں کیا اور نہ اصولِ حدیث واسماء الرجال کی رُو سے یہ روایتیں صحیح یا حسن ہیں، بلکہ اس کے برعکس موضوع، باطل اور مردود ہیں۔

۱) سیدنا جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ایک روایت میں آیا ہے کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھے، پھر علی (رضی اللہ عنہ) تشریف لائے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

'' والذي نفسي بيده! إن هذا و شيعته هم الفائزون يوم القيامة ...''

اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! بے شک یہ (علی رضی اللہ عنہ) اور اُن کے شیعہ قیامت کے دن (جنت کے رفیع درجوں پر) فائز ہوں گے۔ الخ (شیعیت کا مقدمہ ص ۵۰۔۵۱)

اس روایت کو امینی صاحب نے اپنے مخصوص ترجمے کے ساتھ کسی عبیداللہ امرتسری (؟) کی کتاب: ارجح المطالب فی مناقب اسد اللہ الغالب سے بحوالہ ابن عساکر، خوارزمی اور سیوطی (دُرِ منثور) نقل کیا ہے۔

سیوطی کی درمنثور میں یہ روایت بحوالہ ابن عساکر مذکور ہے۔ (ج۶ص ۳۷۹، آخر سورۃ البینۃ)

خوارزمی سے مراد اگر موفق بن احمد بن محمد بن سعید المکی خطیب خوارزم ہے تو یہ شخص معتزلی تھا۔ دیکھئے مناقب ابی حنیفہ للکردری (ج۱ص ۸۸)

خوارزمی مذکور کی توثیق ثابت نہیں اور نہ اس کی کتاب کا کوئی اتا پتا ملا ہے اور علمائے کرام نے یہ صراحت کی ہے کہ اس کی کتاب (فضائل علی رضی اللہ عنہ) میں (بہت زیادہ) موضوع روایات ہیں۔

دیکھئے منہاج السنہ للحافظ ابن تیمیہ (۳/۱۰) اور المنتقیٰ من منہاج السنہ للذہبی (ص ۳۱۲)

معلوم ہوا کہ خوارزمی کا بے سند حوالہ پیش کرنا بے کار و مردود ہے اور اُصولِ اہل سنت کے سراسر خلاف ہے۔

حافظ ابن عساکر کی کتاب: تاریخ دمشق (ج ۴۵ ص ۲۴۳) میں یہ روایت سند سے موجود ہے، لیکن کئی وجہ سے موضوع ہے:

۱: اس کا راوی ابوالعباس ابن عقدہ چور تھا۔ (الکامل لابن عدی ج۱ص ۲۰۹ وسندہ صحیح)

ابن عقدہ کی توثیق کسی محدث سے ثابت نہیں اور امام دارقطنی نے فرمایا: وہ گندا آدمی تھا۔

(تاریخ بغداد ج۵ص ۲۲ وسندہ صحیح، لسان المیزان ج۱ص ۲۶۴ ت ۸۱۷)

ایسے راوی کی روایت مردود اور موضوع ہوتی ہے۔

۲: ابن عقدہ رافضی کا استاد محمد بن احمد بن الحسن القطوانی نامعلوم (مجہول) ہے۔

۳: قطوانی کا استاد ابراہیم بن انس الانصاری نامعلوم ہے۔

۴: انصاری کا استاد ابراہیم بن جعفر بن عبداللہ بن محمد بن مسلمہ نامعلوم ہے۔

مجہول راوی کی روایت موضوع ہونے کے لئے دیکھئے: حافظ ذہبی کی تلخیص المستدرک (۶۰/۴ ح ۴۳۹۹)

خلاصۃ التحقیق یہ ہے کہ روایتِ مذکورہ موضوع ہے، لہٰذا بغیر جرح کے اس کا بیان کرنا حلال نہیں ہے۔

۲) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (سیدنا) علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "**ھو أنت و شیعتك یوم القیامۃ راضین مرضین**" وہ لوگ تم اور تمھارے شیعہ ہیں۔ قیامت کے روز خوش اور خوشنود کیے گئے۔

(شیعیت کا مقدمہ ص ۵۱ بحوالہ ابن مردویہ، ابونعیم فی الحلیہ، الدیلمی فی فردوس الاخبار اور السیوطی فی الدر المنثور)

در منثور (۳۷۹/۶) میں یہ روایت بحوالہ ابن عدی مذکور ہے۔

ابن مردویہ کی کتاب نامعلوم یعنی مفقود ہے، نیز یہ روایت الکامل لابن عدی، حلیۃ الاولیاء لابی نعیم اور الفردوس للدیلمی تینوں کتابوں میں نہیں ملی، لہٰذا یہ بے سند ہونے کی وجہ سے مردود اور باطل ہے۔

حافظ ابن تیمیہ نے فرمایا: "**ھو کذب موضوع باتفاق أھل المعرفۃ بالمنقولات**" روایات کے ماہرین کا اتفاق (اجماع) ہے کہ یہ روایت جھوٹی من گھڑت ہے۔

(منہاج السنۃ النبویہ ج ۴ ص ۷۰)

حافظ ذہبی نے فرمایا: "**و إن کنا جازمین بوضعہ**" اور اگرچہ ہم بطورِ جزم اسے موضوع (جھوٹی من گھڑت روایت) سمجھتے ہیں۔ (المنتقی من منہاج السنۃ ص ۴۵۸)

خلاصہ یہ کہ اہلِ سنت کے نزدیک یہ روایت جھوٹی اور موضوع ہے، لہٰذا ابن عدی، ابن مردویہ یا کسی امرتسری کا نام لے کر اسے عوام کے سامنے بیان کرنا حرام ہے۔

۳) سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "**ألم تسمع قول اللّٰہ تعالٰی : ان الذین آمنوآ و عملوا**

الصٰلحت اولٰئك هم خير البرية ؟ أنت و شيعتك و موعدكم الحوض ... "
یاعلی! کیا تُو نے اللہ کے فرمان کونہیں سنا کہ تحقیق جولوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے وہ سب سے بہترین مخلوق ہیں۔ وہ لوگ تم اور تمھارے شیعہ ہیں۔ میرا اور تمھارا وعدہ گاہ حوض کوثر ہے۔" (شیعیت کا مقدمہ ص ۵۲ بحوالہ ابن مردویہ، خوارزمی اور در منثور)

ابن مردویہ کی کتاب مفقود ہے اور در منثور (۳۷۹/۶) میں یہ روایت بحوالہ ابن مردویہ مذکور ہے، لہٰذا اس کی سند نامعلوم ہے۔

خوارزمی کے بارے میں دیکھئے حدیث سابق:۱

خلاصہ یہ کہ یہ روایت بے سند ہونے کی وجہ سے موضوع و مردود ہے۔

۴) سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی طرف منسوب روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی (رضی اللہ عنہ) سے فرمایا: " أبشر يا علي! أنت و شيعتك في الجنة "

یاعلی! خوش ہو تُو اور تیرے شیعہ جنت میں ہوں گے۔

(شیعیت کا مقدمہ ص ۵۲ بحوالہ فخر الاسلام نجم الدین ابوبکر بن محمد بن حسین السنبلانی المرندی فی مناقب صحابہ)

نجم الدین سنبلانی مرندی کا کوئی اَتا پتا معلوم نہیں اور اگر یہ واقعی کوئی قابلِ ذکر شخص تھا تو پھر اس سے لے کر سیدہ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا تک سند نامعلوم ہے، لہٰذا یہ روایت موضوع ہے۔

امینی صاحب نے یہ چار موضوع روایات پیش کر کے لکھا ہے:

"مزید تفصیل دیکھنے کے خواہشمند ارجح المطالب ص ۶۵۷ تا ص ۶۵۹ طبع قدیم کی طرف رجوع کریں۔" (شیعیت کا مقدمہ ص ۵۲)

عرض ہے کہ کیا یہ چار موضوع اور جھوٹی روایتیں تھوڑی ہیں کہ لوگ عبید اللہ امرتسری (؟) کی ناقابلِ اعتماد اور خزینۂ موضوعات کتاب: ارجح المطالب کی طرف رجوع کرنے پر مجبور کئے جا رہے ہیں؟

ایسی کتاب کی طرف رجوع کرنے کا کیا فائدہ؟ کہ آپ نے جس کی طرف خوب رجوع کر کے اس میں سے چار جھوٹی روایات کی شکل میں جو "مکھن" نکالا ہے، علمی میدان

اور اہلِ سنت کے اصول پر اس کی کوئی حیثیت نہیں، بلکہ اس کا وجود اور عدمِ وجود برابر ہے۔
ہم آپ کو اور تمام مسلمانوں کو وصیت اور نصیحت کرتے ہیں کہ حق دیکھنے کے خواہشمندوں کو چاہئے کہ قرآن مجید، صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی طرف رجوع کریں، اور ان شاء اللہ اس میں آپ لوگوں کا بہت فائدہ ہوگا، بشرطیکہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم شاملِ حال رہے۔
دوسری تمام کتابوں کی اسانید ومتون کی اصولِ حدیث اور علمِ اسماء الرجال کی رُو سے تحقیق کرنے اور ثبوت کے بعد ہی اُن سے استدلال جائز ہے۔
۵) امینی صاحب نے کسی عبدالحسین (؟!) شرف الدین موسوی (شیعہ) کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ''پیغمبر اکرمؐ نے ایک دفعہ حضرت علیؓ کی گردن پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: ... یہ علیؑ نیکوکاروں کے امام اور فاجروں کو قتل کرنے والے ہیں۔ جس نے ان کی مدد کی وہ کامیاب ہوا اور جس نے ان کی مدد سے منہ موڑا اس کی بھی مدد نہ کی جائے۔ امام حاکم نے اس حدیث کو مستدرک ج ۳، ص ۱۲۹ پر حضرت جابرؓ سے روایت کر کے لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ لیکن بخاری اور مسلم نے اسے درج نہیں کیا۔'' (شیعیت کا مقدمہ ص ۵۶۔۵۷)
عرض ہے کہ مستدرک کی تلخیص میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:
''بل واللہ موضوع، و أحمد كذاب...'' بلکہ اللہ کی قسم! (یہ روایت) موضوع ہے اور احمد (بن عبداللہ بن یزید الحرانی) کذاب ہے۔ (تلخیص المستدرک ج ۳ ص ۱۲۹ ح ۴۶۴۴)
کیا امینی صاحب کو یہ جرح نظر نہیں آئی یا پھر دال میں کالا ہی کالا ہے۔؟!
ابو جعفر احمد بن عبداللہ بن یزید المؤدب کے بارے میں حافظ ابن عدی نے فرمایا:
''كان بسُرّ من رأى يضع الحديث'' وہ سرّ من رأی (عراق کا ایک مقام) میں حدیث گھڑتا تھا۔ (الکامل لابن عدی ج ۱ ص ۱۹۵، دوسرا نسخہ ج ۱ ص ۳۱۶)
امام دارقطنی نے فرمایا: وہ عبدالرزاق وغیرہ سے منکر حدیثیں بیان کرتا تھا، اس کی حدیث ترک کر دی جائے۔ (تاریخ بغداد ج ۴ ص ۲۲۰ وسندہ صحیح)

نیز دیکھئے الضعفاء والمتر وکون للدارقطنی (ص ۱۲۸، ترجمہ ۶۸)

امام ابن عدی، امام دارقطنی اور حافظ ذہبی کی شدید جرح کے بعد یہاں حاکم کی تصحیح کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

۶) امینی صاحب نے ایک اور روایت بھی لکھی ہے، جس میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے علی (رضی اللہ عنہ) سے فرمایا: "أنت تبين لأمتي ما اختلفوا فيه من بعدي" میرے بعد میری اُمت اختلافات میں مبتلا ہوگی تو تم ہی راہِ حق واضح کرو گے۔ ''اس حدیث کو امام حاکم نے مستدرک ج ۳، ص ۱۲۲ پر درج کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ حدیث بخاری اور مسلم کے بنائے ہوئے معیار پر صحیح ہے لیکن ان دونوں نے اس کا ذکر نہیں کیا نیز دیلمی نے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے جیسا کہ کنز العمال ج ۷ ص ۱۵۶ پر مذکور ہے۔''

(شیعیت کا مقدمہ ص ۵۷ حاشیہ)

عرض ہے کہ مستدرک کی اس روایت کے بارے میں حافظ ذہبی نے لکھا ہے:

"بل هو فيما اعتقده من وضع ضرار ، قال ابن معين : كذاب" بلکہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اسے ضرار (بن صرد) نے بنایا ہے، ابن معین نے (اس کے بارے میں) فرمایا: جھوٹا ہے۔ (تلخیص المستدرک ج ۳ ص ۱۲۲ ح ۴۶۲۰)

ابو نعیم ضرار بن صرد الکوفی پر امام بخاری اور جمہور محدثین نے جرح کی ہے اور امام ابن معین رحمہ اللہ نے فرمایا: کوفہ میں دو کذاب (جھوٹے) ہیں: ابو نعیم النخعی اور ابو نعیم ضرار بن صرد۔

(کتاب الجرح والتعدیل ج ۴ ص ۴۶۵ وسندہ صحیح)

ضرار بن صرد کی اس روایت کو اس کی منکر روایتوں میں شمار کیا گیا ہے۔ یاد رہے کہ امام بخاری اور امام مسلم کا یہ معیار ہرگز نہیں ہے کہ وہ کذاب راویوں کی روایات سے استدلال کریں، لہٰذا یہاں حاکم کی غلطیوں سے استدلال کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے؟

تنبیہ: سیوطی کی بیان کردہ (کنز العمال ۱۱/۶۱۵ ح ۳۲۹۸۳) دیلمی والی روایت بھی ابو نعیم ضرار بن صرد ہی سے ہے۔ دیکھئے مسند الفردوس (مخطوط مصور ج ۳ ص ۲/۱۳۵)

۷) امینی صاحب نے بحوالہ تاریخ طبری (اردو ج ا ص ۸۹) ایک روایت لکھی ہے کہ نبی ﷺ نے (سیدنا) علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں تمام بنو ہاشم کے سامنے اعلان فرمایا:
" إن هذا أخي و وصي و خليفتي فيكم فاسمعوا له و أطيعوا " یہ میرا بھائی میرا وصی اور تم میں میرا خلیفہ ہے۔ تم اس کی بات سنو اور جو کہے اسے بجالاؤ۔

(شیعیت کا مقدمہ ص ۶۱، ۱۶۳۔۱۶۴)

تاریخ ابن جریر الطبری کے ہمارے اصل عربی نسخے میں یہ روایت جلد ۲ صفحہ ۳۲۱ پر ہے اور اس کی سند میں ایک راوی عبدالغفار بن القاسم ابو مریم الانصاری (رافضی) ہے، جس کے بارے میں امام ابوداود الطیالسی نے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ ابو مریم کذاب ہے، کیونکہ میں نے اس سے ملاقات کی ہے اور اس سے (احادیث کا) سماع کیا ہے۔
(کتاب الضعفاء للعقیلی ۳/۱۰۰۔۱۰۱، وسندہ حسن)
امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا: " و عامة حديثه بواطيل " اس کی عام حدیثیں باطل ہیں۔ (کتاب الجرح والتعدیل ج ۶ ص ۵۳ وسندہ صحیح)

اس سند میں محمد بن حمید الرازی بھی سخت مجروح اور محمد بن اسحاق بن یسار مدلس ہیں، لیکن یہ روایت عبدالغفار بن القاسم کی وجہ سے موضوع ہے۔

۸) امینی صاحب نے لکھا ہے: "ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ بہ تحقیق غدیر خم کے روز جناب رسالت مآب ﷺ نے لوگوں کو بلا کر درخت کے نیچے جھاڑ و دینے کا حکم دیا۔ وہاں سے کانٹوں کو جھاڑو سے دور کیا گیا۔ پھر آپؐ نے علیؑ کو بلوا کر ان کے دونوں بازو پکڑ کر اٹھائے۔ یہاں تک کہ لوگوں نے حضرتؐ کی بغل کی سفیدی کو ملاحظہ کیا۔ پھر آپؐ نے فرمایا جس کا میں مولا ہوں پس اس کا علیؑ مولا ہے۔ پھر ابھی لوگ متفرق نہیں ہوئے تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی کہ "آج کے روز میں نے تمہارے لیے دین کو مکمل کیا ہے اور میں نے اپنی نعمت کو تم پر پورا کیا ہے۔ پس رسالت مآبؐ نے فرمایا: اللہ اکبر دین کے کامل ہو جانے اور نعمت کے پورا ہونے اور میری رسالت اور علیؑ کی ولایت پر خدا کے راضی ہونے پر۔"

(شیعیت کا مقدمہ ص ۱۷۱، بحوالہ ارجح المطالب ص ۸۰، أبو نعیم و أبو بکر مردویه عنه و عن أبي هريرة ، و السیوطی فی الدرالمنثور والدیلمی (صح) و أبو نعیم فیما نزل من القرآن في علي)

عرض ہے کہ اس روایت کی کوئی سند اہلِ سنت کی کتابوں میں موجود نہیں ہے اور نہ ابونعیم وابن مردویہ کی روایتوں کی اسانید کا علم ہو سکا ہے۔ یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ درمنثور (۳۹۸/۲) میں بھی نہیں ملی اور نہ دیلمی کی سند کا نام ونشان ملا ہے، لہٰذا یہ بے سند روایت موضوع ہے۔ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے صدیوں پہلے اس روایت کی سند پیش کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔ دیکھئے منہاج السنۃ النبویہ (ج۴ص ۱۵)

حافظ ذہبی نے اسے موضوع قرار دیا۔ دیکھئے المنتقیٰ من منہاج السنہ (ص ۴۲۵)

امینی صاحب اور اُن کے ساتھیوں سے درخواست ہے کہ ہمت اور کوشش کر کے کہیں سے اس روایت کی سند پیش کریں تاکہ راویوں کی تحقیق کی جا سکے اور اگر سند پیش نہ کر سکیں تو پھر اس بے سند موضوع روایت کو عوام الناس کے سامنے کیوں پیش کر رہے ہیں؟

اگر شیعہ کی کتابوں، مثلاً اصولِ کافی سے ہم کوئی ضعیف ومردود روایت پیش کر دیں تو کیا شیعہ اسے تسلیم کر لیں گے؟

فی الحال اُصولِ کافی کی دو روایتیں پڑھ لیں:

۱: ابوعبداللہ علیہ السلام (شیعہ کے نزدیک معصوم امام) سے روایت ہے کہ " إنّ العلماء ورثة الأنبياء و ذاك أن الأنبياء لم يورّثوا درهمًا ولا دينارًا ... "

بے شک علماء انبیاء کے وارث ہیں، یہ اس لئے کہ انبیاء نے درہم و دینار کی وراثت نہیں چھوڑی...الخ (الاصول من الکافی ج ۱ص ۳۲ باب صفۃ العلم وفضلہ وفضل العلماء ح ۲)

اس کے راوی ابوالبختری وھب بن وھب کے بارے میں مامقانی (شیعہ) نے لکھا ہے: " في غاية الضعف " یعنی بہت زیادہ ضعیف۔

(تنقیح المقال فی علم الرجال ج ۱ص ۱۶۱، راوی نمبر ۱۲۷۰۹)

کیا خیال ہے شیعہ اصول کی رُو سے اس سخت ضعیف روایت کو شیعہ کے خلاف پیش

کرنا جائز ہے؟

۲: اصولِ کافی کی ایک روایت (عن أبي عبد اللّٰه علیه السلام) کا خلاصہ یہ ہے کہ جب نبی ﷺ پیدا ہوئے تو آپ کے لئے دودھ نہیں تھا پھر آپ کو ابو طالب نے اپنی پستانوں پر ڈال دیا تو اللہ نے ان میں دودھ اُتار دیا، پھر آپ (ﷺ) اُس سے کئی دن تک دودھ پیتے رہے حتیٰ کہ ابو طالب نے آپ کو حلیمہ سعدیہ سے ملاقات کر کے اُن کے حوالے کر دیا۔

(الاصول من الکافی ج۱ ص۴۴۸ کتاب الحجہ ابواب التاریخ باب مولد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ ووفاتہ ح۲۷)

اس کے راوی علی بن ابی حمزہ سالم البطائنی کے بارے میں اُصول کافی کے حاشیے پر لکھا ہوا ہے: "كذاب متهم ملعون روى الكشي في ذمه أخباراً كثيرة"

کذاب متہم ملعون، کشی نے اس کی مذمت میں بہت سی روایتیں بیان کی ہیں۔ (ص۴۴۸)

مامقانی نے کہا: "قوي يؤخذ بخبره مالم يعارض الخبر الصحيح"

وہ قوی ہے، اس کی خبر جب صحیح خبر کے معارض نہ ہو تو اُسے لیا جاتا ہے یعنی قبول کیا جاتا ہے۔ (تنقیح المقال ج۱ ص۱۰۵، ت۸۱۱۱)

انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ کوئی فریق بھی کسی کے خلاف ایسی روایت ہرگز پیش نہ کرے جو اُس کے نزدیک حجت نہیں ہے۔

یہاں پر بطورِ خیر خواہی اور اصلاح عرض ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایک قوم میرے ساتھ محبت کرے گی حتیٰ کہ وہ میری محبت (میں غلو) کی وجہ سے جہنم میں داخل ہوگی اور ایک قوم میرے ساتھ بغض رکھے گی حتیٰ کہ وہ میرے بغض کی وجہ سے جہنم میں داخل ہوگی۔

(فضائل الصحابہ للامام احمد ۲/۵۶۵ ح۹۵۲ وسندہ صحیح، کتاب السنہ لابن ابی عاصم: ۹۸۳ وسندہ صحیح)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے مزید فرمایا: "يهلك في رجلان : مفرط غالٍ و مبغض قالٍ"

میرے بارے میں دو قسم کے آدمی ہلاک ہو جائیں گے: افراط کرنے والا غالی اور بغض رکھنے والا حجت باز۔ (فضائل الصحابہ ۲/۵۷۱ ح۹۶۴ وسندہ حسن لذاتہ)

ان بیانات میں امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے شیعہ اور خوارج ونواصب کی ہلاکت کی خبر دی ہے اور چونکہ ان روایتوں کا تعلق غیب سے ہے، لہٰذا یہ حکماً مرفوع ہیں۔
دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو عدد ۴۲ ص ۱۵۔۱۶

۹) امینی صاحب نے وحید الزمان حیدر آبادی اور شاہ اسماعیل دہلوی دونوں سے ایک حدیث نقل کی کہ ''جو شخص مر جائے اور اپنے زمانے کے امام کو نہ پہچانے، اس کی موت جاہلیت کی سی موت ہوگی'' (شیعیت کا مقدمہ ص ۱۹۰۔۱۹۱، واللفظ للاول)
وحید الزمان نے کہا: ''اگر چہ یہ حدیث اہلسنت کے عقائد کی کتابوں میں اس لفظ سے مذکور ہے، مگر حدیث کی کتابوں میں مجھے اس لفظ سے نہیں ملی۔''
امینی صاحب لکھتے ہیں: ''اس سے اس حدیث پر کوئی خاص اثر نہیں پڑتا۔''

(شیعیت کا مقدمہ ص ۱۹۱)

عرض ہے کہ کیوں اثر نہیں پڑتا؟ کیا بے سند روایت مردود نہیں ہوتی؟ کیا شیعہ کے خلاف بھی بے سند روایتیں پیش کرنا جائز ہے؟ یاد رہے کہ یہاں عقائد کی کتابوں سے مراد بعض متاخرین اہلِ بدعت کی غیر مستند اور بے سند کتابیں ہیں جنھیں اہلِ سنت کے عقائد کی کتابیں قرار دینا غلط ہے۔

روایتِ مذکورہ کے بارے میں حافظ ذہبی نے فرمایا:
''بل واللّٰہ ما قالہ الرسول ﷺ ھکذا'' بلکہ اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ نے اس طرح نہیں فرمایا ہے۔ (المنتقیٰ من منہاج السنہ ص ۲۸)

حافظ ابن تیمیہ نے اس حدیث کی سند کا مطالبہ کیا تھا۔ (دیکھئے منہاج السنۃ النبویہ ج ۱ ص ۲۶)

مگر آج تک کوئی شیعہ یا غیر شیعہ اس کی سند پیش نہیں کر سکا اور یہ اس بات کی زبردست دلیل ہے کہ روایتِ مذکورہ موضوع ہے۔

۱۰) امینی صاحب نے عبدالحی لکھنوی صاحب سے نقل کیا ہے کہ ''عن معاذ ان رسول اللّٰہ ﷺ کان إذا قام فی الصلوۃ رفع یدیہ معال أذنیہ فاذا کبر

ارسلھما (رواہ الطبرانی) جناب معاذ فرماتے ہیں کہ آنحضرتؐ نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے وقت ہاتھوں کو کانوں تک اٹھا کر بلند کرتے اور پھر انہیں کھلا چھوڑ دیتے۔'' (فتاویٰ شیخ عبدالحیٔ لکھنوی ج ۱ص ۳۲۶ طبع اول، شیعیت کا مقدمہ ص ۲۳۶۔۲۳۷)

عرض ہے کہ یہ روایت طبرانی کی المعجم الکبیر (ج ۲۰ص ۷۴ ح ۱۳۹) میں خصیب بن جحدر کی سند سے موجود ہے اور اس روایت کے بارے میں حافظ ہیثمی نے کہا:

"رواه الطبراني في الكبير وفيه الخصيب بن جحدر وهو كذاب"

اسے طبرانی نے الکبیر میں روایت کیا اور اس میں خصیب بن جحدر (راوی) ہے اور وہ کذاب (جھوٹا) ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۲ص ۱۰۲)

خصیب بن جحدر کے بارے میں امام یحییٰ بن سعید القطان نے فرمایا: وہ جھوٹا تھا۔

(تاریخ ابن معین روایۃ الدوری: ۳۳۲۷)

امام یحییٰ بن معین نے فرمایا: "الخصيب بن جحدر كذاب"

(کتاب الجرح والتعدیل ۳/۳۹۷ وسندہ صحیح)

تفصیل کے لئے اسماء الرجال کی اصل کتابوں کی طرف رجوع کریں۔

مختصر یہ کہ یہ روایت موضوع ہے۔

امینی صاحب کی کتاب ''شیعیت کا مقدمہ'' سے یہ دس جھوٹی اور من گھڑت روایتیں بطورِ نمونہ پیش کی ہیں، تاکہ اہلِ سنت کی آنکھیں کھل جائیں کہ اُن کے ساتھ کس کس طرح کے فراڈ کئے جارہے ہیں اور قرآن و حدیث کا نام لے کر انھیں صراطِ مستقیم سے ہٹانے کے لئے کیا کیا جتن کئے جارہے ہیں۔

یہ قطعاً کافی نہیں ہوتا کہ عبدالحیٔ لکھنوی نے لکھا ہے یا عبیداللہ امرتسری نے لکھا ہے، طبرانی نے روایت کیا ہے یا امام ترمذی نے روایت کیا ہے، یہ مسند احمد میں درج ہے یا تاریخ دمشق لابن عساکر میں درج ہے، وغیرہ وغیرہ، بلکہ ہر روایت اور ہر حوالے کا صحیح و ثابت ہونا ضروری ہے اور ایسا کام صحیح تحقیق کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔

امینی صاحب نے کتابِ مذکور میں بہت سی ضعیف و مردود روایات بھی لکھی ہیں اور کئی غیر ثابت اور موضوع کتابوں سے بھی استدلال کیا ہے، مثلاً نہج البلاغہ کے نام سے جو کتاب پیش کی جاتی ہے، اسے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے نہیں لکھا بلکہ ان کی شہادت کے صدیوں بعد بغیر کسی سند کے شریف رضی نامی آدمی نے لکھا ہے، لہٰذا یہ ساری کتاب قابلِ اعتماد نہیں ہے۔
دیکھئے میزان الاعتدال للذہبی (۱۲۴/۳) سیر اعلام النبلاء (۵۸۹/۱۷۔۵۹۰)
لسان المیزان (۲۲۳/۴) اور کتب حذر منھا العلماء (ج ۲ ص ۲۵۰۔۲۵۷)

امینی صاحب نے شیعہ کتابوں مثلاً اصولِ کافی وغیرہ کے حوالوں میں بھی کسی تحقیق سے کام نہیں لیا، بلکہ شیعہ کے نزدیک بھی ضعیف و مجہول روایتیں لکھ کر اپنی کتاب کے صفحات بڑھانے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً:

۱: امینی صاحب نے کہا: ''امام جعفر صادقؒ بڑے واضح الفاظ میں فرماتے ہیں:
من خالف کتاب اللّٰہ و سنة محمدؐ فقد کفر "
جس نے کتاب خدا اور سنت محمدؐ کی مخالفت کی اس نے کفر کیا۔ (۱۷) ''

(شیعیت کا مقدمہ ص ۲۱۳ بحوالہ الشافی ترجمہ اصول کافی ج ۱ ص ۱۰۵، ج ۱ ص ۱۲۳)

روایتِ مذکورہ الکافی کے عربی نسخے میں صفحہ ۷۰ پر ہے اور اس کا بنیادی راوی ''بعض اصحابہ'' یعنی ابن ابی عمیر کے ساتھیوں میں سے کوئی ہے جو کہ مجہول ہے، لہٰذا یہ روایت مردود ہے۔

دوسری روایت: " و من ترك کتاب اللّٰہ و قول نبیہ کفر " (الکافی ۵۶/۱ ح ۱۰)

اس میں محمد بن ابی عبداللہ یعنی محمد بن جعفر بن عون الاسدی ہے جو کہ مجبرہ اور مشبہہ فرقوں میں سے تھا اور یونس بن عبدالاعلیٰ سے اُس کا یہ روایت سننا ثابت نہیں ہے بلکہ مامقانی کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کی مرسل روایتیں حجت نہیں ہیں۔

(دیکھئے تنقیح المقال ج ۲ ص ۹۵ ت ۱۰۵۰۳)

یاد رہے کہ الفاظِ متن کا صحیح المعنی ہونا اس کی دلیل نہیں کہ قائل مذکور نے ضرور یہ الفاظ

کہے تھے یا کہے ہوں گے۔

۲: امینی صاحب نے لکھا ہے:

''اصول کافی میں ایک باب ہے جس میں امام کی صفات کا بیان ہے اس میں امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں: **الامام یحل حلال اللّٰہ و یحرم حرام اللّٰہ** یعنی امام حلال کرتا ہے حلال خدا کو اور حرام کرتا ہے حرام خدا کو (۱۰)''

(شیعیت کا مقدمہ ص ۲۱۱ بحوالہ الشافی ترجمہ اصول کافی ج ۲ ص ۶۱)

ہمارے نسخہ (مطبوعہ دار الکتب الاسلامیہ تہران، بازار سلطانی) میں ج ۱ کے صفحہ ۲۰۰ پر یہ روایت موجود ہے اور اس کا راوی ابو محمد القاسم بن العلاء مہمل (جس میں جرح و تعدیل نہ ہو یعنی مجہول الحال) ہے۔ دیکھئے تنقیح المقال (ج ۱ ص ۱۲۳ ت ۶۵۹۰)

قاسم بن العلاء سے عبد العزیز بن مسلم تک سند بھی نامعلوم ہے۔

مختصر یہ کہ یہ دونوں روایتیں شیعہ اصول کی رُو سے بھی ضعیف ہیں، لہٰذا امینی صاحب نے انھیں پیش کر کے اہلِ سنت اور شیعہ دونوں گروہوں کو دھوکا دیا ہے۔

امینی صاحب نے ثابت شدہ اور ناقابل تردید حقیقتوں کا بھی انکار کیا ہے، مثلاً عبداللہ بن سبا یہودی کا وجود اہلِ سنت اور شیعہ دونوں کی کتابوں میں ایک ثابت شدہ حقیقت ہے جس کا ثبوت صحیح اور متواتر روایات سے ثابت ہے۔

امینی صاحب نے لکھا ہے:

''عبداللہ بن سبا کی فرضی شخصیت اور شیعوں کے خلاف بے بنیاد پراپیگنڈا''

(شیعیت کا مقدمہ ص ۹۶)

حالانکہ عبداللہ بن سبا کی شخصیت فرضی نہیں بلکہ وہ تاریخ کا حقیقی کردار تھا اور یہ شیعوں کے خلاف بے بنیاد پروپیگنڈا نہیں بلکہ حق اور سچ کا اظہار ہے، لہٰذا اُسے تاریخی غلط فہمی قرار دینا غلط ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن سبا کو کالا خبیث کہا۔ (التاریخ الکبیر لابن ابی خیثمہ: ۱۳۹۸، وسندہ صحیح)

تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب: توضیح الاحکام یعنی فتاویٰ علمیہ (ج۱ص۱۵۳۔۱۵۹)

امام ابوعبداللہ جعفر بن محمد الصادق رحمہ اللہ نے فرمایا: عبداللہ بن سبا پر اللہ لعنت کرے، اُس نے امیر المومنین (علی رضی اللہ عنہ) کے بارے میں رب ہونے کا دعویٰ کیا۔ الخ

(رجال کشی ص۱۰۷، روایت نمبر۱۷۲، وسندہ صحیح عندالشیعہ)

ہشام بن سالم، کشی اور ابومحمد حسن بن موسیٰ النوبختی وغیرہم نے اس کا ذکر کیا ہے، بلکہ مامقانی نے کہا: عبداللہ بن سبا ملعون ہے، اسے علی علیہ السلام نے جلا دیا تھا۔

(تنقیح المقال ج۱ص۱۸۹ راوی نمبر۶۸۷۲)

امینی صاحب کی ''خدمت'' میں عرض ہے کہ اس قطعی الثبوت حقیقت کا انکار ڈاکٹر طٰہٰ حسین مصری وغیرہ گمراہوں نے شر القرون میں کیا ہے اور اس انکار کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

آخر میں اہلِ سنت بھائیوں کی خدمت میں درخواست ہے کہ ضعیف اور مردود روایات کو کلیتاً چھوڑ دیں بلکہ صحیح اور ثابت روایات کو اپنا منہج اور نصب العین بنائیں۔ اگر آپ نے یہ منہج اختیار کرلیا تو یاد رکھیں کہ آپ کے مقابلے میں تمام فرقے مثلاً خوارج، شیعہ، جہمیہ، مرجیہ، معتزلہ، قدریہ، جبریہ، نواصب اور منکرینِ حدیث وغیرہ ہمیشہ ناکام رہیں گے۔
ان شاء اللہ

ہر کتاب کو اُٹھا کر آنکھیں بند کر کے صاحبِ کتاب کے پیچھے نہ دوڑیں، بلکہ تحقیق کریں اور صحیح العقیدہ علمائے حق سے مضبوط تعلق اور رابطہ قائم کریں، کتاب وسنت یعنی قرآن وحدیث اور پھر اجماع وفہم سلف صالحین کو مدنظر رکھیں، سچائی کا راستہ اختیار کریں، حق اور اہلِ حق کے لئے الولاء (والہانہ محبت اور پیار) اور باطل واہلِ باطل کے لئے البراء (بغض اور براءت) کا راستہ اپنائیں تو کبھی گمراہ نہیں ہوں گے۔ ان شاء اللہ

انھی گذارشات پر آپ سے رخصت چاہتا ہوں۔ و ما علینا إلا البلاغ

(۱۴/ جولائی ۲۰۱۰ء)

کلید التحقیق: فضائلِ ابی حنیفہ کی بعض کتابوں پر تحقیقی نظر

الحمد للّٰہ ربّ العالمین والصّلوۃ و السّلام علیٰ رسولہ الأمین محمد ﷺ خاتم النبیین و رضي اللّٰہ عن أصحابہ أجمعین و رحمۃ اللّٰہ علیٰ من تبعھم بإحسان : السلف الصالحین ، أما بعد:

رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہو یا صحابی کا اثر، سلف صالحین کی روایات ہوں یا کسی شخص کا منقول قول و فعل ہو، اہلِ سنت کے نزدیک ہر روایت و منقول کے لئے متصل اور مقبول (صحیح و حسن) سند کا ہونا ضروری ہے، جیسا کہ مشہور ثقہ امام عبداللہ بن المبارک المروزی رحمہ اللہ (متوفی ۱۸۱ھ) نے فرمایا:" الإسناد من الدین ولو لا الإسناد لقال من شاء ما شاء " سندیں (بیان کرنا) دین میں سے ہے اور اگر سندیں نہ ہوتیں تو ہر آدمی جو چاہتا کہہ دیتا۔ (مقدمہ صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۲، ترقیم دارالسلام: ۳۲ وسندہ صحیح)

امام یحییٰ بن سعید القطان رحمہ اللہ (متوفی ۱۹۸ھ) نے فرمایا:" لا تنظروا إلی الحدیث ولکن انظروا إلی الإسناد فإن صح الإسناد و إلا فلا تغترّ بالحدیث إذا لم یصح الإسناد . " حدیث نہ دیکھو بلکہ سند دیکھو، پھر اگر سند صحیح ہو تو (ٹھیک ہے اور) اگر سند صحیح نہ ہو تو دھوکے میں نہ آنا۔ (الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع ۲/۱۰۲ ح ۱۳۰۱، وسندہ صحیح)

ضعیف و مردود اور بے سند روایات کا ہونا اور نہ ہونا برابر ہے، جیسا کہ حافظ ابن حبان نے فرمایا:" لأن ما روی الضعیف و مالم یرو : فی الحکم سیان " کیونکہ جو روایت ضعیف بیان کرے اور جس کی روایت ہی نہ ہو: دونوں حکم میں برابر ہیں۔

(المجروحین لابن حبان ج ۱ ص ۳۲۸، دوسرا نسخہ ج ۱ ص ۴۱۲ ترجمہ سعید بن زیاد)

اہلِ سنت کے نزدیک قرآن مجید کے بعد صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا مقام ہے اور صحیحین کی تمام مسند متصل مرفوع احادیث صحیح ہیں، کیونکہ انھیں اُمت کی طرف سے تلقی بالقبول

حاصل ہے۔ دیکھئے اختصار علوم الحدیث لابن کثیر (۱/۱۲۴۔۱۲۸، نوع اول) اور مقدمہ ابن الصلاح (مع التقیید والایضاح ص۴۱۔۴۲، دوسرا نسخہ ص۹۷، نوع اول)

صحیحین کے علاوہ ہر کتاب کی روایت اور حوالہ صرف وہی مقبول ہے جس میں تین شرطیں ہوں: ① صاحبِ کتاب ثقہ وصدوق عند جمہور المحدثین ہو۔

② کتابِ مذکور اپنے مصنف (صاحبِ کتاب) سے ثابت ہو۔ ③ صاحبِ کتاب سے آخری راوی یا قائل وفاعل تک سند متصل ومقبول (صحیح یا حسن) ہو۔

ان میں سے اگر ایک شرط بھی مفقود ہو تو حوالہ بے کار ہے اور روایتِ مذکورہ مردود ہے۔

اس تمہید کے بعد فضائلِ ابی حنیفہ قسم کی بعض کتابوں اور بعض فصول وابواب کا تحقیقی جائزہ پیشِ خدمت ہے:

۱) فضائل أبي حنيفة وأخباره و مناقبه کے نام سے ایک کتاب مکتبہ امدادیہ (مکہ مکرمہ) سے شائع کی گئی ہے، جسے ابو القاسم عبداللہ بن محمد بن احمد بن یحییٰ بن الحارث السعدی یعنی ابن ابی العوام کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ اسے قاضی ابو عبداللہ محمد بن سلامہ بن جعفر القضاعی (متوفی ۴۵۴ھ) نے درج ذیل سند کے ساتھ روایت کیا ہے:

" أنبأ القاضي أبو العباس أحمد بن محمد بن عبدالله بن أحمد بن يحيى بن الحارث السعدي المعروف بابن أبى العوام قال: حدثني أبو عبدالله مخمد ابن عبد الله بن محمد قال: حدثني أبي أبو القاسم عبد الله بن محمد بن أحمد بجميع هذا الكتاب قال:... "

(فضائل ابی حنیفہ ص۳۶۔۳۷، مخطوط مصور کی تصویر کے لئے دیکھئے فضائل ابی حنیفہ ص۲۹)

اس کتاب کے مذکورہ راویوں کے بارے میں مختصر اور جامع تحقیق درج ذیل ہے:

۱: ابو العباس احمد بن محمد بن عبداللہ السعدی کا ذکر، اُس کی وفات کے صدیوں بعد پیدا ہونے والے عبدالقادر قرشی حنفی نے کرتے ہوئے لکھا ہے:

" يأتي أبوه و عبد الله جده: من بيت العلماء الفضلاء " اس کے باپ (محمد بن

عبداللہ) اور دادا (عبداللہ بن محمد) کا ذکر (آگے) آئے گا: علماء فضلاء کے گھر میں سے۔

(الجواہر المضیۃ ج ۱ ص ۱۰۶، ت ۲۱۱)

عرض ہے کہ علماء وفضلاء کے گھر میں سے ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ شخص ثقہ یا صدوق ہے، مثلاً ظفر احمد تھانوی دیوبندی کا بیٹا عمر احمد عثمانی منکرِ حدیث تھا اور اشفاق الرحمٰن کاندھلوی کا بیٹا حبیب الرحمٰن کاندھلوی بھی منکرِ حدیث اور ساقط العدالت تھا۔

عبدالقادر قرشی نے کسی مجہول سے نقل کیا ہے کہ اس نے حاکم بامر اللہ (رافضی زندیق) کے سامنے ابن ابی العوام کے بارے میں کہا: "ثقة صدوق" (الجواہر المضیۃ ج ۱ ص ۱۰۷)

عرض ہے کہ اس کا قائل مجہول ہے، لہٰذا یہ توثیق مردود ہے۔

عبدالقادر قرشی نے بتایا کہ (اسماعیلی رافضی حکمران) حاکم بامر اللہ نے اسے مصر کا قاضی بنایا تھا۔ (الجواہر المضیۃ ج ۱ ص ۱۰۷)

عرض ہے کہ یہ توثیق نہیں بلکہ زبردست جرح ہے۔

حاکم بامر اللہ بادشاہ کے بارے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے: "العبيدي المصري الرافضي بل الإسماعيلي الزنديق المدعي الربوبية" عبیدی مصری رافضی بلکہ اسماعیلی زندیق، وہ رب ہونے کا دعویٰ کرتا تھا۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۱۵ ص ۱۷۳)

حافظ ذہبی نے مزید فرمایا: "و كان شيطانًا مريدًا جبارًا عنيدًا ، كثير التلون سفاكًا للدماء ، خبيث النحلة ... كان فرعون زمانه" وہ سرکش شیطان، متکبر حق کا مخالف ہٹ دھرم، بڑے رنگ بدلنے والا، سفاکی سے (بے گناہوں کا) خون بہانے والا، خبیث عقیدے والا... اپنے زمانے کا فرعون تھا۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۱۵ ص ۱۷۴)

ابن ابی العوام کی توثیق کسی قابلِ اعتماد محدث نے نہیں کی اور فرعونِ وقت، شیطان مَرید اور کافر زندیق کے قاضی ہونے کی رُو سے وہ مجروح اور ساقط العدالت ہے۔

۲: فرعونِ وقت کے قاضی ابن ابی العوام کا باپ ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ بن محمد بالکل مجہول ہے۔ کسی کتاب میں اُس کی کوئی توثیق موجود نہیں، بلکہ مزے کی بات یہ ہے کہ

عبدالقادر قرشی نے ابن ابی العوام کے ذکر میں یہ وعدہ کیا کہ وہ آگے اُس کا ذکر کریں گے مگر انھوں نے اس وعدے کی خلاف ورزی کی اور آگے جا کر اس کا کوئی ذکر نہیں کیا۔

اگر قافلۂ باطل کے کسی تنخواہ خوار کو اس شخص کے حالات مل جائیں تو مکتبۃ الحدیث حضرو (ضلع اٹک) کے پتے پر روانہ کرے اور اگر حالات نہ مل سکیں تو... !!

۳: ابوالقاسم عبداللہ بن محمد بن احمد بن یحییٰ بن الحارث کو عبدالقادر قرشی نے مختصراً ذکر کیا مگر کوئی توثیق نقل نہیں کی۔ (دیکھئے الجواہر المضیہ ج ۱ ص ۲۸۲ ت ۷۵۰)

یعنی یہ شخص بھی مجہول ہے۔ نیز دیکھئے یمن کے مشہور عالم شیخ عبدالرحمٰن بن یحییٰ المعلمی المکی رحمہ اللہ کی کتاب: طليعة التنكيل (ص ۲۷۔۲۸) اور التنكيل (ج ۱ ص ۲۷۔۲۸)

اس تحقیق سے یہ ثابت ہوا کہ ''فضائل ابی حنیفہ واخبارہ ومناقبہ'' نامی کتاب غیر ثابت ہونے کی وجہ سے مردود ہے، لہٰذا اس کتاب کا کوئی حوالہ بھی قابلِ اعتماد نہیں ہے اِلا یہ کہ کسی دوسری مستند کتاب میں صحیح سند سے ثابت ہو۔

۲) ابوالمؤید موفق بن احمد المکی الخوارزمی اَخطب خوارزم (متوفی ۵۶۸ھ) کی کتاب:

''مناقب الامام ابی حنیفہ'' مکتبہ اسلامیہ میزان مارکیٹ، کوئٹہ سے شائع شدہ ہے۔

اس کے مصنف موفق بن احمد کی کوئی توثیق کسی معتبر محدث سے ثابت نہیں ہے بلکہ حافظ ابن تیمیہ اور حافظ ذہبی نے اُس کی روایات پر جرح کی ہے، جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔ ان شاء اللہ

کردری حنفی نے موفق بن احمد کے بارے میں لکھا ہے: ''المعتزلي القائل بتفضيل علي علی كل الصحابة'' یعنی وہ معتزلی تھا، تمام صحابہ پر (سیدنا) علی (رضی اللہ عنہ) کی فضیلت کا قائل تھا۔ (مناقب الکردری ج ۱ ص ۸۸)

یعنی یہ شخص رافضی اور معتزلی تھا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے فضائل میں اُس نے ایک کتاب لکھی، جس میں موضوع (جھوٹی) روایات ہیں۔

دیکھئے منہاج السنۃ النبویہ لابن تیمیہ (۱۰/۴) اور المنتقیٰ من منہاج السنہ للذہبی (ص ۳۱۲)

حافظ ابن تیمیہ نے فرمایا: کہ وہ علمائے حدیث میں سے نہیں اور نہ اس فن میں اس کی

طرف کبھی رجوع کیا جاتا ہے۔ (منہاج السنہ ۳/ ۱۰)

حافظ ذہبی نے فرمایا: اس کی کتاب فضائل علی میں نے دیکھی ہے، اس میں انتہائی کمزور روایتیں بہت زیادہ ہیں۔ (تاریخ الاسلام ۳۹/ ۳۲۷)

لہٰذا ایسے شخص کو (معتزلیوں کا) علامہ، ادیب فصیح اور مفوہ کہہ دینے سے اُس کی توثیق ثابت نہیں ہو جاتی۔ نیز دیکھئے المنتقیٰ من منہاج السنہ للذہبی (ص ۳۱۲، دوسرا نسخہ ص ۱۵۳)

مختصراً عرض ہے کہ موفق بن احمد معتزلی اور رافضی ہونے کی وجہ سے مجروح ہے، لہٰذا اس کی ساری کتاب ناقابلِ اعتماد ہے۔

۳) محمد بن محمد بن شہاب الکردری الحنفی صاحب البزازیہ (متوفی ۸۲۷ھ) کی کتاب مناقب ابی حنیفہ بے سند ہونے کی وجہ سے ناقابلِ اعتماد ہے۔ اس کتاب میں محدثین کے طرز پر مکمل سندیں لکھنے کا التزام نہیں کیا گیا بلکہ بغیر سند کے کرمانی، مرغینانی اور سلامی وغیرہم سے بے سروپا روایتیں جمع کر دی گئی ہیں۔

۴) محمد بن یوسف الصالحی الدمشقی الشافعی (متوفی ۹۴۲ھ) کی کتاب: ''عقود الجمان في مناقب الإمام الأعظم أبي حنيفة النعمان'' کو مکتبۃ الایمان السمانیہ (المدینۃ المنورۃ) سے شائع کیا گیا ہے اور یہ ساری کتاب متصل اسانید کے بغیر یعنی بغیر سند کے ہے، لہٰذا قابلِ اعتماد نہیں ہے اور مردود ہے۔ دیکھئے فقرہ: ۵

تنبیہ: اس ناقابلِ اعتماد کتاب کا اردو میں ترجمہ بھی چھپا ہوا ہے۔!!

۵) احمد بن حجر الہیتمی المکی (متوفی ۹۷۳ھ) کی کتاب: ''الخيرات الحسان في مناقب الإمام الأعظم أبي حنيفة النعمان'' دار الکتب العلمیہ بیروت (لبنان) سے مطبوع ہے اور یہ ساری کی ساری بے سند ہونے کی وجہ سے ناقابلِ اعتماد اور مردود ہے۔

سرفراز خان صفدر دیوبندی نے لکھا ہے: ''اور امام بخاریؒ نے اپنے استدلال میں ان کے اثر کی کوئی سند نقل نہیں کی اور بے سند بات حجت نہیں ہو سکتی۔''

(احسن الکلام ج ۱ ص ۳۲۷، دوسرا نسخہ ج ۱ ص ۴۰۳)

غلام رسول سعیدی بریلوی نے لکھا ہے: ''اور جو روایت بلا سند مذکور ہو وہ حجت نہیں ہے۔''

(شرح صحیح مسلم ج ا ص ۱۱۵ سطر نمبر ۲)

عرض ہے کہ جب بے سند اور بلا سند بات حجت نہیں تو پھر آپ یہ بے سند کتابیں کیوں اُٹھائے پھرتے ہیں اور کیوں ان کے حوالے پیش کرتے ہیں؟

۶) جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی (متوفی ۹۱۱ھ) کی کتاب:

" تبييض الصحيفة في مناقب الإمام أبي حنيفة " بھی بے سند کتابوں میں سے ہے، لہٰذا اس کا ہر حوالہ نا قابلِ اعتماد اور مردود ہے اِلا یہ کہ دوسری کسی مستند کتاب میں مقبول سند سے ثابت ہو جائے۔

۷) حافظ ذہبی رحمہ اللہ کا رسالہ " مناقب الإمام أبي حنيفة و صاحبيه أبي يوسف و محمد بن الحسن " اور ان کی دوسری کتابوں مثلاً سیر اعلام النبلاء وغیرہ میں امام ابوحنیفہ، قاضی ابو یوسف اور ابن فرقد شیبانی وغیرہم کے بارے میں روایات بے سند ہونے کی وجہ سے نا قابلِ اعتماد ہیں، لہٰذا اصل کتابوں کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔

۸) حافظ ابوالحجاج یوسف بن عبدالرحمٰن المزی الشامی رحمہ اللہ کی کتاب تہذیب الکمال میں امام ابوحنیفہ کے حالات میں بعض روایات بلا سند ہیں اور بعض کی سندیں موجود ہیں، لہٰذا کتابِ مذکور کے ہر قول اور ہر روایت کی تحقیق ضروری ہے اور بغیر تحقیق کے اس کتاب کا حوالہ دینا مرجوح اور نا قابلِ اعتماد ہے۔ مثلاً اس کتاب میں امام صاحب کے بارے میں ''رأى أنس بن مالك '' والا قول بلا سند ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

تفصیل میری کتاب: الأسانيد الصحيحة في أخبار الإمام أبي حنيفة (قلمی ص ۵۴ تا ص ۸۰) میں ہے۔ والحمد للہ

۹) حافظ ابن حجر العسقلانی کی کتاب تہذیب التہذیب میں امام ابوحنیفہ کے بارے میں ساری روایات بے سند ہیں، لہٰذا کتابِ مذکور کے ہر قول اور ہر حوالے کی تحقیق ضروری ہے، اگر دوسری کسی با سند کتاب میں روایتِ مذکورہ صحیح ثابت ہو جائے تو ٹھیک ہے ورنہ اس

کتاب کا بغیر تحقیق کے نرا حوالہ دے دینا غلط اور ناقابلِ اعتماد ہے۔

۱۰) ابوعبداللہ حسین بن علی الصیمری (متوفی ۴۳۶ھ) کی کتاب: "أخبار أبي حنيفة و أصحابه" مکتبہ عزیزیہ ملتان سے مطبوع ہے۔

صیمری سچے تھے اور کتابِ مذکور میں سندیں موجود ہیں، لیکن اس کتاب کی عام روایات ضعیف، مجروح اور کذاب راویوں سے مروی ہیں مثلاً:

۱: احمد بن عطیہ الحمانی (کذاب)

دیکھئے الکامل لابن عدی (۲۰۲/۱، دوسرا نسخہ ۳۲۷/۱۔۳۲۸) اور الحدیث (عدد ۲۷ ص ۱۲۔۱۴)

۲: شاذان المروزی (کذاب)

دیکھئے کتاب الجرح والتعدیل (۴۸۰/۸ ت ۲۱۹۹)

۳: ابوالحسن علی بن الحسن الرازی (ضعیف)

دیکھئے تاریخ بغداد (۳۸۸/۱۱۔۳۸۹ ت ۶۲۶۱)

۴: ابوعبیداللہ محمد بن عمران بن موسیٰ المرزبانی (ضعیف)

دیکھئے تاریخ بغداد (۱۳۵/۳۔۱۳۶ ت ۱۱۵۹)

۵: عبداللہ بن محمد بن ابراہیم الحلوانی ابوالقاسم الشاہد ابن الثلاج (کذاب یضع الحدیث)

دیکھئے تاریخ بغداد (۱۳۶/۱۰۔۱۳۸ ت ۵۲۷۷)

۶: محمد بن شجاع الثلجی (کذاب)

دیکھئے الکامل لابن عدی (۲۲۹۳/۶، دوسرا نسخہ ۵۵۱/۷) اور الحدیث (عدد ۶۸ ص ۴۸)

۷: عبداللہ احمد بن محمد بن علی الصیرفی: ابن الابنوسی (ضعیف)

دیکھئے تاریخ بغداد (۶۹/۵ ت ۲۴۴۷)

۸: حامد بن آدم (مجروح)

دیکھئے احوال الرجال للجوزجانی (۳۸۱) اور لسان المیزان (۱۶۳/۲، دوسرا نسخہ ۲۹۸/۲)

۹: خارجہ بن مصعب (متروک) [دیکھئے تقریب التہذیب (۱۶۱۲)]

۱۰: حسن بن زیاد اللؤلؤی (کذاب) [دیکھئے تاریخ یحییٰ بن معین (روایۃ الدوری: ۱۷۶۵) اور میری کتاب: تحقیقی مقالات (۲/۳۴۷)]

- اس کتاب میں بہت سے مجہول راویوں کی روایات بھی درج ذیل ہیں، مثلاً عمر بن اسحاق بن ابراہیم (ص ۸۹) مجہول ہے۔ مختصر یہ کہ صرف صیمری کی کتاب کا حوالہ دے دینا کافی نہیں بلکہ سند کی مکمل تحقیق کر کے صحیح ثابت ہو جانے کے بعد ہی حوالہ دینا چاہئے ورنہ ایسے حوالوں کی علمی میدان میں کوئی حیثیت نہیں ہے۔

۱۱) خطیب بغدادی رحمہ اللہ (ثقہ عادل اور انصاف پسند معتدل) کی کتاب تاریخ بغداد انتہائی معتبر کتابوں میں سے ہے، اس میں عام طور پر سندوں کا التزام کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں امام ابوحنیفہ کے حق میں اور مخالفت میں بہت سی روایات جمع کی گئی ہیں جن میں سے بعض صحیح و حسن ہیں، بعض موضوع و باطل ہیں اور بعض ضعیف و مردود ہیں، لہٰذا اس کتاب کی ہر روایت کی ہر سند کا تحقیقی جائزہ ضروری ہے اور سند کے صحیح یا حسن ثابت ہو جانے کے بعد ہی اس کا حوالہ دینا چاہئے۔ اس کتاب میں بعض اقوال بے سند بھی موجود ہیں، مثلاً خطیب بغدادی کا قول کہ امام ابوحنیفہ نے (سیدنا) انس بن مالک (رضی اللہ عنہ) کو دیکھا تھا، بے سند ہے اور بے سند ہونے کی وجہ سے ناقابلِ اعتماد ہے۔

۱۲) حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ کی کتاب: الانتقاء میں فضائل ابی حنیفہ کے بارے میں اکثر روایات ابو یعقوب یوسف بن احمد یعنی ابن الدخیل کے مجہول التوثیق ہونے کی وجہ سے ضعیف و مردود ہیں۔ (ابن الدخیل کے مجہول ہونے کے لئے دیکھئے مقدمہ ابی الوفاء الافغانی التقلیدی لاخبار ابی حنیفہ: کتاب الصیمری ص ج)

۱۳) اہلِ بدعت نے بھی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے فضائل و مناقب پر اردو زبان (وغیرہ) میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں، لیکن یہ ساری کتابیں بے سند اور صحیح تحقیق نہ ہونے کی وجہ سے قابلِ اعتماد نہیں ہیں۔ مثلاً:

۱: شبلی نعمانی کی کتاب: سیرت النعمان

۲: سرفراز خان صفدر دیوبندی کی کتاب: مقام ابی حنیفہ رحمہ اللہ

۳: ظفر احمد تھانوی دیوبندی کی عربی کتاب: أبو حنيفة و أصحابه المحدثون

(دیکھئے اعلاء السنن ج ۲۰۔۲۱)

۴: طاہر القادری کی کتاب: ''امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ امام الائمۃ فی الحدیث''

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی ناقابلِ اعتماد کتابیں ہیں جو موضوعات اور مردود روایتوں سے بھری پڑی ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب کوئی کتاب بھی باسند صحیح ثابت نہیں ہے۔

خوارزمی (توثیق نامعلوم) کی جامع المسانید اور عبداللہ بن محمد بن یعقوب الحارثی (کذاب) کی کتاب مسند ابی حنیفہ بھی ناقابلِ اعتماد ہیں۔

حارثی کے حالات کے لئے دیکھئے میری کتاب: نور العینین (ص ۴۳)

ابونعیم الاصبہانی رحمہ اللہ (ثقہ وصدوق) کی کتاب: مسند الامام ابی حنیفہ میں عام روایات ضعیف، مردود اور موضوع ہیں، لہٰذا اس کتاب کی ہر روایت کی تحقیق بھی ضروری ہے۔ عجیب وغریب بات یہ ہے کہ اس مسند کے مصنف امام ابونعیم الاصبہانی رحمہ اللہ (متوفی ۴۳۰ھ) نے امام ابوحنیفہ کے بارے میں اپنے نزدیک درج ذیل تحقیق لکھی ہے:

" قال بخلق القرآن ، و استتيب من كلامه الرديئ غير مرة كثير الخطأ و الأوهام ." (کتاب الضعفاء لابی نعیم ص ۱۵۴، ت ۲۵۵، مطبوعہ دار الثقافۃ المغرب یعنی مراکش)

یہ عبارت بہت شدید جرح ہے اور راقم الحروف نے حافظ ابونعیم کی عبارتِ مذکورہ کا ترجمہ جان بوجھ کر نہیں کیا، کیونکہ عوام کو اس کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے۔

مختصر یہ کہ ابونعیم کی کتاب ہو یا کسی محدث اور امام کی کتاب ہو، کسی عالم کی کتاب ہو یا کسی جاہل کی کتاب ہو، صحیح العقیدہ کی کتاب ہو یا بدعقیدہ بدعتی گمراہ کی کتاب ہو، ہر کتاب کی ہر روایت کی تحقیق ضروری ہے، سوائے صحیحین کے، ان کی تمام مرفوع مسند متصل روایات یقیناً صحیح ہیں۔ والحمد للہ (۱۳/ جولائی ۲۰۱۰ء)

سلف صالحین اور بعض مسائل میں اختلاف

الحمد لله ربّ العالمين والصّلوٰة والسّلام علىٰ رسوله الأمين ، أما بعد:

بعض لوگ اپنے خُفیہ مقاصد کے لئے بعض اہلِ حدیث (اہلِ سنت) علماء کے درمیان چند مسائل میں اختلافات کو بڑھا چڑھا کر پمفلٹوں کی شکل میں اس انداز سے پیش کرتے ہیں، گویا کہ کفر و اسلام کا مسئلہ ہو، حالانکہ بعض اجتہادی مسائل میں اختلاف ہو جانا حرام نہیں بلکہ جائز ہے۔

اہلِ سنت کا اتفاق ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اہلِ حق ، طائفۂ منصورہ اور جنّتی جماعت ہے اور اسی طرح اُن کے متبعین باحسان تابعینِ عظام رحمہم اللہ اجمعین بھی اہلِ حق اور طائفۂ منصورہ ہیں۔

اہلِ حق اور طائفۂ منصورہ ہونے کے باوجود صحابہ اور تابعین کا کئی مسائل میں اختلاف تھا، جس کی تفصیل شاہ ولی اللہ احمد بن عبدالرحیم الدہلوی (متوفی ۱۱۷۶ھ) کی کتاب: ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں دیکھی جا سکتی ہے۔

(ج ۱ ص ۱۴۰۔۱۴۴، باب اسباب اختلاف الصحابۃ والتابعین فی الفروع)

امام ابوعیسیٰ الترمذی رحمہ اللہ نے نمازِ مغرب سے پہلے دو رکعتوں کے بارے میں فرمایا:

'' و قد اختلف أصحاب النبي ﷺ في الصلوٰة قبل المغرب : فلم ير بعضهم الصلاة قبل المغرب ، و قد روي عن غير واحد من أصحاب النبي ﷺ أنهم كانوا يصلّون قبل صلوة المغرب ركعتين بين الأذان و الإقامة . ''

مغرب سے پہلے نماز کے بارے میں نبی ﷺ کے صحابہ کے درمیان اختلاف ہوا: پس اُن میں سے بعض مغرب سے پہلے نماز کے قائل نہیں تھے اور نبی ﷺ کے کئی صحابہ سے مروی ہے کہ وہ مغرب کی نماز سے پہلے اذان اور اقامت کے درمیان دو رکعتیں پڑھتے تھے۔

(سنن الترمذی ح ۱۸۵، باب ماجاء فی الصلوۃ قبل المغرب)

امام ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیسابوری رحمہ اللہ (متوفی ۳۱۸ھ) نے فرمایا:

"اختلف أصحاب رسول الله ﷺ و من بعدهم في الوضوء مما مست النار... "إلخ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ اور اُن کے بعد آنے والوں میں، جسے آگ چھو لے اس (کے کھانے) سے وضو کے بارے میں اختلاف ہے۔

(الاوسط فی السنن والاجماع والاختلاف ج ا ص ۲۱۳، الوضوء مما مست النار)

مَنی کے بارے میں ابوجعفر الطحاوی رحمہ اللہ نے فرمایا:

"و قد اختلف أصحاب النبي ﷺ في ذلك .. "نبی ﷺ کے صحابہ کا اس کے بارے میں اختلاف ہے... (شرح معانی الآثار ج ا ص ۵۲ باب حکم المنی هل هو طاهر أم نجس؟)

امام ابوزرعہ الرازی رحمہ اللہ (متوفی ۲۶۴ھ) نے فرمایا:

"اختلف أصحاب النبي ﷺ في جراحات الرجال و النساء ... "

مَردوں اور عورتوں کے زخموں کے بارے میں نبی ﷺ کے صحابہ نے اختلاف کیا...

(شرف اصحاب الحدیث للخطیب: ۱۵۳، وسندہ صحیح، کتاب الضعفاء لابی زرعہ الرازی ج ۲ ص ۷۷۳)

ان چار گواہیوں سے معلوم ہوا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا آپس میں بعض اجتہادی مسائل میں اختلاف ہوا تھا، لہٰذا اہلِ حق کے درمیان بعض مسائل میں اختلاف ہو جانا قابلِ تردید و مذمت نہیں بلکہ جائز ہے اور ہر ایک کو اپنی نیت کے مطابق ثواب ملے گا۔ ان شاء اللہ

یاد رہے کہ اختلافِ تناقض و تعارض کی صورت میں حق صرف ایک طرف ہوتا ہے اور اہلِ حق کا دوسرا فریق اس مسئلے میں مجتہد مخطی ہونے کی وجہ سے ماجور ہوتا ہے یعنی اُسے ایک اجر ملتا ہے۔ اب قطع نظر اس سے کہ راجح کیا ہے اور مرجوح کیا ہے؟ صحابۂ کرام اور تابعینِ عظام کے درمیان اختلاف میں سے بعض اختلافات کے بیس (۲۰) سے زائد حوالے پیشِ خدمت ہیں:

۱) جس شخص پر جنابت کی وجہ سے غسل فرض ہو اور اسے پانی نہ ملے تو کیا کرے؟

اس کے بارے میں سیدنا عبداللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''لا یصلّی حتی یجد الماء'' وہ نماز نہیں پڑھے گا حتیٰ کہ پانی پالے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۰ ح ۳۴۶)

جبکہ سیدنا ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ نے اس مسئلے میں اُن کے مقابلے میں قرآن مجید کی آیت سے استدلال کیا تو'' فما دری عبداللہ ما یقول ''عبداللہ (رضی اللہ عنہ) کو معلوم نہ ہوا کہ کیا کہیں؟ (حوالہ مذکورہ ح ۳۴۶)

۲) اگر عورت حائضہ یا جُنبیہ نہ ہو تو سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اُس کے جُوٹھے پانی سے (وضو کرنے میں) کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۳ ح ۳۴۷ وسندہ صحیح)

جبکہ سیدنا حکم (بن عمرو) الغفاری رضی اللہ عنہ نے عورت کے استعمال سے باقی ماندہ پانی سے منع فرمایا۔ (ابن ابی شیبہ ۱/۳۴ ح ۳۵۵ وسندہ صحیح)

۳) سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''لا تدخل الحمام ....''

حمام میں داخل نہ ہو... (ابن ابی شیبہ ۱/۱۰۹ ح ۱۱۶۵، وسندہ صحیح)

جبکہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ جُحفہ کے حمام میں داخل ہوئے۔

(ابن ابی شیبہ ۱/۱۰۹ ح ۱۱۶۹، وسندہ صحیح)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حمام بہترین گھر ہے، میل کُچیل دُور کر دیتا ہے اور (جہنم کی) آگ یاد دلاتا ہے۔ (ابن ابی شیبہ ۱/۱۰۹ ح ۱۱۷۰، وسندہ صحیح)

٤) سمندر کے پانی کے بارے میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

'' التیمم أحبّ إليّ من الوضوء من ماء البحر '' میرے نزدیک سمندر کے پانی سے وضو کرنے سے تیمم (کرنا) بہتر ہے۔ (ابن ابی شیبہ ۱/۱۳۱ ح ۱۳۹۳، وسندہ صحیح)

جبکہ سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے سمندر کے پانی سے وضو کے بارے میں فرمایا:

'' ھو الطھور ماؤہ والحلال میتتہ '' اس کا پانی پاک ہے اور مُردار (مچھلی) حلال ہے۔ (ابن ابی شیبہ ۱/۱۳۰ ح ۱۳۷۹، وسندہ صحیح)

۵) عمیر بن سعد (ثقہ تابعی) سے روایت ہے کہ میں اُس مجلس میں بیٹھا ہوا تھا جس میں

عمار بن یاسر (رضی اللہ عنہ) موجود تھے، اُن سے نماز میں ذَکر چھونے کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: یہ تیرے جسم کا ایک ٹکڑا ہی تو ہے... الخ

(ابن ابی شیبہ ۲/ ۲۰۲ ح ۷۵۴۰ا، نسخہ محمد عوامہ وسندہ صحیح)

جبکہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب اپنی شرمگاہ (ذَکر) کو (ہاتھ سے) چھوتے تو دوبارہ وضو کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ نسخہ محمد عبدالسلام شاہین ۱/ ۱۹۴ ح ۱۷۳۳، وسندہ صحیح)

یعنی ایک صحابی مسِ ذکر سے وضو ٹوٹنے کے قائل نہیں تھے اور دوسرے وضو ٹوٹنے کے قائل تھے۔

۶) چمڑے کے موزوں پر مسح کے بارے میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

" لأن أحزّهما بالسكاكين أحبّ إليّ من أن أمسح عليهما . "

اگر میں انھیں چھریوں سے کاٹ ڈالوں تو یہ میرے لئے بہتر ہے اس سے کہ میں ان پر مسح کروں۔ (ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۸۵ ح ۱۹۴۴، وسندہ صحیح)

معلوم ہوا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا موزوں پر مسح کی قائل نہیں تھیں۔

دوسری طرف سیدنا سعد (بن ابی وقاص) رضی اللہ عنہ نے فرمایا: " امسح عليهمه " ان (موزوں) پر مسح کرو۔ (ابن ابی شیبہ ۱/ ۱۸۰ ح ۱۸۸۶، وسندہ صحیح)

عاصم (ثقہ تابعی) نے فرمایا: " رأيت أنسًا يمسح على الخفين و العمامة " میں نے انس (رضی اللہ عنہ) کو موزوں اور پگڑی پر مسح کرتے ہوئے دیکھا۔ (ابن ابی شیبہ ۱/ ۲۲ ح ۲۲۴ وسندہ صحیح)

۷) رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں نمازِ جمعہ کی دو اذانیں ہوتی تھیں: ایک خطبے کے وقت اذان اور دوسری: نماز کے وقت اقامت، پھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے خطبے والی اذان سے پہلے ایک اذان کو جاری کر دیا۔ دیکھئے صحیح بخاری (ج ۱ ص ۱۲۴ ح ۹۱۲، ۹۱۳)

اس اذانِ عثمانی کے بارے میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: " الأذان الأول يوم الجمعة بدعة . " جمعہ کے دن پہلی اذان بدعت ہے۔ (ابن ابی شیبہ ۲/ ۱۴۰ ح ۵۴۳۶)

دوسری طرف یہ روایت ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: " كل بدعة ضلالة و

إن رآھا الناس حسنًا ''ہر بدعت گمراہی ہے، اگرچہ لوگ اسے حسن (اچھی) سمجھتے ہوں۔ (السنہ للمروزی: ۸۲ وسندہ صحیح)

یادر ہے کہ ہمارے نزدیک اذانِ عثمانی پر بدعت کا فتویٰ صحیح نہیں ہے۔

۸) سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ متعۃ الحج (تمتع) سے منع کرتے تھے۔ جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو یہ معلوم ہوا تو انھوں نے حج اور عمرے (تمتع) کی لبیک کہی اور فرمایا: '' ما کنت لأدع سنة النبي ﷺ لقول أحد. ''میں نبی ﷺ کی سنت کسی کے کہنے پر چھوڑ نہیں سکتا۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۱۲ ح ۱۵۶۳)

۹) سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے (صبح کی نماز) اندھیرے میں پڑھائی تو (سیدنا) ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا: '' أسفروا بهذه الصلٰوة فإنه أفقه لكم . '' یہ نماز روشنی میں پڑھو، کیونکہ یہ تمھارے لئے زیادہ تفقہ والی (مناسب) ہے۔ (ابن ابی شیبہ ۱/ ۳۲۱ ح ۳۲۴۷ وسندہ صحیح)

جبکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فجر کی نماز پڑھاتے تو آدمی اپنے بیٹے کو تین ہاتھ دور سے پہچان نہیں سکتا تھا۔ (ابن ابی شیبہ ۱/ ۳۲۰ ح ۳۲۳۶ وسندہ صحیح)

یعنی آپ رضی اللہ عنہ سخت اندھیرے میں صبح کی نماز پڑھاتے تھے اور یہی راجح ہے۔

۱۰) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سورۂ ص میں سجدۂ تلاوت نہیں کرتے تھے اور فرماتے: یہ نبی کی توبہ ہے۔ (ابن ابی شیبہ ۲/ ۱۰ ح ۴۲۶۹ وسندہ حسن)

جبکہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سورۂ ص میں سجدہ کرتے تھے۔

(ابن ابی شیبہ ۲/ ۹ ح ۴۲۵۹ وسندہ صحیح)

۱۱) سیدنا عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھتے تھے۔

(ابن ابی شیبہ ۲/ ۳۵۳ ح ۷۳۵۰ وسندہ صحیح)

جبکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھنے والے کو مارتے تھے۔

(ابن ابی شیبہ ۲/ ۳۵۰ ح ۷۳۳۵ وسندہ صحیح)

اس طرح کی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں، بلکہ بعض صحابۂ کرام سے ایک ہی مسئلے میں دو طرح

کے فتوے بھی ثابت ہیں۔ مثلاً:

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ، ابو بکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) کے پیچھے نماز پڑھی ہے، وہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم جہراً نہیں پڑھتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۴۱۱ ح ۴۱۴۴ وسندہ صحیح)

جبکہ سیدنا عبدالرحمٰن بن ابزی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عمر (رضی اللہ عنہ) نے (نماز میں) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم جہراً پڑھی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۴۱۲ ح ۴۱۵۷ وسندہ صحیح، شرح معانی الآثار للطحاوی ۱/۱۳۷، السنن الکبریٰ للبیہقی ۲/۴۸)

جو شخص (اپنی بیوی سے) جماع کرے اور انزال نہ ہو تو اس کے بارے میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ غسل نہیں کرے گا۔ الخ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۹۰ ح ۹۶۲ وسندہ صحیح)

جبکہ دوسری روایت میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب شرمگاہ سے شرمگاہ مل جائے تو غسل واجب (فرض) ہے۔ (ابن ابی شیبہ ۱/۸۶ ح ۹۳۳ وسندہ حسن، التاریخ الکبیر للبخاری ۳/۲۱۴ وسندہ حسن)

اب تابعین کے بعض آثارِ اختلاف پیشِ خدمت ہیں:

۱۲) سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اپنی داڑھی کا خلال کرتے تھے۔

(ابن ابی شیبہ ۱/۱۲ ح ۱۰۰، وسندہ صحیح)

جبکہ ابراہیم (نخعی رحمہ اللہ) نے وضو کیا اور اپنی داڑھی کا خلال نہیں کیا۔

(ابن ابی شیبہ ۱/۱۴ ح ۱۲۶، وسندہ صحیح)

۱۳) مشہور ثقہ تابعی عکرمہ رحمہ اللہ (وضو میں) اپنے پاؤں پر مسح کرتے تھے اور اسی کے قائل تھے۔ (ابن ابی شیبہ ۱/۱۸ ح ۱۷۸، وسندہ صحیح)

جبکہ ابومجلز لاحق بن حمید رحمہ اللہ اپنے پاؤں دھوتے تھے۔ (ابن ابی شیبہ ۱/۲۰ ح ۱۹۷، وسندہ صحیح)

۱۴) حکیم بن جابر (بن طارق بن عوف الاحمسی الکوفی) رحمہ اللہ اپنی پگڑی پر مسح کرتے تھے۔ (ابن ابی شیبہ ۱/۲۲ ح ۲۲۷ وسندہ حسن)

جبکہ عروہ (بن الزبیر) رحمہ اللہ پگڑی اُتار کر سر پر پانی سے مسح کرتے تھے۔

(ابن ابی شیبہ ۱/۲۳ ح ۲۳۶ وسندہ صحیح، موطا امام مالک ۱/۳۵ ح ۶۸ وسندہ صحیح)

قاسم بن محمد بن ابی بکر پگڑی پر مسح نہیں کرتے تھے۔ الخ (ابن ابی شیبہ ۱/۲۴ ح ۲۳۸ وسندہ صحیح)

۱۵) ابن عون (ثقہ) سے روایت ہے کہ میں نے محمد (بن سیرین رحمہ اللہ) کو دیکھا، وہ کھڑے ہو کر پیشاب کر رہے تھے اور وہ اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔

(ابن ابی شیبہ ۱/۱۲۳ ح ۱۳۱۷، وسندہ صحیح)

جبکہ ابن بریدہ رحمہ اللہ نے فرمایا: کھڑے ہو کر پیشاب کرنا (من الجفاء) بداخلاقی میں سے ہے۔ (ابن ابی شیبہ ۱/۱۲۴ ح ۱۳۲۷، وسندہ صحیح)

۱۶) ابن شہاب الزہری (ثقہ تابعی) وضو کے بعد تولیے سے اپنا چہرہ پونچھنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ (ابن ابی شیبہ ۱/۱۴۹ ح ۱۵۹۰، وسندہ صحیح)

اسود بن یزید رحمہ اللہ (بھی) تولیے سے پونچھتے تھے۔ (ابن ابی شیبہ ۱/۱۴۹ ح ۱۵۸۸، وسندہ صحیح)

جبکہ ابراہیم نخعی اور سعید بن جبیر رحمہما اللہ وضو کے بعد تولیے کو مکروہ سمجھتے تھے۔

(ابن ابی شیبہ ۱/۱۵۰ ح ۱۵۹۵، وسندہ صحیح)

اور عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ بھی اسے ناپسند کرتے تھے اور فرماتے: تم نے تولیے ایجاد کر لئے ہیں۔ (ابن ابی شیبہ ۱/۱۵۰ ح ۱۵۹۶، وسندہ صحیح)

۱۷) ابن شہاب الزہری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ تیمم دو ضربیں ہے: ایک چہرے کے لئے اور دوسری ذراعین (ہاتھ کی انگلیوں سے کہنیوں تک) کے لئے۔

(ابن ابی شیبہ ۱/۱۵۹ ح ۱۶۸۴، وسندہ صحیح)

جبکہ مکحول (تابعی رحمہ اللہ) نے تیمم کیا تو اپنے چہرے اور دونوں ہتھیلیوں کا (مٹی سے) مسح کیا۔ (ابن ابی شیبہ ۱/۱۵۹ ح ۱۶۷۹، وسندہ صحیح)

یعنی انھوں نے کہنیوں تک تیمم نہیں کیا۔

۱۸) ابراہیم نخعی نے کہا کہ بغیر وضو کے اذان کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ الخ

(ابن ابی شیبہ ۱/۲۱۱ ح ۲۱۸۸ وسندہ صحیح)

جبکہ عطاء بن ابی رباح بغیر وضو کے اذان کو مکروہ سمجھتے تھے۔

(ابن ابی شیبہ ۱/۲۱۲ ح ۲۱۹۶ وسندہ حسن)

۱۹) عروہ بن الزبیر رحمہ اللہ اذان میں باتیں کرتے تھے۔

(ابن ابی شیبہ ۱/۲۱۲ ح ۲۲۰۳ وسندہ صحیح)

جبکہ محمد بن سیرین رحمہ اللہ اذان میں باتیں کرنا مکروہ سمجھتے تھے۔

(ابن ابی شیبہ ۱/۲۱۲ ح ۲۲۰۵ وسندہ صحیح)

۲۰) عثمان بن ابی ھند العبسی الکوفی (ثقہ) نے کہا: میں نے ابوعبیدہ (بن عبداللہ بن مسعود رحمہ اللہ) کو دیکھا، انھوں نے جب رکوع کیا تو تطبیق کی یعنی اپنی رانوں کے درمیان اپنے دونوں ہاتھ رکھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۲۴۷ ح ۲۵۴۳ وسندہ صحیح)

جبکہ ابراہیم نخعی اپنے گھٹنوں پر دونوں ہاتھ رکھتے تھے۔ (ابن ابی شیبہ ۱/۲۴۵ ح ۲۵۳۶ وسندہ صحیح)

سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے رکوع میں اپنے گھٹنوں پر دونوں ہاتھ رکھے۔

(ابن ابی شیبہ ۱/۲۴۵ ح ۲۵۳۷ وسندہ حسن)

اور یہی راجح اور آخری عمل والی احادیث سے ثابت ہے۔

۲۱) مکحول رحمہ اللہ نے فرمایا: آدمی کی نماز کو عورت، گدھا اور کتا (اگر آگے سے گزر جائے تو) توڑ دیتے ہیں۔ (ابن ابی شیبہ ۱/۲۸۱ ح ۲۹۰۱ وسندہ صحیح)

جبکہ عروہ بن الزبیر رحمہ اللہ نے فرمایا: کفر کے سوا نماز کو کوئی چیز بھی نہیں توڑتی۔

(ابن ابی شیبہ ۱/۲۸۰ ح ۲۸۹۱ وسندہ صحیح)

اس طرح کی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں، جن سے صاف ثابت ہے کہ اہلِ حق میں بعض مسائل میں اختلاف ہوا ہے اور اختلاف ہو سکتا ہے، لہٰذا اہلِ بدعت کا اہلِ حق (اہلِ حدیث) کے بعض اختلافات پیش کر کے پروپیگنڈا کرنا باطل اور مردود ہے۔

امام ابوحنیفہ اور حنفی علماء کے درمیان بھی کئی مسائل پر بڑا اختلاف ہے، استاد اور دونوں شاگردوں (قاضی ابو یوسف اور محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی) کے درمیان سخت

اختلاف تھا، جس کی دس مثالیں حنفیہ کی معتبر کتبِ فقہ سے پیشِ خدمت ہیں:

۱) ابوحنیفہ نے کہا: امام کی تکبیر کے ساتھ مقتدی ملاتے ہوئے تکبیر کہے، جبکہ قاضی ابو یوسف اور ابن فرقد نے کہا: اس (امام) کے بعد تکبیر کہے۔

(مختلف الروایہ لابی اللیث السمر قندی ج ا ص ا۷ حوالہ: ۱)

۲) ابوحنیفہ نے کہا: جب امام رکوع سے سر اُٹھائے تو سمع اللہ لمن حمدہ کہے اور ربنا لک الحمد نہ کہے۔ جبکہ ابو یوسف اور ابن فرقد نے کہا: وہ دونوں (کلمات) اکٹھے کہے۔

(مختلف الروایہ ا/۴۷ حوالہ: ۲، دیکھئے الجامع الصغیر لابن فرقد ص ۸۷۔۸۸)

۳) ابوحنیفہ نے کہا: اگر نمازی بغیر عذر کے پیشانی کے بغیر (صرف) ناک زمین پر رکھے تو جائز ہے اور اُس نے غلط کام کیا۔ جبکہ ابو یوسف اور ابن فرقد نے کہا: جائز نہیں ہے۔

(مختلف الروایہ ا/۷۸ حوالہ: ۳، دیکھئے ہدایہ اولین ص ۱۰۸)

٤) ابوحنیفہ نے کہا: اگر قرآن فارسی میں پڑھے، خطبۂ جمعہ فارسی میں دے اور نماز میں تشہد فارسی میں پڑھے تو جائز ہے۔ ابو یوسف اور ابن فرقد نے کہا: اگر عربی اچھی طرح آتی ہے تو جائز نہیں ہے۔ الخ (مختلف الروایہ ا/۸۰۔۸۱ حوالہ: ۴، دیکھئے الجامع الصغیر ص ۹۴، ہدایہ اولین ص ۱۰۱)

یاد رہے کہ اس مسئلے میں امام ابوحنیفہ سے باسند صحیح رجوع ثابت نہیں ہے۔

۵) ابوحنیفہ نے کہا: جرابیں اگرچہ موٹی ہوں اور غیر منعل ہوں تو اُن پر مسح جائز نہیں ہے۔ ابو یوسف اور ابن فرقد نے کہا: اگر موٹی ہوں تو اُن پر مسح جائز ہے۔ (مختلف الروایہ ا/۹۰ حوالہ: ۹)

ہدایہ میں لکھا ہوا ہے کہ (امام) ابوحنیفہ نے آخر میں اپنی اس بات اور فتوے سے رجوع کر لیا تھا اور اسی پر فتویٰ ہے۔ (اولین ج ا ص ۶۱، وعنہ أنہ رجع إلی قولہما وعلیہ الفتویٰ)

٦) ابوحنیفہ نے کہا: اگر وضو کر کے عید کی نماز شروع کرے پھر وضو ٹوٹ جائے تو تیمّم کر کے نماز پر بنا کرے یعنی سابقہ نماز کے ساتھ ملا کر نماز پڑھے۔ ابو یوسف اور ابن فرقد نے کہا: نمازِ عید میں تیمّم کے ساتھ بنا کرنا جائز نہیں ہے۔ (مختلف الروایہ ا/۹۶۔۹۷ حوالہ: ۱۱)

۷) ابوحنیفہ نے کہا: شہر میں مقیم جُنبی کو اگر گرم پانی نہ ملے اور اسے اپنے آپ پر ہلاک

ہونے کا ڈر ہو تو اُس کے لئے تیمّم کرنا جائز ہے۔ ابو یوسف اور ابن فرقد نے کہا: جائز نہیں ہے۔ (مختلف الروایہ ۱/۹۸ حوالہ: ۱۲)

۸) ابوحنیفہ نے کہا کہ عصر کا وقت دو مثل پر داخل ہوتا ہے جبکہ ابو یوسف اور ابن فرقد نے کہا کہ ایک مثل پر داخل ہوتا ہے۔ (مختلف الروایہ ۱/۱۰۰ حوالہ: ۱۴، دیکھئے ہدایہ اولین ص ۸۱)

۹) ابوحنیفہ نے کہا: اذانِ خطبہ اور اقامت کے درمیان کلام کرنا مکروہ ہے۔ ابو یوسف اور ابن فرقد نے کہا: مکروہ نہیں ہے۔ (مختلف الروایہ ۱/۱۰۳ حوالہ: ۱۶)

۱۰) ابوحنیفہ نے کہا: اگر امام اور اکیلا (نمازی) مصحف سے (یعنی قرآن دیکھ کر) قراءت کرے تو اُس کی نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ ابو یوسف اور ابن فرقد نے کہا: فاسد نہیں ہوتی۔

(مختلف الروایہ ۱/۱۱۷ حوالہ: ۲۳، دیکھئے الجامع الصغیر ص ۹۷)

اس طرح کی اور بھی کئی مثالیں ہیں جن کی تفصیل درج ذیل کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہے:

۱: ابو اللیث السمرقندی کی کتاب: مختلف الروایہ (ترتیب العلاء السمرقندی)۔ ۴ جلدیں

۲: مختصر اختلاف العلماء تصنیف الطحاوی (اختصار الجصاص)............. ۵ جلدیں

۳: الافصاح عن معانی الصحاح لابن ہبیرہ.......................... ۲ جلدیں

۴: اختلاف الفقہاء للمروزی .... ۱ جلد

۵: مولانا عصمت اللہ ثاقب ملتانی کی کتاب: الاختلاف بین ائمۃ الاحناف.. ۱ جلد

۶: مولانا ارشاد الحق اثری کی کتاب: اسباب اختلاف الفقہاء............ ۱ جلد

۷: ڈاکٹر عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی کی کتاب: اسباب اختلاف الفقہاء... ۱ جلد

حنفیہ اور شافعیہ کا بھی آپس میں بڑا اختلاف ہے مثلاً:

۱: شافعیہ نماز میں رفع یدین قبل الرکوع وبعدہ کے قائل و فاعل ہیں، جبکہ حنفیہ مخالف ہیں۔

۲: شافعیہ فاتحہ خلف الامام کے قائل و فاعل ہیں، جبکہ حنفیہ مخالف ہیں۔

۳: شافعیہ نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنے کے قائل و فاعل ہیں، جبکہ حنفیہ مخالف ہیں۔

۴: شافعیہ جہری نمازوں میں آمین بالجہر کے قائل و فاعل ہیں جبکہ حنفیہ کو اس سے چڑ ہے۔

۵: شافعیہ کے نزدیک وتر سنت ہے، جبکہ حنفیہ کے نزدیک وتر واجب ہے۔

اس طرح کی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں۔

دیوبندیہ اور بریلویہ دونوں فرقوں میں باہم بہت زیادہ اختلافات ہیں، بلکہ بعض تو ایک دوسرے پر کفر، شرک اور بدعت کے فتوے بھی لگاتے ہیں۔

دیوبندیہ کے حیاتی اور مماتی فرقوں میں بھی کئی اختلافات ہیں، حتیٰ کہ بعض تو ایک دوسرے کے پیچھے نماز نہ پڑھنے کے قائل و فاعل ہیں۔

دیوبندیوں کے باہمی اختلافات اور تناقضات کی داستان بڑی طویل ہے۔

مثلاً دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو (عدد ۶۲ ص ۱۵ تا ۳۲، دیوبندی بنام دیوبندی)

محولہ مقام پر تیس سے زیادہ دیوبندی اختلافات کے حوالے پیش کر کے آلِ دیوبند کو اُن کا باطنی چہرہ دکھایا گیا ہے کہ ذرا اپنے گھر کی بھی خبر لیں۔

یہی حال آلِ بریلی (فرقہ بریلویہ) کا ہے۔ مثلاً:

۱: ایمانِ ابی طالب کے بعض قائل ہیں اور بعض ایمانِ ابی طالب کے قائل نہیں ہیں۔

۲: بعض طاہر القادری کو اچھا سمجھتے ہیں اور بعض اس کے مخالف ہیں بلکہ اُسے ''خطرے کی گھنٹی'' سمجھتے ہیں۔

۳: سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ کے بعض بریلویہ سخت مخالف ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ وہ تو ایک صحابی معلوم ہوتے ہیں۔ (دیکھئے مقابیس المجالس ص ۷۹۶)

۴: بعض سبز پگڑی باندھتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ ''اب ایک گمراہ فرقہ یعنی دیندار جماعت نے بھی سبز عمامہ باندھنا شروع کر دیا ہے اور اس کو اپنی علامت بنالیا ہے''

(دیکھئے شرح صحیح مسلم از غلام رسول سعیدی ج ۶ ص ۳۸۲)

کیا ان لوگوں نے اپنی چارپایوں کے نیچے بھی کبھی لاٹھیاں پھیری ہیں یا بس اہلِ سنت (اہلِ حدیث) کے بعض اختلافات کو ہی اچھالنے میں مصروف ہیں؟!

رَے اور اصبہان کے شہروں میں حنفیوں اور شافعیوں کی باہمی لڑائیاں اور قتلِ عام کس

کھاتے میں جائے گا؟

تفصیل کے لئے دیکھئے یاقوت الحموی کی کتاب: معجم البلدان (ج ۳ ص ۱۱۷، ج ۱ ص ۲۰۹)

آخر میں اہلِ حدیث (اہلِ سنت) بھائیوں کی خدمت میں عرض ہے کہ علمائے حق کے بعض اجتہادی مسائل میں بعض اختلافات پر تنگ دل نہ ہوں اور نہ ایک دوسرے کے خلاف فتوے لگانا شروع کر دیں بلکہ صبر کریں اور اسی طرح برداشت اور رواداری کا مظاہرہ کریں، جس طرح صحابہ و تابعین اور سلف صالحین نے اپنے باہمی اختلافات پر کیا تھا۔ درگزر کریں، راجح کو ترجیح دیں اور وسعتِ نظری سے کام لیں۔ علمائے کرام کا احترام کریں اور ادب کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔ اہلِ حدیث کے تمام مخالفین علمی میدان میں ہمیشہ شکست خوردہ اور مغلوب رہیں گے۔ ان شاء اللہ

سلف صالحین کے درمیان اجتہادی مسائل میں اختلافات کی اصل وجہ یہ تھی کہ بعض مسائل میں نصِ صریح واضح نہ ہونے کی وجہ سے انھیں اجتہاد کرنا پڑا، لہٰذا یہ اختلاف رونما ہوا۔ بعض تک صحیح حدیث نہ پہنچی تو انھوں نے اجتہاد سے کام لیا، لیکن جب اُن تک صحیح حدیث پہنچ گئی تو انھوں نے آلِ تقلید کی طرح ضد اور ہٹ دھرمی سے کام نہیں لیا بلکہ فوراً رجوع کر لیا۔ مثلاً: سیدنا ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ سے بیٹی، پوتی اور بہن کی وراثت کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: بیٹی کے لئے آدھا ہے اور بہن کے لئے آدھا ہے، ابن مسعود کے پاس جا کر پوچھ لو! وہ میری تائید کریں گے، پھر ابن مسعود (رضی اللہ عنہ) سے پوچھا گیا اور انھیں ابو موسیٰ (رضی اللہ عنہ) کا قول بتایا گیا تو انھوں نے فرمایا: میں اس کے بارے میں وہ فیصلہ کروں گا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا: بیٹی کے لئے آدھا ہے، پوتی کے لئے چھٹا حصہ ہے اور اس طرح دو تہائی پوری ہوگئی، جو باقی بچا وہ بہن کا ہے۔ پھر ابو موسیٰ (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: جب تک یہ عالم تمھارے درمیان موجود ہیں مجھ سے مسئلے نہ پوچھو۔ (صحیح بخاری: ۶۷۳۶ ملخصاً)

معلوم ہوا کہ سیدنا ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ نے حدیث معلوم ہونے کے بعد فوراً اپنے فتوے سے رجوع کر لیا تھا اور یہی اہلِ ایمان کی عظیم نشانی ہے۔ والحمد للہ (۱۳/ فروری ۲۰۱۰ء)

جمہور صحابۂ کرام اور ایامِ قربانی

قربانی کے تین دن ہیں یا چار؟ اس بارے میں علمائے اہلِ حدیث کے درمیان اختلاف ہے۔اس سلسلے میں ایک مرفوع روایت بیان کی جاتی ہے کہ ایامِ تشریق ذبح کے دن ہیں، لیکن یہ روایت اپنی تمام سندوں کے ساتھ ضعیف ہے، جیسا کہ راقم الحروف نے تحقیق کر کے ثابت کر دیا ہے۔ (دیکھئے میری کتاب: توضیح الاحکام ج ۲ ص ۱۷۷۔۱۷۹، قربانی کے تین دن ہیں)

اس روایت کو شیخ البانی، حافظ الیاس اثری اور ڈاکٹر (؟) محمد شریف شاکر وغیرہم میں سے کوئی بھی باسند صحیح ثابت نہیں کر سکا، بلکہ سب ناکام رہے ہیں۔

روایت کے ضعیف و مردود ہونے کے بعد عرض ہے کہ سلف صالحین میں قربانی کے دنوں میں اختلاف رہا ہے، جس کا مختصر تذکرہ درج ذیل ہے:

۱: جمہور صحابہ کرام یعنی سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ قربانی کے تین دن ہیں۔

(دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو: ۴۴ ص ۱۰)

صحابہ کرام میں سے کسی ایک صحابی سے بھی باسند صحیح یا حسن لذاتہ یہ ثابت نہیں کہ قربانی کے چار دن ہیں۔اس سلسلے میں حافظ الیاس اثری اور ڈاکٹر محمد شریف وغیرہما جو آثارِ صحابہ پیش کرتے ہیں، وہ سارے کے سارے بے سند اور غیر ثابت ہونے کی وجہ سے مردود کے حکم میں ہیں۔ان کے مقابلے میں صرف سیدنا ابوامامہ بن سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے آخری ذوالحجہ تک قربانی کرنے کا قول آیا ہے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۹/ ۲۹۷۔۲۹۸ وسندہ صحیح)

یہ قول جمہور صحابہ اور خصوصاً خلیفہ راشد سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے مرجوح ہے۔

۲: تابعین میں سے امام حسن بصری رحمہ اللہ، امام عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ اور امام عمر

بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے قربانی کے چار دن ثابت ہیں۔

تابعین کرام کے یہ آثار چونکہ صحابۂ کرام کے آثار کے خلاف ہیں، لہٰذا اُن کے مقابلے میں صحابۂ کرام کے آثار کو ہی ترجیح حاصل ہے۔

اس تمہید کے بعد عرض ہے کہ محمد شریف شاکر صاحب کا ایک مضمون: ''قربانی کے چار دن'' ہفت روزہ اہلحدیث لاہور میں شائع ہوا ہے۔ (ج ۴۱ شمارہ ۴۶ ص ۲۱۔ ۲۲ نومبر تا دسمبر ۲۰۱۰ء)

ہمارے اس مضمون میں شاکر صاحب کے اعتراضات ش ش کے مخفف سے اور اُن کے جوابات پیشِ خدمت ہیں:

ش ش (۱): ''موصوف کا یہ جواب نامکمل ہے کیونکہ آپ نے بہت کچھ نظر انداز کر دیا۔'' (ص ۲۱)

عرض ہے کہ میرا جواب بحمد اللہ مکمل ہے اور میں نے وہی باتیں نظر انداز کی ہیں، جن کا اصل موضوع کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔

ش ش (۲): ''میرے مضمون میں یہ عبارت: کیا کوئی صاحب علم کسی منسوخ حدیث کو بطور دلیل پیش کر سکتا ہے؟ موصوف نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔'' (ص ۲۱)

الجواب: یہ موضوع سے غیر متعلقہ بات ہے، کیونکہ میری دلیل سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا قول اور آثارِ صحابہ ہیں، جبکہ مشار الیہ حدیث کو توضیح الاحکام میں سائل کے سوال کا جواب لکھنے کے بعد آخر میں بطورِ فائدہ ذکر کیا گیا تھا اور ساتھ یہ بھی وضاحت کر دی گئی تھی کہ ''بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا۔'' (دیکھئے الحدیث حضرو: ۴۴ ص ۱۱)

ماہنامہ الحدیث کا یہی تو وہ شاندار منہج ہے کہ قارئین کے سامنے دونوں رُخ پیش کر دیئے جاتے ہیں اور اس منہج کے جواب سے تمام آلِ تقلید اور آلِ دیوبند عاجز وساکت اخرس ہیں۔ والحمد للہ

کوئی صاحبِ علم بھی منسوخ حدیث کو منسوخ شدہ مسئلے کے جواز کے لئے بطورِ دلیل پیش نہیں کر سکتا اور نہ راقم الحروف نے کسی منسوخ حدیث کو کسی منسوخ شدہ مسئلے کے جواز کے

لئے بطورِ دلیل کبھی پیش کیا ہے۔ رہی تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت رکھنے والی منسوخ روایت تو منسوخ کی صراحت کے ساتھ اسے آخر میں بطورِ فائدہ ذکر کر کے یہ لکھ دیا تھا کہ ''اس ساری تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی ﷺ سے صراحتاً اس باب میں کچھ بھی ثابت نہیں ہے اور آثار میں اختلاف ہے، لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور جمہور صحابہ کرام کا یہی قول ہے کہ قربانی کے تین دن (عید الاضحیٰ اور دو دن بعد) ہیں، ہماری تحقیق میں یہی راجح ہے اور امام مالک وغیرہ نے بھی اسے ہی ترجیح دی ہے۔ واللہ اعلم (۲ رمئی ۲۰۰۷ء)'' (الحدیث:۴۴ص ۱۱)

یہ وہ عبارت ہے جس نے ش ش اور ان جیسے لوگوں کو پریشان و سرگردان کر رکھا ہے اور بے چارے بھنبیریاں کھا رہے ہیں۔

ش ش (۳): ''موصوف کی پیش کردہ منسوخ حدیث کے جواب میں علامہ ابن قیم......''

(ص ۲۱)

الجواب: سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے قول اور آثارِ صحابہ کا جواب دیں، جو کہ راقم الحروف کے اعتراف و صراحت کے ساتھ پہلی دلیل ہیں۔ (دیکھئے میری کتاب: تحقیقی......مقالات ۲۶۳/۳)

کیا آپ اور آپ کے تمام مؤیدین کسی ایک صحابی سے بھی یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ قربانی کے چار دن ہیں؟ رہی منسوخ حدیث اور حافظ ابن القیم وغیرہ کا کلام تو یہ میری اصل دلیل ہی نہیں بلکہ اسے بطورِ فائدہ ذکر کیا تھا اور اصل مسئلے میں وجۂ اعتراض نہ ملنے کی وجہ سے مخالفین اسی فائدے پر سینہ آزمائی کر رہے ہیں، حالانکہ یہ ذیلی دلیل صرف میرا استدلال نہیں بلکہ مجھ سے پہلے ابن قدامہ حنبلی نے بھی یہی استدلال کیا ہے۔ (دیکھئے المغنی ۳۵۹/۹ مسئلہ:۷۸۸۳)

ابن قدامہ سے پہلے ابو الولید الباجی (متوفی ۴۹۴ھ) نے بھی اسی حدیث سے یہی استدلال کیا ہے۔ دیکھئے المنتقیٰ شرح الموطأ للباجی (۱۹۴/۴)

قاضی عیاض مالکی (متوفی ۵۴۴ھ) نے بھی اپنے بعض مشائخ سے یہی استدلال نقل کیا ہے۔ دیکھئے اکمال المعلم بفوائد مسلم (۴۲۴/۶)

رہا حافظ ابن القیم کا یہ قول کہ ''یہ حدیث قربانی کرنے والے کو اپنی قربانی ذبح کرنے

کے آغاز سے تین دن سے زائد گوشت ذخیرہ کی ممانعت پر دلالت کرتی ہے۔'' الخ
عرض ہے کہ حافظ ابن القیم نے اس بات کی کوئی صریح دلیل ذکر نہیں کی اور حافظ ابوالعباس القرطبی (متوفی ٦٥٦ھ) نے لکھا ہے: ''واختلف في أول الثلاثة الأيام التي كان الإدخار جائزًا فيها. فقيل: أولها يوم النحر فمن ضحّى فيه جازله أن يمسك يوم النحر ويومين بعده. ومن ضحّى بعده أمسك مابقي له من الثلاثة الأيام من يوم النحر.'' اور تین دنوں میں سے پہلے دن کے بارے میں اختلاف ہے، جس میں (گوشت کو) ذخیرہ کرنا جائز تھا، پس کہا گیا ہے: نحر والا دن (١٠ ذوالحجہ) پہلا دن ہے، لہٰذا اس میں ذبح کرے تو اس کے لئے جائز ہے کہ اس دن اور اس کے بعد دو دن (گوشت) ذخیرہ کرلے۔ اور جو شخص اس (پہلے) دن کے بعد ذبح کرے تو تین دنوں میں سے جو باقی رہ گئے ہیں ان میں (گوشت) روک سکتا ہے۔ (المفہم لما اشکل من تلخیص کتاب مسلم ج ٥ ص ٣٧٦۔٣٧٧)

اس کا مطلب یہ ہے کہ قربانی کے دوسرے دن ذبح کرنے والا دو دن تک گوشت رکھ سکتا تھا اور تیسرے دن ذبح کرنے والا صرف اسی دن ہی استعمال کرسکتا تھا۔

امام قرطبی نے دوسرا قول (حافظ ابن القیم کے مفہوم والا) بھی ذکر کیا ہے اور اسے ظاہر قرار دیا ہے، لیکن ان دونوں اقوال سے معلوم ہوا کہ حدیث کے مفہوم میں دونوں احتمال پائے جاتے ہیں، لہٰذا بغیر کسی صریح دلیل کے صرف حافظ ابن القیم والے قول کو مستدل بنانا محلِ نظر ہے۔ واللہ اعلم

ش ش (۴): ''چار دن قربانی کرنے کے جواز میں جو میں نے امام شافعیؒ کا درج ذیل قول ذکر کیا۔ حافظ زبیر علی زئی صاحب نے اس کا جواب نہیں دیا... لانها أيام النسك'' الخ (ص ۲۱)

الجواب: راقم الحروف نے لکھا تھا: ''امام شافعی اور عام اہلِ حدیث علماء کا یہی فتویٰ ہے کہ قربانی کے چار دن ہیں۔'' (الحدیث: ۴۴ ص ۱۱)

اور یہ ظاہر ہے کہ اس مسئلے میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور جمہور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین

کے مقابلے میں امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ علماء کے اقوال مرجوح وناقابلِ استدلال ہیں۔
چونکہ سنت میں اس مسئلے کے بارے میں کوئی صریح راہنمائی موجود نہیں، لہٰذا آثارِ سلف صالحین (یعنی آثارِ صحابہ) کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔

ث ش (۵): ''تو عرض ہے کہ کیا موصوف محترم کو اپنے ماہ نامہ ''الحدیث'' حضرو کے شمارہ نمبر ۴۴ ماہ جنوری ۲۰۰۸ء میں اپنے بلاسند پیش کردہ آٹھ اقوال نظر نہیں آئے۔ دیکھیں اور بار بار دیکھیں! شاید اس شمارہ کے کسی کونے میں پڑی سندیں مل جائیں!!'' (ص ۲۱)

الجواب: راقم الحروف نے الحدیث حضرو نمبر ۴۴ سارا دیکھ لیا ہے اور بار بار دیکھا ہے، لیکن اس میں ڈاکٹر اور پروفیسر صاحب (!) مذکور کے مزعومہ بلاسند آٹھ اقوال کہیں نظر نہیں آئے، لہٰذا مؤدبانہ عرض ہے کہ انھوں نے کذب وافتراء اور تہمت وبہتان کے راستوں پر گامزن لوگوں کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے صریح غلط بیانی، جھوٹ اور بہتان سے کام لیا ہے اور اگر وہ اپنے آپ کو جھوٹ اور بہتان کے الزام سے بچانا چاہتے ہیں تو وہ بے سند آٹھ اقوال مع متون وحوالہ پیش کریں، جن سے الحدیث: ۴۴ میں استدلال کیا گیا ہے۔!

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے جو ملمع سازی اور کشیدہ کاری کی ہے، اس کا جواب انھیں اللہ تعالیٰ کی عدالت میں دینا پڑے گا۔ ان شاء اللہ

ث ش (۶): ''قواعد حدیث کے مطابق صحیح سند کے مقابلہ میں حسن سند مرجوح ہوتی ہے۔'' (ص ۲۲)

الجواب: ہم نے قواعدِ حدیث یا اصولِ حدیث میں کہیں نہیں پڑھا کہ ''صحیح سند کے مقابلہ میں حسن سند مرجوح ہوتی ہے۔'' بلکہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ
'' وهو في الاحتجاج به كالصحيح عند الجمهور '' اور جمہور کے نزدیک وہ حجت ہونے میں صحیح کی طرح (یعنی حجت) ہے۔

(اختصار علوم الحدیث مع الباعث الحثیث ص ۴۶ نوع: ۲، دوسرا نسخہ مع تعلیق الالبانی ج ۱ ص ۱۲۹)

یعنی حسن لذاتہ روایت (وسند) حجت ہونے کے لحاظ سے صحیح کی طرح حجت ہے۔

نیز دیکھئے اختصار علوم الحدیث (مترجم اردو ص ۲۷، از راقم الحروف)

علامہ نووی نے لکھا ہے: ''ثم الحسن کالصحیح فی الاحتجاج بہ وإن کان دونہ فی القوۃ ولھذا أدرجتہ طائفۃ في نوع الصحیح. واللّٰہ أعلم'' پھر یہ کہ صحیح کی طرح حسن قابلِ حجت ہے اور اگر چہ قوت میں اس سے کم تر ہے اور اس وجہ سے ایک جماعت نے اسے صحیح کی قسم میں شامل کیا ہے۔ واللہ اعلم (التقریب للنووی فی اصول الحدیث ص ۴)

درجے میں کم ہونے سے مراد یہ ہے کہ جس طرح صحیح حدیث کا درجہ قرآن مجید سے کم ہے اور دونوں یکساں حجت ہیں، صحیح غریب کا درجہ متواتر سے کم ہے اور دونوں یکساں حجت ہیں، اسی طرح حسن حدیث کا درجہ صحیح حدیث سے کم ہے اور دونوں یکساں حجت ہیں۔

یاد رہے کہ یہاں حسن سے ہماری مراد وہ حسن لذاتہ حدیث ہے جو نہ شاذ ہے اور نہ معلول بلکہ محفوظ ہے۔

اللّٰھم باعد بیني والی دعائے استفتاح صحیح لذاتہ حدیث سے ثابت ہے۔

(دیکھئے صحیح بخاری: ۷۴۴، صحیح مسلم: ۵۹۸)

اور **سبحانك اللّٰھم** والی دعائے استفتاح حسن لذاتہ اور صحیح لغیرہ حدیث سے ثابت ہے۔ (دیکھئے اصل صفۃ صلوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم للالبانی ج ۱ ص ۲۵۲۔۲۵۷)

اور دونوں پر عمل کرنا بالکل صحیح ہے۔ اُصولِ حدیث کی بحث کے بعد عرض ہے کہ قربانی کے دنوں کے بارے میں صحابۂ کرام کے آثار درج ذیل ہیں:

۱: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ (تین دن ہیں) اس کی سند صحیح ہے۔

۲: عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ (تین دن ہیں) اس کی سند حسن ہے۔

۳: انس بن مالک رضی اللہ عنہ (تین دن ہیں)

[احکام القرآن للطحاوی ۲/۲۰۶ ح ۱۵۷۶] اس کی سند صحیح ہے۔

۴: علی رضی اللہ عنہ (تین دن ہیں) اس کی سند حسن ہے۔

صحابہ میں سے کسی ایک صحابی سے بھی قربانی کے چار دن ثابت نہیں اور ابن قدامہ نے لکھا

ہے: ''ولا مخالف لهم إلا رواية عن علي'' اور علی سے ایک روایت کے علاوہ ان کا کوئی مخالف (صحابہ میں سے) نہیں ہے۔ (المغنی ج ۹ ص ۳۵۹)

عرض ہے کہ مخالفت والی روایت سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے صحیح یا حسن سند کے ساتھ ثابت نہیں ہے۔

صرف صحابیٔ صغیر سیدنا ابوامامہ بن سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے آخر ذوالحجہ یعنی یکم محرم سے پہلے تک قربانی کی روایت ثابت ہے۔

تابعین کے آثار درج ذیل ہیں:

۱: حسن بصری رحمہ اللہ (چار دن ہیں) اس کی سند صحیح ہے۔

۲: عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ (چار دن ہیں) اس کی سند حسن ہے۔

۳: عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ (چار دن ہیں) اس کی سند حسن ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے امین اوکاڑوی پارٹی کی طرح یہ چالاکی کی ہے کہ سیدنا حسن بصری رحمہ اللہ کے اثر اور سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی روایتوں کو سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی روایتوں سے ٹکرا دیا ہے، حالانکہ حسن بصری رحمہ اللہ کے قول و فعل کو صحابۂ کرام کے آثار سے ٹکرانا اور مقابلہ کرا دینا اُصولاً غلط ہے۔ کہاں صحابہ اور کہاں تابعین؟!

رہی سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی روایت تو عام اہلِ حدیث علماء کا اس کے مطابق نہ فتویٰ ہے اور نہ عمل ہے، ورنہ پھر (ابن حزم کی طرح) آخری ذوالحجہ تک قربانی کے جواز کا فتویٰ دیں اور چار دن کی تخصیص سے دست بردار ہو جائیں۔

یاد رہے کہ یہاں صحیح اور حسن کا مقابلہ ہی نہیں بلکہ آثارِ صحابہ (صحیح عن ابن عمر و صحیح عن انس رضی اللہ عنہما) اور آثارِ تابعین کے درمیان مقابلہ ہے۔ ہمارے نزدیک آثارِ صحابہ کو آثارِ تابعین پر ترجیح حاصل ہے۔

ش ش (۷): ''موصوف سے سوال ہے کہ قواعد حدیث کے مطابق صحیح سند کے مقابلہ میں حسن سند مرجوح ہوتی ہے؟ تو آپ نے صحیح سند کے مقابلہ میں حسن سند کو کس اصول کے تحت راجح قرار دیا ہے؟ ...... کیا آپ قواعد حدیث کے انکاری ہیں؟'' (ص ۲۲)

الجواب: ہم قواعدِ حدیث کے انکاری نہیں، لیکن آپ کو سمجھنا چاہئے کہ آپ کا مذکورہ قاعدہ قواعدِ حدیث یعنی اصولِ حدیث میں ہمیں سرے سے نہیں ملا، لہٰذا اپنے خودساختہ اور من گھڑت قاعدے کا ثبوت پیش کر دیں۔

ہم نے صحیح کے مقابلے میں حسن کو نہیں بلکہ آثارِ تابعین کے مقابلے میں آثارِ صحابہ اور خصوصاً سیدنا علی رضی اللہ عنہ (خلیفہ راشد) کے قول کو ترجیح دی ہے اور وسنة الخلفاء الراشدین کی اتباع کا بھی یہی تقاضا ہے۔

ش ش (۸): ''لیکن موصوف نے یہ بات تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے لکھی ہے۔''

(ص ۲۲)

الجواب: راقم الحروف نے لکھا تھا: ''امام شافعی اور عام اہل حدیث علماء کا یہی فتویٰ ہے کہ قربانی کے چار دن ہیں۔'' (الحدیث: ۴۴ ص ۱۱، یہ حوالہ پہلے بھی گزر چکا ہے۔)

اور ان کے برعکس جمہور صحابہ سے تین دن والا قول ثابت ہے، لہٰذا ڈاکٹر صاحب کا یہ دعویٰ باطل ہے کہ چار دن والا مسلک اہلِ حدیث کا متفق علیہ مسلک ہے۔

ش ش (۹): ڈاکٹر صاحب نے بغیر کسی صحیح سند کے لکھا ہے: ''ایام قربانی عیدالاضحیٰ اور اس کے بعد تین دن ہیں: اس کے قائل حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں اور......'' (ص ۲۲)

الجواب: ڈاکٹر صاحب کی یہ بات بے سند ہونے کی وجہ سے خلافِ واقعہ اور غلط ہے۔ اگر ان میں ہمت ہے تو قواعد حدیث کو مدِ نظر رکھ کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے اپنا مذکورہ حوالہ باسند صحیح یا باسند حسن ثابت کر دیں اور اگر وہ اس میں کامیاب ہو گئے تو ہم انھیں اختصار علوم الحدیث (مترجم اردو) کے دس نسخے بطورِ تحفہ دیں گے اور اگر ناکام رہے تو پھر غلط بیانی سے اجتناب کریں۔

انھوں نے نیل الاوطار سے کچھ بے سند اقوال نقل کئے ہیں، جن کی علمی میدان میں کوئی حیثیت نہیں ہے۔

میری طرف سے ش ش اور ان کے ساتھیوں سے مطالبہ ہے کہ وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ یا کسی

ایک صحابی سے صحیح وحسن سند کے ساتھ قربانی کے چار دنوں والا قول ثابت کر دیں اور اگر نہ کر سکیں تو جمہور صحابہ کو ترجیح دینے والوں کے خلاف پروپیگنڈا نہ کریں۔

آخر میں عرض ہے کہ درج ذیل علمائے اہلِ حدیث سے ثابت ہے کہ قربانی کے تین دن ہیں:

۱: سیدنا علی رضی اللہ عنہ

۲: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ

۳: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ

۴: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ

۵: امام مالک رحمہ اللہ (دیکھئے الموطأ تحقیق الہلالی ۳/۹۹ روایۃ ابن زیاد)

۶: امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ

(مسائل احمد واسحاق، روایۃ اسحاق بن منصور الکوسج ۲/۳۶۷ فقرہ: ۲۸۳۶)

۷: امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ (ایضاً ص ۳۶۷)

نیز عرض ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

قربانی کے دن کے بعد دو دن قربانی ہے اور افضل قربانی نحر والے (یعنی پہلے) دن ہے۔

(احکام القرآن للطحاوی ۲/۲۰۵ ح ۱۵۷۱، وسندہ حسن لذاتہ)

قارئین کرام کی خدمت میں عرض ہے کہ ایامِ قربانی کے بارے میں راقم الحروف کے دو مضمون درج ذیل ہیں:

۱: قربانی کے تین دن ہیں (ایک سوال کا جواب، دیکھئے الحدیث: ۴۴ اور توضیح الاحکام ۲/۱۷۵۔۱۸۱)

۲: قربانی کے چار یا تین دن؟ (مقالات ج ۳ ص ۲۶۱۔۲۶۳)

ان مضامین کا مطالعہ کریں تو حافظ الیاس اثری صاحب اور ڈاکٹر محمد شریف شاکر صاحب وغیرہما کے شبہات واعتراضات کا کمزور اور بے بنیاد ہونا خود بخود واضح ہو جائے گا۔ ان شاء اللہ

(۱۶/ نومبر ۲۰۱۰ء)

تذکرۃ الراوی وعلمائے حدیث

مشہور تابعی امام مکحول الشامی رحمہ اللہ

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علٰی رسولہ الأمین و رضي اللّٰہ عن أصحاب خاتم النبیین و رحمۃ اللّٰہ علٰی ثقات التابعین و من تبعھم بإحسان إلٰی یوم الدین، أما بعد:

مشہور تابعی امام ابوعبداللہ مکحول بن دبر: ابی مسلم بن شاذل بن سندل بن سروان بن بزدک بن یغوث بن کسریٰ الشامی الدمشقی الفقیہ الکابلی کابل (افغانستان) کے قیدیوں میں سے تھے، آپ کو غلام بنایا گیا اور بعد میں آزاد کر دیا گیا تھا۔ آپ کی بیان کردہ روایات درج ذیل کتابوں میں موجود ہیں:

صحیح مسلم، سنن ترمذی، سنن ابی داود، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، جزء القراءۃ للبخاری، صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان، صحیح ابن الجارود یعنی المنتقیٰ، صحیح ابی عوانہ، مستدرک الحاکم، المختارہ للضیاء المقدسی اور مسند احمد وغیرہ

اساتذہ: آپ کے چند اساتذہ کے نام درج ذیل ہیں:

۱: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ

۲: سیدنا واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ (دیکھئے تاریخ یحییٰ بن معین، روایۃ الدوری: ۵۲۵۱)

۳: سیدنا ابوھند الداری رضی اللہ عنہ

(دیکھئے التاریخ الاوسط للبخاری ۳/ ۴۶ افقرہ: ۲۵۴، التاریخ الکبیر للبخاری ۸/ ۲۱ رقم ۲۰۰۸، سنن الترمذی: ۲۵۰۶)

۴: سعید بن المسیب رحمہ اللہ

۵: سلیمان بن یسار رحمہ اللہ

۶: اور شرحبیل بن السمط وغیرہم رحمہم اللہ

(دیکھئے تہذیب الکمال ۷/ ۲۱۶)

آپ نے سیدنا ابوامامہ (الباہلی) رضی اللہ عنہ سے حمص (شام) میں ملاقات کی۔

(تاریخ ابی زرعۃ الدمشقی: ۶۲۶ وسندہ صحیح)

تلامذہ: آپ کے شاگردوں میں سے چند کے نام درج ذیل ہیں:

۱: حمید الطّویل

۲: عبدالرحمٰن بن عمرو الاوزاعی

۳: محمد بن مسلم بن شہاب الزہری الامام

۴: محمد بن اسحاق بن یسار امام المغازی

۵: اور یحییٰ بن سعید الانصاری وغیرہم رحمہم اللہ۔ (دیکھئے تہذیب الکمال ج ۷ ص ۲۱۷)

☆ حنفیہ کے نزدیک معتبر کتاب الآثار لابن فرقد الشیبانی میں لکھا ہوا ہے:

"أبو حنيفة قال: حدثنا مكحول الشامي عن النبي ﷺ ..."

(کتاب الآثار عربی: ۸۱۷، اردو مترجم ص ۳۵۰ ح ۸۰۰، تیسرا نسخہ ص ۱۳۸)

جرح: آپ پر بعض کی جرح اور اس کی تحقیق درج ذیل ہے:

۱: ابن سعد کاتب الواقدی نے کہا: "**وقال غيره من أهل العلم: كان مكحول من أهل كابل و كانت فيه لكنة و كان يقول بالقدر و كان ضعيفًا في حديثه و روايته**" اور اہل علم میں سے اس کے علاوہ دوسرے نے کہا: مکحول کابل والے تھے، ان کی زبان میں لکنت تھی، وہ قدریہ (یعنی انکارِ تقدیر) کے قائل تھے، وہ اپنی حدیث اور روایت میں ضعیف تھے۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۷ ص ۴۵۴)

یہ جرح دو وجہ سے مردود و باطل ہے:

اول: اس کا جارح (غیرہ من اھل العلم) مجہول ہے اور مجہول کی جرح کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔

دوم: یہ جرح جمہور محدثین کی توثیق کے خلاف ہے اور جو جرح جمہور محدثین کی صریح توثیق کے خلاف ہو تو وہ ہمیشہ مردود ہوتی ہے۔

تقدیر (قدریہ) کے سلسلے میں عرض ہے کہ مکحول کے شاگرد امام سعید بن عبدالعزیز التنوخی نے فرمایا: "لم یکن مکحول قدریًا" مکحول قدری نہیں تھے۔

(تاریخ ابی زرعۃ الدمشقی: ۶۳۷ وسندہ صحیح)

ابراہیم بن ابی عبلہ رحمہ اللہ (متوفی ۱۵۲ھ) سے روایت ہے کہ میرے سامنے رجاء بن حیوہ (ثقہ تابعی رحمہ اللہ) نے مکحول سے پوچھا: مجھے پتا چلا ہے کہ تم نے تقدیر کے بارے میں کلام کیا ہے...؟ تو مکحول نے جواب دیا: "لا واللّٰه! أصلحك اللّٰه، ما ذاك من شأني ولا قولي أو نحو ذلك ..." نہیں اللہ کی قسم! اللہ آپ کو عافیت میں رکھے، میری یہ شان نہیں ہے اور نہ یہ میرا قول ہے، یا اس طرح کی بات انھوں نے کہی...

(کتاب العلل ومعرفۃ الرجال ۳/ ۲۸۰۔۲۸۱ فقرہ: ۵۲۴۷ وسندہ صحیح)

معلوم ہوا کہ امام مکحول رحمہ اللہ پر قدری ہونے کا الزام غلط ہے۔

۲: ابن الجوزی نے انھیں مجروحین میں ذکر کیا اور دوسری جگہ فرمایا:

"و کان عالمًا فقیهًا و رأی أنس بن مالك ..."

اور آپ عالم فقیہ تھے، آپ نے انس بن مالک کو دیکھا ہے... (المنتظم ۷/ ۲/ ۷ ات ۶۲۰)

☆ سرفراز خان صفدر دیوبندی نے کہا (محمد طاہر پٹنی نے کہا):

"امام ابو حاتمؒ کہتے ہیں کہ وہ لیس بالمتین چنداں قابل اعتبار نہ تھے اور باوجود اس کے مدلس بھی تھے (قانون الموضوعات ص ۲۹۸)" (احسن الکلام ج ۲ ص ۸۷، دوسرا نسخہ ج ۲ ص ۹۷)

عرض ہے کہ محمد طاہر الفتنی گجراتی حنفی (پیدائش ۹۱۳ھ وفات ۹۸۶ھ) کی کتاب: قانون الموضوعات میں یہ عبارت درج ذیل الفاظ کے ساتھ مذکور ہے:

"مکحول لیس بالمتین قاله أبو حاتم" (ص ۲۹۸)

محمد طاہر پٹنی نے اپنی پیدائش سے صدیوں پہلے فوت ہو جانے والے امام ابو حاتم الرازی رحمہ اللہ تک کوئی سند بیان نہیں کی، لہٰذا یہ بے سند حوالہ مردود ہے۔

تفصیل کے لئے دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو: ۱۳ ص ۳۲۔۳۴

جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ وصدوق راوی پر آلِ دیوبند کا اس قسم کی غیر ثابت اور شاذ جرح نقل کر کے اُسے ضعیف قرار دینے کی کوشش کرنا، اس بات کی دلیل ہے کہ یہ لوگ عدل وانصاف سے تہی دامن بلکہ بالکل ہی خالی ہیں۔

توثیق: اب مردود جرح کے مقابلے میں جمہور محدثین وعلماء کی توثیق پیشِ خدمت ہے:

۱) امام ابوالحسن العجلی رحمہ اللہ (متوفی ۲۶۱ھ) نے امام مکحول الدمشقی کے بارے میں فرمایا: " تابعي ثقة " یعنی ثقہ تابعی ہیں۔ (التاریخ المشہور بالثقات: ۱۷۸۴، دوسرا نسخہ: ۱۶۲۸)

۲) ابن حبان البستی (انھوں نے مکحول کو کتاب الثقات میں ذکر کیا اور فرمایا:)

" و كان من فقهاء أهل الشام و ربما دلّس ... " اور آپ اہلِ شام کے فقہاء میں سے تھے اور بعض اوقات تدلیس (یعنی ارسال) کرتے تھے۔ (کتاب الثقات ج ۵ ص ۴۴۷)

قولِ مذکور میں تدلیس کا لفظ اصطلاحی معنوں میں نہیں بلکہ لغوی معنوں میں استعمال ہوا ہے، جیسا کہ ابن حبان نے بشیر بن المہاجر کے بارے میں فرمایا: اس نے انس سے روایت کی اور اس نے آپ کو نہیں دیکھا، تدلیس کی ہے۔ (الثقات ۹۸/۶)

نیز دیکھئے الکواکب الدریہ (ص ۶۳ طبع جون ۲۰۰۷ء)

حافظ ابن حبان نے اپنی التصحیح (الاحسان) میں مکحول سے کئی روایتیں لی ہیں۔ مثلاً: دیکھئے ح ۲۱۴، ۴۸۲، ۶۲۶۔ ۶۲۷ ...

۳) امام مسلم نے صحیح مسلم میں اُن سے بطورِ حجت روایات لیں۔ دیکھئے:

ح ۳۷۹ (ترقیم دارالسلام: ۸۴۲) ۹۸۲ (۲۲۷۴) ۱۹۱۳ (۴۹۳۸)

یہ امام مسلم کی طرف سے مکحول کی توثیق ہے۔

۴) علامہ نووی (متوفی ۶۷۶ھ) نے مکحول کے بارے میں فرمایا:

" واتفقوا علىٰ توثيقه " اور ان کی توثیق پر اتفاق (اجماع) ہے۔

(تہذیب الاسماء واللغات ج ۲ ص ۱۱۴)

معلوم ہوا کہ ساتویں صدی ہجری میں مکحول کی توثیق پر اجماع ہو گیا تھا۔

۵) ابوسعید ابن یونس المصری (متوفی ۳۴۷ھ) نے کہا:
" و كان فقيهًا عالمًا "اور آپ فقیہ عالم تھے۔
(تاریخ الغرباء یعنی تاریخ ابن یونس ج ۲ ص ۲۳۶ رقم ۶۳۱)

۶) امام دارقطنی نے ایک روایت کے بارے میں فرمایا:
" كلهم ثقات " اس کے سارے راوی ثقہ ہیں۔(سنن دارقطنی ج ۱ ص ۳۱۹ ح ۱۲۰۴)
اس روایت کی سند میں مکحول بھی موجود ہیں، لہٰذا وہ امام دارقطنی کے نزدیک ثقہ ہیں۔

۷) امام مکحول کے شاگرد سلیمان بن موسیٰ القرشی الاشدق نے فرمایا:
" و إن جاء نا من الشام عن مكحول قبلناه " جب ہمارے پاس شام سے مکحول کی طرف سے (علم) آئے تو ہم اسے قبول کرتے ہیں۔ (کتاب المعرفۃ والتاریخ لیعقوب بن سفیان الفارسی ج ۲ ص ۴۰۴ وسندہ صحیح، تاریخ ابی زرعہ الدمشقی: ۵۸۸ وسندہ صحیح)

۸) امام ترمذی نے مکحول کی بیان کردہ حدیث کے بارے میں "حسن صحیح" کہا۔(ح ۱۹۲)
اور فاتحہ خلف الامام والی حدیث کے بارے میں فرمایا: "حدیث حسن" (ح ۳۱۱)
یہ امام ترمذی کی طرف سے امام مکحول کی توثیق ہے۔

۹) امام ابن خزیمہ نے صحیح ابن خزیمہ میں مکحول سے کئی روایتیں بطورِ حجت بیان کیں، مثلاً:
ح ۳۷۷، ۱۱۹۱، 1581...

۱۰) امام ابوعوانہ نے صحیح ابی عوانہ (المستخرج علیٰ صحیح مسلم) میں مکحول سے کئی روایتیں بیان کیں۔ مثلاً: ج ۱ ص ۲۳۷ ح ۷۹۴، ج ۱ ص ۳۳۰ ح ۷۴۵...

۱۱) حافظ ابن الجارود نے اپنی صحیح (المنتقیٰ) میں امام مکحول سے کئی روایتیں بیان کی ہیں۔
مثلاً: ح ۱۶۲، ۳۲۱، ۳۵۵...

۱۲) حاکم نیشاپوری نے مکحول کی بیان کردہ حدیث کو "صحيح الإسناد" کہا۔
دیکھئے المستدرک ج ۲ ص ۸۰ ح ۲۴۲۲ (ووافقہ الذہبی)

۱۳) سعید بن عبدالعزیز التنوخی نے اپنے استاذ امام مکحول کے بارے میں فرمایا:

" كان مكحول أفقه من الزهري ... و كان مكحول أفقه أهل الشام "
مکحول زہری سے زیادہ فقیہ تھے...اہلِ شام میں سب سے زیادہ فقیہ مکحول تھے۔
(تاریخ ابی زرعہ الدمشقی:۲۹۱ وسندہ صحیح)

جمہور کی توثیق کے بعد فقیہ کا لفظ تعریف ہے، لہٰذا سعید بن عبدالعزیز کو مکحول کے موثقین میں ذکر کیا ہے اور اگر جمہور کی جرح ثابت ہوتو پھر فقیہ وغیرہ کے الفاظ توثیق نہیں ہوتے۔

امام سعید بن عبدالعزیز نے فرمایا: ہمارے ہاں مکحول اور ربیعہ بن یزید سے بہتر عبادت گزار کوئی نہیں تھا۔ (تاریخ ابی زرعہ الدمشقی:۶۲۳ وسندہ صحیح)

۱٤) امام ابوحاتم الرازی نے فرمایا: "ما أعلم بالشام أفقه من مكحول "
مجھے شام میں مکحول سے بڑا فقیہ کوئی بھی معلوم نہیں ہے۔(کتاب الجرح والتعدیل ۸/۴۰۷۔۴۰۸)

۱۵) امام ابن شہاب الزہری رحمہ اللہ (تابعی) نے فرمایا:
" العلماء أربعة :منهم مكحول بالشام " علماء چار ہیں: اُن میں سے شام میں مکحول ہیں۔ (کتاب الجرح والتعدیل ۸/۴۰۷ وسندہ حسن، کتاب المعرفۃ والتاریخ ۲/۳۶۲)

۱٦) حافظ ذہبی نے فرمایا: " صدوق إمام موثوق لكن ضعفه ابن سعد "
سچے امام (اور) توثیق شدہ ہیں، لیکن ابن سعد نے انھیں ضعیف قرار دیا ہے۔
(معرفۃ الرواۃ المتکلم فیھم بمالا یوجب الرد:۳۳۸)

عرض ہے کہ ابن سعد کی جرح دو وجہ سے مردود ہے، جیسا کہ جرح کے تحت ثابت کر دیا گیا ہے:

۱: یہ جمہور کی توثیق کے خلاف ہے۔
۲: اس کا جارح ابن سعد نہیں بلکہ کوئی مجہول عالم ہے۔

حافظ ذہبی نے مکحول کی روایات کو صحیح قرار دیا۔ دیکھئے فقرہ:۱۲

۱۷) حافظ ابن حجر العسقلانی نے کہا:

" ثقة فقيه ، كثير الإرسال مشهور " (تقریب التہذیب:۶۸۷۵)

عرض ہے کہ ثقہ ثابت ہوجانے کے بعد "کثیر الإرسال" کوئی جرح نہیں بلکہ راوی ثقہ ہو یا اوثق مرسل روایت ضعیف اور صحیح متصل روایت صحیح ہوتی ہے۔

۱۸) حافظ ابن کثیر نے فرمایا:

" تابعي جليل ، كبير القدر ، إمام أهل الشام في زمانه "

جلیل القدر اور عظیم تابعی، اپنے زمانے میں اہل شام کے امام۔

(البدایہ والنہایہ ۱۰/ ۱۴۶، وفیات ۱۱۳ھ)

۱۹) حافظ ابونعیم الاصبہانی نے مکحول کو اولیائے اہلِ سنت میں ذکر کیا اور فرمایا:

" و منهم الإمام الفقيه الصائم المهزول ، إمام أهل الشام أبو عبد الله مكحول " اور اُن میں سے امام فقیہ روزہ دار، دُبلے پتلے، اہلِ شام کے امام ابوعبداللہ مکحول ہیں۔ (حلیۃ الاولیاء ۵/ ۱۷۷)

ابونعیم نے المستخرج علیٰ صحیح مسلم میں مکحول سے روایات لیں۔

دیکھئے ۱/ ۴۸ ح ۳۳، ۲/ ۴ ح ۸۳۵، ۳/ ۶۰ ح ۲۲۴

۲۰) بیہقی نے مکحول کی سند سے ایک روایت کو " و هذا إسناد صحيح " کہا اور فرمایا:

" و رواته ثقات " اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔ (کتاب القراءت خلف الامام:۱۲۱)

بیہقی نے کہا:" فهذا حديث سمعه مكحول الشامي و هو أحد أئمة أهل الشام من محمود بن الربيع و نافع بن محمود ..." پس اس حدیث کو مکحول شامی نے۔ جو اہلِ شام کے اماموں میں سے ایک ہیں۔ محمود بن ربیع اور نافع بن محمود سے سنا ہے۔

(کتاب القراءۃ ص ۶۹ ح ۱۳۳)

۲۱) امام محمد بن عبداللہ بن عمار الموصلی نے کہا:" و مكحول إمام أهل الشام " اور مکحول اہلِ شام کے امام ہیں۔ (تاریخ دمشق ۶۳/ ۱۵۸، وسندہ صحیح)

۲۲) ابن ناصر الدین الدمشقی نے کہا:

" و كان مكحول فقيه أهل دمشق وأحد أوعية الآثار... و كان رحّالاً فيما يستفيد ، جوّالاً بما يفيد ، قوّالا مما يجيد "

اور مکحول اہلِ دمشق کے فقیہ اور حفاظِ حدیث میں سے ایک تھے...علم حاصل کرنے کے لئے کثرت سے سفر کرنے والے، فائدے پہنچانے کے لئے بہت گھومنے والے (اور) عمدہ باتیں بہت زیادہ پہنچانے والے تھے۔ (التبیان لبدیعۃ البیان ج ۱ص ۳۲۱۔۳۲۲ ت ۱۱۶، مفہوماً)

۲۳) خطابی نے مکحول کی بیان کردہ ایک حدیث کے بارے میں کہا:

" و إسناده جيد لا طعن فيه " اور اس کی سند اچھی ہے، اس میں کوئی طعن نہیں ہے۔

(معالم السنن ج ۱ص ۲۰۵ طبع المکتبۃ العلمیہ بیروت لبنان)

۲٤) ابن الملقن نے مکحول کی بیان کردہ ایک حدیث کے بارے میں کہا:

" هذا الحديث جيد " یہ حدیث جید ہے۔ (البدر المنیر ج ۳ص ۵۴۷)

ابن الملقن نے مکحول پر جرح کا جواب دیتے ہوئے کہا:

" فإنه ثقة " پس بے شک وہ ثقہ ہیں۔ (البدر المنیر ۳/۵۴۹)

۲۵) ضیاء مقدسی نے مکحول سے اپنی مشہور کتاب المختارہ میں روایات بیان کیں، مثلاً:

۳/۹۷ح ۸۹۹۔۹۰۰، ۷/۲۲۷ح ۲۶۶۶۔۲۶۶۸

۲٦) حسین بن مسعود بغوی نے امام مکحول کی بیان کردہ حدیث کو " حسن غريب " کہا۔

(شرح السنۃ ۵/۹۰۔۹۱ح ۱۳۰۶)

نیز دیکھئے شرح السنۃ (۳/۲۸۲ح ۷۵۵ وقال: هذا حديث حسن صحيح)

۲۷) ابن مندہ (متوفی ۳۹۵ھ) نے مکحول کی بیان کردہ ایک حدیث کے بارے میں فرمایا: " هذا إسناد صحيح ... " یہ سند صحیح ہے... (کتاب الایمان ۲/۹۱۵ح ۹۹۹)

۲۸) ابن جریر الطبری نے مکحول کی بیان کردہ ایک روایت کے بارے میں فرمایا:

" و هذا خبر عندنا صحيح سنده ..." اور ہمارے نزدیک اس خبر کی سند صحیح ہے...

(تہذیب الآثار تحقیق علی رضا ص ۳۶ ح ۲۲، طبع دار المامون للتراث، دمشق بیروت)

معلوم ہوا کہ ابن جریر کے نزدیک مکحول صحیح الحدیث یعنی ثقہ تھے۔

۲۹) احمد بن ابی بکر البوصیری (متوفی ۸۴۰ھ) نے مکحول کی بیان کردہ ایک روایت کے بارے میں کہا: " **هذا إسناد صحيح** " یہ سند صحیح ہے۔

(اتحاف الخیرۃ المہرۃ ۲/۳۷ ح ۱۱۲۵۔۱۱۲۶)

۳۰) ابن عبدالبر نے مکحول کے بارے میں فرمایا: " **وهو من كبار التابعين** " اور وہ اکابر تابعین میں سے تھے۔ (التمہید ۱۷/۱۲۲)

نیز دیکھئے بدایۃ المجتہد (۱/۱۵۵، الفصل السادس فیما حملہ الامام عن المأمومین)

ان کے علاوہ اور بھی کئی حوالے ہیں، مثلاً دیکھئے الفتوحات الربانیہ لابن علان (۲/۱۹۳) اور توضیح الکلام (ج ۱ ص ۲۲۳، دوسرا نسخہ ص ۲۱۴)

☆ عینی حنفی نے مکحول کی ایک مرسل روایت کے بارے میں لکھا ہے:

" **إسناده صحيح وهو مرسل والمرسل حجة عندنا** " اس کی سند صحیح ہے اور یہ مرسل ہے اور ہمارے نزدیک مرسل حجت ہے۔

(عمدۃ القاری ۱۱/۳۰۲ ح ۲۱۸۹ باب بیع الثمر علی رؤس النخل بالذہب والفضۃ)

یاد رہے کہ حنفیہ کے نزدیک مرسل اُس وقت حجت ہے جب قولِ ابی حنیفہ یا ان لوگوں کی خواہشاتِ نفسانیہ کے مطابق ہو، ورنہ اللہ کی مخلوق میں سب سے زیادہ یہی لوگ مرسل کو حجت نہیں سمجھتے اور ترک کر دیتے ہیں۔

اس مضمون میں موثقینِ امام مکحول کے نام علی الترتیب درج ذیل ہیں:

ابن الجارود (۱۱) — ابن الملقن (۲۴)

ابن جریر طبری (۲۸) — ابن حبان (۲)

ابن حجر (۱۷) — ابن خزیمہ (۹)

ابن عبدالبر (۳۰) — ابن عمار (۲۱)

ابن کثیر (۱۸) — ابن مندہ (۲۷)

ابن ناصر الدین (۲۲)
ابن یونس (۵)
ابوحاتم الرازی (۱۴)
ابوعوانہ (۱۰)
ابونعیم اصبہانی (۱۹)
بغوی (۲۶)
بوصیری (۲۹)
بیہقی (۲۰)
ترمذی (۸)
حاکم (۱۲)
خطابی (۲۳)
دارقطنی (۶)
ذہبی (۱۶)
زہری (۱۵)
سعید بن عبدالعزیز (۱۳)
سلیمان بن موسیٰ (۷)
ضیاء المقدسی (۲۵)
عجلی (۱)
عینی (۳۱)
مسلم (۳)
نووی (۴)
رحمہم اللہ

جمہور محدثین اور علماء کے نزدیک ثقہ وصدوق راوی امام مکحول التابعی رحمہ اللہ کی توثیق آپ نے پڑھ لی اور ثابت ہوگیا کہ اُن پر ابن سعد اور ابن الجوزی وغیرہما کی جرح مردود ہے۔

اب دل تھام کر آلِ دیوبند کا ایک حوالہ پڑھ لیں، جس کے نقل کرنے سے قلم کانپ رہا ہے:

الیاس گھمن کے چہیتے آصف لاہوری کی موجودگی میں اس کے ساتھی سفید ٹوپی والے (حافظ ثناء اللہ) دیوبندی نے ایک اہلِ حدیث طالب علم سہیل (تقویٰ مسجد کے مقتدی) سے کہا: ''اور اسی طریقے سے مکحول اور نافع وہ مجہول ہے ان کا کوئی اتا پتا اِی کوئی نہیں حلال زادے تھے حرام زادے تھے کون تھے جھوٹے کذاب تھے کسی اسماء الرجال کی کتابوں میں سے کسی میں اس کا کوئی اتا پتا ملتا ہی نہیں''

حوالے کے لئے دیکھئے دیوبندیوں کی ویب سائٹ

www.alittehaad.org

(ویڈیو، مناظرے کے تحت تلاش کریں، فاتحہ خلف الامام پر آصف لاہوری کا شعیب سے مباحثہ)

تنبیہ: اس کی ویڈیو ہمارے پاس محفوظ ہے۔ یاد رہے کہ یہ وہ حوالہ ہے جسے آلِ دیوبند نے اپنی ویب سائٹ پر علانیہ پیش کر رکھا ہے۔

اس خباثت بھری عبارت میں امام مکحول تابعی رحمہ اللہ اور سیدنا محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ کے بیٹے نافع بن محمود تابعی رحمہ اللہ کے بارے میں انتہائی گندی زبان استعمال کی گئی ہے، جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آلِ دیوبند کے سینوں میں تابعین اور ائمۂ دین کے بارے میں نفرت ہی نفرت بھری ہوئی ہے۔

امام ابوحنیفہ کے [بقولِ حنفیہ] استاذ امام مکحول کی توثیق ہم نے ثابت کر دی اور اب امام نافع بن محمود رحمہ اللہ کی توثیق پیشِ خدمت ہے:

۱: ابن حبان (کتاب الثقات ۴۷۰/۵)

انھوں نے نافع کو مشہور علماء میں ذکر کیا۔ (مشاہیر علماء الامصار ص ۱۱۷ رقم ۹۰۷)

۲: ذہبی قال: ثقة (الکاشف ۱۷۴/۳)

۳: دارقطنی قال: ثقة (سنن دارقطنی ۳۲۰/۱ ح ۱۲۰۷)

۴: بیہقی قال: ثقة (کتاب القراءت ص ۶۴ ح ۱۲۱)

۵: ابن حزم قال: ثقة (المحلی ۲۴۱/۳۔۲۴۲ مسئلہ ۳۶۰)

تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب: الکواکب الدریہ فی وجوب الفاتحہ خلف الامام فی الصلوٰۃ الجہریہ (طبع جدید ص ۵۳۔۵۴)

کیا الکاشف اور الثقات اسماء الرجال کی کتابیں نہیں ہیں؟ کیا سنن دارقطنی اور کتاب القراءت حدیث کی کتابیں نہیں ہیں؟ اتنی زبردست توثیق کے بعد امام نافع اور امام مکحول کو گالیاں دینا (حرام زادے کہنا) بہت بڑی گستاخی ہے، جس کا ان لوگوں کو ان شاء اللہ حساب دینا پڑے گا اِلا یہ کہ مرنے سے پہلے توبہ کر لیں۔

سنو! گستاخیاں کرنے والو! مرنے سے پہلے توبہ کر لو ورنہ سوچ لو کہ اللہ کے دربار میں کیا جواب دو گے؟! (۹/ اگست ۲۰۱۰ء)

امام سعید بن ابی عروبہ: اختلاط سے پہلے اور بعد

الحمد للّٰہ ربّ العالمین و الصّلوٰة و السّلام علٰی رسوله الأمین و رضي اللّٰه عن أصحابه أجمعین و من تبعهم بإحسان إلٰی یوم الدین ، أما بعد:

امام ابوالنضر سعید بن ابی عروبہ (مہران) العدوی البصری رحمہ اللہ صحیحین (صحیح بخاری و صحیح مسلم) اور کتبِ حدیث کے مشہور ثقہ راوی اور صحیح الحدیث تھے، لیکن آخری عمر میں اختلاط کی وجہ سے آپ کا حافظہ متغیر اور کمزور ہو گیا تھا۔

ابن سعد نے کہا: " **و کان ثقة کثیر الحدیث ثم اختلط بعد في آخر عمره .** " آپ بہت سی حدیثیں بیان کرنے والے، ثقہ تھے، پھر اس کے بعد آخری عمر میں آپ کو اختلاط (حافظے کی کمزوری کا مرض) ہو گیا تھا۔ (طبقات ابن سعد ۷/۲۷۳)

امام ابن عدی نے فرمایا: " **و سعید بن أبي عروبة من ثقات الناس ... و من سمع منه قبل الإختلاط فإن ذلك صحیح حجة و من سمع بعد الإختلاط فذلك مالا یعتمد علیه ...** " اور سعید بن ابی عروبہ ثقہ لوگوں میں سے ہیں... جس نے آپ سے اختلاط سے پہلے سنا تو یہ صحیح حجت ہے اور جس نے اختلاط کے بعد سنا تو اس پر اعتماد نہیں کیا جاتا... (الکامل ج ۳ ص ۱۲۳۳، دوسرا نسخہ ۴/۴۵۱)

محدثین کرام کے اور بھی بہت سے اقوال ہیں، جن سے سعید بن ابی عروبہ کے اختلاط کا علم ہوتا ہے۔ مثلاً امام احمد بن حنبل کا قول (کتاب العلل و معرفۃ الرجال: ۸۶، سوالات احمد بن محمد بن الحجاج المروزی ص ۱۳ فقرہ: ۴۷) امام یحییٰ بن معین کا قول (الکامل لابن عدی ۳/۱۲۳۰، دوسرا نسخہ ۴/۴۴۶۔۴۴۷ و سندہ صحیح) اور ابن حبان کا قول (الثقات ۶/۳۶۰)

یعنی سعید بن ابی عروبہ رحمہ اللہ کا آخری عمر میں مختلط ہونا ثابت شدہ حقیقت ہے۔

آپ مدلس بھی تھے، جیسا کہ ابن سعد نے کہا: " **أخبرنا عفان قال: کان سعید بن أبي**

عروبة يروي عن قتادة مما لم يسمع شيئًا كثيرًا ولم يكن يقول فيه حدثنا "
ہمیں عفان نے بتایا کہ سعید بن ابی عروبہ (اپنے استاذ) قتادہ سے بہت سی ایسی روایتیں بیان کرتے تھے جو آپ نے سنی نہیں تھیں اور ان میں حدثنا نہیں کہتے تھے۔

(طبقات ابن سعد ۲۷۳/۷)

اس گواہی سے امام سعید بن ابی عروبہ کا کثیر التدلیس ہونا ثابت ہوتا ہے اور غالباً اسی وجہ سے حافظ ابن حجر العسقلانی نے کہا: " **ثقة حافظ ، له تصانيف ، كثير التدليس واختلط ، وكان من أثبت الناس في قتادة .** " ثقہ حافظ ہیں، آپ کی کتابیں ہیں، آپ تدلیس زیادہ کرنے والے تھے اور اختلاط میں مبتلا ہوئے، اور آپ قتادہ سے (روایت میں) سب سے زیادہ ثقہ تھے۔ (تقریب التہذیب: ۲۳۶۵)

آپ کو درج ذیل علماء نے بھی مدلسین میں ذکر کیا ہے:
ذہبی، ابومحمود المقدسی، حلبی، ابوزرعہ ابن العراقی اور علائی وغیرہم۔

(دیکھئے میری کتاب: الفتح المبین ص ۳۹)

قولِ راجح میں آپ طبقۂ ثانیہ کے نہیں بلکہ طبقۂ ثالثہ کے مدلس ہیں، لہٰذا حافظ ابن حجر کا انھیں طبقۂ ثانیہ میں ذکر کرنا، خود اُن کی کتاب نُخبۃ الفکر کی رُو سے بھی غلط ہے۔ حاتم بن عارف بن ناصر الشریف نامی شخص نے ایک عجیب وغریب موقف بنایا ہے کہ مدلس کی عن والی روایت سماع پر محمول ہوتی ہے، اِلا یہ کہ کسی خاص روایت میں تدلیس ثابت ہو جائے۔!

اس نرالے اصول کی وجہ سے تدلیس کا مسئلہ ہی ختم ہو جاتا ہے، کیونکہ ہر ثقہ مدلس وثقہ غیر مدلس کی کسی خاص روایت میں خاص علت (مثلاً عدمِ سماع) ثابت ہو جائے تو خاص کو ہی مقدم کیا جاتا ہے، لہٰذا مدلس اور غیر مدلس میں کیا فرق ہوا؟!

حاتم الشریف نے حافظ ابن حجر کی طبقات المدلسین میں طبقۂ ثانیہ سے استدلال کر کے سعید بن ابی عروبہ کی عن والی روایات کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش بھی کی ہے۔

(دیکھئے مجلۃ جامعہ ام القریٰ جلد ۱۶ عدد ۲۸ ص ۱۶۵)

حالانکہ اُن کے خود ساختہ اصول سے تو یہ ساری طبقاتی تقسیم فضول ہے۔

خلاصۃ التحقیق: سعید بن ابی عروبہ کی عن والی روایت (اگر صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے علاوہ کسی دوسری کتاب میں ہو تو) ضعیف ہوتی ہے۔ اُن کی روایت دو شرطوں سے صحیح ہوتی ہے:

۱: اختلاط سے پہلے ہو۔

۲: سماع کی تصریح ہو۔

دعویداران حنفیت کی خدمت میں عرض ہے کہ نیموی نے سعید بن ابی عروبہ کی ایک روایت پر ''کثیر التدلیس ، رواه بالعنعنة'' کہہ کر جرح کی ہے۔

(دیکھئے آثار السنن ص ۲۸۹ تحت ح ۵۵۰)

امام سعید بن ابی عروبہ سے درج ذیل راویانِ حدیث نے اُن کے اختلاط سے پہلے روایات سنی تھیں:

۱: اسباط بن محمد (دیکھئے کتاب العلل للامام احمد: ۵۳۴۳)

۲: اسماعیل بن ابراہیم عرف ابن علیہ (روی لہ مسلم فی صحیحہ عن سعید بن ابی عروبہ: ۱۸)

۳: بشر بن المفضل (روی لہ البخاری فی صحیحہ عن سعید: ۳۸۶۸)

۴: حماد بن اسامہ ابو اسامہ (م: ۴۰۴)

۵: خالد بن الحارث (خ ۲۹۱۹، م ۱۷۸۶)

۶: روح بن عبادہ (خ ۵۷۶، م ۲۸۰۵)

۷: سرار بن مجشر البصری (تاریخ ابن معین، روایۃ الدوری ۲/۱۳۵ ت ۳۷۶۹)

۸: سالم بن نوح العطار (م ۲۶۸۸)

۹: سہل بن یوسف (خ ۳۰۶۴)

۱۰: سلیمان بن حیان ابو خالد الاحمر (م ۶۷۴)

۱۱: عبداللہ بن المبارک المروزی (خ ۴۹۲)

۱۲: عبدالاعلیٰ بن عبدالاعلیٰ (خ ۱۳۳۸، م ۲۸۷۵)

۱۳: عبدالوارث بن سعید (خ ٦٤٥٠)

۱۴: عبدہ بن سلیمان (من کلام ابن معین روایۃ الدقاق:٣٥٦، وروی لہ مسلم:٢٨٨)

الکامل لابن عدی (۱۲۲۹/۳، دوسرا نسخہ ۴۴۶/۴) میں اس کے مخالف روایت موجود ہے، لیکن اس کی سند ابن ابی عصمہ کے مجہول الحال ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ عبدالوہاب بن عصام بن الحکم بن عیسیٰ بن زیاد الشیبانی العکبری عرف ابن ابی عصمہ کے صرف ذکر کے لئے دیکھئے: تاریخ بغداد (۲۸/۱۱، توفی ۳۰۸ھ) واللہ اعلم

۱۵: عیسیٰ بن یونس (م۱۲۲٦)

۱٦: علی بن مسہر (م۱۴۴۷)

۱۷: کہمس بن المنہال البصری (خ٣٦٨٦)

۱۹: محمد بن بشر العبدی (م۱۴۷۸، ۷۴٦)

۲۰: محمد بن بکر بن عثمان البرصانی (م۸۱۱)

۲۱: محمد بن سواء (خ٣٦٨٦)

۲۳: محمد بن جعفر الہذلی: غندر (سوالات ابن الجنید: ٦٧)

بعض علماء کے نزدیک اُن کا سعید بن ابی عروبہ سے سماع اختلاط کے بعد ہے۔ دیکھئے الکواکب النیرات (ص۴۰) اور حاشیہ اختصار علوم الحدیث (ص۱٦۷، ترجمہ راقم الحروف)

۲۴: مصعب بن ماہان المروزی

(مجموعہ رسائل فی علوم الحدیث: ۴۸ بحوالہ مجلۃ جامعۃ ام القریٰ/ الرواۃ عن سعید بن ابی عروبہ الخ ص ۲۱۰)

۲۵: مروان بن معاویہ الفزاری (تاریخ ابی زرعہ الدمشقی: ۱۸۵۴، وسندہ صحیح)

۲٦: یحییٰ بن سعید القطان (دیکھئے العلل للامام احمد: ۵۰۰۸، خ ۷۵۰، م۲۱۱۴)

۲۷: یزید بن زریع (خ ۲۸۴، م۱۹۳)

۲۸: وہیب بن خالد (خ۷۴۲٦)

درج ذیل راویوں نے سعید بن ابی عروبہ کے اختلاط کے بعد روایتیں سنی تھیں:

۱: عباد بن العوام

۲: عبدالرحمٰن بن مہدی

۳: علی بن الجعد

۴: ابونعیم الفضل بن دکین

۵: محمد بن ابی عدی (خ ۱۰۷، م ۱۲۷)

ان کے بارے میں امام یحییٰ بن سعید القطان وغیرہ کی تحقیق یہ ہے کہ ان کا سعید سے سماع ان کے اختلاط کے بعد ہے، لہٰذا ابن ابی عدی کی سعید بن ابی عروبہ سے روایت ضعیف ہے، لیکن صحیح بخاری و مسلم میں ان کی تمام روایات متابعات صحیحہ پر محمول ہونے کی وجہ سے صحیح ہیں۔ واللہ اعلم

٦: معافی بن عمران

۷: مکی بن ابراہیم

۸: یحییٰ بن حماد الشیبانی

۹: ابوعاصم النبیل الضحاک بن مخلد

۱۰: عبدالواحد بن واصل

۱۱: وکیع بن الجراح

[تنبیہ: وکیع نے کہا: میں نے ان سے صرف مستقیم (مستو/سیدھی یعنی صحیح) حدیث ہی بیان کی ہے۔ (الکفایہ ص ۱۳٦، وسندہ حسن)]

۱۲: محمد بن عبداللہ بن المثنیٰ الانصاری (خ ۳۹۹٦، نیز دیکھئے ہدی الساری ص ۴۲٦)

فائدہ: صحیحین میں جس روایت کو بطورِ حجت نقل کیا گیا ہے، اُس میں شاگرد کا اپنے استاد سے سماع اختلاط سے پہلے کا ہے۔

دیکھئے مقدمہ ابن الصلاح مع التقیید والایضاح (ص ۴٦٦، دوسرا نسخہ ۴۹۹)

اِلا یہ کہ اس کے خلاف صریح دلیل ہو تو صریح دلیل مقدم ہوگی اور صحیحین کی روایات

دوسرے طرق وشواہد کی رُو سے صحیح ہوں گی۔

حاتم بن عارف الشریف نے درج ذیل راویوں کے بارے میں اپنی یہ تحقیق پیش کی ہے کہ انھوں نے سعید بن ابی عروبہ کے اختلاط سے پہلے سنا تھا:

حفص بن غیاث، حماد بن سلمہ، سعید بن اوس النحوی ابو زید، سفیان بن حبیب، سفیان الثوری، سلیمان الاعمش، شعبہ بن الحجاج، شعیب بن اسحاق، عبداللہ بن ادریس، عبداللہ بن بکر السہمی، عبدالعزیز بن عبدالصمد العمی، عبدالوہاب الثقفی، عبدالوہاب بن عطاء الخفاف، ابوقطن عمرو بن الہیثم، معاذ بن معاذ العنبری، معمر بن راشد، ابوعوانہ وضاح الیشکری اور یزید بن ہارون۔

ان کے ساتھ انھوں (حاتم) نے وکیع بن الجراح کو بھی ملا دیا ہے۔

(مجلہ جامعۃ ام القریٰ ج ۱۶ عدد ۲۸ ص ۲۰۰)

عبدالوہاب بن عطاء کی روایت صحیح مسلم (۲۸۰۵) اور معاذ بن معاذ کی صحیح بخاری (۳۰۶۵) میں موجود ہے۔ واللہ اعلم (۱/ نومبر ۲۰۱۰ء)

فلیح بن سلیمان المدنی رحمہ اللہ

نام ونسب: ابو یحییٰ فلیح بن سلیمان بن ابی المغیرہ الخزاعی الاسلمی المدنی رحمہ اللہ مولیٰ آلِ زید بن الخطاب ۔

اساتذہ: ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن ، زید بن اسلم ، ابو النضر سالم ، ابو حازم سلمہ بن دینار المدنی ، سہیل بن ابی صالح ، علاء بن عبدالرحمٰن بن یعقوب ، محمد بن مسلم بن شہاب الزہری ، نافع مولیٰ ابن عمر ، نعیم بن عبداللہ المجمر ، ہشام بن عروہ اور یحییٰ بن سعید الانصاری وغیرہم تابعین اور تبع تابعین رحمہم اللہ اجمعین ۔

تلامذہ: سعید بن منصور ، عبداللہ بن المبارک ، عبداللہ بن وہب اور ابو داود الطیالسی وغیرہم من ائمۃ المسلمین اور صدوق حسن الحدیث محمد بن فلیح بن سلیمان ، رحمہم اللہ اجمعین ۔

جرح: آپ پر بعض محدثین کرام کی جرح ثابت یا مروی ہے ، جس کے حوالے درج ذیل ہیں:

۱: یحییٰ بن معین ، قال: **ضعیف** (تاریخ عثمان بن سعید الدارمی: ۶۹۵)

لیس بقوي ولا یحتج بحدیثه ... (الجرح والتعدیل ۷/۸۵ وسندہ صحیح)

ضعیف الحدیث (سوالات ابن الجنید: ۸۱۷)

۲: ابو حاتم الرازی ، قال: **لیس بالقوي** (الجرح والتعدیل ۷/۸۵)

۳: النسائی ، قال: **لیس بالقوي** (کتاب الضعفاء والمتروکین: ۴۸۶)

وانظر السنن الکبری للنسائي (۱۳۸۸)

۴: ابو احمد الحاکم الکبیر ، قال: **لیس بالمتین عندهم**

۵: علی بن المدینی ، قال: **کان فلیح وأخوه عبدالحمید ضعیفین**

(سوالات محمد بن عثمان بن ابی شیبہ: ۱۳۷)

☆ ابوداود، قال: كان أبو كامل مظفر بن مدرك يتكلم في فليح ...
وقال بقوله : صدق (أي لا يحتج بحديثه)
انظر تہذیب الکمال (٦/ ٥٨ عن ابی عبید الآجری)

قلت : الآجري هذا لم أجد من وثقه فالقول لم يثبت عن أبي داود رحمه الله

٦: ابوکامل مظفر بن مدرک، قال: ليس بشيءٍ (تاریخ الدوری: ١٩٨٨)

٧: ابوزرعہ الرازی، قال: ضعيف الحديث (الضعفاء: ٣٦٦)

وقال : واهي الحديث ، هو وابنه محمد بن فليح جميعًا واهيان (ایضاً: ٤٢٥)

٨: عقیلی (ذكره في كتاب الضعفاء ٣/ ٤٦٦، دوسرا نسخہ ٣/ ١١٥١۔ ١١٥٢)

٩: ابن الجوزی (ذكره فى الضعفاء ٣/ ١٠ ت ٢٧٣١)

١٠: ابن حجر، قال: صدوق كثير الخطاء (تقریب التہذیب: ٥٤٤٣)

١١: بیہقی (فى الاسماء والصفات ص ٣٥٦)

تعدیل: اب اس جرح کے مقابلے میں جمہور محدثین کی تعدیل وتوثیق درج ذیل ہے:

١: بخاری (احتج به في صحيحه) مثلاً حدیث: ٥٩
فلیح بن سلیمان کی صحیح بخاری میں پچاس سے زیادہ روایات یا نام آیا ہے۔
دیکھئے مفتاح صحیح البخاری (ص ١٣٩)

٢: مسلم (احتج به في صحيحه : ٢٤٠، ٨٣٩، ٨٩١، ٢٣٨٢، ٢٧٧٠)

٣: بیہقی (صحح حديثه في كتابه اثبات عذاب القبر ص ٨٤ ح ٩٤)

٤: ابن خزیمہ (صحح له : ٥٨٩)

٥: الترمذی (صحح له : ٢٦٠)

٦: الحاکم (صحح له ٤/ ٣٠٧ ح ٨٢٤٤)

وقال : " اتفاق الشيخين عليه يقوي أمره " بخاری ومسلم کا اس (کی حدیث روایت کرنے) پر اتفاق اس کے معاملے کو قوی قرار دیتا ہے۔ (تہذیب التہذیب ٨/ ٢٩٩)

۷: ابن عدی، قال: وهو عندي لابأس به ...

(الکامل ۲۰۵۵/۶۔۲۰۵۶، دوسرا نسخہ ۱۴۴/۷)

۸: الذہبی (صحح له ۴/۴۰۷ح ۸۲۴۴) و دافع عنه

۹: ابن حبان (ذكره في كتاب الثقات ۳۲۴/۷)

۱۰: الدارقطنی، قال: ثقة (الضعفاء والمتروکین: ۳۵۱)

۱۱: ابن حجر العسقلانی، قال: صدوق (فتح الباری ۱۴۲/۱ تحت ح ۵۹)

فحديثه من قبيل الحسن (فتح الباری ۱۴۲/۱ تحت ح ۵۹)

و صحح حديثه (نتائج الافکار ۵۸/۲ ح ۱۲۵)

۱۲: ابن الجارود (صحح له: ۲۸۹۰)

۱۳: ابوعوانہ (صحح له ۲/۲۴۷۔۲۴۸ ح ۱۶۴۹)

۱۴: ابونعیم الاصبہانی (روی له في مستخرجه على صحيح مسلم ۲/۲۷۵ ح ۲۰۰۱)

۱۵: الضیاء المقدسی (روى له في المختارة ۴۲۹/۹ ح ۳۹۸)

۱۶: البغوی (صحح له ۲۳۹/۴ ح ۱۰۶۶، شرح السنہ)

۱۷: ابن شاہین (ذکرہ فی الثقات: ۱۱۴۲)

۱۸: الساجی، قال: يهم و إن كان من أهل الصدق (تہذیب التہذیب ۲۹۹/۸)

خلاصۃ التحقیق: ثابت ہوا کہ جمہور کے نزدیک موثق ہونے کی وجہ سے فلیح بن سلیمان رحمہ اللہ صدوق حسن الحدیث تھے لہٰذا ان کی منفرد روایت حسن لذاتہ ہوتی ہے اِلا یہ کہ محدثین کرام نے کسی خاص روایت کو (بغیر اختلاف کے) منکر، ضعیف یا وہم قرار دیا ہو تو وہ مستثنیٰ ہو کر منکر، ضعیف یا مردود ہے اور باقی تمام روایات حسن ہیں۔

فائدہ: و صحح له الألباني اور البانی نے (بھی) اُن کی حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔
(دیکھئے الصحیحہ: ۲۴۱۹)!

وفات: آپ ۱۶۸ھ کو فوت ہوئے۔ رحمہ اللہ

عبدالرحمٰن بن ابی الزناد المدنی رحمہ اللہ

زمانۂ تبع تابعین میں ایک مشہور راوی عبدالرحمٰن بن ابی الزناد المدنی رحمہ اللہ تھے، جن کے بارے میں جرح اور تعدیل کے لحاظ سے محدثین کرام کا اختلاف ہے۔
اس تحقیقی مضمون میں جرح اور تعدیل کا جائزہ لے کر یہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ عبدالرحمٰن بن ابی الزناد جمہور محدثین کے نزدیک موثق ہونے کی وجہ سے صدوق حسن الحدیث راوی ہیں:
نام ونسب: ابومحمد عبدالرحمٰن بن ابی الزناد (عبداللہ بن ذکوان القرشی المدنی رحمہ اللہ)
ولادت: ۱۰۰ھ
اساتذہ: سہیل بن ابی صالح، ابوالزناد، اوزاعی، محمد بن یوسف الکندی، موسیٰ بن عقبہ اور ہشام بن عروہ۔ وغیرہم رحمہم اللہ
تلامذہ: ابواسامہ حماد بن اسامہ، سعید بن منصور، ابوداود الطیالسی، سلیمان بن داود الہاشمی، عبداللہ بن وھب، ھناد بن السری اور ابوالولید الطیالسی وغیرہم۔ رحمہم اللہ
جرح: جرح وثبوتِ جرح کی تحقیق وتفصیل درج ذیل ہے:
۱: احمد بن حنبل، قال: ''مضطرب الحدیث'' (کتاب الجرح والتعدیل ۲۵۲/۵ وسندہ صحیح)
۲: یحییٰ بن معین، قال: ''لا یحتج بحدیثہ.'' (تاریخ ابن معین، روایۃ الدوری: ۱۲۱۱)
وقال: ضعیف (تاریخ بغداد ۲۲۸/۱۰ وسندہ صحیح)
وقال: ''لایسوي حدیث ابن أبی الزناد فلسًا''
ابن ابی الزناد کی حدیث ایک ٹیڈی کے برابر نہیں ہے۔
(الضعفاء لابی زرعہ/ سوالات البرذعی ج ۲ ص ۴۲۵ وسندہ صحیح)
اس کے مقابلے میں امام ابن معین سے توثیقی قول بھی ثابت ہے۔ دیکھئے توثیق وتعدیل: ۳
۳: ابوحاتم الرازی، قال: ''یکتب حدیثہ ولا یحتج بہ.....'' (الجرح والتعدیل ۲۵۲/۵)

۴:عبدالرحمٰن بن مہدی، کان لا یحدّث عنه (الجرح والتعدیل ۲۵۲/۵ وسندہ صحیح)

۵:علی بن المدینی،قال :''کان عندأصحابنا ضعیفاً''

(سوالات محمد بن عثمان بن ابی شیبہ:۱۶۵،تاریخ بغداد ۲۲۹/۱۰ وسندہ حسن واللفظ لہ)

۶:نسائی،قال :''ضعیف ''(کتاب الضعفاء والمتروکین:۳۶۷)

۷:عمرو بن علی الفلاس،قال :''فیه ضعف ،وماحدّث بالمدینة أصح مماحدّث بغداد ''(تاریخ بغداد ۲۲۹/۱۰ ت ۵۳۵۹ وسندہ صحیح)

۸:ابن حبان (ذکرہ فی المجروحین ۵۶/۲ وجرحہ بکلام شدید)

۹:محمد بن سعد،قال :''وکان یضعّف لروایته عن أبیه ''(طبقات ابن سعد ۳۲۴/۷)

یہ قول امام ابن معین کے قول کے خلاف ہے۔(دیکھئے توثیق وتعدیل:۳)

۱۰: ابوزرعہ الرازی (دیکھئے کتاب الضعفاء لابی زرعہ ص۴۲۴۔۴۲۵،الجرح والتعدیل ۲۵۲/۵۔۲۵۳)

۱۱: عقیلی (ذکرہ فی کتاب الضعفاء)

۱۲: ابن الجوزی (ذکرہ فی کتاب الضعفاء والمتروکین)

۱۳:ابن القطان الفاسی (بیان الوہم والایہام ج ۳ ص ۴۳۶ ح ۱۱۸۸)

۱۴: ابن عدی (ذکرہ فی الکامل وتکلم فیہ)

۱۵:ابواحمد الحاکم،نقل عنه بأنه قال:''لیس بالحافظ عند هم''

☆ زکریا الساجی،قال:''فیه ضعف،ماحدث بالمدینة أصح مماحدّث بغداد''(تاریخ بغداد ۲۳۰/۱۰ وسندہ ضعیف)

اس کی سند میں ابوالحسن محمد بن احمد بن محمد بن جعفر بن محمد بن عبدالملک الادمی مجروح ہے۔(دیکھئے تاریخ بغداد ۳۴۹/۱ ت ۲۷۲،ودافع عنہ الیمانی فی التنکیل ۳۹۰/۱ ت ۱۸۷۔۱۸۸[!])

تنبیہ: اگراس سند کا حسن ہونا تسلیم کرلیا جائے تو عرض ہے کہ کتاب العلل للساجی میں (اورتاریخ بغداد وغیرہ میں اس سند کے ساتھ) امام ابوحنیفہ وغیرہ پر بھی جرح مروی ہے۔اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟

☆ ابن الاثیر، قال: ''شیخ مقرئ متصدر معروف ''(غایۃ النہایہ ۲/ ۸۳ ت ۲۷۸۷)

☆ صالح بن محمد البغد ادی عرف جزرہ سے روایت ہے کہ ''قد روی عن أبیہ أشیاء لم یروھا غیرہ، وتکلم فیہ مالك بن أنس بسبب روایتہ کتاب السبعۃ عن أبیہ ......'' (تاریخ بغداد ۱۰/ ۲۳۰ وسندہ ضعیف)

اس روایت میں ابوالحسین محمد بن ابی طالب بن علی النسفی کی توثیق مطلوب ہے۔

☆ بعض الناس نے حافظ ذہبی سے جرح نقل کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن راجح یہی ہے کہ ذہبی سے عبدالرحمٰن بن ابی الزناد کی توثیق (بمعنی حسن الحدیث) ثابت ہے۔

☆ بعض الناس نے یحییٰ بن سعید القطان سے بھی جرح نقل کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن اس نقل میں نظر ہے۔

☆ حافظ نورالدین ہیثمی رحمہ اللہ نے بعض جگہ عبدالرحمٰن مذکور کو ضعیف لکھا ہے۔

(مثلاً دیکھئے مجمع الزوائد ۱/ ۱۴۳، ۲/ ۴۸)

ایک جگہ لکھا ہے: ''وضعفه الجمهور '' (مجمع الزوائد ۴/ ۲۲۴)!!

اور ایک جگہ ''حدیثه حسن وفیه ضعف'' لکھا ہے۔(مجمع الزوائد ۱۰/ ۶۶)

یہ اقوال باہم متعارض اور حافظ ابن حجر و جمہور کے مخالف ہو کر ساقط و ناقابلِ حجت ہیں۔

☆ بعض الناس نے امام طحاوی کی طرف سے ابن ابی الزناد پر جرح منسوب کی ہے، لیکن اس انتساب میں نظر ہے اور خود طحاوی نے ابن ابی الزناد کی روایات سے استدلال کیا ہے۔

(دیکھئے شرح معانی الآثار ۱/ ۲۹۶، باب الوتر کا آخر)

۱۶: یعقوب بن شیبہ، قال: ''ففی حدیثه ضعف '' (تاریخ بغداد ۱۰/ ۲۲۹ وسندہ صحیح)

۱۷: ابن عبدالبر، قال: ''ضعیف لا یحتج به ......''(التمہید ۲۲/ ۲۰۹)

☆ بوصیری (ضعفہ فی زوائد ابن ماجہ: ۲۲۳۷، مصباح الزجاجہ: ۷۴۵)

وقال فی حدیثه: ''وھو حدیث رواته ثقات ''(اتحاف الخیرۃ المہرۃ ۶/ ۴۶۵ ح ۶۲۶۱)

توثیق وتعدیل: سترہ (۱۷) علماء کی جرح کے بعد اب جمہور کی توثیق پیشِ خدمت ہے:

۱: امام مالک بن انس المدنی رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: میں کس سے علم سنوں؟ آپ نے فرمایا:
"عليك بابن أبى الزناد" ابن ابی الزناد کو لازم پکڑلو۔
(تاریخ بغداد ۱۰/۲۲۸ وسندہ حسن، موسیٰ بن سلمہ بن ابی مریم وثقہ ابن حبان والذھبی فی الکاشف فھو حسن الحدیث)
۲: ترمذی، قال: "وهو ثقة حافظ" (سنن ترمذی: ۱۷۵۵)
۳: یحییٰ بن معین، قال:
"أثبت الناس في هشام بن عروة: عبد الرحمن بن أبى الزناد"
ہشام بن عروہ سے روایت میں، لوگوں میں سب سے زیادہ ثقہ عبدالرحمٰن بن ابی الزناد ہیں
(تاریخ بغداد ۱۰/۲۲۸ وسندہ حسن)

۴: علی بن المدینی قال:
"حديثه بالمدينة حديث مقارب وماحدث به بالعراق فهو مضطرب"
وقال: "وقد نظرت فيما روى عنه سليمان بن داؤد الهاشمي فرأيتها متقاربة" ان کی مدینہ میں حدیث قریب قریب (یعنی حسن) ہے اور ان کی عراق والی حدیثوں میں اضطراب ہے، میں نے دیکھا کہ سلیمان بن داود الہاشمی کی ان سے روایتیں قریب قریب (حسن) ہیں۔ (تاریخ بغداد ۱۰/۲۲۹ وسندہ صحیح)
۵: ابن شاہین (ذکرہ فی کتاب الثقات)
۶: عجلی، قال: "ثقة" (تاریخ الثقات بترتیب الہیثمی والعسقلانی: ۹۵۲)
۷: ابن خزیمہ (روی لہ فی صحیحہ: ۵۸۴)
۸: احمد بن حنبل، صحح حديثه (علل الخلال بحوالہ نصب الرایہ ۱/۴۱۲)
۹: بخاری
(انھوں نے صحیح بخاری میں کئی جگہ ابن ابی الزناد کا نام لے کر تعلیقات میں روایات ذکر کیں)
۱۰: سلیمان بن داود الہاشمی نے ابن ابی الزناد کی حدیثِ رفع الیدین کے بارے میں فرمایا:
"هذا عندنا مثل حديث الزهري عن سالم عن أبيه"

یہ ہمارے نزدیک زہری عن سالم عن ابیہ کی طرح ہے۔ (سنن ترمذی: ۳۴۲۳ وسندہ صحیح)

۱۱: حاکم (صحح حديثه في المستدرك ۵/۱ ح ۲۵۲ ووافقه الذهبي)

۱۲: بیہقی، قال في حديثه: ''وهذا إسناد صحيح موصول'' (السنن الصغیر ۵۲۴/۱ ح ۴۷۴۷)

۱۳: ابونعیم الاصبہانی (روی لہ فی المسند المستخرج ۴۴/۱ ح ۲۱۲)

۱۴: ابن تیمیہ (ابن ابی الزناد کی حدیث کو صحیح کہا) [دیکھئے الفتاوی الکبریٰ ص ۱۰۵، اور مجموع فتاویٰ ۴۵۳/۲۲]

۱۵: ابن حبان (ابن ابی الزناد کی حدیث کو صحیح کہا۔ (دیکھئے عمدۃ القاری للعینی ۲۷۷/۵ تحت ح ۷۳۹)

۱۶: حافظ ذہبی نے کہا: ''وحديثه من قبيل الحسن''

اوران کی حدیث حسن کی قسم سے ہے۔ (سیر اعلام النبلاء ۱۶۸/۸)

اور فرمایا: ''حسن الحديث'' (النبلاء ۱۷۰/۸، دیوان الضعفاء والمتروکین ۱۰۰/۲ ت ۲۴۶۲)

اور ابن ابی الزناد کی بیان کردہ ایک حدیث کے بارے میں کہا:

''وإسناده حسن'' اور اس کی سند حسن ہے۔ (تاریخ الاسلام ج ۱ ص ۴۲۲)

۱۸: حافظ ابن حجر العسقلانی نے ابن ابی الزناد کی ایک حدیث کو ''هذا حديث حسن صحيح'' کہا۔ اور فرمایا: ''قال الترمذي: حسن صحيح وهو حديث عبد الرحمن بن أبي الزناد، يعني: تفرد به وهو ثقة عند الجمهور وتكلم فيه بعضهم بما لا يقدح فيه ......'' ترمذی نے کہا: حسن صحیح اور یہ عبدالرحمٰن بن ابی الزناد کی حدیث ہے، یعنی ان کا تفرد ہے اور وہ جمہور کے نزدیک ثقہ ہیں اور بعض نے ان کے بارے میں کلام کیا ہے جو قادح (یعنی مضر) نہیں ہے۔ (نتائج الافکار فی تخریج احادیث الاذکار ج ۱ ص ۲۹۹)

نیز دیکھئے فتح الباری (۳۴۶/۱ ح ۲۳۸، ۳۴۱/۱۳ ح ۷۳۶۹) اور تغلیق التعلیق (۴۳/۲)

حافظ ابن حجر نے تقریب التہذیب میں کہا: ''صدوق تغيّر حفظه لما قدم بغداد وكان فقيهًا'' بہت سچے ہیں، جب آپ بغداد تشریف لائے تو آپ کا حافظہ متغیر ہو گیا اور آپ فقیہ تھے۔ (۳۸۶۱)

سابقہ عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ تغیرِ حفظ کی وجہ سے ابن ابی الزناد کی حدیث

ضعیف نہیں ہوئی، بلکہ حسن لذاتہ کے درجہ پر ہے، لہٰذا یہاں تغیرِ حفظ مضر نہیں ہے۔

☆ حافظ ابن حجر نے بغیر کسی سند کے آجری (مجہول الحال) سے نقل کیا کہ ابوداود نے فرمایا:

''کان عالمًا بالقرآن عالمًا بالأخبار''

وہ (ابن ابی الزناد) قرآن کے عالم تھے، احادیث کے عالم تھے۔ (تہذیب التہذیب ۱۷۲/۶)

یہ حوالہ غیر ثابت ہونے کی وجہ سے نا قابلِ اعتماد ہے۔

☆ بعض لوگ امام ابوداود کا سنن ابی داود میں کسی روایت پر سکوت سے، اس روایت کو ابوداود کے نزدیک حسن ہونے کی دلیل سمجھتے ہیں۔ (مثلاً دیکھئے درس ترمذی ج ۱ص ۶۹)

راجح یہی ہے کہ سکوتِ ابی داود حجت نہیں ہے، لہٰذا یہ حوالہ بھی نا قابلِ اعتماد ہے۔

۱۸: ابومحمد عبداللہ بن علی بن الجارود النیسابوری (متوفی ۳۰۷ھ) المعروف بابن الجارود

(روی لہ فی صحیحہ المعروف بالمنتقیٰ: ۸۵ فھو صحیح الحدیث عندہ)

۱۹: عینی حنفی (صحح لہ فی عمدۃ القاری ۱۶۷/۳ ح ۲۳۸۔۲۳۹)

۲۰: الضیاء المقدسی (روی لہ فی المختارۃ ۴۳۹/۱ ح ۳۱۵)

☆ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی کی طرف منسوب الموطأ میں لکھا ہوا ہے:

''أخبرنا عبد الرحمن بن أبی الزناد عن أبیه عن ......

قال محمد : وبهذا نأخذ وهو قول أبی حنیفة والعامة من فقهائنا''

(الموطأ ۱۲۹/۲ ح ۶۶۵، طبع مکتبۃ البشریٰ کراچی۔ پاکستان)

ابن ابی الزناد کی ایک حدیث کے بارے میں عینی حنفی نے کہا:

''وبهذا الحدیث استدل أصحابنا أن المسح علیٰ ظهر الخفین ...''

اور اس حدیث کے ساتھ ہی ہمارے اصحاب (حنفیہ) نے استدلال کیا ہے کہ موزوں کی پشت پر مسح کرنا چاہئے .... (شرح سنن ابی داود ج ۱ص ۳۸۱)

نیموی تقلیدی نے آثار السنن میں ابن ابی الزناد کی ایک حدیث کو صحیح (ح ۶۲۴) اور ایک کو حسن (ح ۶۲۳) کہا۔

خلاصۃ التحقیق یہ ہے کہ عبدالرحمٰن بن ابی الزناد کی بیان کردہ حدیث حسن لذاتہ ہوتی ہے اور سلیمان بن داود الہاشمی و اہلِ مدینہ کی اُن سے روایت صحیح ہوتی ہے، اِلا یہ کہ کسی خاص روایت میں ان کا وہم یا اس روایت کا معلول ہونا محدثین کرام سے ثابت ہو جائے تو خاص کے عام پر مقدم ہونے کے اصول سے وہ روایت مستثنیٰ ہو گی اور باقی تمام روایات پر حسن یا صحیح والا اصول جاری رہے گا۔ **والحمد للّٰہ**

وفات: ۱۷۴ھ بمقام بغداد (عراق) رحمہ اللہ (۲۹/ جنوری ۲۰۱۱ء)

امام ابوبکر بن ابی داود السجستانی رحمہ اللہ

الحمد لله ربّ العالمين والصّلوٰة والسّلام علٰى رسوله الأمين ، أما بعد:

اس مختصر اور جامع مضمون میں امام ابوبکر عبداللہ بن ابی داود السجستانی رحمہ اللہ کی سیرت اور جرح وتعدیل کے لحاظ سے علمی مقام پیشِ خدمت ہے:

نام ونسب: حافظ ابوبکر عبداللہ بن ابی داود: سلیمان بن الاشعث بن اسحاق بن بشیر بن عمرو بن عمران السجستانی الازدی۔

ولادت: ۲۳۰ھ، بمقام بجستان

شیوخ یعنی اساتذہ: محمد بن اسلم الطوسی، محمد بن بشار: بندار، محمد بن المثنیٰ، محمد بن یحییٰ الذہلی، احمد بن الازہر النیسابوری، احمد بن صالح المصری، ابوالطاہر عمرو بن السرح، نصر بن علی الجہضمی، ربیع بن سلیمان، یعقوب بن سفیان الفارسی، اسحاق بن منصور الکوسج اور عمرو بن علی الفلاس وغیرہم۔ رحمہم اللہ

تلامیذ: ابومحمد عبدالرحمٰن بن ابی حاتم الرازی، ابوحفص ابن شاہین، ابوالحسن الدارقطنی، ابوبکر احمد بن محمد بن اسحاق ابن السنی، ابواحمد الحاکم، محمد بن عبدالرحمٰن المخلص اور دعلج بن احمد وغیرہم۔ رحمہم اللہ

جارحین اور جرح: آپ کی توثیق وتضعیف کے بارے میں محدثین کرام کے درمیان اختلاف تھا، لیکن جمہور نے آپ کی توثیق کی ہے۔ موثقین اور توثیق سے پہلے جارحین اور جرح درج ذیل ہے:

۱) یحییٰ بن محمد بن صاعد نے کہا: " كفانا ما قال أبوه فيه " ہمارے لئے وہی کافی ہے جو اس کے باپ نے اس کے بارے میں کہا ہے۔ (الکامل لابن عدی ۴/۱۵۷۷)

عرض ہے کہ ابن ابی داود اور ابن صاعد کے درمیان سخت مخالفت تھی بلکہ ابن ابی داود

نے امام ابن صاعد کے بارے میں کہا: " الکذاب علی رسول اللہ ﷺ "

(تاریخ دمشق ۳۱/۵۸ وسندہ صحیح، دوسرا نسخہ ۲۹/۸۴)

مخالفین اور دشمنوں کی ایک دوسرے پر جرح اس وقت خاص طور پر مردود ہوتی ہے جب مقابلے میں مضبوط توثیق موجود ہو، لہٰذا دونوں کی ایک دوسرے پر جرح مردود ہے۔

دوسرے یہ کہ ابن صاعد نے یہ نہیں بتایا کہ ابن ابی داود کے والد نے ان کے بارے میں کیا کہا تھا؟

۲) امام ابوداود السجستانی نے کہا: " و من البلاء أن عبد اللہ یطلب القضاء "
اور یہ آزمائش میں سے ہے کہ (میرا بیٹا) عبداللہ قاضی بننے کا طلب گار ہے۔

(الکامل لابن عدی ۴/۱۵۷۸، دوسرا نسخہ ۵/۴۳۶ وسندہ صحیح)

یہ کوئی جرح نہیں بلکہ عہدۂ قضا کے ساتھ اظہارِ ناپسندیدگی ہے۔

☆ امام ابن عدی نے علی بن عبداللہ الداھری (؟) سے نقل کیا، اس نے احمد بن محمد بن عمرو بن عیسیٰ کُرکریا کُرکُرہ (؟) سے نقل کیا، اس نے علی بن الحسین بن جنید سے، انھوں نے کہا: میں نے ابوداود السجستانی کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میرا یہ بیٹا عبداللہ کذاب ہے۔

(الکامل لابن عدی ۴/۱۵۷۷، تاریخ دمشق ۳۱/۹۵، دوسرا نسخہ ۲۹/۸۶)

یہ روایت دو وجہ سے مردود ہے:

۱: علی بن عبداللہ الداھری کی توثیق نامعلوم ہے۔

۲: کرکرہ کی توثیق نامعلوم ہے۔

امام عبدالرحمٰن بن یحییٰ المعلمی رحمہ اللہ نے فرمایا: مجھے اس مقام کے علاوہ داہری اور ابن کرکرہ کا ذکر کہیں نہیں ملا... اور ہم اس کی سند کو ثابت نہیں سمجھتے۔ (التنکیل ۱/۲۹۸ ت ۱۲۳)

ذہبی نے بھی " إن صح " کہہ کر اس قول کے مشکوک ہونے کی طرف اشارہ کر دیا۔

(دیکھئے تذکرۃ الحفاظ ۲/۷۷۲ ت ۷۶۸)

نیز فرمایا: " و لعل قول أبي داؤد لا یصح سندہ ... " اور ہو سکتا ہے کہ ابوداود کے

قول کی سند صحیح نہ ہو۔ (تاریخ الاسلام ۲۳/۵۱۸)

ثابت ہوا کہ امام ابن ابی داود کے بارے میں یہ پروپیگنڈا کرنا کہ ان کے والد امام ابوداود نے انھیں کذاب کہا تھا، باطل ومردود ہے۔

☆ امام ابن عدی نے موسیٰ بن القاسم بن موسی بن الحسن بن موسیٰ الاشیب (ثقہ) سے نقل کیا: " **حدثني أبو بكر قال: سمعت إبراهيم الأصبهاني يقول: أبو بكر بن أبي داود كذاب** " مجھے ابوبکر نے حدیث بیان کی، کہا: میں نے ابراہیم الاصبہانی کو کہتے ہوئے سنا: ابوبکر بن ابی داود کذاب ہے۔

(الکامل ۴/۱۵۷۷، دوسرا نسخہ ۵/۴۳۶، تاریخ دمشق ۳۱/۵۹ وعندہ: ابن بکر، دوسرا نسخہ ۲۹/۸۶)

اس روایت کا راوی ابوبکر یا ابن بکر نامعلوم ہے، لہٰذا یہ جرح بھی ثابت نہیں ہے اور امام ابن عدی کا ان دوغیر ثابت جرحوں کی بنیاد پر لکھنا کہ " **قد تكلم فيه أبوه و إبراهيم الأصبهاني** " اوران کے بارے میں اُن کے والد اور ابراہیم اصبہانی نے کلام کیا ہے۔ (الکامل ۴/۱۵۷۸، دوسرا نسخہ ۵/۴۳۷) بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتا، کیونکہ غیر ثابت بات کو بطورِ جزم بیان کرنا غلط ہے۔

علامہ معلمی نے بھی اس جرح کے ثبوت میں شک کا اظہار کیا ہے۔ (دیکھئے التنکیل ۱/۳۰۰)

۳) امام عبداللہ بن محمد بن عبدالعزیز البغوی (ثقہ عندالجمہور) نے ابن ابی داود کے رقعے کے جواب میں کہا: " **أنت والله عندي منسلخ من العلم .** "

اللہ کی قسم! تم میرے نزدیک علم سے عاری ہو۔ (الکامل لابن عدی ۴/۱۵۷۸)

☆ علی بن عبداللہ الداھری نے کہا کہ میں نے رَے میں ابن ابی داود سے حدیث الطیر کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا: اگر حدیث الطیر (پرندے والی حدیث) صحیح ہو تو پھر نبی کی نبوت باطل ہو جاتی ہے... الخ (الکامل ۴/۱۵۷۸)

اس قول کا راوی الداھری مجہول ہے، لہٰذا یہ قول باطل ومردود ہے۔

حدیث الطیر سے مراد یہ ہے کہ نبی ﷺ کے پاس ایک پرندے کا گوشت (لایا گیا)

تھا تو آپ نے فرمایا: اے اللہ! اس آدمی کو میرے پاس لے آ جو تیرے نزدیک اپنی مخلوق میں سب سے محبوب ہو، وہ میرے ساتھ اس پرندے کا گوشت کھائے۔

پھر علی (رضی اللہ عنہ) آئے اور انھوں نے آپ کے ساتھ اس گوشت میں سے کھایا۔

(سنن ترمذی: ۳۷۲۱ وقال: ''غریب'' تاریخ دمشق لابن عساکر ۱۹۲/۴۵، دوسرا نسخہ ۲۵۴/۴۲ من طریق الدارقطنی وسندہ حسن)

مسند ابی یعلیٰ کے کسی نسخے میں اس کا ایک حسن لذاتہ شاہد بھی ہے۔

(دیکھئے البدایہ والنہایہ ۳۶۳/۷، دوسرا نسخہ ۵۷۹/۷)

اس روایت کی بعض سندوں میں آیا ہے کہ انس رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے (خلافِ واقعہ) کہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مصروف ہیں۔ الخ

(المستدرک ۱۳۰/۳۔۱۳۱ ح ۴۶۵۰ وقال الحاکم: هذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین!)

اس کا راوی محمد بن احمد بن عیاض بن ابی طیبہ مجہول ہے اور اکیلے حاکم کی تصحیح یہاں مفید نہیں ہے۔

☆ محمد بن ضحاک بن عمرو بن ابی عاصم النبیل نے محمد بن یحییٰ بن مندہ سے نقل کیا، انھوں نے ابوبکر بن ابی داود سے نقل کیا: زہری نے عروہ سے روایت بیان کی: ''کانت قد حفیت أظافیر علي من کثرة ما کان یتسلّق علی أزواج رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم'' علی (رضی اللہ عنہ) کے ناخن گھس گئے، کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کے پاس بہت زیادہ آتے جاتے تھے۔ (الکامل ۱۵۷/۴)

اس روایت میں محمد بن ضحاک راوی (متوفی ۳۱۳ھ) کا ذکر تاریخ بغداد (۳۷۶/۵ ت ۲۹۰۱) میں ہے، لیکن توثیق نامعلوم ہے۔

اگر یہ روایت ثابت بھی ہوتی تو ابن ابی داود پر کوئی جرح نہیں تھی بلکہ ابن ابی داود اور زہری کے درمیان سند معلوم نہ ہونے کی وجہ سے ضعیف ومردود ہے۔

☆ قاضی احمد بن عمر بن علی نے کہا: میں نے محمد بن عبداللہ بن ایوب القطان کو کہتے ہوئے

سنا کہ محمد بن جریر الطبری کے پاس تھا جب ایک آدمی نے انھیں کہا: ابن ابی داود لوگوں کے سامنے علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) کے فضائل پڑھ رہے ہیں، تو ابن جریر نے کہا:

" تکبیرة من حارس " چوکیدار کی تکبیر [اللہ اکبر] (تاریخ بغداد ۹/ ۴۶۷ ت ۵۰۹۵)

اس روایت کے پہلے راوی احمد بن عمر بن علی (متوفی ۴۲۹ھ) کا ذکر تاریخ بغداد میں ہے۔ (۴/ ۲۹۵ ت ۲۰۶۱)

لیکن توثیق معلوم نہیں ہے، نیز دیکھئے تاریخ الاسلام للذہبی (۲۹/ ۲۵۰)

دوسرے راوی محمد بن عبداللہ بن ایوب کے بارے میں امام ازہری نے فرمایا: ابوجعفر الطبری سے اس کا سماع صحیح تھا، لیکن وہ خبیث مذہب والا رافضی تھا۔

قاضی ابوبکر محمد بن عمر الداودی نے کہا: وہ صحیح سماع والا، ثقہ تھا۔ اس کے بعد انھوں نے اسے تفضیل علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا اور اس کی رافضیت سے لاعلمی کا اظہار کیا۔

(تاریخ بغداد ۵/ ۴۶۵ ت ۳۰۰۷، توفی ۳۷۸ھ)

ذہبی نے کہا: " رافضی معثر " غلط کار رافضی۔

(میزان الاعتدال ۳/ ۶۰۲ وعندہ " خ ت " وھو خطأ مطبعي، المغنی فی الضعفاء ۲/ ۳۳۲ ت ۵۷۲۰)

معلوم ہوا کہ یہ کلام احمد بن عمر بن علی کے مجہول الحال ہونے کی وجہ سے ثابت نہیں، دوسرے یہ کہ " تکبیرة من حارس " جرح نہیں ہے۔ دیکھئے التنکیل (۱/ ۲۹۹)

☆ ابن عدی نے کہا کہ وہ شروع میں ناصبیت کی کسی چیز کی طرف منسوب کئے گئے تھے اور ابن فرات نے انھیں بغداد سے واسط کی طرف نکال بھیجا تھا اور علی بن عیسیٰ نے انھیں واپس بلالیا جب انھوں نے فضائل علی ظاہر کئے اور حنبلی ہوگئے۔

(الکامل ۴/ ۱۵۷۸، دوسرا نسخہ ۵/ ۴۳۷)

عرض ہے کہ منسوب کرنے والے کا کوئی اتا پتا نہیں، لہٰذا یہ مجہول کی جرح ہے اور مردود ہے۔

تنبیہ: یہاں حنبلی ہونے سے مراد مقلد ہونا نہیں، بلکہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے

عقیدے پر ہونا ہے اور آگے آ رہا ہے کہ امام ابوبکر بن ابی داود اہلِ حدیث میں سے تھے۔

(دیکھئے ملفوظات، قصیدے کے شعر نمبر ۴۰ کے بعد)

موثقین اور توثیق: اب ثابت شدہ توثیق مع حوالہ جات درج ذیل ہے:

۱) حافظ ابن عدی نے کہا: ''وهو مقبول عند أصحاب الحديث''

اور وہ اہلِ حدیث کے نزدیک مقبول ہیں۔ (الکامل ۴/۱۵۷۸، دوسرا نسخہ ۵/۴۳۷)

۲) حافظ ابن حبان نے صحیح ابن حبان میں کئی روایتیں ابوبکر بن ابی داود سے بیان کیں، جو اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اُن کے نزدیک ثقہ وصدوق تھے۔

دیکھئے الاحسان: ۲۸۰، ۹۸۱ دوسرا نسخہ ۹۸۵، ۵۵۲۸ دوسرا نسخہ ۵۵۵۴، ۵۷۳۳ دوسرا نسخہ ۵۷۶۳، ۶۶۸۲ دوسرا نسخہ ۶۷۱۷، ۷۴۰۷ دوسرا نسخہ ۷۴۵۰

۳) امام دارقطنی نے ابوبکر عبداللہ بن ابی داود کی بیان کردہ ایک حدیث کے بارے میں فرمایا: ''هذا إسناد صحيح ثابت'' (سنن دارقطنی ۱/۳۴۵۔۳۴۶ ح ۱۲۹۴)

اور ایک دوسری روایت (جس میں ابن ابی داود بھی راوی ہیں) کے بارے میں فرمایا: ''كلهم ثقات'' سارے راوی ثقہ ہیں۔ (سنن دارقطنی ۲/۲۴۔۲۵ ح ۱۶۳۴)

معلوم ہوا کہ امام دارقطنی کے نزدیک ابن ابی داود ثقہ اور صحیح الحدیث تھے۔

تنبیہ: ابوعبدالرحمٰن السلمی (صوفی) نے امام دارقطنی سے نقل کیا کہ وہ (ابن ابی داود) ثقہ ہیں، لیکن حدیث پر کلام کرنے میں بہت زیادہ غلطی کرنے والے ہیں۔ (سوالات السلمی: ۲۴۲)

یہ جرح اس وجہ سے ضعیف و مردود ہے کہ سُلمی بذاتِ خود مجروح اور ضعیف راوی ہے۔

٤) امام ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق الاسفرائنی نے صحیح ابی عوانہ میں ابن ابی داود سے روایت لی ہے۔ (المستخرج نسخہ مرقمہ ج ۴ ص ۲۰۷ ح ۶۵۵۳ قبل مبتدأ کتاب الاشربہ)

معلوم ہوا کہ وہ ابوعوانہ کے نزدیک ثقہ وصدوق تھے۔

۵) حاکم نیشاپوری نے ابن ابی داود کی بیان کردہ ایک حدیث کو ''صحيح على شرط مسلم'' کہا۔ (المستدرک ۲/۴۹ ح ۲۳۰۶)

٦) ابونعیم الاصبہانی نے المستخرج علیٰ صحیح مسلم میں اُن سے روایت لی۔ (۲۴۵/۱ ح ۴۵۲)

اور فرمایا: وہ فنونِ علم، حافظے، عقل مندی اور فہم میں بہت رسوخ رکھتے تھے، اس وجہ سے لوگوں کی ایک جماعت نے ان سے حسد کیا۔ الخ

(اخبار اصبہان ۲/۲۱۱ ترجمۃ محمد بن عبداللہ بن الحسن بن حفص الہمدانی)

۷) حافظ ذہبی نے کہا: '' الحافظ الثقة صاحب التصانيف '' (میزان الاعتدال ۲/۴۳۳)

اور '' صح '' کی رمز درج کی، جس کا مطلب یہ ہے کہ ذہبی کے نزدیک ابن ابی داود پر جرح مردود ہے اور حکم ان کی توثیق پر ہی جاری ہے۔

(دیکھئے میری کتاب: تحقیقی مقالات ج ۳ ص ۱۸۲۔۱۸۳)

ذہبی نے کہا: '' ثقة كذبه أبوه ... '' وہ ثقہ ہیں، ان کے والد نے انھیں جھوٹا کہا... (المغنی فی الضعفاء ۱/۵۴۲ ت ۳۲۰۷)

عرض ہے کہ ابن ابی داود کے والد کی طرف سے انھیں جھوٹا کہنا بالکل ثابت نہیں اور عبارتِ مذکورہ میں ذہبی کی توثیق ثابت ہے۔

۸) خطیب بغدادی نے ابن ابی داود کے بارے میں فرمایا:

'' وكان فهمًا عالمًا حافظًا '' اور وہ سوجھ بوجھ والے عالم (اور) حافظ تھے۔

(تاریخ بغداد ۹/۴۶۴)

۹) حافظ ابوالفضل صالح بن احمد بن محمد بن احمد بن صالح الہمدانی نے فرمایا:

وہ عراق کے امام ہیں، مختلف علاقوں میں انھوں نے علم سکھایا، سلطان نے اُن کے لئے ان کے فضل و معرفت کی وجہ سے منبر رکھوایا تھا، پھر انھوں نے اس پر حدیثیں بیان کیں... ان کے زمانے میں عراق میں کئی شیوخ ایسے تھے جو ان سے عالی سندیں بیان کرتے تھے مگر مہارت اور ثقہ ہونے میں جو ان کا مقام ہے ان شیوخ میں سے کوئی بھی پہنچ نہیں سکا۔

(تاریخ بغداد ۹/۴۶۵۔۴۶۶ وسندہ صحیح)

۱۰) امام حسن بن محمد الخلال نے فرمایا: ابوبکر بن ابی داود اپنے والد سے بڑے حافظ تھے۔

(تاریخ بغداد ۹/۴۶۶ وسندہ صحیح)

۱۱) ابوبکر بن محمد بن عبیداللہ (صح) بن محمد بن الفتح الصیرفی (متوفی ۳۷۸ھ) نے کہا:
تین لاکھ سے زائد لوگوں نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھی، آپ کا جنازہ چار مقامات پر پڑھا گیا
... '' و كان زاهدًا عالمًا ناسكًا رضي الله عنه و أسكنه الجنة برحمته ''
آپ زاہد، عالم دیندار تھے۔ اللہ آپ سے راضی ہو اور اپنی رحمت کی وجہ سے آپ کو جنت میں سکونت نصیب فرمائے۔ (تاریخ بغداد ۹/۴۶۸)

۱۲) امام ابن شاہین نے ابن ابی داود کو کتاب الثقات میں ذکر کیا۔ (ص ۲۳۹ ت ۱۴۶۸)

۱۳) علامہ ابن الجوزی نے کہا: '' إمام كبير ، مصنف مقبول ، إلا ... ''
وہ بڑے امام، مقبول مصنف تھے مگر... (کتاب الضعفاء والمتروکین ۲/۱۲۶ ت ۲۰۴۰)

إلا کے بعد ابن الجوزی نے امام ابوداود اور ابراہیم الاصبہانی کی جرح نقل کی ہے جو ثابت ہی نہیں، لہٰذا مگر کے بعد والا سارا حوالہ مردود ہے۔

۱٤) امام ابوالخیر محمد بن محمد الجزری (متوفی ۸۳۳ھ) نے کہا: '' ثقة كبير مأمون ''
(غایۃ النہایۃ فی طبقات القراء ۱/۴۲۰ ت ۱۷۷۹)

۱۵) ابن عساکر نے ابن ابی داود کی بیان کردہ ایک حدیث کے بارے میں کہا:
'' هذا حديث حسن صحيح '' (معجم شیوخ ابن عساکر ۲/۷۶۸ ح ۹۶۰)

۱٦) حافظ ابویعلی الخلیلی نے کہا: '' الحافظ ، الإمام ببغداد في وقته ، عالم متفق عليه ، إمام ابن إمام ... '' (الارشاد فی معرفۃ علماء الحدیث ۲/۶۱۰ ت ۳۳۱)

۱۷) حافظ ابن ناصرالدین الدمشقی (متوفی ۸۴۲ھ) نے عبداللہ بن ابی داود کے بارے میں کہا: '' و كان إمامًا علامة جليلاً ، حافظًا متقنًا نبيلاً '' آپ امام جلیل القدر علامہ تھے، حافظ ثقہ شریف تھے۔ (التبیان لبدیعۃ البیان ۲/۹۰۶ ت ۷۳۵)

۱۸) مورخ ابن خلکان نے کہا: '' من أكابر الحفاظ ببغداد ، عالمًا متفقًا عليه ، إمام ابن إمام '' وہ بغداد میں اکابر حفاظ میں سے، عالم تھے آپ پر اتفاق ہے، امام ابن

امام تھے۔ (وفیات الاعیان ۲/۴۰۵ ت ۲۷۲)

۱۹) ابن العماد الحنبلی نے کہا: " و كان ... من أكابر الحفاظ ببغداد عالمًا متفقًا عليه إمامًا ابن إمام ... " (شذرات الذہب ج ۲ ص ۱۶۸)

۲۰) ابوالشیخ الاصبہانی نے کہا: " و كان من العلماء الكبار ... "

(طبقات المحدثین باصبہان ۳/۳۰۴ ت ۳۷۰)

۲۱) امام بیہقی نے ابن ابی داود کے بارے میں فرمایا: " أحد حفاظ عصره و علماء دهره " وہ اپنے زمانے کے حفاظ اور علماء میں سے ایک تھے۔

(دلائل النبوۃ ۶/۴۰ ح ۲۲۸۴ باب مافی کلام الذئب)

۲۲) امام ابوالقاسم اسماعیل بن محمد بن الفضل رحمہ اللہ نے ابن ابی داود کی بیان کردہ ایک حدیث کے بارے میں فرمایا: " هذا حديث صحيح " (الاحادیث المختارہ ۷/۶ ح ۲۳۸۶)

۲۳) ضیاء مقدسی نے المختارہ میں ابن ابی داود سے روایت لی۔ (دیکھئے فقرہ سابقہ: ۲۲)

۲۴) قاضی ابوالحسین محمد بن ابی یعلیٰ الحنبلی نے کہا: " و كان فهمًا عالمًا حافظًا "

(طبقات الحنابلہ ۲/۵۱ ت ۵۹۵)

۲۵) محمد بن علی بن احمد الداودی (متوفی ۹۴۵ھ) نے کہا: " و برع و ساد الأقران " اور آپ ماہر ہوئے اور اپنے دَور کے لوگوں کے سردار بن گئے۔

(طبقات المفسرین ص ۱۶۶ ت ۲۲۲)

مذکورہ اقوال میں بعض صرف تعریفی کلمات ہیں، صریح توثیقات نہیں، لیکن عام اقوال وحوالے توثیقات والے ہیں، لہٰذا ثابت ہوا کہ امام ابوبکر عبداللہ بن ابی داود سلیمان بن الاشعث السجستانی جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ وصدوق، صحیح الحدیث اور حسن الحدیث راوی ہیں۔ والحمد للہ

جمہور کی توثیق کے بعد ان پر بعض علماء مثلاً ابن صاعد وغیرہ کی جرح مردود ہے۔

فائدہ: امام ابن ابی داود کا بہترین دفاع متاخرین میں سے ذہبی عصر امام عبدالرحمٰن بن

یحیی المعلمی الیمانی رحمہ اللہ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب: التنکیل میں کیا ہے۔
تصانیف: امام ابن ابی داود نے بہت سی کتابیں لکھیں، جن میں سے بعض کے نام درج ذیل ہیں:

۱: کتاب المصاحف (مطبوع)
۲: کتاب البعث (مطبوع)
۳: مسندِ عائشہ (مطبوع)
۴: کتاب المصابیح فی الحدیث
۵: کتاب فضائل القرآن
۶: کتاب الناسخ والمنسوخ
۷: کتاب التفسیر، وغیرہ

حافظہ: اللہ تعالیٰ نے آپ کو عظیم الشان حافظہ عطا فرمایا تھا۔

۱: احمد بن ابراہیم بن شاذان (ثقہ) سے روایت ہے کہ ابوبکر بن ابی داود عمرو بن اللیث کے دَور میں بجستان (اصبہان) گئے تو اصحابِ حدیث ان کے پاس اکٹھے ہو گئے اور کہا کہ انھیں حدیثیں بیان کریں، ابن ابی داود نے انکار کر دیا اور کہا: میرے پاس کتاب نہیں ہے۔ انھوں نے کہا: ابن ابی داود ہوں اور کتاب؟

ابوبکر بن ابی داود نے کہا: پس انھوں نے جوش دلا کر مجھے مجبور کر دیا تو میں نے اپنے حافظے سے انھیں تیس ہزار حدیثیں سنائی، جب میں بغداد آیا تو بغدادیوں نے کہا: ابن ابی داود بجستان (اصبہان) گئے اور لوگوں کے ساتھ تماشا کر دیا (یعنی بیوقوف بنا دیا) پھر چھ دینار کے ذریعے سے انھوں نے بجستان کی طرف ایک تیز قافلہ روانہ کیا تا کہ (ابن ابی داود کی لکھائی ہوئی حدیثوں کا) نسخہ لکھ لائیں، پس وہ لکھا گیا اور بغداد لایا گیا اور حفاظِ حدیث کے سامنے پیش کیا گیا تو انھوں نے مجھ پر چھ روایات میں غلطی کا الزام لگایا، ان میں سے تین روایات اسی طرح تھیں جس طرح میں نے اپنے استادوں سے سنی تھیں اور تین روایات

میں مجھے غلطی لگی تھی۔ (تاریخ بغداد ۹/۴۶۶ وسندہ صحیح، تاریخ دمشق ۲۹/۸۳)

سبحان اللہ! حافظے سے تیس ہزار روایتیں بیان کیں اور صرف تین روایتوں کی سند میں غلطی لگی۔ یہ بے پناہ حافظے کی دلیل ہے!

عام لوگ بھی جانتے ہیں کہ قرآن کے مستند ومتقن حافظ کو بھی بعض اوقات قراءتِ قرآن میں غلطی لگ جاتی ہے، لہٰذا ہزار احادیث میں سے صرف ایک کی سند میں غلطی لگ جانا اس کی دلیل ہے کہ ابن ابی داود بہت بڑے حافظِ حدیث تھے۔ رحمہ اللہ

۲: امام ابو علی الحسین بن علی الحافظ النیسابوری کی روایت میں ہے کہ ابن ابی داود نے یہ روایتیں اصبہان میں بیان کی تھیں، جن میں سے صرف دو روایتوں میں غلطی لگی تھی۔

(تاریخ دمشق ۲۹/۸۲ وسندہ صحیح)

معلوم ہوا کہ بجستان (کے علاقے) سے یہاں مراد اصبہان ہے اور یہی راجح ہے۔ واللہ اعلم

ابوذر عبد بن احمد الہروی کی ابن شاذان سے روایت میں بھی اصبہان کا لفظ ہے۔

(تاریخ دمشق ۲۹/۸۲ وسندہ صحیح)

لہٰذا ہو سکتا ہے کہ ابو القاسم الازہری (شیخ الخطیب) کو بجستان کے لفظ میں غلطی لگی ہو۔ واللہ اعلم

۳: امام ابو حفص ابن شاہین رحمہ اللہ (متوفی ۳۸۵ھ) نے فرمایا:

" **أملى علينا ابن أبي داود نحو العشرين سنة ، ما رأيت بيده كتابًا ، إنما كان يُملي حفظًا** " ابن ابی داود نے ہمیں بیس سال کے قریب حدیثیں لکھائیں، میں نے آپ کے ہاتھ میں کبھی کوئی کتاب نہیں دیکھی، وہ تو صرف حافظے سے (زبانی) حدیثیں لکھاتے تھے۔ (تاریخ دمشق ۲۹/۸۳ وسندہ صحیح)

۴: ابن شاہین نے کہا: جب ابن ابی داود (آخر میں) نابینا ہو گئے تو منبر پر بیٹھتے اور ان کا بیٹا ابو معمر ان سے ایک درجہ نیچے بیٹھ جاتا، اس کے ہاتھ میں کتاب ہوتی تھی، وہ کہتا: فلاں حدیث، تو وہ پوری حدیث (مع سند ومتن) پڑھ لیتے تھے۔ انھوں نے ایک دن قنوت (یا

فتون) والی (لمبی) حدیث زبانی سنادی تو ابوتمام الزینبی نے کھڑے ہو کر کہا: اللہ کی قسم! میں نے آپ جیسا کوئی نہیں دیکھا اِلا یہ کہ ابراہیم الحربی ہوں۔ الخ

(تاریخ دمشق ۸۳/۲۹ وسندہ صحیح)

ملفوظات: امام ابن ابی داود کے چند ملفوظات کتابی ترقیم کے مطابق درج ذیل ہیں:

۱) امام ابن شاہین نے فرمایا: ہمارے استاذ (امام) ابوبکر بن ابی داود السجستانی نے فرمایا:

۱: تمسك بحبل اللّٰه واتبع الهدى	ولا تك بدعيًا لعلك تفلح
۲: و دن بكتاب اللّٰه والسنن التي	أتت عن رسول اللّٰه تنجو وتربح
۳: وقل :غير مخلوق كلام مليكنا	بذلك دان الأتقياء وأفصحوا
۱۵: وقل: إن خير الناس بعد محمد	وزيراه قدمًا ثم عثمان أرجح
۱۶: ورابعهم خير البرية بعدهم	علي حليف الخير بالخير منجح
۱۷: و أنهم والرهط لا ريب فيهم	على نجب الفردوس في الخلد يسرح
۲۴: و من بعد هم فالشافعي واحمد	إماما الهدى من يتبع الحق يفصح
۲۶:و قل خير قول في الصحابة كلهم	و لا تك طعانًا بعيب و تجرح
۳۸: ودع عنك آراء الرجال و قولهم	فقول رسول اللّٰه أزكى و أسرج
۳۹: ولاتك من قوم تلهّوا بدينهم	فتطعن (صح) في أهل الحديث و يقدح
۴۰:إذا ما اعتقدت الدهر يا صاح هذه	فأنت على خير تبيت و تصبح

۱: اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ اور ہدایت کی اتباع کر اور بدعتی نہ بننا، تاکہ تو فلاح پا جائے۔

۲: کتاب اللہ (قرآن) اور رسول اللہ ﷺ کی بیان کردہ سنتوں (حدیثوں) کو اپنا دین بنا، نجات پا جائے گا اور نفع میں رہے گا۔

۳: اور کہہ: ہمارے مالک (اللہ) کا کلام غیر مخلوق ہے، یہی عقیدہ متقین کا ہے اور انھوں

نے اسے صاف طور پر بیان کر دیا ہے۔

۱۵: اور کہہ: محمد (ﷺ) کے بعد لوگوں میں سے سب سے بہتر آپ کے دونوں قدیم وزیر (ابوبکر الصدیق اور عمر الفاروق رضی اللہ عنہما) ہیں، پھر (تیسرے نمبر پر) عثمان راجح ہیں۔

۱۶: اور چوتھے نمبر پر خیر البریہ (پوری جماعت میں سب سے بہتر) علی ہیں۔ (رضی اللہ عنہ) خیر کا دوست خیر کے ساتھ کامیاب ہوتا ہے۔

۱۷: یہ ایسی جماعت ہے جس کے بارے میں کوئی شک نہیں کہ جنت کی خوبصورت سواریوں پر ہمیشہ سیر کریں گے۔

۲۴: اور ان کے بعد پھر شافعی اور احمد دونوں ہدایت کے امام ہیں، جو حق کی پیروی کرتا ہے صاف اور فصیح کلام کرتا ہے۔

۲۶: تمام صحابہ کے بارے میں اچھی بات ہی کہنا، عیب جوئی اور طعن نہ کرنا (ورنہ) تو (صحابہ کے بارے میں) جرح کرنے والا (بلکہ مجروح) ہو جائے گا۔

۳۸: لوگوں کی آراء واقوال (اگر کتاب وسنت کے خلاف ہوں تو) چھوڑ دے، پس رسول اللہ (ﷺ) کا قول سب سے بہتر اور سب سے روشن ہے۔

۳۹: ان لوگوں میں سے نہ ہونا جو اپنے دین کے ساتھ کھیلتے ہیں، پس تُو اہلِ حدیث کے بارے میں طعن اور جرح کرنے والا بن جائے گا (اور بذاتِ خود مجروح ہو جائے گا)

تنبیہ: اصل میں ''فیطعن'' ہے جبکہ زیادہ راجح ''فتطعن'' ہے۔

(دیکھئے سیر اعلام النبلاء للذہبی ۲۳۶/۱۳)

۴۰: اے میرے دوست! اگر تو یہ عقیدہ ہمیشہ رکھے گا تو پھر تیرے دن اور رات خیر پر رہیں گے۔ (شرح مذاہب اہل السنہ لابن شاہین ص ۳۲۱۔۳۲۳)

امام ابوبکر بن ابی داود نے ان اشعار کے بعد فرمایا: یہ میرا قول ہے، میرے والد (امام ابوداود) اور احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا قول ہے، ہم نے جن علماء کو دیکھا ہے اور جنھیں نہیں دیکھا ان سے یہی عقیدہ پہنچا ہے، جو شخص اس کے علاوہ میری طرف کچھ اور منسوب کرے تو اس

نے جھوٹ بولا ہے۔ (شرح مذاہب اہل السنہ ص ۳۲۳)

نیز دیکھئے کتاب الشریعہ للآجری (نسخہ مرقمہ ص ۹۷۳۔۹۷۵، نسخہ محققہ ۲۵۶۳/۵۔۲۵۶۵) سیر اعلام النبلاء (۲۳۳/۱۳۔۲۳۶ وسندہ صحیح) العلو للعلی الغفار (نسخہ محققہ ۱۲۲۰/۲۔۱۲۲۳ ح ۴۸۸ وقال الذہبی: "هذه القصيدة متواترة عن ناظمها، رواها الآجري وصنف لها شرحًا") اور شیخ عبدالرزاق بن عبدالمحسن بن حمد البدر المدنی (من المعاصرين وهو ثقة ابن ثقة) کی کتاب: التحفۃ السنیہ شرح منظومہ ابن ابی داود الحائیہ (ص ۹۔۱۲۴)

فائدہ: اس قصیدے سے ثابت ہوا کہ امام ابن ابی داود مقلد نہیں بلکہ اہلِ حدیث میں سے تھے، لہٰذا اُنھیں حنبلی کہنے کا مطلب مقلد ہونا نہیں بلکہ امام احمد بن حنبل کے عقیدے پر ہونا ہے۔ رحمہما اللہ

۲: امام ابن ابی داود سے زندگی کے کسی دور میں بھی ناصبی ہونا ثابت نہیں اور قصیدہ حائیہ (دیکھئے رقم سابق: ۱) اس الزام کے باطل ہونے کی واضح دلیل ہے۔

۳: امام ابوالقاسم عبداللہ بن الحسن بن سلیمان المقرئی ابن النخاس (ثقہ) رحمہ اللہ نے کہا: میں نے ابوبکر بن ابی داود کو فرماتے ہوئے سنا: میں نے بجستان میں ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) کو خواب میں دیکھا اور میں ان کی حدیثیں جمع کر کے کتاب لکھ رہا تھا، ان کی گھنی داڑھی تھی، درمیانہ قد گندمی رنگ، آپ نے موٹے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ میں نے کہا: اے ابوہریرہ! میں آپ سے محبت کرتا ہوں، تو انھوں نے فرمایا: میں دنیا میں پہلا صاحبِ حدیث (اہلِ حدیث) تھا (جس نے شاگردوں کی ایک فوج تیار کی) الخ

(تاریخ بغداد ۴۶۷/۹ وسندہ صحیح)

اولاد: آپ کے تین بیٹے: ابوداود محمد، ابوعمر عبید اللہ، ابواحمد عبدالاعلیٰ اور فاطمہ سمیت پانچ بیٹیاں تھیں۔

وفات: امام ابوبکر بن ابی داود السجستانی رحمہ اللہ ۱۷/ ذوالحجہ ۳۱۶ھ کو فوت ہوئے اور تین لاکھ سے زیادہ لوگوں نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھی۔ رحمہ اللہ (۳/جنوری ۲۰۱۱ء)

ابوعمر احمد بن عبدالجبار بن محمد العطاردی التمیمی الکوفی

ابوعمر احمد بن عبدالجبار بن محمد العطاردی التمیمی الکوفی رحمہ اللہ ذوالحجہ ۱۷۷ھ کو پیدا ہوئے اور ۲۷۲ھ میں ۹۵ سال کی عمر میں کوفہ میں وفات پائی۔

آپ نے اپنے ثقہ والد عبدالجبار بن محمد العطاردی اور عبداللہ بن ادریس (۱۹۲ھ) ابومعاویہ محمد بن خازم الضریر (۱۹۵ھ) محمد بن فضیل بن غزوان (۱۹۵ھ) وکیع بن الجراح (۱۹۷ھ) یونس بن بکیر الشیبانی (۱۹۹ھ) اور ابوبکر بن عیاش (۱۹۴ھ) وغیرہم سے روایات بیان کیں۔ رحمہم اللہ

آپ کے شاگردوں میں ابوبکر بن ابی داود، قاضی حسین بن اسماعیل المحاملی، ابوعلی اسماعیل بن محمد الصفار، ابوالقاسم عبداللہ بن محمد بن عبدالعزیز البغوی، ابن ابی الدنیا، ابوالعباس محمد بن یعقوب الاصم اور ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق الاسفرائنی وغیرہم ہیں۔ رحمہم اللہ

آپ کے بارے میں محدثین کرام کے درمیان جرح وتعدیل میں اختلاف ہے اور جمہور محدثین نے آپ کی توثیق کی ہے، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

جارحین اور جرح:

جارحین اور جرح مع حوالہ وتحقیق درج ذیل ہے:

۱: امام محمد بن عبداللہ بن سلیمان الحضرمی رحمہ اللہ (مطین) نے فرمایا: ''احمد بن عبدالجبار العطاردي كان يكذب ''احمد بن عبدالجبار العطاردی جھوٹ بولتا تھا۔

(تاریخ بغداد ۲۶۳/۴ ت ۲۰۰۴ وسندہ صحیح)

محمد بن عبداللہ الحضرمی تک اس روایت کی سند صحیح ہے، احمد بن ابی جعفر القطیعی سے مراد ابوالحسن احمد بن محمد العتیقی ہیں۔ (دیکھئے سیر اعلام النبلاء ۶۰۲/۱۷)

اس قول پر خطیب بغدادی نے جرح کی ہے، یعنی یہ قول (جمہور کے خلاف ہونے

کی وجہ سے) باطل ہے۔ (دیکھئے تاریخ بغداد ۴/ ۲۶۴۔۲۶۵)

۲: امام عبدالرحمٰن بن ابی حاتم الرازی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''**كتبت عنه و أمسكت عن التحديث عنه لما تكلم الناس فيه .** ''میں نے اس سے دو روایتیں لکھیں اور اس وجہ سے اس سے حدیث بیان کرنا چھوڑ دی کہ لوگوں نے اس پر کلام کیا ہے۔

(الجرح والتعدیل ۲/ ۶۲)

بطورِ فائدہ عرض ہے کہ اس سے یہ مستنبط ہوسکتا ہے کہ ابن ابی حاتم اپنے نزدیک صرف ثقہ سے روایت کرتے تھے۔ واللہ اعلم

۳: امام ابوحاتم الرازی نے فرمایا: ''**ليس بقوي** '' وہ قوی نہیں۔

(الجرح والتعدیل ۲/ ۶۲)

۴: امام ابن عدی الجرجانی نے کہا: ''**رأيت أهل العراق مجمعين على ضعفه و كان أحمد بن محمد بن سعيد لا يحدث عنه لضعفه ...** ''

میں نے اہلِ عراق کو دیکھا، وہ اس کے ضعیف ہونے پر متفق تھے اور احمد بن محمد بن سعید (بن عقدہ، رافضی اور چور) اس سے اُس کے ضعیف ہونے کی وجہ سے حدیث بیان نہیں کرتا تھا... (الکامل ۱/ ۱۹۴، دوسرا نسخہ ۱/ ۳۱۳۔۳۱۴)

اس قول میں اہلِ عراق نامعلوم ہیں اور ابن عقدہ گندا آدمی اور چور تھا۔

(دیکھئے میری کتاب: تحقیقی مقالات ج ۱ ص ۴۷۷۔۴۷۹)

امام ابن عدی نے مزید فرمایا: ''**ولا يعرف له حديث منكر وإنما ضعفوه لأنه لم يلق من يحدث عنهم** .''اور اُس کی کوئی منکر حدیث معلوم نہیں اور انھوں نے اسے صرف اس وجہ سے ضعیف کہا کہ اُس نے اُن لوگوں سے روایت بیان کی جن سے اس کی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ (الکامل ۱/ ۱۹۴، دوسرا نسخہ ۱/ ۳۱۴)

عرض ہے کہ تہذیب الکمال وغیرہ میں اُن کے جن اساتذہ کا ذکر ہے، ان سب سے اُن کی ملاقات ممکن ہے، لہٰذا بعض نامعلوم لوگوں کی طرف سے ''ملاقات نہیں ہوئی تھی۔''

والی جرح مردود ہے۔

☆ حافظ ذہبی نے تلخیص المستدرک (۱/۳۴۴ ح ۱۲۷۴) میں احمد بن عبدالجبار کو ضعیف کہا، لیکن اسی کتاب میں دوسری جگہ احمد بن عبدالجبار کی بیان کردہ حدیث کو "صحیح" کہا۔
(دیکھئے ج ۴ ص ۲۵۴ ح ۷۶۴۹)

حافظ ذہبی نے فرمایا: "**حديثه مستقيم و ضعفه غير واحد**" ان کی بیان کردہ حدیثیں سیدھی (صحیح) ہیں اور انھیں کئی نے ضعیف قرار دیا۔ (المغنی فی الضعفاء ۱/۵۷ ت ۳۴)

اور ان کی ایک حدیث کے بارے میں فرمایا: "**هذا حديث صالح الإسناد**"
(سیر اعلام النبلاء ۱۲/۲۳۹)

ذہبی کا یہ کلام باہم متعارض ہو کر ساقط ہے۔

☆ ابن عقدہ رافضی نے احمد بن عبدالجبار پر جرح کی تھی، لیکن خود ابن عقدہ کے چور اور ساقط العدالت ہونے کی وجہ سے یہ جرح مردود ہے۔

☆ حاکم نے کہا: "**و اختلف فيه شيوخنا ولم يكن من أصحاب الحديث**" ہمارے اساتذہ کا ان کے بارے میں اختلاف ہے اور وہ اصحاب الحدیث میں سے نہیں تھے۔ (سوالات الحاکم للدارقطنی ص ۸۶۔۸۷ ت ۵)

حافظ مزی نے بغیر کسی سند کے حاکم سے نقل کیا کہ انھوں نے کہا:

"**ليس بالقوى عندهم تركه أبو العباس أحمد بن محمد بن سعيد يعني ابن عقدة**" وہ ان کے نزدیک القوی نہیں، اسے ابن عقدہ (رافضی) نے ترک کر دیا تھا۔

(تہذیب الکمال ۱/۵۴۔۵۵، ۳۷ جلدوں والا نسخہ ۱/۳۸۰)

حاکم صاحب المستدرک سے یہ جرح باسند صحیح ثابت نہیں اور عین ممکن ہے کہ یہ ابواحمد الحاکم الکبیر کا کلام ہو۔ واللہ اعلم

[دوسرے یہ کہ ابن عقدہ (چور) کے کسی راوی کو ترک کرنے یا نہ کرنے سے کیا فرق پڑتا ہے؟!]

اس کے برعکس خود حاکم نیشاپوری سے یہ ثابت ہے کہ انھوں نے احمد بن عبدالجبار کی بیان کردہ حدیث کو ''هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه '' کہا۔

(المستدرک ۲۵۴/۴ ح ۷۶۴۹)

اگر جرح ثابت بھی ہو تو یہ دونوں (جرح و تعدیل) باہم ٹکرا کر ساقط ہیں۔

(دیکھئے میزان الاعتدال ۵۵۲/۲ ترجمۃ عبدالرحمٰن بن ثابت بن الصامت)

فائدہ: حاکم نے ایک سند کے راویوں کو ثقہ قرار دیا ہے اور اس سند میں احمد بن عبدالجبار بھی ہیں۔ (دیکھئے المستدرک ۴۸۹/۱ ح ۱۷۹۷)

لہٰذا راجح یہی ہے کہ وہ احمد بن عبدالجبار کے موثقین میں سے تھے اور اسی وجہ سے موثقین میں ان کا ذکر کیا گیا ہے۔

۵: حافظ ابن حجر العسقلانی نے کہا: '' ضعيف و سماعه للسيرة صحيح ''

(تقریب التہذیب: ۶۴)

فائدہ: تحریر تقریب التہذیب میں حافظ ابن حجر کا رد کیا گیا ہے اور احمد بن عبدالجبار کو '' بل: صدوق حسن الحديث ربما خالف '' قرار دیا گیا ہے۔ (دیکھئے ج ۱ ص ۶۷۔۶۸)

۶: صلاح الدین خلیل بن ایبک الصفدی نے کہا: '' إلا أنه ضعيف ''

(الوافی بالوفیات ۱۰/۷ ت ۶۱۷)

۷: ابوسعد عبدالکریم بن محمد السمعانی نے کہا: '' و كان ضعيفًا تكلموا فيه ... ''

(الانساب ۲۰۸/۴، العطاردی)

۸: ابن الجوزی نے احمد بن عبدالجبار کو کتاب الضعفاء والمتروکین (۷۵/۱ ت ۱۹۵) میں ذکر کیا۔

۹: ہیثمی نے کہا: '' ضعيف '' (مجمع الزوائد ۲۹۶/۳)

موثقین اور توثیق:

جارحین اور ان کی جرح کے تعارف کے بعد اب موثقین اور ان کی توثیق پیش خدمت ہے:

۱:   ثقہ راوی ابوعبیدہ السری بن یحییٰ ابن اخی ھناد نے احمد بن عبدالجبار العطاردی کے بارے میں فرمایا: " ثقة " وہ قابلِ اعتماد راوی ہیں۔ (تاریخ بغداد ۲۶۳/۴، وسندہ صحیح)

۲:   امام دارقطنی نے فرمایا: " لا باس به و اثنی علیه أبو کریب ... "
ان کے ساتھ کوئی حرج نہیں اور ابوکریب نے ان کی تعریف بیان کی ہے۔
(سوالات حمزہ بن یوسف السہمی للدارقطنی: ۱۶۳)

۳:   ابن حبان نے احمد بن عبدالجبار کو ثقہ راویوں میں ذکر کر کے کہا:
" ربما خالف ، لم أر في حدیثه شیئًا یجب أن یعدل به عن سبیل العدول إلی سنن المجروحین " وہ بعض اوقات مخالفت کرتے تھے، میں نے اُن کی حدیث میں ایسی کوئی چیز نہیں دیکھی جو انھیں ثقہ راویوں سے نکال کر مجروح راویوں میں شامل کرنا ضروری قرار دے۔ (کتاب الثقات ۴۵/۸)

۴:   ابوعوانہ نے ان سے صحیح ابی عوانہ میں روایتیں بیان کیں۔
مثلاً دیکھئے مسند ابی عوانہ ۹۵/۱ ح ۲۰۶، دوسرا نسخہ ۷۳/۱

۵:   ابوعبداللہ الحاکم النیسابوری صاحب المستدرک۔ (دیکھئے جارحین اور جرح، فقرہ:۵ سے پہلے)

۶:   حسین بن مسعود البغوی نے احمد بن عبدالجبار کی محمد بن فضیل بن غزوان سے بیان کردہ ایک حدیث کو " ھذا حدیث صحیح ، أخرجه مسلم عن واصل بن عبدالأعلیٰ عن محمد بن فضیل " کہا۔ دیکھئے شرح السنۃ (۱۴/۴۔۱۵ ح ۹۰۶)

۷:   ابومنصور عبدالرحمٰن بن محمد بن ھبۃ اللہ بن عساکر نے احمد بن عبدالجبار کی بیان کردہ ایک حدیث کو " ھذا حدیث صحیح " کہا۔
(الاربعین فی مناقب امہات المومنین ۵۲/۱ ح ۳ بحوالہ مکتبہ شاملہ)

۸:   خطیب نے احمد بن عبدالجبار کا دفاع کیا۔

☆ کہا جاتا ہے کہ مسلمہ بن قاسم (بذاتِ خود ضعیف) نے احمد بن عبدالجبار کو " لا بأس به " کہا۔

☆ ابویعلی الخلیلی نے کہا: ”ولیس في حدیثه منا کیر لکنه روی عن القدماء، اتهموه في ذلك “اور اس کی حدیث میں منکر روایتیں نہیں، لیکن اس نے قدیم لوگوں سے روایتیں بیان کیں، اس وجہ سے انھوں نے اس پر تہمت لگائی۔ (الارشاد ۵۸۰/۲ ت ۲۸۶)

پہلا حصہ نہ جرح ہے اور نہ تعدیل، دوسرا حصہ مجہول جارحین کی جرح ہے۔

☆ سوالات الحاکم للدارقطنی (۵۲۴) میں مذکور ہے کہ انھوں نے احمد بن عبدالجبار کے سچا ہونے میں کوئی شک نہیں کیا۔ (ص ۲۸۹)

اس روایت کی سند میں نظر ہے۔

☆ بعض الناس نے مغلطائی کی اکمال (۱/ ورقہ ۱۸) سے نقل کیا کہ ابو محمد ابن الاخضر نے کہا: ”ثقة لا باس به“ یہ قول بے سند ہے، لہٰذا مردود ہے۔

۹: امام بیہقی نے احمد بن عبدالجبار کی بیان کردہ ایک حدیث کے بارے میں کہا:
”و هذا المتن أیضًا صحیح علی شرطه“ اور یہ متن بھی ان (مسلم) کی شرط پر صحیح ہے۔ (السنن الکبریٰ ۳۳۲/۶)

۱۰: ابوعلی (الصدفی) نے احمد بن عبدالجبار کی حدیث کے بارے میں کہا:
” هذا حدیث صحیح “ (معجم فی اصحاب القاضی الصدفی ۳۰/۱ بحوالہ مکتبہ شاملہ)

۱۱: معجم ابن عساکر (۲۲/۲ ح ۱۰۹۰) میں احمد بن عبدالجبار کی بیان کردہ ایک روایت کو صحیح لکھا ہوا ہے۔ (بحوالہ مکتبہ شاملہ)

☆ مشیخۃ ابن البخاری (۵۵۲/۷/ ۱۱۸۹) میں احمد بن عبدالجبار کی بیان کردہ ایک حدیث کے بارے میں لکھا ہوا ہے کہ ”هذا حدیث صحیح “ (مکتبہ شاملہ)

☆ ابوکریب الہمدانی رحمہ اللہ سے بھی احمد بن عبدالجبار کی تعریف مروی ہے۔ واللہ اعلم

خلاصۃ التحقیق: احمد بن عبدالجبار پر ۹ محدثین کی جرح اور ۱۱ محدثین کی توثیق ثابت ہے، لہٰذا وہ جمہور کے نزدیک موثق ہونے کی وجہ سے صدوق حسن الحدیث تھے۔ رحمہ اللہ

(۳/ جنوری ۲۰۱۱ء)

خواجہ محمد قاسم رحمہ اللہ: عظیم مبلغ اہلِ حدیث

نام ونسب: حافظ محمد قاسم خواجہ بن خواجہ عبدالعزیز بن اللہ دتہ کشمیری

ولادت: لاہور ۱۹۳۳ء

اساتذہ: قاری فضل کریم، مفتی عبداللہ محدث روپڑی، ابوالبرکات احمد، حافظ محمد گوندلوی

آپ نے دارالسلام تقویۃ الاسلام لاہور، جامعہ اسلامیہ چاہ شاہاں، جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ میں تعلیم حاصل کی تھی۔ درسِ نظامی مکمل کیا، عربی فاضل اور بی اے بھی پاس کیا۔

تعریف وتوثیق: آپ کی تعریف وتوثیق پر اہلِ حدیث کا اتفاق ہے۔ خواجہ ظہیر الاسلام بن خواجہ محمد قاسم نے کہا: حافظ محمد اسماعیل سلفی اور حافظ محمد گوندلوی نے آپ کی تعریف کی۔

راقم الحروف نے انوار السبیل میں آپ کا تذکرہ درج ذیل الفاظ میں لکھا ہے:

" لقيته في گوجرانواله وكان ثقة حجة متقناً من كبار دعاة أهل الحديث . متفق على جلالته وله كتب كثيرة نافعة باللغة الأردية منها: (۱) قد قامت الصلوة (۲) حي على الصلوة (۳) فتاویٰ عالمگیری پر ایک نظر (۴) و معركهٔ حق و باطل وغيرها ، توفي في صلوة الجمعة التي كان إماماً فيها. رحمه الله رحمة واسعة . " میری آپ سے گوجرانوالہ میں ملاقات ہوئی، آپ ثقہ (روایت میں) حجت (اور) متقن تھے، آپ عظیم داعیانِ اہلِ حدیث میں سے تھے، آپ کی جلالتِ شان پر اتفاق ہے۔ اردو زبان میں آپ کی بہت سی مفید کتابیں ہیں، جن میں سے:

(۱) قد قامت الصلوٰۃ (۲) حی علی الصلوٰۃ (۳) فتاویٰ عالمگیری پر ایک نظر (۴) اور معرکۂ حق وباطل ہیں۔ وغیرہ

آپ نمازِ جمعہ (کی حالت) میں فوت ہوئے جس میں آپ امام تھے۔ اللہ تعالیٰ آپ پر وسیع رحمتیں نازل فرمائے۔ (انوار السبیل فی میزان الجرح والتعدیل قلمی ص ۵٦)

دعوتِ دین: خواجہ ظہیر الاسلام نے کہا: محمد یوسف بٹ بریلوی نے کہا: ''خواجہ صاحب نے خطبہ جمعہ میں بریلویوں کو مخاطب فرمایا کہ قرآن وحدیث سے گیارہویں ثابت کردو۔ تو ہم بھی آپکے ساتھ گیارہویں منائیں گے۔ میں نے کہا کہ اب میں اس وہابی کو قابو کروں گا۔ یہ میرے لئے چیلنج تھا۔ میں بھاگا گیا اپنے مولوی صاحب کے پاس اور گیارہویں کا ثبوت مانگا۔ پہلے تو ٹال مٹول کرنے لگے۔ میں ذرا (صح) سنجیدہ ہوا تو ہمارے مولوی صاحب نے صاف کہہ دیا کہ ثبوت تو کوئی نہیں ہے۔ اب مجھے سمجھ آ گئی میں سیدھا خواجہ صاحب کے پاس گیا اور اہلِ حدیث مسلک قبول کرلیا۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ میں اب (صحیح) مسلمان ہوا ہوں۔ خواجہ صاحب کو خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی اور انہوں نے فرمایا کہ قیامت کے روز اگر رب نے مجھ سے پوچھا کہ کیا نیکی لے کر آئے ہو؟ تو میں یہی جواب دوں گا کہ میں نے یوسف بٹ کو مسلمان کیا ہے۔ اور یہی میری نجات کے لئے انشاء اللہ کافی ہوگا۔'' (خواجہ صاحب کی حیات وخدمات ص ۷۔۸)

ملفوظ وارشاد: خواجہ محمد قاسم رحمہ اللہ نے فرمایا: ''میرا ایمان ہے، جس مسلمان نے صدقِ دل سے لا الٰہ الا اللہ پڑھا ہو وہ مشرک نہیں ہوسکتا اور جس نے صدقِ دل سے محمد رسول اللہ پڑھا ہو وہ مقلد نہیں ہوسکتا۔'' (معرکۂ حق وباطل ص ۶۳)

تصانیف: آپ کی چار تصانیف کا تذکرہ ''تعریف وتوثیق'' کے تحت گزر چکا ہے اور چند دیگر کتابوں کے نام پیشِ خدمت ہیں: قبر پرستی اور سماعِ موتیٰ، وسیلہ کتاب وسنت کی روشنی میں، تبلیغی جماعت اپنے نصاب کے آئینے میں، کراچی کا عثمانی مذہب اور اسکی حقیقت، ہدایہ عوام کی عدالت میں، تعویذ اور دم کتاب وسنت کی روشنی میں، مقالات خواجہ محمد قاسم وغیرہ

اولاد: خواجہ ظہیر الاسلام، عاکف خواجہ، عاصم خواجہ، عدنان خواجہ اور حسن خواجہ، آپ کی آٹھ بیٹیاں بھی ہیں۔

وفات: آپ ۱۹/ دسمبر ۱۹۹۷ء کو بروز جمعۃ المبارک دورانِ نماز فوت ہوئے اور آپ کی نمازِ جنازہ مولانا محمد خالد گرجاکھی نے پڑھائی۔ رحمہما اللہ

باطل مذاہب اوران کارد

صوفیاء کا ''خاتم الاولیاء'' والانظریہ باطل ہے

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا: ''اور اسی طرح ''خاتم الاولیاء'' کا لفظ باطل ہے، اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ اسے سب سے پہلے محمد بن علی الحکیم الترمذی نے ذکر کیا اور ایک گروہ نے اسے چُرا کر اپنالیا، ان میں سے ہر شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہی خاتم الاولیاء ہے، جیسے ابن حمویہ، ابن عربی اور دمشق وغیرہ کے بعض گمراہ پیر، جن میں سے ہر شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ بعض وجہ سے نبی علیہ السلام سے افضل ہے(!) اور اس طرح کے دوسرے کفر اور بہتان کا دعویٰ کرتا ہے، ان سب باتوں میں اُن کو لالچ یہ ہے کہ وہ خاتم الانبیاء تو نہ بن سکے، لہٰذا خاتم الاولیاء کی ریاست انھیں مل جائے۔ یہ سب غلط ہیں، کیونکہ خاتم الانبیاء (یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخر النبیین) تو دلائل کی وجہ سے افضل ہیں اور خاتم الاولیاء کے افضل ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔ بے شک اس امت کے اولیاء میں سے مہاجرین اور انصار کے السابقون الاولون سب سے افضل ہیں۔ نبی کے بعد اس اُمت میں سب سے افضل ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں، پھر عمر رضی اللہ عنہ ہیں، پھر عثمان رضی اللہ عنہ ہیں، پھر علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس اُمت کی صدیوں میں سب سے بہترین وہ صدی ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے، پھر وہ جو اُن کے قریب ہیں (یعنی تابعین) پھر وہ جو اُن کے قریب ہیں (یعنی تبع تابعین۔)

خاتم الاولیاء تو حقیقت میں وہ آخری مومن ہے جو (قیامت سے پہلے) لوگوں میں ہو گا اور وہ سب اولیاء میں سے بہتر اور افضل نہیں ہے، بلکہ سب سے بہتر اور سب سے افضل (ولی) ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ ہیں، پھر عمر (رضی اللہ عنہ) ہیں، جن دونوں سے افضل پر نبیوں اور رسولوں کے بعد سورج طلوع اور غروب نہیں ہوا۔ (مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۱۱ص ۴۴۴)

ملا علی قاری حنفی نے حافظ ابن تیمیہ اور حافظ ابن القیم دونوں کے بارے میں کہا:

وہ دونوں اہلِ سنت والجماعت کے اکابرین سے اور اس اُمت کے اولیاء میں سے تھے۔

(جمع الوسائل فی شرح الشمائل ج ۱ص ۲۰۷)

ڈاکٹر اسرار احمد اور عقیدۂ وحدت الوجود

ابن عربی (صوفی) کی طرف منسوب کتاب: فصوص الحکم میں لکھا ہوا ہے:
" فأنت عبد و أنت رب " "پس تُو بندہ ہے اور تُو رب ہے۔ (ص ۷۷، شرح الجامی ص ۲۰۲)
ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا:
"میرے نزدیک اس کا اصل حل وہ ہے جو شیخ ابن عربیؒ نے دیا ہے' جو مَیں بیان کر چکا ہوں' کہ حقیقت و ماہیت وجود کے اعتبار سے **خالق و مخلوق کا وجود ایک ہے'** کائنات میں وہی وجودِ بسیط سرایت کیے ہوئے ہے' لیکن جہاں تعین ہو گیا تو وہ پھر غیر ہے' اُس کا عین نہیں۔ چنانچہ ان کا کہنا ہے کہ یہ کائنات کا وجود ایک اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے وجود کا عین اور دوسرے اعتبار سے اس کا غیر ہے۔ یہ ابن عربی کا فلسفہ ہے۔ اور ابن عربی ہمارے دینی حلقوں کی سب سے زیادہ متنازعہ فیہ (controvercial) شخصیت ہیں۔ ان کی حمایت اور مخالفت دونوں انتہا کو پہنچی ہیں۔ ہمارے صوفیاء کی عظیم اکثریت انہیں شیخ اکبر کے نام سے جانتی ہے۔ ان کی کتابیں "فصوص الحکم" اور "فتوحاتِ مکیہ" تصوف کی بہت اہم کتابیں ہیں۔ دوسری طرف اختلاف بھی اتنا شدید ہے کہ امام ابن تیمیہؒ نے ان کو ملحد و زندیق قرار دیا ہے اور جو بھی شرعی گالی ہو سکتی تھی ان کو دی ہے۔ میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میں اگر شیخ اکبر کی کسی بات کی تائید کر رہا ہوں تو وہ ان کا صرف یہ نظریہ ہے' باقی میں نے نہ فصوص الحکم کا مطالعہ کیا ہے' نہ فتوحاتِ مکیہ کا۔" (أم المسبحات یعنی سورۃ الحدید کی مختصر تشریح ص ۸۸)

معلوم ہوا کہ جس طرح ابن عربی وحدت الوجود کا قائل تھا، ڈاکٹر اسرار احمد کا بھی بعینہ وہی عقیدہ ہے۔

تنبیہ: وحدت الوجود کا عقیدہ باطل ہے۔ (دیکھئے میری کتاب: علمی مقالات ج ۲ ص ۴۶۰۔۴۷۲)

عباس رضوی صاحب کہاں ہیں؟ جواب دیں!

الحمد للّٰہ رب العالمین و الصّلوٰۃ و السّلام علیٰ رسولہ الأمین ، أما بعد:

عباس رضوی نامی ایک رضا خانی بریلوی نے اہلِ حدیث یعنی اہلِ سنت سے بارہ (۱۲) سوالات کئے تھے اور یہ سوالات وصول ہونے کے بعد راقم الحروف نے ۱۳/ رمضان ۱۴۲۹ھ (۱۴/ستمبر ۲۰۰۸ء) کو ان کے دندان شکن جوابات مع اہلِ حدیث (اہلِ سنت) کے بارہ سوالات لکھے تھے۔ پھر یہ سوال وجواب ماہنامہ الحدیث حضرو (محرم ۱۴۳۰ھ، جنوری ۲۰۰۹ء) عدد ۵۶ میں شائع کردیئے گئے تھے۔

اب ایک سال سے کافی زیادہ عرصہ گزر چکا ہے، مگر کہیں سے بھی عباس رضوی کی طرف سے ہمارے سوالات کا جواب ہمارے علم میں نہیں آیا۔

اگر عباس رضوی صاحب کسی کونے کھدرے میں زندہ موجود ہیں تو پھر ہمت کر کے ان سوالات کے جوابات پیش کریں اور اگر وہ مر کر آنجہانی ہوچکے ہیں تو پھر نام نہاد نوریوں اور ناریوں سے مطالبہ ہے کہ وہ ہمارے سوالات مکمل (بغیر کسی تبدیلی کے) نقل کر کے اُن کے جوابات بھیجیں تاکہ عوام کی معلومات میں اضافہ ہو اور یہ بھی واضح ہوجائے کہ کون حق پر ہے اور کون باطل پر ہے؟ صرف سوالات کر کے بھاگ جانا مَردوں کا کام نہیں اور نہ اس میں عوام کا فائدہ ہے۔ عباس رضوی صاحب سے مطالبہ ہے کہ بزدلی چھوڑ دیں، مردِ میدان بنیں اور جس طرح بیت العنکبوت میں بیٹھ کر سوالات داغے تھے، اسی طرح بیت العنکبوت میں بیٹھ کر ہمارے سوالات وصول کریں اور ان کے جوابات پیش کریں۔

احمد رضا خان بریلوی نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولا تھا، جس کا باحوالہ ذکر اہلِ حدیث سوال نمبر ۸ میں موجود ہے۔ اس کا جواب دیں اور اپنے نومولود رضا خانی فرقے کے امام کو کذب وافتراء کی جرح سے بری الذمہ ثابت کرنے کی کوشش کریں۔

اگر زندہ ہیں تو جواب دیں۔! (۱/شوال ۱۴۳۱ھ، ۱۱/ستمبر ۲۰۱۰ء)

تراب الحق قادری بریلوی کی کتاب... پر تبصرہ

الحمد لله ربّ العالمين والصّلوٰة والسّلام علىٰ رسوله الأمين ، أما بعد :

حیدرآباد (سندھ) سے ہمارے ایک پیارے دوست وکیل احمد صاحب حفظہ اللہ نے نیم غیر مقلد بریلوی تراب الحق قادری کی کتاب ''رسولِ خدا ﷺ کی نماز'' بھیجی ہے، تاکہ اس پر تبصرہ کیا جائے اور لوگوں کے سامنے اس کتاب اور صاحبِ کتاب کا علمی مقام پیش کیا جائے۔ تبصرے سے پہلے دو اہم اور بنیادی باتیں پیشِ خدمت ہیں:

۱: چودھویں صدی ہجری میں پیدا ہو جانے والے بریلوی مذہب کے ایک مشہور مصنف احمد یار خان نعیمی بدایونی نے لکھا ہے: ''عقائد میں کسی کی تقلید جائز نہیں۔''

(کتاب جاء الحق ج ۱ ص ۱۷، مطبوعہ نعیمی کتب خانہ گجرات)

معلوم ہوا کہ بریلوی حضرات عقائد میں امام ابوحنیفہ کے مقلد نہیں بلکہ غیر مقلد ہیں۔

خود تراب الحق بریلوی نے لکھا ہے:

''دین کے بنیادی عقائد میں نیز قرآن کریم اور احادیثِ صحیحہ کے صریح احکام میں جو قطعی الدلالۃ ہیں اور جن کا کوئی معارض نہیں، کسی کی تقلید نہیں ہے۔ یونہی جو شرعی احکام تواتر اور بداہت سے ثابت ہوں ان میں کسی کی تقلید نہیں ہے۔'' (رسولِ خدا ﷺ کی نماز ص ۱۷۸)

عرض ہے کہ عوام کو کس طرح معلوم ہوگا کہ یہ احکام قطعی الدلالت ہیں اور اُن کا کوئی معارض نہیں؟ یہ احکام تواتر اور بداہت سے ثابت ہیں، اور وہ احکام تواتر اور بداہت سے ثابت نہیں؟

اصل مسئلہ یہ ہے کہ رضا خانی بریلوی مذہب کے بنیادی عقائد مثلاً علمِ غیب، حاضر ناظر اور الاستعانۃ والاستغاثۃ بالانبیاء والاولیاء وغیرہ عقائد امام ابوحنیفہ بلکہ قاضی ابو یوسف اور ابن فرقد وغیرہما سے بھی ثابت نہیں، لہٰذا یہ لوگ حنفی مذہب سے بغاوت کر کے عقائد میں

غیر مقلد بن جاتے ہیں اور فروعی مسائل میں مقلد کے مقلد بننے میں سرگرم اور ہٹ دھرم رہتے ہیں۔ آدھے مقلد اور آدھے غیر مقلد بن کر دوسروں پر طعن و تشنیع کرنے سے ذرا بھی نہیں تھکتے اور نہ اخروی محاسبے کا خوف رکھتے ہیں۔

۲: فرقۂ بریلویہ کے بانی احمد رضا خان (م ۱۹۲۱ء) نے کہا: ''ہم حنفی ہیں نہ کہ یوسفی یا شیبانی'' (ملفوظاتِ احمد رضا خان حصہ دوم ص ۱۴۴، مطبوعہ حامد اینڈ کمپنی مدینہ منزل اردو بازار لاہور)

یعنی بریلوی حضرات (عقیدہ میں غیر مقلد ہونے کے بعد) فقہی و فروعی مسائل میں امام ابوحنیفہ کے مقلد ہیں، قاضی ابو یوسف یا ابن فرقد شیبانی کے مقلد نہیں ہیں۔

احمد رضا خان مذکور نے ایک رسالہ ''**اجلی الاعلام ان الفتوی مطلقًا علٰی قول الامام**'' یعنی ''اس امر کی تحقیقِ عظیم کہ فتویٰ ہمیشہ قولِ امام پر ہے۔'' لکھا ہے۔

(دیکھئے فتاویٰ رضویہ ج ۱ ص ۹۵، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور)

اس اصول کی رُو سے بریلوی فرقے والے لوگ فقہی و فروعی مسائل میں نہ قاضی ابو یوسف کا قول پیش کر سکتے ہیں، نہ ابن فرقد شیبانی کا، نہ طحاوی کا، نہ عینی کا اور نہ کسی دوسرے عالم کا، بلکہ وہ صرف امام ابوحنیفہ کا قول پیش کر سکتے ہیں اور وہ اسی کے پابند ہیں۔

ان دو اہم اصولوں کے تعارف کے بعد نیم غیر مقلد تراب الحق قادری بریلوی رضا خانی کی مذکورہ کتاب پر تبصرہ پیشِ خدمت ہے:

غیر مقلد بریلوی کا دعویٰ یہ ہے کہ ''... عام نمازوں میں رکوع اور سجود کے وقت رفع یدین کرنا ابتدائے اسلام میں تھا بعد میں منسوخ ہو گیا'' (ص ۲۷)

یہ دعویٰ امام ابوحنیفہ سے باسند صحیح قطعاً ثابت نہیں اور نہ کوئی رضا خانی وغیر رضا خانی اسے امام ابوحنیفہ سے ثابت کر سکتا ہے، لہٰذا یہ دعویٰ تراب الحق کا تو ہے، لیکن امام ابوحنیفہ کا یہ دعویٰ ہرگز نہیں ہے۔

تراب الحق بریلوی نے اپنے دعوے کی پہلی دلیل ''رفع یدین، قرآن کی روشنی میں:'' کے عنوان کے تحت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب تفسیر سے پیش کی ہے:

''اور نہ ہی رفع یدین کرتے ہیں۔(تفسیر ابن عباس)''(ص ۲۶)

حالانکہ تفسیر ابن عباس کے نام سے مطبوعہ کتاب سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ثابت ہی نہیں، اس کتاب کی سند درج ذیل ہے:

" (أخبرنا) عبد الله الثقة ابن المأمور الهروي قال أخبرنا أبي قال أخبرنا أبو عبد الله قال أخبرنا أبو عبيد الله محمود بن محمد الرازي قال أخبرنا عمار ابن عبد المجيد الهروي قال أخبرنا علي بن إسحاق السمرقندي عن محمد ابن مروان عن الكلبي عن أبي صالح عن ابن عباس ... " (تنویر المقباس ص ۲)

۱: اس کا پہلا راوی ابوصالح باذام ہے، جسے جمہور محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔

امام بخاری نے اسے کتاب الضعفاء میں ذکر کیا۔ (تحفۃ الاقویاء ص ۲۱)

اور حافظ ذہبی نے فرمایا:" ضعيف الحديث " وہ حدیث میں ضعیف ہے۔

(دیوان الضعفاء: ۵۴۴)

حافظ ابن حجر العسقلانی نے فرمایا:''ضعيف يرسل '' (تقریب التہذیب: ۶۳۴)

نیز دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو، عدد ۲۴ ص ۵۴

۲: امام ابن حبان نے فرمایا:''يحدّث عن ابن عباس ولم يسمع منه ''وہ ابن عباس سے حدیثیں بیان کرتا تھا، اور ان سے سنا نہیں تھا۔(کتاب المجروحین لابن حبان ۱/۱۸۵)

یعنی یہ سند منقطع ہے۔

۳: محمد بن السائب الکلبی کے بارے میں امام سلیمان التیمی نے کہا: کوفہ میں دو کذاب تھے، ان میں سے ایک کلبی ہے۔ (الجرح والتعدیل ۷/۲۷۰ وسندہ صحیح)

یزید بن زریع نے کہا: کلبی سبائی تھا۔ (الکامل لابن عدی ۶/۲۱۲۸ وسندہ صحیح)

امام ابوحاتم الرازی نے فرمایا: اس کی حدیث کے متروک ہونے پر لوگوں کا اجماع ہے...الخ

(کتاب الجرح والتعدیل ۷/۲۷۱)

کلبی پر مزید شدید جرح کے لئے اپنے فروعی تقلیدی بھائی سرفراز خان صفدر دیوبندی

کی کتاب: ازالۃ الریب (ص ۳۱۶) اور تنقید متین (ص ۱۶۷۔۱۷۹) بھی پڑھ لیں۔

۴: خود کلبی نے امام سفیان ثوری سے کہا: تجھے جو بھی میری سند سے عن ابی صالح عن ابن عباس، بیان کیا جائے تو وہ جھوٹ ہے، اسے روایت نہ کرنا۔ (الجرح والتعدیل ۷/۲۷۱ وسندہ صحیح)

محمد بن مہران نے کہا: کلبی کی تفسیر باطل ہے۔ (ایضاً وسندہ صحیح)

۵: محمد بن مروان السدی کے بارے میں امام ابن نمیر نے کہا: کذاب ہے۔

(الضعفاء الکبیر للعقیلی ۴/۱۳۶، الحدیث حضرو: ۲۴ص ۵۲)

امام بخاری نے فرمایا: اس کی حدیث بالکل لکھی نہیں جاتی۔ (الضعفاء الصغیر: ۳۵۰)

حافظ ہیثمی نے کہا: اس کے ضعیف ہونے پر اجماع ہے۔ (مجمع الزوائد ۱/۲۱۴)

سرفراز خان صفدر دیوبندی نے بریلویوں کو مخاطب کر کے لکھا ہے:

''آپ لوگ سُدی کی ''دُم'' تھامے رکھیں اور یہی آپ کو مبارک ہو۔'' (اتمام البرہان ص ۴۵۷)

معلوم ہوا کہ تراب الحق نے بقولِ سرفراز صفدر: سُدی کی دُم تھام رکھی ہے۔!

۶: عمار بن عبدالمجید الہروی کی توثیق نامعلوم ہے۔

۷: ابوعبیداللہ محمود بن محمد الرازی کی توثیق کا حوالہ مطلوب ہے۔

۸: ابوعبداللہ کون تھا؟ تعین وتوثیق مطلوب ہے۔

۹: المأمور الہروی کون تھا؟ تعین وتوثیق مطلوب ہے۔

۱۰: عبداللہ الثقہ کون تھا؟ اسماء الرجال کی کتابوں سے تعارف مطلوب ہے۔

ان دس وجوہ کی رُو سے تفسیر ابن عباس نامی کتاب ثابت ہی نہیں بلکہ موضوع اور من گھڑت ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ نیم غیر مقلد تراب الحق کی پہلی دلیل جھوٹ کا پلندا ہے۔

دوسرے یہ کہ اس کے سراسر برخلاف حسن لذاتہ سند سے ثابت ہے کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ شروع نماز، رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے۔

(دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۲۳۵ ح ۲۴۳۱)

یہاں بطورِ عبرت ونصیحت عرض ہے کہ جس موضوع کتاب (تنویر المقباس) کو آلِ تقلید اپنے

سینوں سے لگائے بیٹھے ہیں، اسی کتاب میں آیت: ﴿ الرحمٰن علی العرش استوی ﴾ کی تفسیر میں لکھا ہوا ہے کہ ''استقر'' یعنی رحمٰن نے عرش پر استقرار پکڑا۔ (دیکھئے ص ۱۹۴، سورۃ طٰہٰ)

کیا بریلویہ بھی استقر (استقرار) کے قائل ہیں؟!

رضا خانی بریلوی نے آیتِ کریمہ سے غلط استدلال کرتے ہوئے ابو اللیث نصر بن محمد السمرقندی حنفی کا قول پیش کیا ہے کہ ''حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا...جو نماز میں رفع یدین نہیں کرتے سوائے تکبیر اولیٰ کے۔'' (ص ۲۶)

عرض ہے کہ ابو اللیث سمرقندی ۳۷۵ھ میں فوت ہوئے اور امام حسن بصری ان کی پیدائش سے صدیوں پہلے ۱۱۰ھ میں فوت ہوئے تھے۔ سمرقندی نے امام حسن بصری تک کوئی سند بیان نہیں کی بلکہ ''وروي عنه أنه قال'' کے صیغۂ تمریض کے ذریعے سے یہ بے سند روایت نقل کی ہے جو کہ بے سند اور بے اصل ہونے کی وجہ سے موضوع ہے۔

اس موضوع روایت کے برعکس یہ ثابت ہے کہ امام حسن بصری رحمہ اللہ رکوع سے پہلے اور سجود سے پہلے (یعنی رکوع کے بعد حالتِ قیام میں) رفع یدین کرتے تھے۔

(دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۲۳۵ ح ۲۴۳۵ وسندہ صحیح)

رضا خانی نے سورۃ النساء کی آیت نمبر ۷۷ کے بارے میں ایک غیر مستند تقلیدی کتاب: زجاجۃ المصابیح سے نقل کیا ہے کہ ''بعض علماء کے نزدیک یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ شروع نماز کی تکبیر تحریمہ کے سوا پوری نماز میں تکبیریں کہتے وقت کہیں بھی رفع یدین نہ کیا جائے۔'' (ص ۲۶)

عرض ہے کہ یہ ''بعض علماء'' سرے سے مجہول ہیں اور خیر القرون بلکہ ۳۰۰ھ تک کسی ایک ثقہ وصدوق عالم سے ایسا استدلال ثابت نہیں ہے، لہٰذا صاحبِ زجاجۃ المصابیح اور غیر مقلد رضا خانی دونوں نے جھوٹ بولا ہے۔

رضا خانی نے لکھا ہے: ''...ابو حنیفہ اور کثیر فقہاء ومحدثین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف نماز شروع کرتے ہوئے دونوں ہاتھ اٹھائے جائیں...'' الخ (ص ۲۶)

عرض ہے کہ مذکورہ دعویٰ امام ابوحنیفہ سے باسند صحیح وحسن ثابت نہیں اور نہ رفع یدین کی منسوخیت والا قول ان سے ثابت ہے، لہٰذا امام ابوحنیفہ کا نام لے کر اپنی خانہ زاد من گھڑت باتیں پیش کر کے سادہ لوح مسلمانوں کو دھوکا دینا بیحد مذموم حرکت ہے۔

اس کے بعد ''رفع یدین، حدیث کی روشنی میں:'' کا باب باندھ کر رضا خانی مذکور نے آٹھ روایتیں پیش کی ہیں، جن کا تحقیقی جائزہ درج ذیل ہے:

۱: عن ابن عباس بحوالہ سنن ابن ماجہ (ص ۲۷)

اس کا راوی عمر بن ریاح ہے۔ (سنن ابن ماجہ ح ۸۶۵)

اس کے بارے میں حافظ ابن حجر نے فرمایا: '' **متروك و كذّبه بعضهم** ''

متروک ہے اور بعض نے اسے کذاب کہا ہے۔ (تقریب التہذیب: ۴۸۹۶)

معلوم ہوا کہ یہ روایت موضوع ہے۔

۲: عن ابی ہریرہ بحوالہ سنن ابی داود وسنن ابن ماجہ (ص ۲۷)

اس کا راوی اسماعیل بن عیاش ہے اور اس کے استاذ صالح بن کیسان حجازی تھے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: '' **و إسماعيل بن عياش منكر الحديث عن أهل الحجاز و أهل العراق** '' اور اسماعیل بن عیاش اہلِ حجاز اور اہلِ عراق سے منکر حدیثیں بیان کرنے والا تھا۔ (العلل الکبیر للترمذی ۱/ ۱۹۰)

معلوم ہوا کہ یہ روایت منکر و مردود ہے۔

۳: عن انس بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ (ص ۲۷)

اس روایت میں حمید الطویل حافظ ابن حجر العسقلانی کے نزدیک طبقۂ ثالثہ کے مدلس ہیں۔ دیکھئے طبقات المدلسین (۷۱/ ۳) اور یہ روایت عن سے ہے۔

احمد رضا خان بریلوی نے کہا: '' اور عنعنۂ مدلس جمہور محدثین کے مذہب مختار و معتمد میں مردود و نامستند ہے۔'' (فتاویٰ رضویہ ج ۵ ص ۲۴۵، پرانا نسخہ ج ۲ ص ۲۹۰)

معلوم ہوا کہ یہ روایت مردود ہے اور مردود روایت پیش کرنے کا فائدہ ہی کیا ہے؟!

۴: عن ابن عمر بحوالہ المعجم الاوسط للطبرانی (ص ۲۸)

اس روایت میں دو باتیں ہیں:

اول: عند التکبیر للرکوع. یعنی رکوع کے وقت تکبیر کہتے وقت رفع یدین

دوم: عند التکبیر حین یھوي ساجدًا.

یعنی رکوع کے بعد سجدہ کرنے سے پہلے تکبیر کے وقت رفع یدین

ثابت ہوا کہ روایتِ مذکورہ میں دو رفع یدین ہیں: ایک رکوع سے پہلے اور دوسرا رکوع کے بعد، لہٰذا یہ حدیث اہلِ حدیث کی دلیل ہے اور اس میں حالتِ سجدہ والے رفع یدین کا نام ونشان تک نہیں ہے۔

اگر اس روایت میں سجدوں والے رفع یدین کا ذکر ہوتا تو پھر صحیح بخاری وصحیح مسلم کی متفق علیہ حدیث کے مخالف ہونے کی وجہ سے شاذ یعنی مردود ہو جاتی۔

اصولِ حدیث کا مشہور قاعدہ ہے کہ اگر ثقہ راوی کی روایت اوثق یا ثقہ راویوں کی جماعت کے خلاف ہو تو شاذ ہوتی ہے۔ (دیکھئے اختصار علوم الحدیث لابن کثیر، اردو مترجم ص ۴۵۔۴۶)

۵: حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ بحوالہ صحیح بخاری (ص ۲۸)

یہ اہل حدیث کی زبردست دلیل ہے اور اس میں صاف لکھا ہوا ہے کہ اور آپ (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) سجدوں میں یہ فعل (رفع یدین) نہیں کرتے تھے، لہٰذا رضا خانیوں کا اعتراض باطل ہے۔

۶: حدیث علی رضی اللہ عنہ از سنن ابن ماجہ (ص ۲۸۔۲۹)

اس روایت کی سند حسن لذاتہ ہے اور اس میں ''و إذا قام من السجدتین'' یعنی سجدتین سے قیام سے مراد ''و إذا قام من الرکعتین'' یعنی دو رکعتوں سے قیام ہے۔ دیکھئے جزء رفع الیدین للبخاری (ح ۱ص ۳۲)

امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''و إذا قام من السجدتین ، یعني :إذا قام من الرکعتین'' جب سجدتین سے کھڑے ہوئے، یعنی جب رکعتین (دو رکعتوں) سے کھڑے ہوئے۔ (سنن ترمذی کتاب الصلوٰۃ باب بعد باب ماجاء فی وصف الصلوٰۃ ح ۳۰۴)

معلوم ہوا کہ اس حدیث سے سجدوں والے رفع یدین کا مسئلہ کشید کرنا بالکل غلط ہے
اور اہم ترین بات یہ بھی ہے کہ اسی حدیث کی دوسری سند میں صاف لکھا ہوا ہے:
" ولا يرفع يديه في شئ من صلاته وهو قاعد "
اور آپ (ﷺ) اپنی نماز میں حالتِ قعود میں کسی مقام پر رفع یدین نہیں کرتے تھے۔
(سنن الترمذی ح ۳۴۲۳ کتاب الدعوات، وسندہ حسن)
امام ترمذی نے یہ حدیث لکھ کر فرمایا: "**هذا حديث حسن صحيح**"
یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ (ح ۳۴۲۳)

۷: عن انس رضی اللہ عنہ بحوالہ ابن ماجہ (ص ۲۹)

اس روایت کی سند حمید الطّویل کی تدلیس (عن والی روایت) کی وجہ سے ضعیف ہے۔ دیکھئے حدیث سابق: ۳

۸: حدیث وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بحوالہ ابوداود (ص ۲۹)

عرض ہے کہ اس روایت کی سند میں ایک راوی وائل بن علقمہ ہے۔ (سنن ابی داود: ۷۲۳)
اور یہ راوی مجہول ہے، جبکہ علقمہ بن وائل ثقہ تھے، لیکن اس روایت میں ان کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

اگر کوئی کہے کہ راوی کی غلطی سے علقمہ بن وائل، وائل بن علقمہ بن گیا ہے تو عرض ہے کہ پھر غلطی والی اس روایت سے استدلال باطل ہے۔

دوسرے یہ لہ یہ روایت صحیح مسلم کی صحیح حدیث کے خلاف ہے، لہٰذا منکر ہے۔

روایاتِ مذکورہ میں نمبر ۱، ۲، ۳، ۷، ۸ ضعیف و مردود ہیں، نمبر ۴، ۵، ۶ اہلِ حدیث کی دلیلیں ہیں، لہٰذا تراب الحق رضا خانی کا تانا بانا اور بیت العنکبوت مردود و باطل ہے۔

پوری کتاب میں رضا خانی مذکور نے ترکِ رفع یدین کی ایک بھی صحیح و صریح روایت پیش نہیں کی بلکہ غیر متعلقہ احادیث (جن احادیث کا ترکِ رفع یدین سے کوئی تعلق نہیں اور نہ امام ابوحنیفہ سے ثابت ہیں کہ کبھی انھوں نے ان روایات سے استدلال کیا ہے) مثلاً

حدیث جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ، ضعیف و مردود روایات (مثلاً سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب روایت، جس میں سفیان ثوری مدلس ہیں۔ وغیرہ) اور بے سند و موضوع روایات کثرت سے پیش کی گئی ہیں۔ مثلاً نیم غیر مقلد بریلوی رضا خانی نے بدائع الصنائع للکاسانی اور عمدۃ القاری للعینی (دو بے سند کتابوں) کے حوالے سے لکھا ہے:

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، وہ دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنہیں آقا و مولیٰ رسولِ کریم ﷺ نے جنت کی بشارت دی یعنی عشرہ مبشرہ میں سے کوئی بھی تکبیر تحریمہ کے سوا رفع یدین نہیں کرتا تھا۔'' (ص ۱۳۱)

یہ روایت بالکل بے سند، بے اصل اور موضوع ہے، جبکہ اس کے خلاف سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے شروع نماز، رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد والا رفع یدین ثابت ہے۔

(دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۲۳۵ ح ۲۴۳۱ وسندہ حسن لذاتہ)

پہلے خلیفہ راشد اور عشرہ مبشرہ میں سے پہلے صحابی سیدنا ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ سے رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد والا رفع یدین صحیح سند سے ثابت ہے۔ (دیکھئے السنن الکبریٰ للبیہقی ۲/۷۳ وقال: "رواته ثقات" المهذب فی اختصار السنن الکبیر للذهبی ۲/۴۹ ح ۱۹۴۳، وقال الذہبی: "رواته ثقات" التلخيص الحبير لابن حجر ۱/۲۱۹ ح ۳۲۸ وقال: "ورجاله ثقات")

مشہور ثقہ تابعی امام سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین شروع نماز میں، رکوع کے وقت اور رکوع سے سر اُٹھانے کے بعد رفع یدین کرتے تھے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۲/۷۵ وسندہ صحیح، نور العینین ص ۱۶۱)

امام سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے کسی ایک صحابی کا بھی استثناء نہیں کیا اور یہ ظاہر ہے کہ صحابۂ کرام میں عشرہ مبشرہ بھی شامل ہیں، نیز سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں۔

رضی اللہ عنہم اجمعین

لہٰذا رضا خانی صاحب کی جھوٹی روایت سرے سے مردود ہے۔

تراب الحق نے بحوالہ زجاجۃ المصابیح اور عمدۃ القاری للعینی رفع یدین کے بارے میں

لکھا ہے کہ ''اس کے منسوخ ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے رفع یدین کر رہا ہے۔آپ نے اس سے فرمایا، ایسا (اختلافی رفع یدین) نہ کرو، یہ وہ چیز ہے جسے رسول کریم ﷺ پہلے کیا کرتے تھے اور پھر آپ نے اسے ترک فرمادیا۔'' (ص ۱۳۲)

یہ روایت بالکل بے سند، بے اصل اور جھوٹی ہے، جبکہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ سیدنا عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ شروع نماز میں، رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے۔ (دیکھئے السنن الکبریٰ للبیہقی ۲؍۷۳ وقال: رواتہ ثقات)

اس حدیث کی سند صحیح ہے اور نبی ﷺ کی وفات کے بعد تابعین کے سامنے سیدنا عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کا رفع یدین کرنا اس کی واضح دلیل ہے کہ رفع یدین نہ تو منسوخ ہوا اور نہ آخری عمر میں متروک ہوا، لہٰذا نیم غیر مقلد بریلویوں رضا خانیوں کا اس سنتِ صحیحہ متواترہ کو منسوخ یا متروک قرار دینا بہت بڑا جھوٹ اور باطل ہے۔

تراب الحق رضا خانی کی مذکورہ کتاب غیر متعلقہ احادیث، ضعیف و مردود روایات اور جھوٹی من گھڑت روایات کا پلندا ہے، جس کے رد کے لئے میری کتاب: نور العینین اور یہی مضمون کافی ہے۔ان شاء اللہ

میری طرف سے تراب الحق، عبدالرزاق بھترالوی رضا خانی اور تمام آلِ بریلی کو چیلنج ہے کہ وہ اپنا دعویٰ ''رکوع سے پہلے اور بعد والا رفع یدین منسوخ ہے'' سب سے پہلے صراحت کے ساتھ امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت الکابلی رحمہ اللہ سے باسند صحیح پیش کریں، پھر اس دعوے کی صرف ایک صحیح صریح دلیل سیدنا ومحبوبنا امام اعظم خاتم النبیین رحمۃ للعالمین محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت کریں۔

عدمِ ذکر، غیر متعلقہ احادیث اور ضعیف، مردود اور موضوع روایات پیش نہ کریں، اگر وہ ایسی صرف ایک دلیل پیش کردیتے ہیں تو ہمارا وعدہ ہے کہ ہم رفع یدین مذکور ترک کردیں گے۔ اور اگر وہ ایسی دلیل پیش نہ کرسکیں اور ہرگز پیش نہیں کرسکیں گے۔ (ان شاء اللہ)

تو پھر نبی کریم ﷺ سے صحیح و متواتر ثابت شدہ عمل کی مخالفت چھوڑ دیں اور اپنے عقائد کی اصلاح کے ساتھ رفع یدین کے بھی قائل و فاعل ہو جائیں۔

قارئین کرام! اب رفع یدین کے دوام اور ہمیشگی کی دو دلیلیں، حکم کی ایک دلیل اور فضیلتِ رفع یدین کی ایک دلیل پیشِ خدمت ہے:

۱) سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ شروع نماز، رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم، نور العینین ص ۶۴)

اس حدیث کے راوی سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بھی شروع نماز، رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے۔ (صحیح بخاری: ۷۳۹، نور العینین ص ۹۲)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے رفع یدین کی حدیث کے راوی امام سالم بن عبداللہ بن عمر رحمہ اللہ بھی (شروع نماز) رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے۔

(جزء رفع الیدین للبخاری: ۶۲ وسندہ حسن، حدیث السراج ۲/ ۳۴۔۳۵ ح ۱۱۵، وسندہ صحیح وما بین القوسین منہ)

ثابت ہوا کہ رفع یدین پر عہد نبوی، عہدِ صحابہ اور عہد تابعین میں مسلسل عمل جاری رہا ہے، لہٰذا دعویٔ منسوخیت باطل ہے۔

۲) سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ شروع نماز، رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۲/ ۷۳ وسندہ صحیح)

سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کے راوی سیدنا عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ بھی یہ رفع یدین کرتے تھے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۲/ ۷۳ وسندہ صحیح)

سیدنا عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کے راوی تابعی امام عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ بھی شروع نماز، رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے۔

امام عطاء کے شاگرد امام ایوب سختیانی (تبع تابعی) بھی شروع نماز، رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے۔

امام ایوب سختیانی کے شاگرد (تبع تابعی) امام حماد بن زید بھی شروع نماز، رکوع سے

پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۲/۷۳ وسندہ صحیح)

ثابت ہوا کہ رفع یدین پر عمل عہدِ نبوی، عہدِ صحابہ، عہدِ تابعین اور عہدِ تبع تابعین یعنی خیر القرون میں مسلسل جاری رہا ہے، لہٰذا اسے منسوخ یا متروک کہنا باطل ہے۔

کیا تراب الحق اور ساری بریلوی پارٹی میں یہ ہمت ہے کہ وہ خیر القرون میں اس طرح کے مسلسل عمل والی ایک صحیح صریح حدیث پیش کر دیں جس سے ترکِ رفع یدین ثابت ہوتا ہو!

وہ ان شاء اللہ ایسا ہرگز نہیں کر سکیں گے، اگرچہ بعض کے بعض ظہیر اور معاون بن جائیں۔

۳) سیدنا ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ نے (اپنے شاگردوں یعنی تابعین سے) فرمایا:

کیا میں تمھیں رسول اللہ ﷺ کی نماز دکھاؤں؟ پھر انھوں نے تکبیر کہی اور رفع یدین کیا، پھر تکبیر کہی رکوع کے لئے اور رفع یدین کیا، پھر فرمایا: **سمع اللّٰہ لمن حمده** ، اور رفع یدین کیا۔ پھر فرمایا: ''**هكذا فاصنعوا** '' پس اسی طرح کرو۔

اور آپ سجدوں میں رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ (سنن دارقطنی ۱/۲۹۲ ح ۱۱۱۱، وسندہ صحیح)

اس روایت میں صاف طور پر رفع یدین کرنے کا حکم ہے اور روایت کے پہلے الفاظ کی رُو سے یہ حدیث مرفوع حکماً ہے۔

۴) جلیل القدر صحابی سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نماز میں آدمی جو اشارہ کرتا ہے، اسے ہر اشارے کے بدلے میں ایک نیکی یا ایک درجہ ملتا ہے۔ (المعجم الکبیر للطبرانی ۱۷/۲۹۷ ح ۸۱۹ وسندہ حسن، مجمع الزوائد للہیثمی ۲/۱۰۳، وقال: ''وإسنادہ حسن'' اور اس کی سند حسن ہے۔)

امام اسحاق بن راہویہ کی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ اس حدیث میں ہر اشارے سے مراد رکوع سے پہلے اور بعد والا رفع یدین ہے۔ (دیکھئے معرفۃ السنن والآثار للبیہقی ج ۱ ص ۲۲۵ وسندہ صحیح)

امام احمد بن حنبل کی تشریح سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے۔

(دیکھئے مسائل احمد روایۃ عبداللہ بن احمد ۱/۲۴۷)

میرے سُنی یعنی اہلِ حدیث بھائیو! مبارک ہو! رفع یدین کا ثبوت احادیثِ صحیحہ

متواترہ میں موجود ہے، خیر القرون میں صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کا اس پر عمل رہا ہے، حدیث میں اس کا حکم بھی موجود ہے اور ترکِ رفع یدین کسی صحیح یا حسن حدیث سے ثابت نہیں، نیز ہر رفع یدین کے بدلے میں دس نیکیاں ملتی ہیں۔ سبحان اللہ!

تمام بریلوی و دیوبندی آلِ تقلید سے میرا سوال ہے کہ کیا کسی حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ ترکِ رفع یدین پر بھی اتنی اتنی نیکیاں ملتی ہیں؟ اگر ہے تو پیش کرو!

نیم غیر مقلد تراب الحق رضا خانی نے اپنی کتاب میں بہت زیادہ جھوٹ بولے ہیں، مثلاً امام ابو حنیفہ کو تابعی قرار دیا اور لکھا: ''سات صحابہ سے بلا واسطہ احادیث سننے کا شرف حاصل ہے...'' (ص ۶۱)

حالانکہ مذکورہ بات کالا جھوٹ ہے اور اس کے سراسر برعکس امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا: میں نے جابر جعفی سے زیادہ جھوٹا اور عطاء بن ابی رباح سے زیادہ افضل کوئی نہیں دیکھا۔ (العلل الصغیر للامام الترمذی مع الجامع ص ۸۹۱ وسندہ حسن، ومع شرح ابن رجب ۱/۶۹)

یہ بات عام مسلمانوں کو بھی معلوم ہے کہ صحابۂ کرام کا درجہ تابعین سے بہت بڑا ہے اور تابعین کے مقابلے میں صحابہ افضل ہیں، لہٰذا امام ابو حنیفہ کے اپنے اس قول سے ثابت ہوا کہ انھوں نے کسی ایک صحابی کو بھی نہیں دیکھا تھا ورنہ وہ اپنے شاگرد ابو یحییٰ عبد الحمید بن عبد الرحمٰن الحمانی (متوفی ۲۰۲ھ) کو کبھی نہ بتاتے کہ میں نے عطاء (تابعی) سے زیادہ افضل کوئی نہیں دیکھا۔

امام صاحب کا اپنا یہ قول اس مسئلے پر فیصلہ کن اور ایسی قاطعِ و دندان شکن دلیل ہے، جس کے جواب سے تمام آلِ کذب وافتراء عاجز و ساکت ہیں۔

یاد رہے کہ قولِ مذکور میں جس جابر جعفی کو کذاب: جھوٹا قرار دیا گیا ہے، اسی جابر جعفی کی روایت تراب الحق نے بطورِ حجت واستدلال پیش کر رکھی ہے۔

دیکھئے ''رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز'' (ص ۱۰۷ ح ۸۸)

کیا ان لوگوں کو اپنے مزعوم امام کی گواہی پر بھی اعتماد نہیں؟!

رضا خانی نے جمہور محدثین کے نزدیک مجروح ابن فرقد نامی راوی کے دفاع کی ناکام کوشش کی ہے، حالانکہ اس مسئلے میں غلام مصطفیٰ نوری اور کلین شیو فیصل خان بریلوی وغیرہما بُری طرح فیل ہوئے ہیں۔

ابن فرقد شیبانی کے بارے میں تراب الحق نے لکھا ہے: ''امام حاکم نے بھی امام محمد سے مستدرک میں حدیث روایت کی ہے اور اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ (حدیث نمبر ۷۹۹۰) امام ذہبی نے بھی تلخیص میں اسے صحیح فرمایا ہے'' (ص ۷۳)

عرض ہے کہ حافظ ذہبی نے اس روایت کو صحیح نہیں قرار دیا، بلکہ حاکم کا قول ''صحیح'' نقل کر کے فرمایا: ''(قلت) بالدبوس'' میں نے کہا: ڈنڈے کے زور سے۔

(تلخیص المستدرک ج ۴ ص ۳۴۱، دوسرا نسخہ ج ۴ ص ۳۷۹ ح ۷۹۹۰)

جس نسخے میں حدیث کا نمبر ۷۹۹۰ لکھا ہوا ہے، اسی کے حاشیے پر درج ذیل عبارت ہے:
'' وتعقبه الذهبي فقال : قلت : بالدبوس '' اور ذہبی نے حاکم کا تعاقب کیا (یعنی حاکم پر رد کیا) تو فرمایا: میں نے کہا: ڈنڈے کے زور سے۔

(ج ۴ ص ۳۷۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

معلوم ہوا کہ ابن فرقد کی روایت کی تصحیح کو حافظ ذہبی سے منسوب کر کے تراب الحق نے صریح جھوٹ بولا ہے۔

ابن فرقد کے بارے میں قاضی ابو یوسف نے فرمایا: اس کذاب یعنی محمد بن الحسن سے کہو، یہ مجھ سے جو روایتیں بیان کرتا ہے، کیا اس نے سنی ہیں؟ (تاریخ بغداد ج ۲ ص ۱۸۰، وسندہ حسن)

ابن فرقد کے استاد قاضی ابو یوسف کی اس ثابت شدہ جرح کے بعد ہمیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔

نیم غیر مقلد رضا خانی نے کذب وافتراء کو ایسا اوڑھنا بچھونا بنایا ہے کہ اس کی پوری کتاب دروغ گوئی سے بھری پڑی ہے۔ مثلاً:

ابو نعیم اصبہانی کی (طرف منسوب) کتاب مسند الامام ابی حنیفہ (ص ۱۵٦) میں ایک

روایت درج ذیل سند سے موجود ہے:

''حدثنا أبو القاسم بن بالويه النيسابوري : ثنا بكر بن محمد بن عبد الله الحبال الرازي : ثنا علي: ثنا علي بن محمد بن روح ابن أبي الحرش المصيصي : سمعت أبي يحدث عن أبيه روح بن أبي الحرش : سمعت أباحنيفة ...''

اس روایت کونقل کر کے تراب الحق نے لکھا ہے: ''حضرت براء رضی اللہ عنہ سے اس صحیح حدیث کو روایت کرنے والے امام شعبی رحمہ اللہ وہ عالی مرتبت تابعی ہیں جنہیں پانچ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زیارت کا شرف حاصل ہے...'' (ص۸۶)

حالانکہ یہ روایت صحیح نہیں بلکہ موضوع (جھوٹی من گھڑت) ہے۔اس کے سارے راوی: ابوالقاسم بن بالویہ، بکر بن محمد الحبال ،علی،علی بن محمد،محمد بن روح اور روح بن ابی الحرش مجہول ہیں۔ (دیکھئے ارشیف ملتقی اہل الحدیث عدد ۱۴ج ۱ص ۹۶۲، میری کتاب تحقیقی مقالات ج ۳ص ۱۲۳)

کیا دنیا کا کوئی شخص ان راویوں کی توثیق ثابت کرسکتا ہے؟

تراب الحق رضا خانی نے'' صحاح ستہ کے مرکزی راوی، امام وکیع بن الجراح رحمہ اللہ'' سے نقل کیا کہ انھوں نے ارشادفرمایا:''امام ابوحنیفہ سے افقہ یعنی احادیث وآثار کا علم رکھنے والا اور بہت اچھی نماز پڑھنے والا مجھے نہیں مل سکا۔ (تاریخ بغداد ج ۱۳: ۳۴۵، الخیرات الحسان:۸۰)'' (ص۶۲)

الخیرات الحسان تو بے سند کتاب ہے۔(دیکھئے میری کتاب توضیح الاحکام ج ۲ص ۴۱۱۔۴۱۴)

اور تاریخ بغداد میں اس روایت کی سند میں احمد بن الصلت (الحمانی) نامی راوی ہے، جس کے بارے میں امام ابن عدی رحمہ اللہ نے گواہی دی: میں نے جھوٹے لوگوں میں اتنا بے حیا اور کوئی نہیں دیکھا۔ (الکامل لابن عدی ج ۱ص ۲۰۲، دوسرا نسخہ ج ۱ص ۳۲۷۔۳۲۸)

حافظ ابن حبان نے فرمایا: وہ حدیث گھڑتا تھا۔(کتاب المجروحین ج ۱ص ۱۵۳، دوسرا نسخہ ج ۱ص ۱۶۸)

امام دارقطنی نے فرمایا: وہ حدیث گھڑتا تھا۔

(الضعفاء والمتروکون:۵۹،سوالات الحاکم:۳۴،تاریخ بغداد ج۵ ص۳۴ وسندہ صحیح)

امام ابن ابی الفوارس نے کہا: وہ (حدیثیں) گھڑتا تھا۔ (تاریخ بغداد ۲/۲۹ ت ۱۸۹۶، وسندہ صحیح)

حاکم نیشاپوری نے کہا: اس نے قعنبی، مسدد، اسماعیل بن ابی اویس اور بشر بن الولید سے حدیثیں بیان کیں جنھیں اُس نے گھڑا تھا، اُس نے ان سے ملاقات کے جھوٹ کے علاوہ روایتوں کے متن بھی بنائے... (المدخل الی الصحیح ص ۱۲۱ ت ۱۹)

حافظ ذہبی نے فرمایا: وہ حدیث گھڑتا تھا۔ (المغنی فی الضعفاء ج ۱ ص ۸۹ ت ۴۲۶)

اور فرمایا: وہ کذاب (اور) وضاع (حدیثیں گھڑنے والا) ہے۔ (میزان الاعتدال ۱/۱۴۰)

حافظ ابن کثیر نے کہا: وہ حدیث گھڑنے والوں میں سے ایک تھا۔

(البدایہ والنہایہ ۱۲/۲۷ وفیات ۳۰۸ھ)

تفصیل کے لئے دیکھئے توضیح الاحکام عرف فتاویٰ علمیہ (ج ۲ ص ۳۷۷۔۳۷۸)

ایسے کذاب اور وضاع کی روایت کو بطورِ حجت پیش کر کے تراب الحق رضا خانی نے کسی علمی وتحقیقی اور فنی کمال کا مظاہرہ نہیں کیا بلکہ کذب بیانی اور کذب نوازی کو فروغ دینے کی کوشش کی ہے۔

تراب الحق کی کتاب کی تقریظ میں عبدالرزاق چشتی بھترالوی بریلوی رضا خانی نے لکھا ہے: ''مسند امام حسن بن زیاد اللولوی رحمہ اللہ تعالیٰ'' (ص ۱۱)

یہ حسن بن زیاد جسے بھترالوی نے اپنا امام قرار دیا ہے، اس کے بارے میں امام یحییٰ بن معین نے فرمایا: اور حسن (بن زیاد) اللؤلوی کذاب ہے۔ (تاریخ ابن معین، روایۃ الدوری: ۱۷۶۵....)

امام دارقطنی نے فرمایا: كذاب كوفي متروك الحديث. (تاریخ بغداد ۷/۳۱۷ وسندہ صحیح)

امام یعقوب بن سفیان الفارسی نے فرمایا: حسن لؤلوی کذاب ہے۔ (المعرفۃ والتاریخ ۳/۵۶)

امام نسائی نے فرمایا: کذاب خبیث ہے۔ (الطبقات آخر کتاب الضعفاء ص ۲۶۶، دوسرا نسخہ ص ۳۱۰)

اس پر مزید اور شدید جرح کے لئے دیکھئے تحقیقی مقالات (ج ۲ ص ۳۳۷۔۳۴۰)

یہ حسن بن زیاد (نماز میں) امام سے پہلے سر اٹھاتا تھا اور امام سے پہلے سجدہ کرتا تھا۔

(دیکھئے تاریخ بغداد ۷/۳۱۶ وسندہ صحیح، اخبار القضاۃ ۳/۱۸۹، وسندہ صحیح)

حسن بن علی الحلوانی (ثقہ امام) نے فرمایا: میں نے لؤلوی کو دیکھا، اس نے سجدے میں ایک لڑکے کا بوسہ لیا تھا۔ (تاریخ بغداد ۷/۳۱۶، تحقیقی مقالات ج ۲ ص ۳۲۷۔۳۲۸)

ایسے شخص کو امام بنانے والوں کے بارے میں خود فیصلہ کریں کہ یہ لوگ کن پستیوں اور تاریک گہرائیوں میں اوندھے پڑے ہوئے ہیں۔ **و ما علینا إلا البلاغ**

(۷/ دسمبر ۲۰۱۰ء)

ایک بریلوی اتہام کا جواب

خوارج کا یہ بنیادی عقیدہ تھا کہ وہ صحابۂ کرام (مثلاً سیدنا علی رضی اللہ عنہ) کو کافر سمجھتے تھے۔
دیکھئے فتح الباری (ج ۱۲ص ۲۸۴۔۲۸۵ تحت باب قتل الخوارج)

خوارج نہ اجماع کو مانتے تھے اور نہ سلف صالحین کے فہم کو حجت سمجھتے تھے، بلکہ اپنے خودساختہ استدلال سے کام لیتے تھے اور آیاتِ قرآنیہ پیش کر کے صحابہ کی تکفیر کرتے اور صحابۂ کرام کو شہید کرتے تھے۔ اسی وجہ سے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں شریر مخلوق قرار دیا اور فرمایا: انھوں نے کفار کے بارے میں نازل شدہ آیات کو مؤمنین پر فٹ کر دیا۔
(صحیح بخاری قبل ح ۶۹۳۰، تغلیق التعلیق ج ۵ ص ۲۵۹ وقال: و إسناده صحيح)

اہلِ حدیث کے نزدیک قرآن مجید، احادیث صحیحہ و مقبولہ اور اجماعِ اُمت شرعی دلیلیں ہیں اور قرآن و حدیث کا وہی مفہوم معتبر ہے جو سلف صالحین سے متفقہ طور پر یا بغیر کسی اختلاف کے ثابت ہے۔ ہم ہرگز وہ آیات جو کفار کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، بریلویوں یا دیوبندیوں پر فٹ نہیں کرتے، ہم یہ کہتے ہیں کہ بریلوی حضرات اہلِ سنت نہیں بلکہ اہلِ بدعت ہیں۔ احمد یار نعیمی بدایونی بریلوی نے صاف طور پر لکھا ہے:

''شریعت و طریقت دونوں چار چار سلسلے یعنی حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی اسی طرح قادری، چشتی، نقشبندی، سہروردی یہ سب سلسلے بالکل بدعت ہیں۔'' الخ

(جاء الحق [درحقیقت: جاء الباطل] ج ۱ ص ۲۲۲ بدعت کے معنی و اقسام، پہلے باب کا آخری حصہ)

مذکورہ عبارت میں بدایونی بریلوی نے اپنے آپ کا بدعتی ہونا تسلیم کیا ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ بریلوی بقلمِ خود بدعتی ہیں۔

بریلوی حضرات اپنے بانی و مُوجد احمد رضا خان بریلوی کے نزدیک دربارِ الٰہی اور مسجد کے گستاخ ہیں، جیسا کہ احمد رضا خان نے لکھا ہے: ''مسجد میں اذان دینی مسجد و دربار الٰہی

کی گستاخی و بے ادبی ہے...'' (فتاویٰ رضویہ طبع قدیم ج ۲ ص ۴۱۴، طبع جدید ج ۵ ص ۴۱۱)

بریلوی حضرات کی عام مسجدوں میں اذان مسجد کے اندر ہوتی ہے، لہٰذا وہ اس رضا خانی فتوے کی رُو سے مسجد اور دربارِ الٰہی دونوں کے گستاخ اور بے ادب ہیں۔

احمد رضا خان بریلوی کی مذکورہ بالا عبارت سے بریلوی حضرات اختلاف نہیں کرتے، بلکہ ''دعوتِ اسلامی'' کے امیر محمد الیاس عطار قادری رضوی بریلوی نے لکھا ہے:

''اعلحضرت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، مسجد میں اذان دینی مسجد و دربارِ الٰہی عزوجل کی گستاخی ہے'' (کتاب: روزانہ دو کروڑ چونسٹھ لاکھ نیکیاں کمائیں ص ۱۱)

مسجد اور دربارِ الٰہی کی گستاخی کرنے والے لوگ سنی نہیں بلکہ گمراہ ہیں، جیسا کہ اُن کے بانی و مُوجد کے فتوے سے ثابت ہے۔ نیز عرض ہے کہ ملا علی قاری (حنفی) نے تتمۃ الفتاویٰ سے نقل کیا کہ ''من استخف بالقرآن أو بالمسجد أو بنحوه مما یعظم فی الشرع کفر'' جس نے قرآن یا مسجد یا اُس چیز، جس کی شریعت میں تعظیم کی جاتی ہے، کا استخفاف کیا (یعنی توہین کی) اُس نے کفر کیا۔ (شرح الفقہ الاکبر ص ۱۶۷، فصل فی القراءۃ والصلوٰۃ)

جب تک بریلوی حضرات اپنی مسجدوں میں اذان دینے کے ساتھ احمد رضا خان کو جھوٹا یا غلط فتویٰ دینے والا نہیں کہیں گے وہ اس رضا خانی فتوے کی زد میں ہیں۔

ہمارے نزدیک احمد رضا خان بریلوی ایک جھوٹا شخص تھا، جس کی فی الحال دو دلیلیں پیشِ خدمت ہیں:

۱: احمد رضا خان نے کہا:

''غزوہ احزاب کا واقعہ ہے۔ رب عزوجل نے مدد فرمانی چاہی اپنے حبیب کی شمالی ہوا کو حکم ہوا جا اور کافروں کو نیست و نابود کر دے۔ اس نے کہا الحلائل لا یخرجن باللیل بیبیاں رات کو باہر نہیں نکلتیں فاعقمها اللہ تعالی تو اللہ تعالیٰ نے اس کو بانجھ کر دیا۔ اسی وجہ سے شمالی ہوا سے کبھی پانی نہیں برستا'' (ملفوظات حصہ ۴ ص ۴۱۹ مطبوعہ حامد اینڈ کمپنی، ۳۸۔ اردو بازار لاہور)

یہ کہنا کہ ہوا نے اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنے سے انکار کر دیا تھا، نہ قرآن میں ہے اور

نہ کسی صحیح حدیث میں ہے بلکہ یہ کـن فیـکـون کے خلاف ہے، لہٰذا احمد رضا خان نے عبارتِ مذکورہ میں اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولا ہے۔

۲: احمد رضا خان نے کہا:

''اُن کی نبوت ان کی ابوت ہے سب کو عام   اُم البشر عروس انھیں کے پسر کی ہے
ظاہر میں میرے پھول حقیقت میں میرے نخل   اس گل کی یاد میں یہ صدا ابوالبشر کی ہے''

(حدائق بخشش حصہ اول ص ۷۵، شرح کلام رضا از غلام حسن قادری ص ۵۹۱، بخن رضا از محمد اول قادری رضوی سنبھلی ص ۲۴۵۔۲۴۶)

حدائق بخشش کے حاشیے میں اس کی تشریح میں لکھا ہوا ہے کہ

''علماء فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام عالم کے پدر معنوی ہیں کہ سب کچھ انھیں کے نور سے پیدا ہوا۔ اسی لیے حضور کا نامِ پاک ابوالارواح ہے۔ تو آدم علیہ السلام اگرچہ صورت میں حضور کے باپ ہیں۔ **مگر حقیقت میں وہ بھی حضور کے بیٹے ہیں**۔ تو اُم البشر یعنی حضرت حوا حضور ہی کے پسر آدم علیہ السلام کی عروس ہیں۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام

آدم علیہ الصلاۃ والسلام جب حضور کو یاد کرتے تو یوں فرماتے یا ابنی صورة و ابائی معنی اے ظاہر میں میرے بیٹے اور حقیقت میں میرے باپ'' (ص ۷۵)

اس عبارت میں دو بڑے جھوٹ بولے گئے ہیں:

۱: نبی ﷺ کو آدم علیہ السلام کا باپ قرار دیا گیا ہے۔

۲: آدم علیہ السلام کی طرف یہ منسوب کیا گیا ہے کہ انھوں نے نبی ﷺ کو ''حقیقت میں میرے باپ'' کہا۔

یہ دونوں باتیں بالکل جھوٹ ہیں اور کسی صحیح حدیث میں ان کا ہرگز کوئی ثبوت نہیں ہے۔ احمد رضا خان بریلوی اور اُس کے پیروکاروں نے اپنے فتووں میں اہلِ حدیث (یعنی اہلِ سنت) کو گمراہ اور کافر وغیرہ قرار دیا، لہٰذا یہ لوگ بدعتی ہونے کے ساتھ خارجی بھی ہیں اور دوسروں کو خارجی کہتے پھرتے ہیں۔ سبحان اللہ! (۲۳/ اکتوبر ۲۰۱۰ء)

دیوبندی حضرات اہلِ سنت نہیں ہیں

الحمدللّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الأمین، أما بعد :

دیوبندی ''علماء'' اپنے بارے میں یہ پروپیگنڈا کرتے رہتے ہیں کہ وہ اہل سنت ہیں اور حنفیت کے ٹھیکیدار ہیں، حالانکہ متعدد دلائل و براہین سے ثابت ہے کہ دیوبندی حضرات نہ تو اہل سنت ہیں اور نہ حنفی ہیں بلکہ انگریزوں کے دور میں پیدا شدہ ایک جدید فرقہ ہے، جسے فرقہ دیوبندیہ کہتے ہیں۔ اس فرقے کی متعدد شاخیں ہیں، مثلاً مماتی دیوبندی، حیاتی دیوبندی، غلام خانی دیوبندی، پنج پیری دیوبندی، اشاعتی دیوبندی، تبلیغی دیوبندی، جھنگوی دیوبندی اور فضلی دیوبندی وغیرہ۔

دیوبندیوں کے اہل سنت اور حنفی نہ ہونے کی چند بنیادی وجوہ درج ذیل ہیں:

① اللہ اور رسول کی گستاخیاں
② سلف صالحین کی گستاخیاں
③ شرکیہ اور کفریہ عقائد
④ اکابر پرستی اور اس میں غلو
⑤ کتاب وسنت سے انکار
⑥ علماءِ دیوبند کی اندھی تقلید
⑦ وحدت الوجود کا پرچار
⑧ انگریز دوستی
⑨ ہندو دوستی
⑩ ختم نبوت کا انکار

اب ان وجوہ کا مختصر تعارف اور بعض دلائل پیش خدمت ہیں:

دیوبندی حضرات اور اللہ ورسول کی گستاخیاں

دیوبندی حضرات اپنی تحریروں میں واضح طور پر اللہ اور رسول کی گستاخیوں کے مرتکب ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذاتِ اقدس کے بارے میں دیوبندیوں کی چند گستاخیاں انھیں کی لکھی ہوئی کتابوں سے باحوالہ درج ذیل ہیں:

۱) عاشق الٰہی میرٹھی نے اپنے ''امام ربانی'' رشید احمد گنگوہی کے بارے میں لکھا ہے:

''جس زمانہ میں مسئلہ امکان کذب پر آپ کے مخالفین نے شور مچایا اور تکفیر کا فتویٰ شائع کیا ہے سائیں توکل شاہ صاحب انبالوی کی مجلس میں کسی مولوی نے امام ربانی قدس سرہ کا ذکر کیا اور کہا کہ امکان کذب باری کے قائل ہیں یہ سن کر سائیں توکل شاہ صاحب نے گردن جھکالی اور تھوڑی دیر مراقب رہ کر مُنہ اُوپر اُٹھا کر اپنی پنجابی زبان میں یہ الفاظ فرمائے: لوگو تم کیا کہتے ہو میں مولانا رشید احمد صاحب کا قلم عرش کے پرے چلتا ہوا دیکھ رہا ہوں۔'' (تذکرۃ الرشید ج۲ ص۳۲۲)

رشید احمد گنگوہی نے کہا: ''الحاصل امکان کذب سے مراد دخول کذب تحت قدرت باری تعالیٰ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ وعید فرمایا ہے اس کے خلاف پر قادر ہے اگرچہ وقوع اس کا نہ ہو امکان کو وقوع لازم نہیں بلکہ ہوسکتا ہے کہ کوئی شے ممکن بالذات ہو اور کسی وجہ خارجی سے اس کو استحالہ لاحق ہوا ہو۔'' (تالیفاتِ رشیدیہ ص۹۸)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ رشید احمد گنگوہی دیوبندی امکانِ کذبِ باری تعالیٰ کا عقیدہ رکھتے تھے۔ امکان کہتے ہیں ممکن ہونا اور کذب جھوٹ کو کہتے ہیں، یعنی دیوبندیوں کے نزدیک اس بات کا امکان ہے کہ اللہ تعالیٰ جھوٹ بول سکتا ہے۔ معاذ اللہ

☆ تنبیہ: امکانِ کذبِ باری تعالیٰ کا عقیدہ دربارِ الٰہی کی گستاخی اور کفر ہے۔

۲) حاجی امداد اللہ (دیوبندیوں کے روحانی بزرگ اور سید الطائفہ) نے لکھا ہے:

''اور اس کے بعد اس کو ہو ہو کے ذکر میں اس قدر منہمک ہو جانا چاہیے کہ خود مذکور یعنی (اللہ) ہو جائے اور فنا در فنا کے یہی معنی ہیں۔'' (کلیات امدادیہ ص۱۸)

۳) رشید احمد گنگوہی نے لکھا ہے:

''یا اللہ معاف فرمانا کہ حضرت کے ارشاد سے تحریر ہوا ہے جھوٹا ہوں، کچھ نہیں ہوں، تیرا ہی ظل ہے، تیرا ہی وجود ہے۔ میں کیا ہوں، کچھ نہیں ہوں، اور وہ جو میں ہوں وہ تو ہے اور میں اور تو خود شرک در شرک ہے۔ استغفر اللہ.....''

(فضائل صدقات ص ۵۵۶ و مکاتیب رشیدیہ ص ۱۰)

٤) نانوتوی، گنگوہی اور تھانوی کے پیر حاجی امداد اللہ نے لکھا ہے:

''اس مرتبہ میں خدا کا خلیفہ ہو کر لوگوں کو اس تک پہونچاتا ہے اور ظاہر میں بندہ اور باطن میں خدا ہو جاتا ہے اس مقام کو برزخ البرازخ کہتے ہیں۔''

(کلیات امدادیہ/ضیاء القلوب ص ۳۵، ۳۶)

☆ نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس کے بارے میں دیوبندیوں کی گستاخیاں درج ذیل ہیں:

۱: اشرفعلی تھانوی نے لکھا ہے:

''آپ کی ذاتِ مقدسہ پر علمِ غیب کا حکم کیا جانا اگر بقولِ زید صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب؟ اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور ﷺ کی کیا تخصیص ہے ایسا علمِ غیب تو زید و عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کیلئے بھی حاصل ہے کیونکہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایسی بات کا علم ہوتا ہے جو دوسرے شخص سے مخفی ہے تو چاہیئے کہ سب کو عالم الغیب کہا جاوے۔'' (حفظ الایمان ص ۱۳، دوسرا نسخہ ص ۱۱۶ نیز دیکھئے الشہاب الثاقب ص ۹۸)

حسین احمد مدنی دیوبندی نے لکھا ہے: ''لفظ ایسا تو کلمہ تشبیہ ہے'' (الشہاب الثاقب ص ۱۰۳)

معلوم ہوا کہ عبارتِ مذکورہ میں اشرفعلی تھانوی نے نبی ﷺ کے علم کو پاگلوں اور جانوروں سے تشبیہ دے دی ہے۔!

۲: ایک صحیح حدیث کا مذاق اڑاتے ہوئے، نبی کریم ﷺ کے بارے میں امین اوکاڑوی دیوبندی لکھتا ہے:

''لیکن آپؐ نماز پڑھاتے رہے اور کتیا سامنے کھیلتی رہی اور ساتھ گدھی بھی تھی، دونوں کی شرمگاہوں پر بھی نظر پڑتی رہی۔''

(غیر مقلدین کی غیر مستند نماز ص ۴۳ مجموعہ رسائل ج ۳ ص ۳۵۰ حوالہ نمبر ۹۸ او تجلیات صفدر ج ۵ ص ۴۸۸)

یاد رہے کہ یہ طویل عبارت کاتب کی غلطی نہیں ہے اور ماسٹر امین کے دستخطوں والی

کتاب تجلیات صفدر میں اس کے مرنے کے بعد بھی شائع ہوئی ہے۔

۳: دیوبندی تبلیغی جماعت کے بانی محمد الیاس نے اپنے خط میں لکھا ہے:

''اگر اور حق تعالیٰ کسی کام کو لینا نہیں چاہتے ہیں تو چاہے انبیا بھی کتنی کوشش کرلیں تب بھی ذرہ نہیں ہل سکتا اور اگر کرنا چاہیں تو تم جیسے ضعیف سے بھی وہ کام لے لیں جو انبیاء سے بھی نہ ہو سکے۔'' (مکاتیب شاہ محمد الیاس ص ۱۰۶، ۱۰۷ دوسرا نسخہ ص ۱۰۷)

۴: نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ سری نماز (یعنی ظہر و عصر) میں بعض اوقات ایک دو آیتیں جہراً پڑھ دیتے تھے۔

دیکھئے صحیح البخاری (ح ۷۵۹، ۷۶۲، ۷۷۶، ۷۷۸، ۷۷۹) و صحیح مسلم (ح ۴۵۱)

چونکہ یہ حدیث دیوبندی مذہب کے خلاف ہے، لہٰذا اس پر تبصرہ کرتے ہوئے اشرفعلی تھانوی نے کہا:

''اور میرے نزدیک اصل وجہ یہ ہے کہ آپ پر ذوق وشوق کی حالت غالب ہوتی تھی جس میں یہ جہر واقع ہو جاتا تھا اور جب کہ آدمی پر غلبہ ہوتا ہے تو پھر اس کو خبر نہیں رہتی کہ کیا کر رہا ہے۔'' (تقریر ترمذی از تھانوی ص ۷۱)

سلف صالحین کی گستاخیاں

۱: مشہور جلیل القدر صحابی سیدنا عبادہ بن الصامت البدری رضی اللہ عنہ کے بارے میں حسین احمد مدنی ٹانڈوی گانڈھوی کہتے ہیں: ''اس کو عبادہ بن الصامت معنعناً ذکر کرتے ہیں حالانکہ یہ مدلس ہیں اور مدلس کا عنعنہ معتبر نہیں۔'' (توضیح الترمذی ج ۱ ص ۴۳۶، نیز دیکھئے ص ۴۳۷)

۲: زکریا کاندھلوی تبلیغی دیوبندی نے کہا:

''ان محدثین کا ظلم سنو!'' (تقریر بخاری جلد سوم ص ۱۰۴)

۳: مصنف ابن ابی شیبہ (۱/ ۳۵۱ ح ۳۵۲۴) کی ایک (ضعیف سند والی) روایت کا ترجمہ کرتے ہوئے محمد امین اوکاڑوی لکھتا ہے: ''اگر تو آج اس طرح ٹخنے ملائے تو دیکھے گا کہ یہ

لوگ (صحابہ وتابعین) بدکے ہوئے خچروں کی طرح بھاگیں گے۔"

(حاشیہ امین اوکاڑوی علی تفہیم البخاری ج اص ۳۷۰، حاشیہ نمبر۲)

بریکٹ والے الفاظ اوکاڑوی ہی کے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بدکے ہوئے خچروں سے تشبیہ دینا اوکاڑوی دیوبندی جیسے لوگوں کا ہی کام ہے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ضعیف حدیث میں بدکے ہوئے خچر اُن مجہول ومنکرین حدیث قسم کے لوگوں کو کہا گیا ہے جو قطعاً اور یقیناً صحابہ کرام ہرگز نہیں تھے، صحابۂ کرام تو قدم سے قدم اور کندھے سے کندھا ملاتے تھے۔ دیکھئے صحیح بخاری (کتاب الاذان باب الزاق المنکب بالمنکب ... ح ۷۲۵)

۴: رفع یدین کی مخالفت کرتے ہوئے قاری چن محمد دیوبندی غلام خانی نے کہا:

"ابن عمر بچے تھے وائل بن حجر مسافر تھے غیر مقلدین یا تو مسافروں کی یا بچوں کی روایت پیش کرتے ہیں۔" (ماہنامہ الدین، کامرہ کینٹ ج ا شمارہ: ۲، اکتوبر ۲۰۰۰ء ص ۲۷)

ان دونوں جلیل القدر صحابیوں کا ایسی حقارت سے ذکر کرنا دیوبندیوں کا ہی کام ہے۔

شرکیہ اور کفریہ عقائد

ا: حاجی امداد اللہ نے اپنے پیر نور محمد جھنجھانوی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"آسرا دنیا میں ہے ازبس تمہاری ذات کا
تم سوا اوروں سے ہرگز کچھ نہیں ہے التجا
بلکہ دن محشر کے جس وقت قاضی ہو خدا
آپ کا دامن پکڑ کر کہوں گا برملا
اے شہ نور محمد وقت ہے امداد کا"

(شمائم امدادیہ ص ۸۳، ۸۴ و امداد المشتاق ص ۱۱۶ فقرہ: ۲۸۸، دوسرا نسخہ ص ۱۲۱، ۱۲۲)

۲: اشرفعلی تھانوی دیوبندی نے لکھا ہے:

"میں (راوی ملفوظات) حضرت کی خدمت میں غذائے روح کا وہ سبق جو حضرت

شاہ نور محمد صاحب کی شان میں ہے، سنا رہا تھا۔ جب اثر مزار شریف کا بیان آیا آپ نے فرمایا کہ میرے حضرت کا ایک جولاہا مرید تھا بعد انتقال حضرت کے مزار شریف پر عرض کیا کہ حضرت میں بہت پریشان اور روٹیوں کو محتاج ہوں کچھ دستگیری فرمایئے حکم ہوا کہ تم کو ہمارے مزار سے دو آنے یا آدھ آنہ روز ملا کرے گا۔ ایک مرتبہ میں زیارت مزار کو گیا وہ شخص بھی حاضر تھا اس نے کل کیفیت بیان کر کے کہا کہ مجھے ہر روز وظیفہ پائیں قبر سے ملا کرتا ہے (حاشیہ) قولہ: وظیفہ مقررہ، اقول: یہ منجملہ کرامات کے ہے ۱۲۔" (امداد المشتاق ص ۱۱۷ الفقرہ: ۲۹۰، دوسرا نسخہ ص ۱۲۳)

۳: حاجی امداد اللہ نے سیدنا رسول اللہ ﷺ کے بارے میں لکھا ہے:

"یارسول کبریا فریاد ہے یا محمدؐ مصطفیٰ فریاد ہے
آپ کی امداد ہو میرا یا نبیؐ حال ابتر ہوا فریاد ہے
سخت مشکل میں پھنسا ہوں آج کل
اے میرے مشکل کشا فریاد ہے"

(کلیات امدادیہ ص ۹۰، ۹۱)

۴: اشرفعلی تھانوی دیوبندی نے لکھا ہے:

"دستگیری کیجئے میرے نبی
کشمکش میں تم ہی ہو میرے نبی
جز تمہارے ہے کہاں میری پناہ
فوج کلفت مجھ پہ آ غالب ہوئی
ابن عبداللہ زمانہ ہے خلاف
اے مرے مولا خبر لیجئے مری"

(نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب ص ۱۹۴)

اکابر پرستی اور اس میں غلو

۱) محمد الیاس دیوبندی تبلیغی کی نانی کے بارے میں دیوبندی حضرات نے لکھا ہے کہ

''جس وقت انتقال ہوا تو ان کپڑوں میں کہ جن میں آپ کا پاخانہ لگ گیا تھا عجیب وغریب مہک تھی کہ آج تک کسی نے ایسی خوشبو نہیں سونگھی۔''

(تذکرہ مشائخ دیوبند، حاشیہ ص۹۶، تصنیف: عزیز الرحمٰن)

اسی پاخانے کے بارے میں عاشق الٰہی میرٹھی دیوبندی نے لکھا ہے:

''پوتڑے نکالے گئے جو نیچے رکھ دیئے جاتے تھے تو ان میں بدبو کی جگہ خوشبو اور ایسی نرالی مہک پھوٹتی تھی کہ ایک دوسرے کو سنگھاتا اور ہر مرد اور عورت تعجب کرتا تھا چنانچہ بغیر دھلوائے ان کو تبرک بنا کر رکھ دیا گیا۔'' (تذکرۃ الخلیل ص۹۶، ۹۷)

۲) زکریا کاندھلوی تبلیغی دیوبندی نے کہا ہے:

''لیکن مجھ جیسے کم علم کے لئے تو سب اہل حق معتمد علماء کا قول حجت ہے۔''

(کتب فضائل پر اشکالات اور ان کے جوابات ص۱۳۴)

۳) اشرفعلی تھانوی نے لکھا ہے:

''اور دلیل نہی ہم مقلدوں کے لئے فقہاء کا فتویٰ ہے اور فقہاء کی دلیل تفتیش کرنے کا ہم کو حق حاصل نہیں۔'' (امدادالفتاوی ج۵ ص۳۱۳، ۳۱۴)

٤) محمد عثمان نامی کوئی آدمی گزرا ہے، اس کے بارے میں عبدالحمید سواتی دیوبندی نے کسی کتاب فوائد عثمانی سے نقل کیا ہے:

''حضرت خواجہ مشکل کشا سید الاولیاء سند الاتقیاء زبدۃ الفقہاء راس الفقہاء رئیس الفضلاء شیخ المحدثین قبلۃ السالکین امام العارفین برہان المعرفۃ شمس الحقیقہ فرید العصر وحید الزماں حاجی الحرمین الشریفین مظہر فیض الرحمٰن پیر دستگیر حضرت مولانا محمد عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ'' (فیوضات حسینی/تحفہ ابراہیمیہ ص۶۸)

کتاب وسنت سے انکار

۱) رشید احمد لدھیانوی دیوبندی نے لکھا ہے :

''معہذ اہمارا فتویٰ اور عمل قول امام رحمۃ اللہ تعالیٰ کے مطابق ہی رہے گا۔ اس لئے کہ ہم امام رحمۃ اللہ تعالیٰ کے مقلد ہیں اور مقلد کے لئے قول امام حجت ہوتا ہے نہ کہ ادلۂ اربعہ کہ ان سے استدلال وظیفہ مجتہد ہے۔'' (ارشاد القاری ص ۴۱۲)

۲) محمود حسن دیوبندی نے کہا:

''لیکن سوائے امام اور کسی کے قول سے ہم پر حجت قائم کرنا بعید از عقل ہے۔''

(ایضاح الادلہ ص ۲۷۶ طبع قدیم)

۳) انور شاہ کشمیری دیوبندی نے ایک حدیث کو قوی تسلیم کرنے کے بعد، اس کا جواب سوچنے پر دس سال سے زیادہ کا عرصہ لگا دیا۔ (دیکھئے فیض الباری ج ۲ ص ۲۷۵ والعرف الشذی ج ۱ ص ۱۰۷ ومعارف السنن ج ۴ ص ۲۶۴ ودرس ترمذی ج ۲ ص ۲۲۴)

٤) محمود حسن دیوبندی نے محمد حسین بٹالوی رحمہ اللہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

''آپ ہم سے وجوبِ تقلید کی دلیل کے طالب ہیں۔ ہم آپ سے وجوب اتباع محمدی ﷺ، وجوب اتباع قرآنی کی سند کے طالب ہیں۔۔'' الخ

(تسہیل: ادلہ کاملہ ص ۷۸)

نیچے حاشیے میں سند کا معنیٰ ''دلیل'' لکھا ہوا ہے۔ معلوم ہوا کہ بٹالوی صاحب تقلید کا وجوب نہیں مانتے، اس لئے وہ وجوب کی دلیل مانگ رہے تھے۔ دوسری طرف محمود حسن دیوبندی وجوب اتباع محمدی اور وجوب اتباع قرآنی نہیں مانتے، اس لئے وہ وجوب کی دلیل مانگ رہے تھے۔!

علماءِ دیوبند کی اندھی تقلید

۱) ''مفتی'' محمد دیوبندی نے لکھا ہے :

''عوام کے لئے دلائل طلب کرنا جائز نہیں ۔ نہ آپس میں مسائل شرعیہ پر بحث کرنا جائز ہے بلکہ کسی مستند مفتی سے مسئلہ معلوم کر کے اس پر عمل کرنا ضروری ہے۔''

(اخبار: ضرب مؤمن ج ۳ شمارہ: ۱۵، ۹ تا ۱۵ اپریل ۱۹۹۹ ص ۶ آپ کے مسائل کا حل)

اسی محمد دیوبندی نے لکھا ہے:

''عوام کو علماء سے صرف مسئلہ پوچھنا چاہیئے ، مقلد کے لئے اپنے امام کا قول ہی سب سے بڑی دلیل ہے۔'' (ضرب مؤمن ایضاً ص ۶ کالم نمبر ۲)

۲) زاہد الحسینی حیاتی دیوبندی نے کہا:

''حالانکہ ہر مقلد کے لئے آخری دلیل مجتہد کا قول ہے۔''

(مقدمہ: دفاع امام ابوحنیفہ ص ۲۶)

۳) رشید احمد لدھیانوی دیوبندی نے لکھا ہے:

''رجوع الی الحدیث مقلد کا وظیفہ نہیں ۔'' (احسن الفتاویٰ ج ۳ ص ۵۵)

٤) اللہ اور رسول کی گستاخیاں کرنے والے اور شرک و بدعت پھیلانے والے دیوبندی علماء کا اگر کفریہ و شرکیہ حوالہ کسی دیوبندی کو دکھایا جائے تو وہ کبھی ان پر کفر و شرک کا فتویٰ نہیں لگاتا اور اگر کسی بریلوی و غیر دیوبندی کا حوالہ دکھایا جائے تو فوراً فتویٰ لگا دیتا ہے۔

وحدت الوجود کا پرچار

۱) حاجی امداد اللہ نے کہا:

''نکتہ شناسا مسئلہ وحدت الوجود حق و صحیح ہے اس مسئلہ میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔'' (شمائم امدادیہ ص ۳۲ و کلیات امدادیہ ص ۲۱۸)

۲) عبدالحمید سواتی دیوبندی نے کہا:

''علماء دیوبند کے اکابر مولانا محمد قاسم نانوتوی (التوفی ۱۲۹۷ھ) اور مولانا مدنی (التوفی ۱۳۷۷ھ) اور دیگر اکابر مسئلہ وحدۃ الوجود کے قائل تھے۔''

(مقالات سواتی حصہ اول ص ۳۷۵)

۳) ضامن علی جلال آبادی نے ایک زانیہ عورت کو کہا:

''بی تم شرماتی کیوں ہو؟ کرنے والا کون اور کرانے والا کون؟ وہ تو وہی ہے۔''

(تذکرۃ الرشید ج ۲ ص ۲۴۲)

اس گستاخ وحدت الوجودی کے بارے میں رشید احمد گنگوہی نے مسکرا کر کہا:

''ضامن علی جلال آبادی تو توحید ہی میں غرق تھے۔'' (ایضاً ص ۲۴۲)

٤) وحدت الوجود کے ایک پیروکار حسین بن منصور الحلاج جسے کفر و زندیقیت کی وجہ سے باجماع علماء قتل کیا گیا تھا۔ اس کے بارے میں ظفر احمد تھانوی دیوبندی نے ایک کتاب لکھی ہے۔ ''سیرت منصور حلاج''!

تنبیہ اول: وحدت الوجود کا مطلب یہ ہے:

''تمام موجودات کو اللہ تعالیٰ کا وجود خیال کرنا۔''

(حسن اللغات فارسی اردو ص ۹۴۱، نیز دیکھئے علمی اردو لغت ص ۱۵۵۱)

تنبیہ دوم: امداد اللہ کے بارے میں اشرفعلی تھانوی نے لکھا ہے:

''حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وہی عقائد ہیں جو اہل حق کے ہیں۔''

(امداد الفتاویٰ ج ۵ ص ۲۷۰) نیز دیکھئے خطبات حکیم الاسلام (ج ۷ ص ۲۰۶)

انگریز دوستی

۱) شاملی کے علاقے میں انگریزوں کی حمایت میں لڑنے والے نانوتوی، گنگوہی اور امداد اللہ وغیرہم کے بارے میں عاشق الٰہی میرٹھی نے لکھا ہے:

''اور جیسا کہ آپ حضرات اپنی مہربان سرکار کے دلی خیر خواہ تھے تا زیست خیر خواہ ہی ثابت رہے۔'' (تذکرۃ الرشید ج ۱ ص ۷۹)

تذکرۃ الرشید کی عبارت کے سیاق و سباق سے صاف ثابت ہے کہ مہربان سرکار سے

مراد انگریزی سرکار ہے۔

نیز دیکھئے سوانح قاسمی (ج ۲ ص ۲۴۶، ۲۴۷ حاشیہ) انفاس امدادیہ (ص ۱۰۶، ۹۰)

۲) دیوبندیوں کے شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی نے کہا:

''لڑنے کا کیا فائدہ خضر کو تو میں انگریزوں کی صف میں پا رہا ہوں۔''

(حاشیہ سوانح قاسمی ج ۲ ص ۱۰۳، علماء ہند کا شاندار ماضی جلد چہارم ص ۲۸۰ حاشیہ)

۳) ایک دن، ۳۱ جنوری ۱۸۷۵ء بروز یک شنبہ، ہندوستان میں انگریزوں کے لیفٹیننٹ گورنر کے ایک خفیہ معتمد انگریز پامر نے مدرسہ دیوبند کا دورہ کیا اور نہایت اچھے خیالات کا اظہار کیا یہ انگریز لکھتا ہے: ''یہ مدرسہ خلاف سرکار نہیں بلکہ موافق سرکار ممد معاون سرکار ہے۔''

(کتاب: محمد احسن نانوتوی ص ۲۱۷، فخر العلماء ص ۶۰)

٤) محمد میاں دیوبندی نے لکھا ہے:

''شاید اس سلسلہ میں سب سے زیادہ گراں قدر فیصلہ وہ فتویٰ ہے جو ۱۸۹۸ء میں مرحوم مولانا رشید احمد گنگوہی نے جاری کیا تھا۔ کیونکہ اس پر دوسرے علماء کے علاوہ مولانا محمود حسن کے بھی دستخط ہیں کہ مسلمان مذہبی طور سے پابند ہیں کہ حکومت برطانیہ کے وفادار رہیں۔ خواہ آخر الذکر سلطان ترکی سے ہی برسر جنگ کیوں نہ ہو۔'' (تحریک شیخ الہند ص ۳۰۵)

تنبیہ: محمد میاں دیوبندی نے خیالی گھوڑے دوڑاتے ہوئے اس فتوے میں جرح اور تشکیک کی کوشش کی ہے جو کہ باطل ہے۔

ہندو دوستی

۱) مدرسہ دیوبند کے قیام میں ہندوؤں نے خوب چندہ دیا تھا۔ چندہ دینے والوں کی فہرست میں منشی رام، رام سہائے، منشی ہردواری لال، لالہ بیجناتھ، پنڈت سری رام، منشی موتی لال، رام لال وغیرہ کے نام ملتے ہیں۔ (دیکھئے سوانح قاسمی ج ۲ ص ۳۱۷، نیز دیکھئے انوار قاسمی ص ۴۱۴)

۲) دیوبندیوں کے مولوی محمد علی (جوہر) نے کہا:

''میں تو جیل میں ہوں۔البتہ یہ جانتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد میرے اوپر گاندھی جی کا حکم نافذ ہے۔'' (حسین احمد مدنی از فرید الوحیدی ص ۳۵۰ و تحریک خلافت ص ۸۰)

۳) رشید احمد گنگوہی سے کسی نے پوچھا کہ

''ہندو تہوار ہولی یا دیوالی میں اپنے استاذ یا حاکم یا نوکر کو کھیلیں یا پوری یا اور کچھ کھانا بطور تحفہ بھیجتے ہیں ان چیزوں کا لینا اور کھانا استاد و حاکم و نوکر مسلمان کو درست ہے یا نہیں۔''

گنگوہی نے جواب دیا: ''درست ہے۔'' (فتاویٰ رشیدیہ ص ۵۶۱، تالیفات رشیدیہ ص ۴۷۱)

٤) دوآبہ ایک گاؤں کے بارے میں عاشق الٰہی نے لکھا ہے:

''اس گاؤں کے باشندوں کو بھی حضرت کے ساتھ اس درجہ انس تھا کہ عام و خاص مرد و زن مسلمان بلکہ ہندو تک گویا آپ کے عاشق تھے۔'' (تذکرۃ الرشید ج ۲ ص ۳۸)

تنبیہ اول: یہاں ''حضرت'' اور ''آپ'' سے مراد رشید احمد گنگوہی ہیں۔

تنبیہ دوم: دیوبند کی صد سالہ تقریب میں اندرا گاندھی کی تقریر کے لئے دیکھئے روئیداد صد سالہ جشن دیوبند از جانباز مرزا ص ا

ختم نبوت کا انکار

۱) محمد قاسم نانوتوی نے لکھا ہے: ''بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلعم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔'' (تحذیر الناس ص ۳۴)

۲) قاری محمد طیب دیوبندی نے کہا:

''تو یہاں ختم نبوت کا یہ معنی لینا کہ نبوت کا دروازہ بند ہو گیا یہ دنیا کو دھوکہ دینا ہے نبوت مکمل ہو گئی' وہی کام دے گی قیامت تک' نہ یہ کہ منقطع ہو گئی اور' دنیا میں اندھیرا پھیل گیا''

(خطبات حکیم الاسلام ج ۱ ص ۳۹)

۳) کسی شخص نے قادیانیوں کو بُرا کہا تو اشرفعلی تھانوی نے کہا:

''یہ زیادتی ہے توحید میں ہمارا ان کا کوئی اختلاف نہیں، اختلاف رسالت میں ہے اور اس کے بھی صرف ایک باب میں یعنی عقیدہ ختم رسالت میں بات کو بات کی جگہ پر رکھنا چاہئے۔ جو شخص ایک جرم کا مجرم ہے یہ تو ضرور نہیں کہ دوسرے جرائم کا بھی ہو۔'' (سچی باتیں از عبدالماجد دریا آبادی ص ۲۱۳)

٤) مفتی کفایت اللہ دھلوی دیوبندی ایک مرزائی کے بارے میں لکھا ہے:

''اگر یہ شخص خود مرزائی عقیدہ اختیار کرنے والا ہے یعنی اس کے ماں باپ مرزائی نہ تھے تو یہ مرتد ہے اس کے ہاتھ کا ذبیحہ درست نہیں۔ لیکن اگر اس کے ماں باپ یا ان میں سے کوئی ایک مرزائی تھا تو یہ اہل کتاب کے حکم میں ہے اور اس کے ہاتھ کا ذبیحہ درست ہے۔'' (کفایت المفتی ج ۱ ص ۳۱۳ جواب نمبر ۳۴۹)

قارئین کرام! یہ چند نمونے مشتے از خروارے ہے۔ دیوبندی حضرات اپنے ان گندے اور کتاب وسنت کے خلاف عقائد کی وجہ سے اہل سنت سے بھی خارج ہیں اور حنفیت سے بھی خارج ہیں، لہٰذا ان کے پیچھے نماز نہیں ہوتی اور اگر کوئی شخص پڑھ لے تو اس پر اپنی نماز کا دوہرانا (اعادہ) واجب ہے۔ وما علینا إلا البلاغ (۱/ جمادی الاول ۱۴۲۶ھ)

''ادیانِ باطلہ اورصراطِ مستقیم'' نامی کتاب کے دوجھوٹ

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَةَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴾
پھر ہم مباہلہ کریں (عاجزی کے ساتھ اللہ سے دعا کریں) پھر جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجیں۔ (آل عمران:۶۱)

جلیل القدر صحابی سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
((و إنّ الْكِذْبَ يهدي إلى الفجور و إنّ الفجور يهدي إلى النار .))
بے شک جھوٹ بدکاری و نافرمانی کی طرف لے جاتا ہے اور بے شک بدکاری و نافرمانی (جہنم کی) آگ کی طرف لے جاتی ہے۔ (صحیح بخاری:۶۰۹۴، صحیح مسلم:۲۶۰۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منافق کی تین یا چار نشانیاں بیان فرمائی ہیں اور ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ (منافق) جب بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے۔ (صحیح بخاری:۳۳۔۳۴، صحیح مسلم:۵۸۔۵۹)

ایک شخص کا (عالمِ برزخ میں) منہ چیرا جارہا تھا، کیونکہ وہ جھوٹ بولتا تھا۔
(دیکھئے صحیح بخاری:۷۰۴۷)

یہ دلائل سننے پڑھنے کے باوجود بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں کہ علانیہ جھوٹ بولتے ہیں اور عذابِ آخرت سے ذرا بھی نہیں ڈرتے۔

دیوبندی ''مفتی'' محمد نعیم (مدیر جامعہ بنوریہ عالمیہ) نے ایک کتاب لکھی ہے: ''ادیانِ باطلہ اور صراطِ مستقیم'' اور یہ کتاب محمد تقی عثمانی دیوبندی کی ''پسند فرمودہ'' ہے۔
(شائع کردہ: بیت الاشاعت کراچی)

اس کتاب میں ''تقلید کا ثبوت قرآن مجید سے'' کے باب کے تحت محمد نعیم دیوبندی نے لکھا ہے: ''یہی بات علامہ ابن البر فرماتے ہیں کہ علماء کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عوام کے لئے اپنے امام کی تقلید واجب ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے قول: فاسئلوا اہل الذکر الآیۃ

سے یہی مراد ہے۔'' (ص ۲۳۹ بحوالہ جامع بیان العلم وفضلہ ۹۸۹/۲)

عرض ہے کہ حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے جامع بیان العلم وفضلہ میں باب باندھا ہے:
''باب فساد التقليد و نفيه والفرق بينه و بين التقليد والإتباع '' باب: فسادِ تقلید اور اس کی تردید، تقلید اور اتباع میں فرق۔ (ج ۲ ص ۲۱۸، دوسرا نسخہ ۱۰۹/۲، تیسرا نسخہ ۱۳۳/۲)

پھر حافظ ابن عبدالبر نے ابطالِ تقلید پر کئی دلائل مثلاً آیات، احادیث اور آثار نقل کئے، جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا: '' أما العالم فإن اهتدى فلا تقلّدوه دينكم '' رہا یہ کہ عالم اگر ہدایت پر ہو تو اپنے دین میں اس کی تقلید نہ کرو۔ (ج ۲ ص ۱۱۰، دوسرا نسخہ ص ۱۳۶، تیسرا نسخہ ص ۲۲۲ ح ۹۵۵)

اس اثر کی سند حسن لذاتہ ہے اور دار قطنی، ابونعیم اصبہانی اور حافظ ابن القیم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے العلل للدار قطنی (۸۱/۶ س ۹۹۲) حلیۃ الاولیاء (۹۷/۵) اور اعلام الموقعین (۲۳۹/۲)

جلیل القدر صحابی کے اس ارشاد نے مذاہبِ اربعہ کی تقلید کے پرخچے اڑا دیئے، کیونکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ چاروں امام علماء میں سے تھے اور ہر امام کے پیروکار اپنے امام کو ہدایت پر سمجھتے ہیں، گویا دوسرے الفاظ میں سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ نے وجودِ ائمہ سے پہلے ہی امام ابوحنیفہ وغیرہ کی تقلید سے منع فرما دیا تھا، لہٰذا تقلیدِ امام (من الأئمة الأربعة) کو واجب کہنے والے اس مسئلہ میں سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے مخالف ہیں۔

جب قرآن مجید کی آیات پیش کر کے مروّجہ تقلید اور تقلیدِ امام واحد (از ائمہ اربعہ) کا رد کیا جاتا ہے تو بعض مقلدین یہ کہتے ہیں کہ یہ آیات تو کفار کے رد میں ہیں، ان کا تقلیدِ امام (از ائمہ اربعہ) سے کوئی تعلق نہیں تو عرض ہے کہ حافظ ابن عبدالبر نے آیاتِ مبارکہ نقل کر کے فرمایا: ''و مثل هذا في القرآن كثير من ذم تقليد الآباء والرؤساء و قد احتج العلماء بهذه الآيات في ابطال التقليد و لم يمنعهم كفر أولئك من الإحتجاج بها، لأن التشبيه لم يقع من جهة كفر أحدهما و إيمان الآخر ، و

إنما وقع التشبيه بين التقليدين بغير حجة للمقلد ... ''

باپ دادا اور سرداروں کی تقلید کی مذمت والی اس طرح (کی آیات) قرآن میں بہت زیادہ ہیں اور علماء نے ان آیات کے ساتھ تقلید کے باطل ہونے پر استدلال کیا ہے اور انھیں مذکورہ لوگوں کے کفر نے ان آیات سے استدلال کرنے سے نہیں روکا، کیونکہ تشبیہ کسی ایک کے کفر اور دوسرے کے ایمان کی وجہ سے نہیں بلکہ دونوں تقلیدوں کے درمیان تشبیہ یہ ہے کہ مقلد بغیر دلیل کے تقلید کرتا ہے... (ص ۱۳۴، دوسرا نسخہ ص ۱۰۹۔۱۱۰، تیسرا نسخہ ص ۲۲۰)

اس کے بعد کچھ روایات و دلائل ذکر کرنے کے بعد حافظ ابن عبدالبر نے فرمایا:

''و هذا كله لغير العامة ، فإن العامة لابدلها من تقليد علماء ها عند النازلة تنزل بها لأنها لا تتبين موقع الحجة و لا تصل بعدم الفهم إلٰى علم ذلك لأن العلم درجات لا سبيل منها إلٰى أعلاها إلا بنيل أسفلها ، و هذا هو الحائل بين العامة و بين طلب الحجة و اللّٰه أعلم .

ولم تختلف العلماء أن العامة عليها تقليد علماء ها و أنهم المرادون بقول اللّٰه عزوجل: ﴿ فاسئلوا أهل الذكر إن كنتم لا تعلمون ﴾ و أجمعوا علٰى أن الأعمى لا بدله من تقليد غيره ممن يثق بميزه بالقبلة إذا أشكلت عليه ، فكذلك من لا علم له و لا بصر بمعنى ما يدين به لا بدّله من تقليد عالمه و كذلك لم تختلف العلماء أن العامة لا يجوز لها الفتيا ، و ذلك و اللّٰه أعلم لجهلها بالمعاني التي منها يجوز التحليل و التحريم و القول في العلم . ''

اور یہ ساری باتیں اُن کے لئے ہیں جو عوام نہیں (یعنی علماء ہیں)، پس رہے عوام تو ان کے لئے سخت مصیبت (شدید مجبوری) میں مسئلہ واقع ہونے کے بعد اپنے علماء کی تقلید ضروری ہے، کیونکہ عدمِ فہم کی وجہ سے دلیل کا مقام واضح نہیں ہوتا اور نہ اس سے اس کا علم حاصل ہوتا ہے، کیونکہ علم کے کئی درجے ہیں، نچلے درجوں کے علم کے بغیر اوپر والے درجوں کی طرف پہنچنے کا کوئی راستہ نہیں اور یہ وہ بات ہے جو عوام اور طلبِ دلیل کے درمیان حائل ہے۔ واللہ اعلم

علماء کا اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ عوام پر اپنے علماء کی تقلید (ضروری) ہے اور وہ اس ارشادِ باری تعالیٰ کی مراد ہیں: پس اہلِ ذکر سے پوچھ لو اگر تم نہیں جانتے۔

اور اس پر اجماع ہے کہ اندھے آدمی کو اگر قبلہ میں شک ہو جائے تو اس پر اس آدمی کی تقلید (ضروری) ہے جس کے بارے میں اسے اعتماد ہو کہ یہ مجھے جہتِ قبلہ (صحیح) بتادے گا۔ پس اسی طرح جس آدمی کے پاس دین کے بارے میں کوئی علم اور کوئی بصیرت نہیں تو اس پر اپنے عالم کی تقلید ضروری ہے۔ اور اسی طرح اس بات میں بھی علماء کا کوئی اختلاف نہیں کہ عوام کے لئے جائز نہیں کہ فتوے دیتے پھریں، اور یہ اس وجہ سے کہ وہ ان معنوں سے جاہل ہوتے ہیں جن سے حلال و حرام کا جواز اور علم معلوم ہوتا ہے۔

(ص ۱۴۰، دوسرا نسخہ ص ۱۱۴۔۱۱۵، تیسرا نسخہ ص ۲۲۸)

یہ ہے وہ عبارت، جس کی طرف اشارہ کر کے محمد نعیم دیوبندی نے حافظ ابن عبدالبر کے حوالے سے لکھا ہے: ''علماء کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عوام کے لئے اپنے امام کی تقلید واجب ہے'' (ادیانِ باطلہ اور صراطِ مستقیم ص ۲۳۹)

حالانکہ حافظ ابن عبدالبر کی عبارت میں ''اپنے امام'' کا لفظ ہی موجود نہیں، لہٰذا محمد نعیم دیوبندی نے حافظ ابن عبدالبر پر جھوٹ بولا ہے۔ اگر کوئی کہے کہ حافظ ابن عبدالبر کی عبارت کا کیا مطلب ہے؟ تو عرض ہے کہ لوگوں کی دو قسمیں ہیں:

۱: دین سے واقف علماء

۲: دین سے ناواقف عوام

حافظ ابن عبدالبر کے نزدیک اول الذکر کے لئے تقلید جائز نہیں بلکہ باطل و فاسد ہے۔ ثانی الذکر، یعنی جاہل عوام کے لئے وہ یہ فرماتے ہیں کہ عوام اپنے اپنے علاقے کے علماء کی طرف رجوع کریں، یعنی کتاب و سنت کے زندہ علماء سے قرآن و حدیث کے مسائل پوچھ کر اُن پر عمل کریں، اور یہ اُصولِ فقہ کا مشہور مسئلہ ہے کہ جاہل کا مفتی، یعنی عالم کی طرف رجوع کرنا تقلید نہیں ہے۔ (دیکھئے مسلم الثبوت ص ۲۸۹، فواتح الرحموت ج ۲ ص ۴۰۰، التقریر والتحبیر ۳/ ۴۵۳۔۴۵۴،

کشاف اصطلاحات الفنون ۲/ ۱۱۷۸، الکلام المفید ص ۳۵-۳۶، اور دین میں تقلید کا مسئلہ ص ۸-۱۴)

احمد یار نعیمی بریلوی رضا خانی تقلیدی نے لکھا ہے:

''اسی طرح عالم کی اطاعت جو عام مسلمان کرتے ہیں اس کو بھی تقلید نہ کہا جائے گا کیونکہ کوئی بھی ان عالموں کی بات یا ان کے کلام کو اپنے لئے حجت نہیں بناتا، بلکہ یہ سمجھ کر ان کی بات مانتا ہے کہ مولوی آدمی ہیں کتاب سے دیکھ کر کہہ رہے ہوں گے...'' (جاء الحق ج ۱ ص ۱۶)

معلوم ہوا کہ جاہل عوام کا زندہ علماء یا زندہ عالم کی طرف رجوع کرنا تقلید نہیں، لہٰذا حافظ ابن عبدالبر نے یہاں تقلید کا لفظ مجازاً اور غیر اصطلاحی معنوں میں استعمال کیا ہے، جیسا کہ طحاوی حنفی نے ایک جگہ لکھا ہے: پس ایک قوم نے اس حدیث کی تقلید کی ہے۔

(شرح معانی الآثار ۴/ ۳، دین میں تقلید کا مسئلہ ص ۲۱)

حالانکہ حدیث ماننا تقلید نہیں کہلاتا، ورنہ مجتہدین کو (جو حدیث مانتے تھے) مجتہدین کے زمرے (گروہ) سے نکال کر مقلدین کے گروہ میں شمار کرنا پڑے گا اور یہ بات باطل ہے، لہٰذا حدیث ماننے کو تقلید کہنا بھی باطل ہے۔

حافظ ابن عبدالبر نے اپنی کتاب جامع بیان العلم وفضلہ یا اپنی کسی بھی کتاب میں علماء پر ائمہ اربعہ میں سے صرف ایک امام کی تقلید کو کہیں واجب قرار نہیں دیا، نیز انھوں نے جاہل عوام کے بارے میں بھی کسی مقام پر یہ نہیں لکھا کہ ان پر چار اماموں (ابوحنیفہ، مالک، شافعی اور احمد) میں سے صرف ایک امام کی تقلید واجب اور باقی تینوں کی حرام ہے۔ بلکہ انھوں نے تو قرآنی حکم: ''اہلِ ذکر سے پوچھ لو اگر تم نہیں جانتے'' کی رُو سے جاہل عوام کو حکم دیا ہے کہ (قرآن وحدیث والے) زندہ علماء کے پاس جا کر مسئلہ پوچھو اور اس پر عمل کرو۔

اہلِ حدیث بھی اس بات کے علانیہ قائل و فاعل ہیں کہ علماء کرام کو چاہئے کہ قرآن و حدیث اور اجماع دیکھ کر سلف صالحین کے آثار کی روشنی میں خود بھی عمل کریں اور دوسروں کو بھی مسئلے بتائیں اور عوام کو چاہئے کہ ایسے صحیح العقیدہ اہلِ سنت یعنی اہلِ حدیث علماء سے مسئلے پوچھ کر ان پر عمل کریں اور یہ تقلید نہیں بلکہ اقتداء اور اتباع بالدلیل ہے۔ والحمدللہ

محمد نعیم دیو بندی نے حافظ ابن عبدالبر کی عبارت میں تحریف کر کے جو مفہوم پیش کیا ہے وہ حافظ ابن عبدالبر پر بہت بڑا بہتان اور افتراء ہے اور حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ اس سے بالکل بری ہیں۔ راقم الحروف نے حافظ ابن عبدالبر کی جو طویل عبارت مع ترجمہ پیش کی ہے، اس کے قریب بعد حافظ مذکور نے اپنے ایک قصیدے میں سے کچھ اشعار لکھے ہیں، جس میں وہ نصیحتیں کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''لا فرق بین مقلّدو بھیمة تَنقاد بین جنادل و دعاثر ''

مقلّد اور جانور میں کوئی فرق نہیں جو بڑے بڑے پتھروں اور گڑھوں کے درمیان چل رہا ہے۔

(جامع بیان العلم وفضلہ ج ۲ ص ۱۱۵، دوسرا نسخہ ۲/ ۱۴۰، تیسرا نسخہ ۲/ ۲۲۸)

شعرِ مذکور میں حافظ ابن عبدالبر نے مقلد اور جانور کو ایک ہی قرار دیا ہے۔ دیو بندی مذہب کی تقلید نے محمد نعیم دیو بندی کو ایسا مخبوط الحواس کیا کہ حافظ ابن عبدالبر کی طرف ایسی بات منسوب کر دی، جس کا ان کی عبارت میں کوئی اشارہ تک موجود نہیں بلکہ وہ اس سے سراسر بری ہیں۔ محمد نعیم نے اپنی کتابِ مذکور میں اور بھی بہت سے جھوٹ لکھے ہیں: مثلاً محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی کی طرف منسوب الموطأ (موطأ محمد ص ۱۴۰) کے حوالے سے محمد نعیم نے لکھا ہے: ''اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''لان المسلمین قد اجمعوا علی ذلك .''(۳)

''تمام مسلمانوں کا بیس رکعات تراویح پر اجماع ہے۔'' (ادیانِ باطلہ اور صراطِ مستقیم ص ۲۵۷)

حالانکہ ابن فرقد شیبانی نے اپنی طرف منسوب الموطأ میں چار روایات ذکر کیں جن میں سے کسی ایک روایت میں بھی بیس رکعات تراویح کا کوئی ذکر نہیں، بلکہ دوسری روایت میں گیارہ رکعتوں کا ذکر ہے، اس کے بعد ابن فرقد نے کہا: ''و بھذا کله نأخذ لا بأس بالصلوة في شهر رمضان أن يصلی الناس تطوعًا بامام لان المسلمین قد اجمعوا علی ذلك و راوه حسنًا و قدروي عن النبي ﷺ انه قال: ما راه المومنون حسنًا فهو عند الله حسن و ماراه المسلمون قبيحًا فهو عند الله قبيح''

اور اس سارے کو ہم لیتے ہیں، رمضان کے مہینے میں نفل نماز (تراویح) امام کے ساتھ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ مسلمانوں کا اس پر اجماع ہوا ہے اور انھوں نے اسے اچھا سمجھا ہے، اور نبی ﷺ سے روایت کیا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا: جسے مومن اچھا سمجھیں تو وہ اللہ کے نزدیک اچھا ہے اور جسے مسلمان بُرا سمجھیں تو وہ اللہ کے نزدیک بُرا ہے۔

(ص ۱۴۳۔۱۴۴، مع التعلیق الممجد ج ۱ ص ۲۷۳۔۲۷۷)

اس عبارت اور موطأ ابن فرقد کی سابقہ عبارات میں بیس رکعات تراویح کا نام ونشان تک نہیں، لہٰذا محمد نعیم دیوبندی نے ابن فرقد اور موطأ محمد بن الحسن الشیبانی دونوں پر جھوٹ بولا ہے۔ موطأ ابن فرقد میں تو مطلق طور پر تراویح کی نماز باجماعت کو جائز قرار دیا گیا ہے، کیونکہ اس کے جواز پر مسلمانوں کا اجماع ہے اور اجماع شرعی حجت ہے۔

تعدادِ تراویح میں تو مسلمانوں کا کوئی اجماع نہیں بلکہ اختلاف ہی اختلاف ہے۔

حدیث کے مشہور امام ابوعیسیٰ الترمذی رحمہ اللہ (متوفی ۲۷۹ھ) نے اپنی مشہور اور درسی کتاب: جامع ترمذی میں فرمایا: ''و اختلف أهل العلم في قيام رمضان ...''

اور علماء کا قیامِ رمضان (تراویح) کے بارے میں اختلاف ہے...

(کتاب الصوم باب ماجاء فی قیام شہر رمضان تحت ح ۸۰۶)

جب علماء کے درمیان اختلاف ہے تو اجماع کہاں سے آ گیا؟

تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب: تعدادِ رکعاتِ قیامِ رمضان کا تحقیقی جائزہ

آخر میں بطورِ تنبیہ عرض ہے کہ ابن فرقد نے جس روایت کو نبی ﷺ کی حدیث بتایا ہے وہ نبی ﷺ کی حدیث نہیں، بلکہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے جو کہ حسن لذاتہ سند کے ساتھ مروی ہے۔ (دیکھئے مسند الامام احمد ۱/۳۷۹ ح ۳۶۰۰، اور نصب الرایہ ۴/۱۳۳)

یاد رہے کہ محمد نعیم دیوبندی کی اس کتاب (ادیانِ باطلہ اور صراطِ مستقیم) میں اور بھی بہت سے جھوٹ ہیں، لہٰذا عوام الناس کے لئے اس کتاب کا مطالعہ انتہائی مضر ہے۔

و ما علینا إلا البلاغ (۱۷/ دسمبر ۲۰۱۰ء)

بسم الله الرحمن الرحيم

قادیانیوں کے بارے میں ایک استفتاء کا جواب

الحمدلله ربّ العالمين والصّلوة والسّلام على رسوله الأمين :خاتم النبيين أي آخر النبيين وعلى أصحابه أجمعين و من تبعهم بإحسان إلى يوم الدين، أما بعد:

اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ آخر الانبیاء ہیں اور آپ کے بعد نبوت ورسالت کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا گیا ہے لہٰذا آپ ﷺ کے بعد نہ کوئی رسول پیدا ہوگا اور نہ کوئی نبی پیدا ہوگا۔

اس میں بھی کوئی شک وشبہ نہیں کہ مرزا غلام احمد قادیانی اور اس کے تمام متبعین: قادیانی، مرزائی اور لاہوری مرزائی سب کے سب پکے کافر ہیں اور دائرہ اسلام سے یقیناً خارج ہیں، تفصیل کے لئے دیکھئے مولانا محدّث ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ کی کتاب: ''قادیانی کافر کیوں؟'' اور کتبِ متعلقہ۔

اس تمہید کے بعد آپ کے سوالات کا مختصر اور جامع جواب درج ذیل ہے:

سورۃ الممتحنہ (آیت:۴) اور دیگر دلائل کی رُو سے ہر مسلمان پر ضروری ہے کہ وہ قادیانیوں، مرزائیوں اور تمام کفار ومرتدین سے برادرانہ تعلقات منقطع کرے۔ ان سے میل جول، نشست وبرخاست اور شادی غمی میں شرکت نہ رکھے اور سلام وکلام منقطع کردے۔

تنبیہ: اگر قادیانیوں، مرزائیوں اور کفار ومرتدین کو دعوتِ اسلام اور اُن کے شبہات کا رد مقصود ہو تو اہلِ علم حضرات شرائطِ شرعیہ کے مطابق اُن سے کلام کر سکتے ہیں۔

ہر مسلمان پر یہ فرض ہے کہ ان کفار ومرتدین سے تجارت، لین دین اور خرید وفروخت نہ کرے، اُن کے کارخانوں، فیکٹریوں، دکانوں اور بیکریوں کا مکمل بائیکاٹ کرے۔ ان کی تعلیم گاہوں، ہوٹلوں، ریستورانوں اور ہسپتالوں میں ہرگز نہ جائے اور ان کے ڈاکٹروں

سے علاج بالکل نہ کروائے۔

یہ لوگ یہود و نصاریٰ سے زیادہ خطرناک ہیں، لہٰذا ان کے ساتھ کسی قسم کی رواداری نہ برتی جائے بلکہ اپنے تمام وسائل کے ساتھ ہر طریقے سے ان کفار و مرتدین کی پوری مخالفت کر کے ان کی دعوت کو ختم کرنے اور دینِ اسلام کو غالب کرنے کی کوشش کی جائے۔

حافظ زبیر علی زئی
مدرسہ اہل الحدیث حضرو۔ ضلع اٹک، پاکستان
(۳۱/ مارچ ۲۰۱۰ء)

ریحان جاوید کے تیس (۳۰) جھوٹ

الحمد للّٰہ ربّ العالمین والصّلوٰۃ والسّلام علٰی رسوله الأمین: خاتم النبیین و رضي اللّٰہ عن أصحابه أجمعین و رحمة اللّٰہ علٰی من تبعهم بإحسان إلٰی یوم الدین ، أما بعد:

راقم الحروف نے زمانۂ طالب علمی میں ایک کتاب لکھی تھی: ''نور العینین في مسئلة رفع الیدین'' اللہ کے فضل وکرم سے اس کتاب کو اہلِ حق میں مقبولیت حاصل ہوئی اور بے شمار لوگ اسے پڑھ کر اہلِ سنت یعنی اہلِ حدیث ہوئے۔ والحمدللہ

بعض الناس کو اس کتاب سے اختلاف بھی ہوا اور بعض اہلِ بدعت نے اس کے خلاف کتابیں اور تحریرات بھی لکھیں، لیکن علمی میدان میں ان کا جوحشر ہوا وہ کسی صحیح العقیدہ، صاحبِ انصاف اور فریقین کی تحریروں پر واقف سے مخفی (پوشیدہ) نہیں ہے۔

حبیب اللہ ڈیروی دیوبندی، غلام مرتضٰی ساقی بریلوی اور فیصل خان بریلوی وغیرہم اپنی مہم میں سخت ناکام رہے اور اب ریحان جاوید دیوبندی کراچوی کی طرف سے ''قرۃ العینین بجواب نور العینین'' نامی کتاب شائع ہوئی ہے۔

ہمارے اس مضمون میں اس کتاب سے ریحان جاوید کے تیس (۳۰) جھوٹ باحوالہ و ردمع علمی فوائد پیشِ خدمت ہیں:

۱) نورالعینین میں رفع یدین کی پہلی اور صحیح ترین عظیم الشان دلیل کے بارے میں ریحان جاوید نے لکھا ہے:

''نمبرا: زبیر علی زئی نے بخاری کے الفاظ نقل کرنے میں ردوبدل کیا ہے۔'' (قرۃ...ص۲۴)

عرض ہے کہ نورالعینین میں اس حدیث کی تخریج درج ذیل ہے:

''صحیح بخاری ج۱ص۱۰۲ ح ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۸ صحیح مسلم ج۱ص ۱۶۸ ح ۳۹۰ مشکوٰۃ

المصابیح/اضواء المصابیح:۷۹۳۰واللفظ لہ'' (ص۶۴)

یعنی راقم الحروف نے مشہور درسی کتاب مشکوٰۃ المصابیح کے بیان کردہ الفاظ لکھے ہیں اور مشکوٰۃ میں یہ حدیث اسی طرح لکھی ہوئی ہے جس طرح کہ نورالعینین میں ہے۔

(دیکھئے مشکوٰۃ المصابیح درسی نسخہ ص۷۵ح ۷۹۳ سطر ۱۷۔۱۸، سلیم اللہ خان دیوبندی کی نفحات التنقیح ج۲ص۳۹۸)

لہٰذا ''ردوبدل'' کاالزام جھوٹ اور باطل ہے۔دوسرے یہ کہ عن ابیہ اور عن ابن عمر کا یہاں مطلب ایک ہی ہے۔

۲) نورالعینین کی دوسری حدیث کے بارے میں ریحان جاوید نے لکھا ہے:

''حوالہ نقل کرنے میں زبیرعلی زئی کی خیانت'' (قرہ...ص۲۶)

عرض ہے کہ یہ حدیث بھی مشکوٰۃ سے منقول ہے اور بعینہ اسی طرح مشکوٰۃ میں موجود ہے۔ (مشکوٰۃ ص۷۵ح ۷۹۴ سطر ۱۹۔۲۱، مظاہرحق جدید ج۱ص ۵۲۸۔۵۲۹)

لہٰذا خیانت کا الزام جھوٹ ہے۔رہا امام بخاری کا صحیح بخاری میں یہ قول کہ ''اسے حماد بن سلمہ نے ایوب عن نافع عن ابن عمر کی سند سے مرفوع بیان کیا ہے اور ابن طہمان نے ایوب وموسیٰ بن عقبہ سے مختصراً (ص کی زبر کے ساتھ) بیان کیا ہے'' تو یہ کوئی مضر نہیں اور نہ صحیح بخاری کی حدیث کے ضعیف ہونے کی دلیل ہے۔مختصراً سے اگر موقوف بھی مراد لیا جائے تو یہ قطعاً مضر نہیں، کیونکہ یہ حدیث مرفوعاً بھی صحیح ہے اور موقوفاً بھی صحیح ہے۔اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ''یہ صرف سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا اپنا عمل ہے اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ (قول وعمل) نہیں ہے۔'' بعض اوقات ایک ہی حدیث کو مختلف ثقہ راوی مرفوع اور موقوف دونوں طرح بیان کردیتے ہیں اور وہ حدیث دونوں طرح صحیح ہوتی ہے۔

عینی حنفی نے ایک حدیث (جس کے مرفوع اور موقوف ہونے میں اختلاف ہے) کے بارے میں کہا: '' **الحکم للرافع لأنه زاد والراوي قدیفتی بالشيً ثم یرویه مرة أخری و یجعل الموقوف فتوی فلا یعارض المرفوع** '' فیصلہ اسی کے حق میں ہے جس نے (اسے) مرفوع بیان کیا ہے، کیونکہ اس نے زیادت بیان کی اور راوی

بعض اوقات کسی چیز پر فتویٰ دیتا ہے، پھر دوسری دفعہ اسے (مرفوع) روایت کر دیتا ہے اور موقوف کو فتویٰ بناتا (یا بنایا جاتا) ہے، لہٰذا اس کے ساتھ مرفوع سے معارضہ نہیں کیا جاتا۔

(عمدة القاری ج ۳ ص ۸۶ تحت ح ۱۹۳، باب وضوء الرجل مع امرأته وفضل وضوء المرأة)

ایک روایت موقوفاً و مرفوعاً دونوں طرح مروی ہے، اس کے بارے میں غالی حنفی قدوری نے کہا: "و ذلك لا يقدح فيه لأن الراوي يروي ثم يفتي" اور یہ اسے مجروح نہیں کرتا، کیونکہ راوی روایت بیان کرتا ہے، پھر (اس کے مطابق) فتویٰ دیتا ہے۔

(التجرید ج ۳ ص ۱۲۹۲، فقرہ: ۵۵۹۵)

ریحان جاوید نے سرفراز خان صفدر دیوبندی کے بارے میں غلو کرتے ہوئے لکھا ہے: "محقق العصر حضرت مولانا..." (قرہ... ص ۱۱۲)

لہٰذا عرض ہے کہ ریحان جاوید کے "محقق العصر" نے کہا ہے:

"پہلے گزرا ہے کہ روایت کے مرفوع و موقوف کے جھگڑے میں روایت مرفوع ہوتی ہے بشرطیکہ رواۃ ثقہ ہوں۔" (خزائن السنن ص ۴۰۵)

سرفراز خان نے لکھا ہے کہ "حدیث کے موقوف اور مرفوع ہونے کی صورت میں تمام محدثین کے نزدیک روایت موصول اور مرفوع ہی سمجھی جائیگی۔"

(احسن الکلام ج ۱ ص ۲۹۱، دوسرا نسخہ ج ۱ ص ۳۵۸)

اگر ریحان جاوید کا یہ خیال ہے کہ "صحیح بخاری کی حدیث مذکور کا مرفوع ہونا صحیح نہیں، بلکہ یہ حدیث صرف موقوف ہے" تو یہ خیال باطل ہے، بلکہ (زمانۂ تدوینِ حدیث کے بعد) صحیح بخاری کی حدیث پر حملہ ہے اور منکرینِ حدیث اسی طرح صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی احادیث پر حملے کرتے ہیں۔

سرفراز خان صفدر نے کہا ہے: "صحیحین میں جو روایات ہیں وہ تو صحیح ہیں لیکن صحیح روایات کا صحیحین میں حصر نہیں" (خزائن السنن ص ۳۶۱، حصہ دوم ص ۱۱۱)

خیر محمد جالندھری دیوبندی نے اپنی دیوبندی تحقیق کو درج ذیل الفاظ میں لکھا ہے

”پہلی قسم وہ کتابیں ہیں جن میں سب حدیثیں صحیح ہیں۔ جیسے موطا امام مالک۔ صحیح بخاری۔ صحیح مسلم۔ صحیح ابن حبان ...“ (خیر الاصول ص ۶، آثار خیر ص ۱۲۳)

معلوم ہوا کہ صحیح بخاری کی حدیثوں کو ضعیف و مضطرب سمجھنے والا دیوبندی اپنے دیوبندی اکابر کا باغی ہے۔!

۳) ابو اسحاق محمود بن اسحاق بن محمود بن منصور الخزاعی البخاری القواس رحمہ اللہ (متوفی ۳۳۲ھ) کے بارے میں ریحان جاوید نے لکھا ہے: ”اور یہ جھوٹ بھی بولتا ہے“

(قرہ... ص ۳۱)

اور مزید لکھا ہے: ”محمود بن اسحٰق الخزاعی کی روایت سے ہے جو کہ مجہول ہے بلکہ کذاب ہے۔“ (قرہ... ص ۱۳۳)

عرض ہے کہ ہمارے علم کے مطابق کسی مستند امام یا ثقہ عالمِ دین نے محمود بن اسحاق کو کذاب نہیں کہا، لہٰذا ریحان جاوید نے جھوٹ بولا ہے۔

میرے علم کے مطابق محمود بن اسحاق رحمہ اللہ کے پانچ شاگرد ہیں:

۱: ابو نصر محمد بن احمد بن محمد بن موسیٰ الملاحمی البخاری رحمہ اللہ (ثقہ) متوفی ۳۹۵ھ

۲: ابو العباس احمد بن محمد بن الحسین بن اسحاق الضریر الرازی رحمہ اللہ (ثقہ حافظ) توفی ۳۹۹ھ

۳: امام ابو الفضل احمد بن علی بن عمرو بن حمد (احمد) بن ابراہیم بن یوسف السلیمانی البیکندی البخاری رحمہ اللہ توفی ۴۰۴ھ (دیکھئے جزء رفع الیدین بتحقیقی / مقدمہ ص ۱۴)

۴: ابو بکر محمد بن ابراہیم بن یعقوب الکلاباذی البخاری رحمہ اللہ (لعلہ حنفی) متوفی ۳۸۰ھ

(بحر الفوائد / معانی الاخیار: ۶۴...)

۵: ابو نصر احمد بن محمد بن الحسن بن حامد بن ہارون بن المنذر بن عبد الجبار النیازکی الکرمینی رحمہ اللہ۔ متوفی ۳۷۹ھ (الانساب للسمعانی ۵۴۸/۵، النیازکی)

پانچ شاگردوں کی روایات کے بعد محمود بن اسحاق رحمہ اللہ کو مجہول العین کہنا باطل ہے۔

دیوبندیوں کے ''شیخ الاسلام'' محمد تقی عثمانی نے ایک راوی ابو عائشہ (جس کے دو شاگرد تھے: مکحول اور خالد بن معدان) کے بارے میں کہا: ''اور اصولِ حدیث میں یہ بات طے ہو چکی ہے کہ جس شخص سے دو راوی روایت کریں اسکی جہالت مرتفع ہو جاتی ہے، لہٰذا جہالت کا اعتراض درست نہیں اور یہ حدیث حسن سے کم نہیں۔'' (درس ترمذی ج ۲ ص ۳۱۵۔۳۱۶)

تھانوی اور امین اوکاڑوی کی پسندیدہ کتاب کے مصنف احمد حسن سنبھلی نے ایک راوی کے بارے میں لکھا ہے:

''پس دو شخصوں نے جب ان سے روایت کی تو جہالت مرتفع ہوگئی سُو یہ معروف شمار ہوں گے جیسا کہ یہ قاعدہ اصولِ حدیث میں ثابت ہو چکا ہے...'' (اجوبۃ اللطیفہ ص ۱۸۔۱۹)

معلوم ہوا کہ دیوبندی اصول کی رُو سے بھی محمود بن اسحاق الخزاعی رحمہ اللہ کو مجہول کہنا غلط ہے۔

☆ ۱: حافظ ابن حجر العسقلانی نے محمود بن اسحاق کی بیان کردہ ایک روایت کو حسن قرار دیا۔ (دیکھئے موافقۃ الخبر الخبر ج ۱ ص ۴۱۷)

یہ (حسن یا صحیح قرار دینا) توثیق ہے۔ (دیکھئے نصب الرایہ ۱/۱۴۹، ۳/۲۶۴)

۲: زیلعی حنفی نے کہا: ''**قال البخاري في كتابه في رفع اليدين : و كذلك يروى حديث الرفع عن جماعة من الصحابة منهم أبو قتادة و أبو أسيد و محمد بن مسلمة البدري و سهيل بن سعد الساعدي و عبد الله بن عمر وابن عباس و أنس بن مالك و أبو هريرة و عبد الله بن عمرو بن العاص و عبد الله بن الزبير و وائل بن حجر و مالك بن الحويرث و أبو موسى الأشعري و أبو حميد الساعدي . انتهى**'' (نصب الرایہ ۱/۴۱۶)

یہ عبارت بعض اختلاف کے ساتھ جزء رفع الیدین (تحقیقی ص ۳۳ ح ۱) میں موجود ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ زیلعی کے نزدیک محمود بن اسحاق ثقہ تھے، ورنہ انھوں نے جزء رفع الیدین کی عبارات کو بطورِ جزم کیوں بیان کیا؟!

۳: عینی حنفی نے امام بخاری کا کلام جزء رفع الیدین سے بطورِ جزم نقل کیا۔

(دیکھئے عمدۃ القاری ۲۷۲/۵ تحت ح ۷۳۵ باب رفع الیدین فی التکبیرۃ الاولیٰ مع الافتتاح سواء)

۴: ابن الملقن نے امام بخاری کا کلام جزء رفع الیدین سے بصیغۂ جزم نقل کیا۔

(دیکھئے البدر المنیر ج ۳ ص ۴۷۷۔۴۷۸)

۵: علامہ نووی شافعی نے امام بخاری کا کلام اور جزء رفع الیدین کے حوالے بطورِ جزم نقل کئے۔ (مثلاً دیکھئے المجموع شرح المہذب ج ۳ ص ۳۹۹، ۴۰۱)

۶: زرقانی مالکی نے بھی جزء رفع الیدین للبخاری سے امام بخاری کا کلام بطورِ جزم نقل کیا۔ (دیکھئے شرح الزرقانی علی الموطأ ج ۱ ص ۱۵۸ تحت ح ۱۶۰)

۷: امام بیہقی نے امام بخاری کی کتاب جزء القراءۃ سے عبارات بطورِ جزم نقل کیں اور یہ کتاب بھی محمود بن اسحاق کی سند سے مروی ہے۔

(دیکھئے کتاب القراءت خلف الامام للبیہقی ص ۵۸۔۵۹، ۷۰ طبع دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

۸: ابن سید الناس الیعمری نے (جزء رفع الیدین سے) امام بخاری کے اقوال و روایات کو بطورِ جزم نقل کیا۔ (دیکھئے النفح الشذی شرح جامع الترمذی ج ۴ ص ۳۹۸۔۳۹۹)

۹: ابن رجب حنبلی نے بھی امام بخاری کے کلام کو بطورِ جزم نقل کیا۔

(فتح الباری لابن رجب ۳۰۴/۴، ۳۰۸ بحوالہ المکتبہ الشاملہ)

۱۰: غالی حنفی ملا علی قاری نے بھی جزء رفع الیدین سے امام بخاری کا کلام بطورِ جزم نقل کیا۔ (دیکھئے الاسرار المرفوعہ ص ۲۷۴ فصل ۳۸)

ان کے علاوہ اور بھی بہت سے حوالے ہیں، مثلاً نیموی تقلیدی نے امام بخاری کی جزء رفع الیدین سے ایک ضعیف روایت نقل کی اور کہا: ''و إسناده صحیح'' اور اس کی سند صحیح ہے۔ (دیکھئے آثار السنن: ۶۳۵)

حافظ ابن حجر کا محمود مذکور کی حدیث کو حسن کہنا اور مذکورہ وغیر مذکورہ علماء کا جزء رفع الیدین و کتاب القراءۃ کو بطورِ جزم ذکر کرنا تلقی بالقبول ہے اور غالباً اسی وجہ سے یمن (عرب) کے مشہور عالم مولانا عبدالرحمٰن بن یحییٰ المعلمی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''إذا کان أهل العلم قد

وثقوهماوثبتوهما و لم يتكلم أحد منهم فيهما ... ''جب اہلِ علم نے ان دونوں (محمود بن اسحاق اور احمد بن محمد بن الحسین الرازی) کو ثقہ اور ثبت قرار دیا اور کسی ایک نے بھی ان پر جرح نہیں کی... (التنکیل بمانی تأنیب الکوثری من الاباطیل ج۱ص ۱۷۵ت ۳۴۲)

اس تلقی بالقبول اور توثیق کے باوجود ریحان جاوید (؟؟) نے محمود بن اسحاق رحمہ اللہ کو مجہول اور کذاب لکھ دیا ہے۔!

۴) ریحان جاوید نے استاذ محترم ابو محمد بدیع الدین شاہ الراشدی السندھی رحمہ اللہ کا اپنے دیو بندی رنگ میں ذکر کرتے ہوئے صحیح ابی عوانہ کی ایک روایت کے بارے میں لکھا ہے:

''...مولانا سید بدیع الدین السندھی ... نے ابوعوانہ کے نسخہ کی یہ عبارت جس میں ''واؤ'' موجود نہیں ہے نقل کی ہے اور اس نسخہ کو صحیح قرار دیا ہے'' الخ (قرہ...ص ۳۵)

عرض ہے کہ شیخ محترم کے نسخے میں واو موجود ہے۔ (دیکھئے نور العینین ص ۷۹)

لہٰذا ریحان جاوید نے جھوٹ بولا ہے۔

۵) ریحان جاوید نے ثقہ عند الجمہور راوی عبدالاعلیٰ بن عبدالاعلیٰ کے بارے میں نمبر ۳ کے تحت امام ابن معین کی جرح نقل کی ہے:

''(۳) امام ابن معینؒ فرماتے ہیں، کہ'' و غمزوا يوسف بكذب و اسمه السمتي''

(قرہ...ص ۵۰ بحوالہ تاریخ صغیر للبخاری ص ۲۱۰، ہمارا نسخہ ص ۲۰۴)

عرض ہے کہ عبارتِ مذکورہ میں عبدالاعلیٰ بن عبدالاعلیٰ پر کوئی جرح نہیں بلکہ یوسف بن خالد السمتی (حنفی / دیکھئے حدائق الحنفیہ ص ۱۵۶) پر جرح کی گئی ہے اور جرح کے الفاظ درج ذیل ہیں: ''و كان يوسف يكذب'' اور یوسف جھوٹ بولتا تھا۔

(تاریخ ابن معین، روایۃ الدوری ۱/۱۵۰ ت ۹۳۲)

''يوسف بن خالد السمتي زنديق كذاب ، لا يكتب عنه شئ''

(تاریخ ابن معین، روایۃ الدوری ۲/۱۰۷ ت ۳۵۵۶)

عبدالاعلیٰ پر امام ابن معین نے جرح نہیں کی بلکہ فرمایا: ''عبد الأعلى بن عبدالأعلى ثقة''

(تاریخ ابن معین، روایۃ الدوری ۶۶/۲ ت ۳۲۵۳، کتاب الجرح والتعدیل ۲۸/۶ وسندہ صحیح)

ریحان جاوید نے یہ چالاکی کرنے کی کوشش کی ہے کہ یوسف بن خالد السمتی پر امام ابن معین رحمہ اللہ کی جرح کو عبدالاعلیٰ بن عبدالاعلیٰ پر فٹ کر دیا ہے اور آخرت کے خوف سے بے پروا ہو کر لکھا ہے: ''امام یحیٰ بن معینؒ کا حوالہ دینا غلط ہے کیونکہ پہلے امام ابن معینؒ کا حوالہ اس راوی کی جرح میں گزر چکا ہے (تاریخ صغیر ص ۲۰۴) لہذا امام ابن معینؒ کا حوالہ پیش نہیں کیا جا سکتا'' (قرہ... ص ۵۵)

اس کا یہی جواب ہے کہ '' إذا لم تستح فافعل ماشئت ''

اگر تجھ میں حیا نہیں تو (دنیا میں) جو مرضی ہے کرتا جا۔ (دیکھئے صحیح بخاری: ۳۴۸۳)

کیا ''جامعہ عربیہ احسن العلوم کراچی'' میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں جو ریحان جاوید کو سمجھائے کہ جھوٹ نہ بولو، یوسف بن خالد السمتی کی جرح کو عبدالاعلیٰ بن عبدالاعلیٰ پر فٹ نہ کرو۔ آخر ایک دن مر کر اللہ تعالیٰ کے دربار میں بھی حاضر ہونا ہے، اس وقت کیا جواب دو گے؟!

۶) ریحان جاوید نے عبدالاعلیٰ بن عبدالاعلیٰ کے بارے میں لکھا ہے:

''(۸) امام عقیلیؒ نے اس راوی کو ضعفاء میں شمار کیا ہے اور اس پر جرح بھی کی ہے۔ (الضعفاء الکبیر ج ۳ ص ۵۸، ۵۹)'' (قرہ... ص ۵۱)

عرض ہے کہ امام عقیلی نے عبدالاعلیٰ مذکور کو کتاب الضعفاء میں ذکر کیا، لیکن ان پر کوئی جرح نہیں کی بلکہ امام احمد بن حنبل کا قول نقل کیا: '' کان یری القدر '' (اس کی سند امام احمد تک صحیح ہے) اور محمد بن بشار: بندار سے نقل کیا: '' واللہ ما کان یدري عبدالأعلی ابن عبدالأعلی أن طرفیه أطول أو أن رجلیه أطول '' (اس کی سند میں محمد بن احمد غیر منسوب ہے اور اگر اس سے مراد محمد بن احمد بن حماد الدولابی ہے تو قولِ راجح میں وہ ضعیف ہے۔ (اس پر جرح کے لئے دیکھئے دیوان الضعفاء للذہبی ۲/ ۲۷۷، میزان الاعتدال ۳/ ۴۵۹)

ثابت ہوا کہ ریحان جاوید نے امام عقیلی پر جھوٹ بولا ہے۔

عبدالاعلیٰ بن عبدالاعلیٰ: عبدالاعلیٰ بن عبدالاعلیٰ پر ریحان جاوید کی جرح کا جائزہ درج

ذیل ہے:

حافظ ذہبی نے فرمایا: " ثقة لكنه قدري " (الکاشف ۱۳۰/۲ ت ۳۱۱۸)

اس کے مقابلے میں "یأتي له ما ینکر" کو افراد (یعنی بعض منفرد روایات) پر محمول کیا جائے گا یا پھر دونوں اقوال باہم متعارض ہو کر ساقط ہو جائیں گے۔

ریحان جاوید نے المغنی فی الضعفاء کے حوالے سے لکھا ہے:

"اور امام ذہبیؒ نے اس کو ضعفاء میں شمار کیا ہے" (قرہ...ص ۵۰)

حالانکہ حافظ ذہبی نے کہا: "صدوق ، قال ابن سعد : لم یکن بالقوي ، قلت : ورمي بالقدر " (المغنی فی الضعفاء ۵۸۲/۱ ت ۳۴۴۵)

صدوق کے لفظ کو چھپانا اور حافظ ذہبی کو بحوالہ المغنی عبدالاعلیٰ کے جارحین میں شامل کرنا بہت بڑا دھوکا ہے۔ (نمبر ۲، نمبر ۳ ساقط ہوئے)

نمبر ۵ اور نمبر ۷ کے تحت ریحان جاوید نے امام احمد بن حنبل کا قول نقل کیا ہے کہ عبدالاعلیٰ قدری ہے (ملخصاً) حالانکہ یہ دو علیحدہ اقوال نہیں بلکہ ایک ہی قول ہے اور جمہور کی توثیق کے بعد راوی کا قدری وغیرہ ہونا کوئی جرح نہیں ہے۔

خود امام احمد بن حنبل نے فرمایا: وہ (عبدالاعلیٰ) جو حافظے سے بیان کریں تو اس میں تخلیط ہے اور جو کتاب سے بیان کریں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، وہ یونس (بن عبید) کی حدیث کو قرآن کی سورت کی طرح یاد رکھتے تھے۔ (سوالات ابی داود ص ۳۴۶ فقرہ: ۵۳۰)

ثابت ہوا کہ امام احمد جارحین میں نہیں بلکہ موثقین میں ہیں، لہٰذا نمبر ۵ اور نمبر ۷ ختم ہوئے۔

نمبر ۶ کے تحت ریحان جاوید نے تہذیب الکمال اسے حافظ ابن حبان کا قول نقل کیا:

"کان قدریاً غیر داعیة " (قرہ...ص ۱۵)

حالانکہ تہذیب الکمال میں بحوالہ ابن حبان لکھا ہوا ہے کہ " کان متقناً فی الحدیث، قدریاً غیر داعیة إلیه " وہ حدیث میں ثقہ تھے، وہ قدری تھے (لیکن) اس کی طرف دعوت نہیں دیتے تھے۔ (۳۳۶/۴)

ثابت ہوا کہ ابن حبان موثقین میں ہیں، جارحین میں نہیں ہیں، لہٰذا ان کی توثیقی عبارت چھپا کر ریحان جاوید نے دھوکا دیا ہے۔

نمبر ۹ کے تحت ریحان جاوید نے لکھا ہے کہ ''امام ابن العماد حنبلیؒ نے بھی اس راوی پر ائمہ سے جرح نقل کی ہے۔ (شذرات الذہب ج۱ص۳۲۴)'' (قرہ...ص۵۱)

عرض ہے کہ ابن العماد نے ابن سعد اور بندار کی جرح نقل کی (بندار کی جرح ثابت ہی نہیں) اور ذہبی و ابن ناصر الدین سے توثیق نقل کی اور خود کہا: ''أحد علماء الحدیث''

لہٰذا ابن العماد کو عبدالاعلیٰ کے جارحین میں ذکر کرنا غلط ہے۔

ریحان جاوید نے دسواں حوالہ بندار کا شذرات الذہب سے پیش کیا ہے، حالانکہ یہ حوالہ ثابت ہی نہیں، لہٰذا کل جرح جو باقی بچی ہے: اعدد (ابن سعد)

اس کے مقابلے میں امام یحییٰ بن معین، امام ابوزرعہ الرازی، امام عجلی اور جمہور محدثین نے عبدالاعلیٰ کو ثقہ وصدوق قرار دیا ہے، لہٰذا معترض کی جرح باطل ہے۔

ریحان جاوید نے قدری ہونے کی بحث بھی چھیڑی ہے اور قدریہ کے بارے میں لکھا ہے کہ ''یہ لوگ اسلام سے خارج ہیں'' (قرہ...ص۵۳)

قتادہ بن دعامہ ایک راوی ہیں، جن کے بارے میں ریحان جاوید کے ''محقق العصر'' سرفراز خان صفدر نے کہا: ''اس لیے کہ قتادہ قدری تھے جو معتزلہ کی شاخ ہے''

(خزائن السنن ص۵۱۲ ج۳ص۵۶)

اور لکھا: ''وہ فن حدیث میں الحافظ العلامہ تھے (تذکرۃ الحفاظ ج۱ص 115) لیکن اس کے ساتھ قدری یعنی منکر تقدیر بھی تھے۔'' (سماع الموتیٰ ص۲۱۲)

اور لکھا ہے: ''امام الجرح والتعدیل یحییٰ بن سعیدؒ ان کو چوٹی کا (بدعتی) قدری کہتے تھے۔ (تہذیب التہذیب ج۸ص۳۵۳)'' (المسلک المنصور فی رد الکتاب المسطور ص۹۷)

قتادہ نے ایک حدیث بیان کی ہے: ''وإذا قرأ فأنصتوا'' (صحیح مسلم ج۱ص۱۷۴)

اس حدیث کے بارے میں سرفراز خان صفدر نے لکھا ہے: ''اس صحیح روایت سے

معلوم ہوا کہ...'' (احسن الکلام ج ۱ ص ۱۸۹، دوسرا نسخہ ج ۱ ص ۲۳۵)

ثابت ہوا کہ (جمہور کے نزدیک ثقہ وصدوق) قدری راوی کی روایت بھی آلِ دیوبند کے نزدیک صحیح ہوتی ہے، لہٰذا ریحان جاوید کا عبدالاعلیٰ بن عبدالاعلیٰ (ثقہ عند الجمہور) پر قدری کی جرح کرنا باطل ومردود ہے۔

۷) ریحان جاوید نے لکھا ہے: ''مشہور غیر مقلد عالم محمد یحییٰ گوندلوی'' (جن کو زبیر علی زئی صاحب نے شیخ الاسلام کا لقب دیا ہے (نور العینین ص ۵۶) نے سفیان ثوریؒ کو طبقہ ثانیہ میں ذکر کیا ہے نیز فرماتے ہیں کہ'' اگرچہ امام ثوریؒ مدلس تھے مگر ان کی تدلیس مضر نہیں۔ (خیر البراہین ص ۲۶)'' (قرہ... ص ۴۳)

راقم الحروف نے نور العینین کے مذکورہ صفحے پر مولانا محمد یحییٰ گوندلوی رحمہ اللہ کو نہیں بلکہ حافظ محمد (اعظم بن میاں فضل الدین) گوندلوی رحمہ اللہ کو'' شیخ الاسلام حافظ گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ'' لکھا ہے۔ (دیکھئے نور العینین ص ۵۷، طبع اول ص ۳۸)

اور ساتھ ہی حافظ گوندلوی رحمہ اللہ کی کتاب ''التحقیق الراسخ...'' کا ذکر کر دیا ہے۔

تنبیہ: میرے علم کے مطابق مولانا محمد یحییٰ گوندلوی رحمہ اللہ حافظِ قرآن نہیں تھے۔ واللہ اعلم

ثابت ہوا کہ عبارتِ مذکورہ میں ریحان جاوید نے صریح جھوٹ بولا ہے۔

فائدہ: مولانا محمد یحییٰ گوندلوی رحمہ اللہ نے امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کی تدلیس کے بارے میں اپنی عبارت سے درج ذیل الفاظ میں رجوع کر لیا تھا:

''راقم نے خیر البراہین میں لکھا تھا کہ سفیان کی تدلیس مضر نہیں بگر بعد ازاں تحقیق سے معلوم ہوا کہ مضر ہے۔'' (ضعیف اور موضوع روایات طبع ثانی ۲۰۰۶ء حاشیہ ص ۲۵۹، بگر کے بجائے مگر صحیح ہے)

رہا عبدالرشید انصاری صاحب کی کتاب ''جرابوں پر مسح'' (ص ۴۰) کا حوالہ، تو عرض ہے کہ راقم الحروف نے بہت عرصہ پہلے اس سے علانیہ رجوع کر رکھا ہے۔

دیکھئے ماہنامہ شہادت اسلام آباد (اپریل ۲۰۰۳ء ص ۳۹)، ماہنامہ الحدیث حضرو (عدد ۴۲ ص ۲۷۔۲۹) اور نور العینین (طبع جدید ص ۳۴۶۔۳۴۷)

لہٰذا معترض کا منسوخ عبارت پیش کر کے اعتراض کرنا باطل ہے۔

حبیب اللہ ڈیروی دیوبندی نے لکھا ہے کہ ''کتنی زبردست جسارت ہے اور خیانت و تلبیس ہے کہ جو رسالہ منسوخ ہے اس کا مصنف اس عمل سے رجوع کر چکا ہے اس کی تشہیر کی جا رہی ہے'' (نور الصباح حصہ دوم ص ۲۴)

۸ تا ۱۱) صحیح مسلم میں سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، جس میں **أذناب خیل شمس** اور **اسکنوا فی الصلوٰۃ** وغیرہ الفاظ آتے ہیں، اس حدیث کے بارے میں ریحان جاوید نے لکھا ہے:

''اور اس مسلم شریف کی حدیث سے مندرجہ بالا محدثین و فقہاء نے استدلال کیا ہے

(۱) امام الائمہ المحدث الفقیہ ابوحنیفہؒ م ۱۵۰ھ

(۲) امام سفیان ثوریؒ م ۱۶۱ھ

(۳) امام ابن ابی لیلیٰ م ۱۴۸ھ

(۴) امام محدث فقیہ مالک بن انسؒ م ۱۷۹ھ'' (قرہ...ص ۷۸)

عرض ہے کہ ان چاروں اماموں میں سے کسی ایک امام نے بھی صحیح مسلم کی حدیث مذکور سے ترکِ رفع یدین پر قطعاً استدلال نہیں کیا، لہٰذا عبارت مذکورہ میں ریحان جاوید نے ان چاروں اماموں پر صریح جھوٹ بولا ہے۔

تنبیہ: ریحان جاوید نے نادانستہ یا دانستہ ''مندرجہ ذیل'' یعنی درج ذیل کے بجائے ''مندرجہ بالا'' کے الفاظ لکھ دیئے ہیں، جو اردو زبان پر ریحان کی ''مہارت'' کا منہ بولا ثبوت ہیں۔!

فائدہ: ادارہ ''قافلۂ باطل'' کے کسی مجہول شخص نے ریحان جاوید سے پہلے ان چاروں اماموں کی طرف منسوب کیا کہ انھوں ''نے ترک رفع یدین پر استدلال کیا''

(قافلہ ج ۳ شمارہ: ۱ ص ۵)

اس کا رد ماہنامہ الحدیث حضرو (عدد ۵۹ ص ۳۷) میں چھپ چکا ہے اور عبارتِ مذکورہ

کو ''الیاس گھمن کے ''قافلۂ حق'' کے پچاس (۵۰) جھوٹ'' کے اندر شامل کیا گیا ہے، جس کا جواب ابھی تک (ہمارے علم کے مطابق) نہیں آیا۔ اگر ریحان جاوید اپنے آپ کو چار مذکورہ جھوٹے حوالوں سے بچانا چاہتے ہیں تو مذکورہ چاروں اماموں سے صحیح سند کے ساتھ حدیثِ مذکور سے ترکِ رفع یدین کا استدلال پیش کریں۔!

۱۲) ریحان جاوید نے لکھا ہے:

''امام اعظمؒ سے ابوعصمہؒ نے دریافت کیا کہ اہل اہوا سے روایت کے بارے میں آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ جواب میں فرمایا کہ سب اہل اہواء سے روایت لے سکتے ہو بشرطیکہ وہ عادل ہوں، لیکن شیعہ سے روایت نہ لینا، کیونکہ ان کے عقیدے کی عمارت حضور ﷺ کے صحابہ کی تذلیل پر ہے۔ (الکفایہ فی علوم الروایہ ص ۱۳۶، بحوالہ حق و باطل کی پہچان...''

(قرہ...ص ۹۴)

اس روایت کا ایک راوی عمر بن ابراہیم (بن خالد الکردی) ہے۔

(الکفایہ ص ۱۲۶، دوسرا نسخہ ۱/۳۸۲ ح ۳۳۸)

عمر بن ابراہیم کے بارے میں امام دارقطنی نے فرمایا:

''**یضع الأحادیث** '' وہ حدیثیں گھڑتا تھا۔ (سنن دارقطنی ج ۳ ص ۵ ح ۲۷۸۱)

حافظ ذہبی نے فرمایا: ''**کذاب** '' جھوٹا۔ (المغنی فی الضعفاء ۲/۱۰۹ ت ۴۴۱۸)

اس کے علاوہ باقی سند بھی مردود ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ روایت جھوٹی (موضوع) ہے۔

امین اوکاڑوی دیوبندی نے کہا: ''جھوٹوں کی روایات جھوٹے پیش کرتے ہیں۔''

(فتوحات صفدر ۱/۴۲۶، دوسرا نسخہ ۱/۳۸۸)

۱۳) ریحان جاوید نے عبدالحمید بن جعفر رحمہ اللہ کے بارے میں لکھا ہے:

''(۲۹) ابن ابی حاتم رازیؒ نے اپنے والد سے عبدالحمید بن جعفر کو مضطرب الحدیث نقل کیا ہے۔ (علل الحدیث لابن ابی حاتم رازی ج ۱ ص ۱۷۴)'' (قرہ...ص ۱۰۳)

عرض ہے کہ علل الحدیث لابن ابی حاتم ج ۱ ص ۱۷۴ (ہمارے نسخے) پر عبدالحمید بن

جعفر کا ذکر ہی نہیں اور ج ۱ ص ۱۳۴ (ح ۳۷۰) پر ذکر ہے، لیکن امام ابوحاتم الرازی نے عبدالحمید بن جعفر کو مضطرب الحدیث قطعاً نہیں کہا بلکہ دو سندوں (**عبدالحمید بن جعفر عن حسین بن عطاء بن یسار عن زید بن أسلم عن ابن عمر** اور **موسیٰ بن یعقوب الزمعي عن الصلت بن سالم عن مولی ابن عمر یعني زید بن أسلم عن عبد اللّٰه بن عمرو عن أبی الدرداء**) کو مضطرب کہا ہے۔ پہلی سند میں حسین بن عطاء بن یسار ہے جو ابوحاتم الرازی کے نزدیک منکر الحدیث ہے۔

(دیکھئے کتاب الجرح والتعدیل ۳/ ۶۱ ت ۲۷۳)

دوسری سند میں صلت بن سالم ہے جو ابوحاتم کے نزدیک منکر الحدیث ہے۔

(دیکھئے کتاب الجرح والتعدیل ۴/ ۴۳۷ ت ۱۹۱۶)

منکر الحدیث راویوں کی وجہ سے روایت مضطرب ہے، لیکن ریحان جاوید نے جھوٹ بولتے ہوئے اس جرح کو عبدالحمید بن جعفر پر فٹ کر دیا اور اپنی طرف سے ''مضطرب الحدیث'' کے الفاظ گھڑ کر امام ابوحاتم الرازی کی طرف منسوب کر دیئے۔!

حالانکہ عبدالحمید بن جعفر کے بارے میں امام ابوحاتم نے فرمایا: ''**محله الصدق**'' ان کا مقام سچائی ہے۔ (کتاب الجرح والتعدیل ۶/ ۱۰ ت ۴۶، علل الحدیث ۱/ ۳۸۲ ح ۱۱۴۰)

۱۴) ریحان جاوید نے عبدالحمید بن جعفر کے سلسلے میں لکھا ہے:

''امام ذھبیؒ نے بھی اسکو ضعفاء میں شمار کیا ہے اور اس پر جرح بھی کی ہے۔ (المغنی فی الضعفاء ج ۱ ص ۵۸۸، دیوان ضعفاء والمتروکین ج ۲ ص ۸۴)'' (قرہ... ص ۱۰۳)

عرض ہے کہ حافظ ذہبی نے فرمایا: ''**عبد الحمید بن جعفر المدني، صدوق. قال أبو حاتم: لا یحتج به. ضعفه القطان و فیه قدریة**''

(المغنی فی الضعفاء ۱/ ۵۸۸ ت ۳۴۸۵)

اور فرمایا: ''**عبدالحمید بن جعفر الأنصاري ثقة، ضعفه یحیی القطان ـ م عو**''

(دیوان الضعفاء والمتروکین ج ۲ ص ۸۴ ت ۲۳۸۹)

حافظ ذہبی نے ان دونوں کتابوں میں عبدالحمید بن جعفر پر کوئی جرح نہیں کی بلکہ ایک میں صدوق اور دوسری میں ثقہ قرار دیا، لہٰذا ریحان جاوید نے ''اور اس پر جرح بھی کی ہے'' لکھ کر جھوٹ بولا ہے۔

عبدالحمید بن جعفر پر معترض کی جرح اور اس کا جواب:

ریحان جاوید نے عبدالحمید بن جعفر کی بیان کردہ صحیح حدیث کو ضعیف ثابت کرنے کے لئے جو جرح پیش کی ہے، اس کا جائزہ درج ذیل ہے:

''(۲) امام ابوحاتم فرماتے ہیں ''لا یحتج به'' (میزان الاعتدال ج ۲ص ۵۳۹، المغنی ج ا ص ۵۸۸)''

عرض ہے کہ یہ جرح باسند صحیح نہیں ملی۔ (دیکھئے میری کتاب: تحقیقی...مقالات ج ا ص ۴۷۱)

لہٰذا یہ حوالہ مردود ہے۔

نمبر۴، اور نمبر۵ ایک ہی حوالہ ہے (یعنی یحییٰ بن سعید القطان کی تضعیف) لہٰذا اسے دو نمبروں میں ذکر کرنا غلط ہے۔ دوسرے یہ کہ تہذیب التہذیب میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ یحییٰ بن سعید القطان انھیں (عبدالحمید بن جعفر کو) ثقہ کہتے تھے۔ (ج ۶ ص ۱۱۲)

(۶) امام ابن حبان نے یہ نہیں فرمایا کہ عبدالحمید بن جعفر نے اکثر اوقات خطا کی ہے، بلکہ یہ فرمایا: ''أحد الثقات المتقنین ...'' وہ ثقہ متقن راویوں میں سے ایک ہیں۔

(صحیح ابن حبان ج ۵ ص ۱۸۴، قبل ح ۱۸۶۵)

اور انھیں ثقہ راویوں میں ذکر کر کے فرمایا:

''ربما أخطأ'' وہ بعض اوقات غلطی کرتے تھے۔ (کتاب الثقات ج ۷ ص ۱۲۲)

امام ابن حبان نے صحیح ابن حبان میں عبدالحمید بن جعفر سے سولہ (۱۶) روایات بیان کیں: ۱۲۲، ۲۴۰، ۴۰۴ [۴۰۵]، ۷۷۵ [۷۷۲]، ۱۸۶۵ [۱۸۶۲]، ۱۸۶۷ [۱۸۶۴]، ۱۸۷۰ [۱۸۶۷]، ۱۸۷۶ [۱۸۷۳]، ۲۱۲۶ [۲۱۲۳]، ۲۲۷۷ [۲۲۷۴]، ۲۵۷۸ [۲۵۶۹]، ۲۹۵۶ [۲۹۴۵]، ۴۹۲۷ [۴۹۱۶]، ۶۷۷۴ [۶۷۳۶]، ۶۸۴۰ [۶۸۰۱]، ۷۳۴۵ [۷۳۰۱]

نیز دیکھئے فہرست الاحسان (نسخہ محققہ) ج ۱۸ص ۱۶۲

[بریکٹوں والے نمبر پرانے نسخے کے ہیں۔]

ربما کا معنی ''بعض اوقات'' بھی ہے اور ''بسا اوقات'' بھی۔ (دیکھئے القاموس الوحید ص ۵۸۷)
یہاں پر صریح توثیق اور سولہ احادیث کی تصحیح کی روشنی میں اس کا ترجمہ صرف: بعض اوقات ہے، بسا اوقات نہیں اور ظفر احمد تھانوی دیوبندی نے ''ربما و هم'' یا ''في حديثه بعض الوهم'' کے بارے میں لکھا ہے کہ ''ليس بجرح مالم يكثر منه ذلك'' یہ جرح نہیں، جب تک اسے کثرت سے یہ (وہم وخطاء) نہ ہو۔ (اعلاء السنن ج ۷ص ۹۹ تحت ح ۱۸۳۵)
سرفراز صفدر نے لکھا ہے: ''یہ ٹھیک ہے کہ وہم اور خطا سے کوئی راوی نہیں بچ سکتا''
(احسن الکلام ج ۲ص ۶۳، دوسرا نسخہ ج ۲ص ۷۰)
ثابت ہوا کہ حافظ ابن حبان کو عبدالحمید بن جعفر کے جارحین میں ذکر کرنا غلط ہے، لہٰذا نمبر ۶ ختم ہوا۔

''(۷)...امام ترمذیؒ نے اس کی ایک روایت کو ''غیر اصح'' قرار دیا ہے۔'' (قرہ...ص ۱۰۰)
عرض ہے کہ امام ترمذی نے عبدالحمید بن جعفر کی حدیث کو ''حسن صحیح'' کہا۔ (ح ۳۰۴)
لہٰذا انھیں جارحین میں ذکر کرنا غلط ہے۔ امام ترمذی کا دو صحیح روایتوں میں سے ایک روایت کو عبدالحمید بن جعفر کی روایت سے اصح کہنا (ح ۳۱۲۵) اس کی دلیل نہیں کہ ان کے نزدیک عبدالحمید مذکور ضعیف یا مجروح تھے۔
ریحان جاوید کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ عبدالحمید بن جعفر کی درج ذیل احادیث کو امام ترمذی نے حسن صحیح، حسن غریب یا حسن قرار دیا ہے:
۳۰۴، ۳۱۸، ۳۲۴، ۱۱۲۷، ۲۲۲۸، ۲۸۷۶

نمبر (۸) کے تحت ریحان جاوید نے لکھا ہے:
''امام طحاویؒ نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے۔'' (قرہ...ص ۱۰۰)
عرض ہے کہ طحاوی نے عبدالحمید بن جعفر کو ضعیف نہیں کہا، بلکہ لکھا ہے: ''و أمـــــا

حديث عبدالحميد بن جعفر فإنهم يضعفون عبد الحميد فلا يقيمون به حجة فكيف يحتجون به في مثل هذا ''اور رہی عبدالحمید بن جعفر کی حدیث تو وہ لوگ عبدالحمید کو ضعیف کہتے ہیں، پس اس کے لئے حجت قائم نہیں کرتے، لہٰذا وہ اس جیسی (بات یا روایت) میں کس طرح اس سے حجت پکڑتے ہیں؟ (شرح معانی الآثار ۱/۲۲۷)

یہ سارا کلام الزامی ہے اور مجہول و نا معلوم لوگوں سے عبدالحمید پر جرح نقل کی گئی ہے، جبکہ دوسرے مقام پر عبدالحمید بن جعفر کی ایک روایت کے کلام کو طحاوی نے ''و هذا - عندنا - كلام صحيح '' کہا ہے۔ (شرح معانی الآثار ۱/۳۴۳ باب التطوع بعد الوتر)

اور ایک اور مقام پر عبدالحمید کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔

(ج ۳ ص ۲۱۹ باب بلوغ الصبی بدون الاحتلام)

لہٰذا طحاوی کو مطلقاً عبدالحمید بن جعفر کے جارحین میں ذکر کرنا محلِ نظر ہے۔

نمبر ۹ کے تحت مذکورہ عبارت میں قاضی شوکانی نے بغیر کسی سند کے امام ابن المنذر کا جو قول نقل کیا ہے، وہ کسی خاص روایت پر ہے، لہٰذا عبدالحمید بن جعفر نہ ابن المنذر کے نزدیک ضعیف ہیں اور نہ شوکانی کے نزدیک بلکہ شوکانی نے عبدالحمید بن جعفر کی ایک حدیث کو اپنی کتاب میں ذکر کیا اور ابن حبان سے اس کا محفوظ ہونا نقل کیا۔

(نیل الاوطار ج ۲ ص ۱۸۴۔۱۸۵)

لہٰذا نمبر ۹ اور نمبر ۱۰ بھی غلط ہے۔

نمبر ۱۱ کے تحت ابن القیم کو عبدالحمید کے جارحین میں ذکر کرنا اس وجہ سے غلط ہے کہ خود ابن القیم نے کہا: ''حديث أبي حميد هذا حديث صحيح متلقى بالقبول لا علة له '' ابوحمید (رضی اللہ عنہ) کی یہ حدیث صحیح ہے، اسے تلقی بالقبول حاصل ہے، اس میں کوئی علت (قادحہ) نہیں۔ (تہذیب سنن ابی داود ج ۲ ص ۴۱۶)

جب خود انھوں نے صحیح کہہ کر توثیق کر دی ہے تو یحییٰ القطان اور سفیان ثوری کی جرح نقل کرنا مجرد نقل ہے اور ابن القیم کی جرح نہیں ہے۔

ریحان جاوید نے نمبر۱۲ کے تحت حافظ ابن حجر کو بھی مجمل اور غیر واضح کلام کی وجہ سے عبدالحمید کے جارحین میں ذکر کیا ، حالانکہ حافظ ابن حجر العسقلانی نے عبدالحمید بن جعفر کی حدیث رفع الیدین کے بارے میں فرمایا:" **هذا حديث صحيح** " یہ حدیث صحیح ہے۔

(نتائج الافکار فی تخریج احادیث الاذکار ۲/ ۱۲۸)

لہٰذا حافظ ابن حجر کو جارحین میں ذکر کرنا غلط ہے۔

تنبیہ: رمی بالقدر اور ربما وہم کی تشریح کے لئے دیکھئے ریحان جاوید کا جھوٹ نمبر ۶ ، اور ریحان جاوید کا جھوٹ نمبر ۱۴، عبدالحمید بن جعفر پر معترض کی جرح اور اس کا جواب (فقرہ:۶)

ریحان جاوید نے مولانا شمس الحق عظیم آبادی رحمہ اللہ (چودہویں صدی ہجری کے ایک اہلِ حدیث عالم) کے حوالے سے امام عجلی کو بھی جارحین میں ذکر کیا ہے، حالانکہ امام عجلی سے یہ جرح باسند صحیح ثابت نہیں، لہٰذا یہ حوالہ غلط ہے۔

ریحان جاوید نے مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ (چودھویں صدی ہجری کے ایک اہلِ حدیث عالم) کو بھی عبدالحمید بن جعفر کے جارحین میں ''رمی بالقدر و ربما وہم'' کی وجہ سے ذکر کیا ہے، حالانکہ مبارکپوری رحمہ اللہ کے نزدیک توثیق کے بعد ''ربما وہم'' کے الفاظ مضر نہیں ہیں۔ دیکھئے ابکار المنن (بتحقیق ابی القاسم بن عبدالعظیم ص ۳۰۰)

لہٰذا انھیں جارحین میں ذکر کرنا غلط ہے۔

ریحان جاوید نے نمبر ۲۲ کے تحت امام ابن عدی کو بھی عبدالحمید بن جعفر کے جارحین میں ذکر کیا ہے، حالانکہ ابن عدی نے فرمایا:" **و أرجو أنه لا بأس به وهو ممن يكتب حديثه** " اور مجھے امید ہے کہ ان کے ساتھ کوئی حرج نہیں اور وہ ان میں سے ہیں جن کی حدیث لکھی جاتی ہے۔ (الکامل ۵/ ۱۹۵۶، دوسرا نسخہ ۷/ ۵)

معلوم ہوا کہ ابن عدی کو جارحین میں ذکر کرنا غلط ہے۔

ریحان جاوید نے نمبر ۲۵ کے تحت ابوالقاسم (عبداللہ بن احمد بن محمود) البلخی (الکعبی م ۳۱۹) کی کتاب ''قبول الاخبار و معرفۃ الرجال'' سے عبدالحمید بن جعفر پر جرح نقل کی۔

یہ بلخی معتزلی تھا اور معتزلی مذہب کی طرف دعوت دیتا تھا۔ عبدالمؤمن بن خلف نے اسے کافر کہا۔ دیکھئے لسان المیزان (ج ۳ ص ۲۵۵، دوسرا نسخہ ج ۳ ص ۷۱۶۔۷۱۷)

اسے خطیب بغدادی اور ابن الجوزی وغیرہما نے بھی معتزلی کہا ہے۔

(دیکھئے تاریخ بغداد ۳۸۴/۹ ت ۴۹۶۸، المنتظم ۳۰۱/۱۳ ت ۲۲۹۶ وغیرہما)

اسے ابو حیان علی بن محمد بن العباس التوحیدی البغدادی (الضال الملحد / سیر اعلام النبلاء ۱۱۹/۱۷) کے سوا کسی نے بھی ثقہ نہیں کہا۔ حافظ ابن حجر نے فرمایا کہ یہ اس میں سے ہے جو ابو حیان التوحیدی پر طعن کیا جاتا ہے۔ (لسان المیزان ۲۵۶/۲، دوسرا نسخہ ۷۱۹/۳)

ریحان جاوید نے نمبر ۲۶ کے تحت امام ابوداود کو بھی جارحین میں ذکر کیا ہے، حالانکہ امام ابوداود سے عبدالحمید بن جعفر پر کوئی جرح ثابت نہیں اور سنن ابی داود میں انھوں نے عبدالحمید کی حدیث پر سکوت کیا ہے۔ (دیکھئے ح ۷۳۰)

ظفر احمد تھانوی دیوبندی نے امام ابوداود کے رسالے سے نقل کیا: ''**وما لم أذكر فيه شيئًا فهو صالح**'' اور میں جس کے بارے میں کوئی چیز بیان نہ کروں تو وہ صالح (اچھی) ہے۔ (اعلاء السنن ج ۱۹ ص ۸۳، نیز دیکھئے رسالۃ ابی داود الی اہل مکہ فی وصف سننہ ص ۲۹)

محمد تقی عثمانی نے کہا: ''اس کا جواب یہ ہے کہ ابوداودؒ کا سکوت صرف اس بات کی علامت ہے کہ وہ حدیث ابوداودؒ کے نزدیک قابلِ استدلال ہے۔'' (درس ترمذی ج ۱ ص ۶۹)

۱۵) ریحان جاوید نے نمبر ۲۷ کے تحت کتاب العلل (ج ۳ ص ۱۵۳) کے حوالے سے امام عبداللہ بن احمد بن حنبل کو بھی عبدالحمید کے جارحین میں ذکر کیا ہے، حالانکہ عبداللہ بن احمد نے کہا: ''**سمعت أبي يقول : سمعت يحيى يقول : كان سفيان يضعّف عبدالحميد بن جعفر قال أبي : عبدالحميد عندنا ثقة ثقة يعني أظنه من أجل القدر**'' میں نے اپنے ابا (احمد بن حنبل) سے سنا: میں نے یحییٰ (بن سعید القطان) سے سنا: سفیان (ثوری) عبدالحمید بن جعفر کو ضعیف قرار دیتے تھے، میرے ابا (احمد بن حنبل) نے کہا: عبدالحمید ہمارے نزدیک ثقہ ثقہ ہے، یعنی وہ (سفیان ثوری) اسے تقدیر کی

وجہ سے (ضعیف) کہتے تھے۔ (کتاب العلل ومعرفۃ الرجال ج ۳ ص ۱۵۴ فقرہ: ۴۶۷۸)

عبارتِ مذکورہ سے ثابت ہوا کہ ریحان جاوید نے عبداللہ بن احمد کو جارحین میں ذکر کر کے جھوٹ بولا ہے، کیونکہ انھوں نے تو اپنے والد سے عبدالحمید بن جعفر کی زبردست توثیق نقل کر رکھی ہے اور اس توثیق میں سفیان ثوری پر لطیف انداز میں رد بھی ہے۔

۱۶) ریحان جاوید نے نمبر ۲۸ کے تحت امام محمد بن عثمان بن ابی شیبہ رحمہ اللہ کو بھی عبدالحمید بن جعفر کے جارحین میں ذکر کیا ہے، حالانکہ امام محمد بن عثمان نے فرمایا:

''وسألت عليًا عن عبدالحميد بن جعفر الأنصاري ؟ فقال: كان يقول بالقدر و كان عندنا ثقة و كان الثوري يضعفه'' اور میں نے علی (بن المدینی) سے عبدالحمید بن جعفر الانصاری کے بارے میں پوچھا؟ تو انھوں نے کہا: وہ قدریت کے قائل تھے اور وہ ہمارے نزدیک ایک ثقہ تھے اور ثوری انھیں ضعیف قرار دیتے تھے۔

(سوالات ص ۹۹۔۱۰۰ ت ۱۰۵)

عبارتِ مذکورہ میں محمد بن عثمان نے عبدالحمید مذکور پر کوئی جرح نہیں کی بلکہ ثوری کی جرح اور اپنے استاذ کی توثیق نقل کی ہے۔ زمانے کے لحاظ سے جرح کے مقابلے میں توثیق متاخر ہے، کیونکہ سفیان ثوری پہلے تھے اور علی بن المدینی بعد میں تھے، لہٰذا ریحان جاوید نے محمد بن عثمان کو عبدالحمید کے جارحین میں ذکر کر کے جھوٹ بولا ہے۔

ریحان جاوید دیوبندی نے نمبر ۳۱، ۳۲، ۳۳ کے تحت چودھویں پندرھویں صدی کے خلیل احمد سہارنپوری دیوبندی، یوسف بنوری دیوبندی اور سرفراز صفدر دیوبندی یعنی مبتدعینِ دیابنہ کے حوالے بھی پیش کئے ہیں، جن کی علمی میدان میں کوئی حیثیت نہیں ہے۔

ریحان جاوید نے عبدالحمید بن جعفر کے خلاف جرح کے ۳۳ حوالے پیش کئے جن میں سے درج ذیل حوالے غلط، غیر ثابت اور نا قابلِ اعتبار یا جھوٹ ہیں:

۲، ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۴، ۱۶، ۲۲، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰ (کل حوالے ۱۷)

نمبر ۳۱ تا ۳۳ چودھویں پندرھویں صدی کے بدعقیدہ و مجروح غالی دیوبندیوں کے حوالے

ہیں (کل حوالے ۳) ۱۷+۳=۲۰

حوالہ نمبر ۴، اور ۵ دونوں ایک ہیں۔ (لہٰذا کل حوالے ۲۱)

۳۳ میں سے ۲۱ نکالیں تو باقی بچے ۱۲

ان میں بھی ابن الترکمانی، عینی، زیلعی، قدوری اور عبدالقادر قرشی یعنی غالی حنفیوں کے ۵ حوالے ہیں۔ (لہٰذا کل باقی بچے ۷)

اب اس کے مقابلے میں ۳۱ محدثین کی توثیق ثابت ہے۔

دیکھئے میری کتاب: تحقیقی، اصلاحی اور علمی مقالات (ج ۱ ص ۴۶۸۔۴۷۰)

لہٰذا ثابت ہو گیا کہ عبدالحمید بن جعفر جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ راوی ہیں۔

غالی حنفی زیلعی نے بھی تسلیم کیا کہ ''**و لکن و ثقه أکثر العلماء ...**''

لیکن اکثر علماء نے انھیں ثقہ قرار دیا ہے۔ (نصب الرایہ ۱/۳۴۴، تحقیقی مقالات ۱/۴۷۰)

عینی حنفی نے کہا: ''...**ممن تکلم فیه ولکن وثقه أکثر العلماء واحتج به مسلم في صحیحه و لیس تضعیف من ضعفه مما یوجب رد حدیثه ...**''

ان پر کلام کیا گیا ہے، لیکن اکثر علماء نے انھیں ثقہ کہا اور مسلم نے صحیح مسلم میں ان سے حجت پکڑی اور جس نے انھیں ضعیف کہا، اس تضعیف سے ان کی حدیث کا رد لازم نہیں آتا...

(شرح سنن ابی داود للعینی ج ۳ ص ۴۱۴۔۴۱۵، نیز دیکھئے عمدۃ القاری ج ۹ ص ۴۰)

معلوم ہوا کہ ریحان جاوید نے جس مداری پن سے جمہور کی توثیق کو جمہور کی جرح میں بدلنے کی کوشش کی ہے، یہ کوشش سرے سے باطل و مردود ہے۔

۱۷۔۱۸) ریحان جاوید نے لکھا ہے: ''ائمہ امام ابن تیمیہؒ، ابن قیمؒ، امام بخاریؒ، ابن حجر کا بھی حوالہ تعدیل میں شمار کیا ہے لیکن کوئی حوالہ نہیں دیا۔'' (قرہ...ص ۱۰۶)

ریحان جاوید نے دوسرے مقام پر ابن تیمیہ، ابن القیم اور امام بخاری کے حوالوں کے جواب میں لکھا ہے: ''متعصب علی زئی صاحب نے ان تین ائمہ کا نام ذکر کیا ہے اور کسی کتاب کا کوئی حوالہ نہیں دیا۔ یہ زبیر علی صاحب کا خالص دھوکہ ہے۔'' (قرہ...ص ۱۱۱۔۱۱۲)

عرض ہے کہ ''عبدالحمید بن جعفر کا تعارف'' (نور العینین ص ۱۰۷) سے تھوڑا پہلے صفحہ ۱۰۴ پر ابن تیمیہ (الفتاویٰ الکبریٰ ۱/۱۰۵، مجموع فتاویٰ ۲۲/۴۵۳) ابن القیم (تہذیب سنن ابی داود ۲/۴۱۶) امام بخاری (جزء رفع الیدین ص ۷۸ ح ۱۰۲) کے حوالے موجود ہیں۔

ابن حجر کا حوالہ (صدوق رمي بالقدر و ربما وهم) تقریب التہذیب سے (بغیر تقریب کے ذکر کے) صفحہ ۱۰۷ پر درج کیا گیا ہے، بلکہ حافظ ابن حجر نے عبدالحمید کی خاص حدیثِ رفع الیدین کے بارے میں فرمایا: ''هذا حديث صحيح''

(دیکھئے نتائج الافکار ج ۲ ص ۱۲۸)

معلوم ہوا کہ ریحان جاوید نے دو دفعہ حوالہ نہ دینے کا دعویٰ کر کے دو دفعہ جھوٹ بولا ہے۔

۱۹) راقم الحروف نے عبدالحمید بن جعفر کے بارے میں علی بن المدینی، عبدالحق الاشبیلی اور امام بیہقی کی توثیق و دفاع نقل کیا تو ریحان جاوید نے لکھا:

''(تہذیب التہذیب) کا حوالہ دیا ہے جب کہ تہذیب میں عبدالحمید کی ان تین ائمہ سے توثیق بالکل بھی نہیں ہے یہ زبیر صاحب کا خالص دھوکہ ہے اور بددیانتی ہے'' (قرہ...ص ۱۱۰)

عرض ہے کہ نور العینین کے پہلے ایڈیشن میں اس مقام پر ''تہذیب التہذیب وغیرہ'' کے الفاظ صاف لکھے ہوئے ہیں۔ (ص ۷۵)

اور ''وغیرہ'' کا لفظ بعد کے نسخوں میں سہواً رہ گیا۔

مذکورہ تینوں حوالے ''وغیرہ'' کے تحت دوسری کتابوں میں ہیں اور قطعاً و یقیناً ثابت ہیں۔

۱: علی بن المدینی کے حوالے کے لئے دیکھئے سوالات محمد بن عثمان بن ابی شیبہ (۱۰۵)

۲: عبدالحق اشبیلی کے حوالے کے لئے دیکھئے بیان الوہم والایہام (۲/۴۶۲ ح ۴۶۲)

۳: بیہقی کے حوالے کے لئے دیکھئے معرفۃ السنن والآثار (۱/۵۵۸ تحت ح ۷۸۶)

لہٰذا ریحان جاوید نے ''دھوکہ اور بددیانتی'' کا الزام لگا کر جھوٹ بولا ہے۔

۲۰) راقم الحروف نے عبدالحمید بن جعفر کے بارے میں نور العینین میں لکھا ہے:

''اسی لیے حافظ ذہبی لکھتے ہیں: ''احتج به الجماعة وهو حسن الحديث''

ایک جماعت نے اس کے ساتھ حجت پکڑی ہے (سوائے امام بخاری کے) اور وہ حسن الحدیث ہے۔[سیر اعلام النبلاء ۲۲/۷]" (ص۱۰۸)

ریحان جاوید نے مذکورہ عبارت میں سے عربی عبارت بغیر میرے ترجمے کے نقل کر کے لکھا ہے: "زبیر صاحب نے یہ عبارت ادھوری نقل کی ہے جب کہ مکمل عبارت یہ ہے

"احتج به الجماعة سوى البخاري ، وهو حسن الحديث"

(سیر اعلام النبلاء ج ۷ص ۲۰)

یہ بات زبیر علی زئی صاحب کی شان کے لائق نہیں کہ وہ عبارت میں کمی بیشی اور تحریف کریں اور لوگوں کو دھوکہ دیں۔" (قرہ...ص۱۱۲)

عرض ہے کہ "سوى البخاري" کے الفاظ عربی عبارت میں سہواً رہ گئے ہیں، جبکہ اردو ترجمے میں "سوائے امام بخاری کے" صاف اور واضح الفاظ میں لکھا ہوا ہے، لہٰذا ریحان جاوید نے کمی بیشی، تحریف اور دھوکے کا الزام لگا کر جھوٹ بولا ہے۔

۲۱) امام ابن جریج سے روایت ہے کہ "سمعت نافعًا يزعم" میں نے نافع کو کہتے ہوئے سنا۔ (مصنف عبدالرزاق ۳/۶۵ ۴ح ۶۳۳۷، سنن نسائی ۴/۱۷ ح ۱۹۷۸، دوسرا نسخہ ح ۱۹۸۰)

اس کے بارے میں ریحان جاوید نے لکھا ہے:

"اور اس روایت میں ہے عن ابن جريج قال سمعت نافعا يزعم . کہ ابن جریج فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت نافعؒ سے سنا وہ گمان کرتا تھا۔

یہ نافع کا گمان ہے یقین نہیں ہے۔ (عبدالرزاق ج ۳ص ۳۶۵، نسائی ج ۱ص ۲۸۰)"

(قرہ...ص۱۲۰)

عرض ہے کہ مصنف عبدالرزاق اور سنن نسائی میں یہ قطعاً نہیں لکھا ہوا کہ "یہ نافع کا گمان ہے یقین نہیں۔" لہٰذا ریحان جاوید نے دونوں کتابوں پر جھوٹ بولا ہے۔

اگر کوئی کہے کہ يزعم کا ترجمہ (ہر جگہ) گمان ہی ہوتا ہے تو عرض ہے کہ صحیح بخاری میں ہے: (سیدنا) سعد بن معاذ (رضی اللہ عنہ) نے اُمیہ بن خلف سے کہا: "فإني سمعت

محمدًا ﷺ يزعم أنه قاتلك . ''پس بے شک میں نے محمد ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ وہ تجھے قتل کرنے والے ہیں یعنی تجھے قتل کریں گے۔

(کتاب المناقب باب علامات النبوۃ فی الاسلام ح ۳۶۳۲)

اگر ریحان جاوید کے الفاظ میں ترجمہ کیا جائے تو پھر درج ذیل الفاظ بن جائیں گے:
''پس بے شک میں نے محمد ﷺ کو گمان کرتے ہوئے سنا کہ وہ تجھے قتل کریں گے۔''
یعنی ریحانی الفاظ میں ''آپ کو گمان تھا، یقین نہیں تھا'' حالانکہ یہ ترجمہ ومفہوم باطل ہے۔

سنن ابن ماجہ میں ایک حدیث ہے کہ (سیدنا) ابن عمر (رضی اللہ عنہ) عید کی نماز کے لئے ایک راستے سے جاتے اور دوسرے راستے سے واپس آتے ''و یزعم أن رسول اللہ ﷺ کان یفعل ذلک ''اور فرماتے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ اسی طرح کرتے تھے۔ (اقامۃ الصلوات باب ماجاء فی الخروج یوم العید... ح ۱۲۹۹، وسندہ حسن)

ریحان جاوید کے الفاظ میں اس کا درج ذیل ترجمہ ہونا چاہئے:
''اور وہ (ابن عمر رضی اللہ عنہ) گمان کرتے تھے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ اسی طرح کرتے تھے، آپ کو یقین نہیں تھا۔'' حالانکہ یہ ترجمہ غلط و باطل ہے۔

۲۲) ریحان جاوید نے محمد بن اسحاق بن یسار کے بارے میں لکھا ہے:
''کیونکہ اس روایت میں محمد بن اسحاق ضعیف راوی ہے۔ اس کو درج ذیل ائمہ نے ضعیف کہا ہے...(۳) ابن نمیرؒ (بغدادی ج ۱ ص ۲۲۷)'' (قرہ... ص ۱۲۳)

عرض ہے کہ بغدادی یعنی تاریخ بغداد میں مذکورہ صفحے پر ابن نمیر کا درج ذیل قول لکھا ہوا ہے: ''إذا حدّث عمن سمع منه من المعروفين فهو حسن الحديث صدوق و إنما أوتي من أنه يحدّث عن المجهولين أحاديث باطلة .''
جب وہ (ابن اسحاق) مشہور راویوں سے حدیث بیان کریں، جن سے سنا تھا تو وہ حسن الحدیث صدوق ہیں اور جب وہ مجہول لوگوں سے حدیثیں بیان کرتے ہیں تو وہ باطل حدیثیں ہیں۔ (ج ۱ ص ۲۲۷)

ثابت ہوا کہ ریحان جاوید نے تاریخ بغداد پر جھوٹ بولا ہے۔ نیز دیکھئے میری کتاب: تحقیقی مقالات (ج ۳ ص ۲۸۴)

۲۳) ریحان جاوید نے مقدمہ نووی (ص ۱۶) کے حوالے سے محمد بن اسحاق کی تضعیف علامہ نووی سے نقل کی، حالانکہ مقدمہ صحیح مسلم (ص ۱۶) میں نووی نے محمد بن اسحاق کو ضعیف نہیں کہا، بلکہ صرف یہ کہا کہ وہ الصحیح (صحیح بخاری و صحیح مسلم) کی شرط پر نہیں ہے، جبکہ نووی نے محمد بن اسحاق کی ایک حدیث کے بارے میں فرمایا:

اور یہ سند صحیح ہے، جمہور کے نزدیک محمد بن اسحاق جب حدثنا کہیں تو حجت ہے۔
(المجموع شرح المہذب ج ۸ ص ۲۳۴، تحقیقی مقالات ج ۳ ص ۲۹۳)

لہٰذا ریحان جاوید نے علامہ نووی پر جھوٹ بولا ہے۔

۲۴) ریحان جاوید نے بحوالہ تہذیب التہذیب (ج ۹ ص ۴۵) علی بن المدینی رحمہ اللہ کو بھی محمد بن اسحاق کے مضعفین میں ذکر کیا ہے۔ (دیکھئے فقرہ...ص ۱۲۳)

حالانکہ تہذیب التہذیب کے مذکورہ صفحے پر ابن المدینی سے محمد بن اسحاق کی تضعیف موجود نہیں، بلکہ وہاں لکھا ہوا ہے کہ "**ثقة لم يضعه عندي إلا روايته عن أهل الكتاب**" ثقہ ہیں، میرے نزدیک انھیں اہلِ کتاب سے روایت کے علاوہ کسی نے نیچے نہیں کیا۔ (تہذیب التہذیب ۹/۴۵ دوسرا نسخہ ج ۳ ص ۵۰۷)

ثابت ہوا کہ ریحان جاوید نے سرفراز خان صفدر کرمنگی گکھڑوی دیوبندی کی تقلید میں امام ابن المدینی رحمہ اللہ پر جھوٹ بولا ہے۔

۲۵) ریحان جاوید نے بحوالہ کتاب العلل (ج ۲ ص ۲۳۷) امام ترمذی کو بھی محمد بن اسحاق کے مضعفین میں ذکر کیا ہے، حالانکہ امام ترمذی نے انھیں ضعیف نہیں کہا، بلکہ انھوں نے اپنی کتاب سنن ترمذی میں محمد بن اسحاق کی بہت سی احادیث کو حسن صحیح کہا ہے۔
(دیکھئے میری کتاب تحقیقی مقالات ج ۳ ص ۲۸۲)

۲۶) راقم الحروف نے عبدالرحمٰن بن ابی الزناد کے بارے میں لکھا ہے:

''اس سند کے سب راوی بالاتفاق ثقہ ہیں سوائے عبدالرحمٰن بن ابی الزناد کے، وہ مختلف فیہ ہیں۔ ابن معین اور ابوحاتم وغیرہما نے انھیں ضعیف قرار دیا ہے۔

مالک، ترمذی اور العجلی (وغیرہم) نے انھیں ثقہ قرار دیا ہے۔

لہٰذا وہ جمہور کے نزدیک ثقہ وصدوق ہیں...'' (نور العینین ص ۱۱۵)

تنبیہ: العجلی کے بعد وغیرہم کا لفظ جدید مطبوعہ نسخوں سے رہ گیا ہے، جب کہ طبع اول میں اس مقام پر صاف طور پر ''وغیرہم'' لکھا ہوا ہے۔ (دیکھئے ص ۸۳)

اس عبارت کو ریحان جاوید نے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

''زبیر علی زئی نے یہاں پر جھوٹ بولا ہے عبدالرحمٰن بن ابی الزناد کو صرف ابن معین اور ابوحاتم نے ضعیف نہیں کہا بلکہ بہت سے ائمہ نے ضعیف کہا ہے اور وہ جمہور کے نزدیک ''ثقة وصدوق'' نہیں بلکہ سخت قسم کے ضعیف ہیں جس کی تفصیل یہ ہے۔'' (قرہ... ص ۱۳۰)

عرض ہے کہ میں نے ''صرف'' کا لفظ نہیں لکھا بلکہ ''وغیرہما'' کا لفظ لکھا ہے، جس میں یہ صراحت ہے کہ دوسرے علماء نے بھی انھیں ضعیف قرار دیا ہے، لہٰذا ریحان جاوید نے ''صرف'' کا لفظ لکھ کر جھوٹ بولا ہے۔

تنبیہ: عبدالرحمٰن بن ابی الزناد کی توثیق کے لئے دیکھئے ص ۳۷۱۔۳۷۷

۲۷) راقم الحروف نے نور العینین میں امام ابن المدینی رحمہ اللہ کا ایک قول عبدالرحمٰن بن ابی الزناد کے بارے میں (تاریخ بغداد ۱۰/ ۲۲۹ ت ۵۳۵۹ سے) نقل کیا (ص ۱۱۶)

اس کے بارے میں ریحان جاوید نے حبیب اللہ ڈیروی کی تقلید کرتے ہوئے لکھا ہے:

''یہ قول ابن مدینیؒ کا بے سند ہے۔ حافظ ابن حجرؒ اور علامہ ذہبیؒ نے اس قول کا اعتبار اپنی کتابوں میں نہیں کیا۔'' (قرہ... ص ۱۳۲)

عرض ہے کہ تاریخ بغداد کے مذکورہ صفحے پر اس قول کی سند موجود ہے، جو کہ درج ذیل ہے: ''**أخبرني الأزهري حدثنا عبدالرحمٰن بن عمر الخلال أخبرنا محمد بن أحمد بن يعقوب حدثنا يعقوب حدثنا جدي قال: فأما عبدالرحمٰن بن**

أبی الزناد ففي حديثه ضعف، سمعت علي بن المديني يقول : ..."(۲۲۹/۱۰)

۱: عبیداللہ ابن ابی الفتح الازہری (تاریخ بغداد ۱۰/۳۸۵ ت ۵۵۵۹)

۲: عبدالرحمٰن بن عمر الخلال (تاریخ بغداد ۱۰/۳۰۱ ت ۵۴۴۶)

۳: محمد بن احمد بن یعقوب بن شیبہ (تاریخ بغداد ۱/۳۷۳ ت ۳۲۹)

۴: یعقوب بن شیبہ (تاریخ بغداد ۱۴/۲۸۱ ت ۷۵۷۵)

یعقوب بن شیبہ السدوسی امام علی بن المدینی کے مشہور شاگردوں میں سے ہیں، لہٰذا یہ سند صحیح ہے۔

تنبیہ: تاریخ بغداد کے اس مقام پر ناسخ یا ناشر کی غلطی سے محمد بن احمد بن یعقوب اور حدثنا جدی کے درمیان "حدثنا يعقوب" چھپ گیا ہے، جبکہ صحیح یہ ہے کہ یہ سند اس اضافے کے بغیر ہے۔ مثلاً دیکھئے تاریخ بغداد (ج ۷ ص ۲۵۷ ت ۳۷۴۴)

ثابت ہوا کہ ابن المدینی کے قول کو بے سند کہہ کر ریحان جاوید اور حبیب اللہ ڈیروی دیوبندی دونوں نے جھوٹ بولا ہے۔

۲۸) ریحان جاوید نے نور العینین (ص ۱۱۷۔۱۱۸) سے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت نقل کی اور پھر جواب نمبر ۲ کے تحت لکھا:

"اور اس روایت میں ابن جریج عن کے ساتھ روایت کر رہے ہیں اور مدلس کا عن مقبول نہیں ہوتا۔" (قرہ... ص ۱۳۹، نیز دیکھئے ص ۱۸۶)

عرض ہے کہ نور العینین میں یہ روایت بحوالہ صحیح ابن خزیمہ (۱/۳۴۴ ح ۶۹۴، ۶۹۵) مذکور ہے اور تخریج کے متصل بعد لکھا ہوا ہے کہ "ابن جریج نے سماع کی تصریح کر دی ہے۔" (ص ۱۱۸)

یہ تصریح صحیح ابن خزیمہ کی حدیث نمبر ۶۹۵ میں (أنا ابن جريج أن ابن شهاب أخبره بهذا الإسناد ، کے ساتھ) موجود ہے، لہٰذا ریحان جاوید نے جھوٹ بولا ہے۔

۲۹) راقم الحروف نے نور العینین میں لکھا ہے:

"صحیح سند سے ثابت ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ شروع نماز، رکوع سے پہلے اور رکوع

کے بعد رفع یدین کرتے تھے۔[جزء رفع الیدین للبخاری:۲۲ وسندہ صحیح]'' (ص۱۷۱)

یہ عبارت نقل کر کے ریحان جاوید نے لکھا ہے:

''علی زئی صاحب نے حضرت ابو ہریرہؓ کا یہ اثر جو (جزء رفع الیدین) کے حوالے سے نقل کیا ہے اس سے استدلال کرنا باطل ہے۔ کیونکہ اس کی سند میں محمد بن اسحاق ہے جو کہ مدلس ہے...'' (قرہ...ص۱۴۱)

عرض ہے کہ میری پیش کردہ روایت میں محمد بن اسحاق نہیں، لہٰذا ریحان جاوید نے جھوٹ بولا ہے۔ جزء رفع الیدین میں اس روایت کی سند درج ذیل ہے:

" حدثنا سليمان بن حرب : ثنا يزيد بن إبراهيم عن قيس بن سعد عن عطاء قال : صليت مع أبي هريرة " (ص۵۰ ح۲۲)

۳۰) ریحان جاوید نے سیدنا ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ کی رفع یدین والی صحیح روایت پر جرح کرنے کے بعد لکھا ہے:

''تو حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی وہی والی روایت راجح ہے جس میں صرف پہلی تکبیر کے وقت رفع یدین کرنے کا ذکر ہے باقی کسی جگہ بھی رفع یدین کا ذکر نہیں ہے۔ بلکہ صرف تکبیر کہنے کا ذکر ہے وہ روایت یہ ہے۔'' (قرہ...ص۱۴۵)

عرض ہے کہ صفحہ ۱۴۶ پر ریحان جاوید کی مذکورہ روایت سیدنا ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ سے نہیں، بلکہ سیدنا ابو مالک الاشعری رضی اللہ عنہ سے ہے، لہٰذا ریحان جاوید نے سیدنا ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ پر جھوٹ بولا ہے۔

تنبیہ: سیدنا ابو مالک الاشعری رضی اللہ عنہ والی روایت سے ریحان جاوید کا استدلال بھی غلط ہے۔ ریحان جاوید کے تیس جھوٹ باحوالہ رد مکمل ہوئے، نیز ریحان جاوید کی اس کتاب میں ان کے علاوہ اور بھی جھوٹ موجود ہیں، مثلاً ریحان جاوید نے لکھا ہے:

''اور زبیر صاحب اور دیگر غیر مقلدین کے نزدیک صحابہ کے اقوال و اعمال حجت نہیں۔''

(قرہ...ص۱۵۷)

عرض ہے کہ الحدیث حضرو (شمارہ ۳۰ ص ۱۴، شمارہ ۲۷ ص ۵۶۔۵۷، شمارہ ۲۸ ص ۲۱ یا کسی شمارے) میں یہ قطعاً نہیں کہ زبیر علی زئی کے نزدیک صحابہ کے اقوال واعمال حجت نہیں بلکہ الحدیث نمبر ۲۷ میں صاف لکھا ہوا ہے کہ ''ہم تو وہی فہم مانتے ہیں جو صحابہ، تابعین، تبع تابعین ومحدثین اور قابلِ اعتماد علمائے امت سے ثابت ہے۔'' (ص ۵۸)

جبکہ دوسری طرف محمود حسن دیوبندی نے کہا:

''باقی فعلِ صحابی وہ کوئی حجت نہیں۔'' (تقاریر شیخ الہند ص ۳۰)

تفصیل کے لئے دیکھئے الحدیث حضرو (عدد ۶۱ ص ۲۷۔۴۰)

ریحان جاوید نے لکھا ہے: ''زبیر علی زئی نے نور العینین میں جو مسند ابو عوانہ کا قلمی نسخہ پیش کیا ہے اس میں **و إذا اراد ان یرکع و بعد ما یرفع راسه من الرکوع فلا یرفعهما** مذکور ہے۔'' (قرہ... ص ۳۶)

عرض ہے کہ ریحان جاوید کی یہ بات بالکل جھوٹ ہے، کیونکہ سندھی مخطوطے میں ''**فلا یرفعهما**'' نہیں بلکہ ''**ولا یرفعهما**'' ہے۔ دیکھئے نور العینین (ص ۷۹)

آخر میں عرض ہے کہ ریحان جاوید نے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے کئی بنیادی راویوں پر شدید جرح کی ہے اور انھیں مداری پن کے ذریعے سے ضعیف ومجروح ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً:

۱: عبدالاعلیٰ بن عبدالاعلیٰ (صحیح بخاری وصحیح مسلم) دیکھئے قرہ... ص ۵۰

۲: خالد الحذاء (صحیح بخاری وصحیح مسلم) دیکھئے قرہ... ص ۸۵

۳: عبدالواحد بن زیاد (صحیح بخاری وصحیح مسلم) دیکھئے قرہ... ص ۱۵۶

۴: سلیمان بن حرب (صحیح بخاری وصحیح مسلم) دیکھئے قرہ... ص ۱۸۳

ریحان جاوید نے صحیح بخاری کی ایک حدیث کے بارے میں لکھا ہے کہ ''یہ روایت مضطرب ہے'' (قرہ... ص ۴۶)

اور لکھا ہے: ''اور مضطرب روایت ضعیف ہوتی ہے'' (قرہ... ص ۹۷)

اور ایک روایت کے بارے میں لکھا ہوا ہے کہ ''ہم یہ کہتے ہیں کہ امام بخاریؒ سے حضرت مالک بن الحویرثؓ کی اس روایت کو نقل کرنے میں خطا ہوئی ہے۔'' (قرہ...ص۷۹)

صحیح بخاری کی احادیث پر جرح کرتے ہوئے ریحان جاوید نے اپنے آپ کو غلام احمد پرویز، تمنا عمادی اور شبیر احمد میرٹھی وغیرہم منکرینِ حدیث کے ساتھ کھڑا کر دیا ہے۔

حالانکہ سرفراز خان صفدر نے صحیحین میں رفع یدین کی روایات کے بارے میں کہا:

''صحیحین میں جو روایات ہیں وہ تو صحیح ہیں...'' (خزائن السنن ص۳۶۱)

محمد تقی عثمانی دیوبندی نے کہا: ''حنفیہ چونکہ رفعِ یدین کو ثابت مانتے ہیں، اس لئے وہ رفع یدین کی روایات پر کوئی جرح نہیں کرتے'' (درس ترمذی ج۲ص ۲۷)

ثابت ہوا کہ رفع یدین کی احادیثِ بخاری پر جرح کرنے کی وجہ سے (بھی) ریحان جاوید حنفیت سے خارج ہے۔

صحیح بخاری و صحیح مسلم کی صحیح متفق علیہ حدیث پر ریحان جاوید دیوبندی کے اعتراضات اور دعویٔ اضطراب (بیت العنکبوت) کا جواب درج ذیل ہے:

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے دیکھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو کندھوں تک رفعِ یدین کیا اور جب آپ رکوع کے لئے تکبیر کہتے تو اسی طرح کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو اسی طرح کرتے۔ الخ

(صحیح بخاری:۷۳۶)

ریحان جاوید دیوبندی نے صحیح بخاری (وصحیح مسلم) کی حدیثِ رفع یدین پر درج ذیل الفاظ میں حملہ کیا: ''حضرت ابن عمرؓ کی احادیث میں بہت سخت اضطراب ہے جو مندرجہ ذیل ہے۔'' (قرہ...ص۳۴)

ریحان جاوید نے جو اضطرابی روایات پیش کی ہیں، ان پر تبصرہ درج ذیل ہے:

۱: مسند ابی عوانہ (ص۹۱ ج ۲) والی حدیث

اس میں لا یرفعھما سے پہلے واو موجود ہے یعنی صحیح ''ولا یرفعھما'' ہے۔

دیکھئے نور العینین (ص ۷۸۔۷۹)

اس بات کو "بالکل غلط" کہنا جھوٹ ہے۔ سندھی مخطوطے میں "فلا یرفعهما" نہیں بلکہ "ولا یرفعهما" ہے۔

۲: مسند حمیدی (نسخہ دیوبندیہ ج ۲ ص ۲۷۷)

مسند حمیدی کے دو قدیم قلمی نسخوں اور عرب ممالک کے شائع شدہ نسخے میں "فلا یرفع" کے الفاظ نہیں، بلکہ رفع یدین کا اثبات ہے۔

دیکھئے مسند حمیدی (ج ۱ ص ۵۱۵ ح ۶۲۶ مطبوعہ دار السقا دمشق۔ داریا/شام)

لہٰذا یہ معارضہ باطل ہے۔

۳: مدونہ کا حوالہ

مدونہ والی روایت میں ترکِ رفع یدین کا نام و نشان تک نہیں ہے اور مدونہ بذاتِ خود غیر معتبر کتاب ہے۔ دوسرے یہ کہ ابن وہب اور ابن القاسم کی روایتوں میں تینوں مقامات پر رفع یدین کا اثبات موجود ہے۔

دیکھئے السنن الکبریٰ للبیہقی (۲/۶۹) اور موطأ امام مالک (روایۃ ابن القاسم: ۵۹)

۴: حدیث ابن عون الخراز بحوالہ نصب الرایہ (قرہ...ص ۴۰)

یہ روایت موضوع ہے، جیسا کہ اس کے راوی نے فیصلہ کر دیا ہے۔ (دیکھئے نصب الرایہ ۱/۴۰۴)

دوسرے یہ کہ اس کی مکمل متصل سند نا معلوم ہے۔

۵: حدیث ترفع الأیدي بحوالہ نصب الرایہ (۱/۴۷۰، ہمارا نسخہ ۱/۳۹۱)

اس کا راوی محمد بن عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ جمہور کے نزدیک ضعیف ہے۔

(دیکھئے فیض الباری ۳/۱۶۸)

۶: إذا استفتح أحدكم فليرفع يديه .

(کنز العمال ۷/۳۳۰ ح ۱۹۶۳۸، بحوالہ الطبرانی فی الاوسط)

اس میں ایک راوی عمیر بن عمران ہے۔ (المعجم الاوسط للطبرانی ۸/۳۹۳ ح ۷۷۹۷)

ہیثمی نے کہا: "فيه عمير بن عمران وهو ضعيف " (مجمع الزوائد ۲/۱۰۲)

ابن عدی نے کہا: اس نے ثقہ راویوں، خاص طور پر ابن جریج سے باطل روایتیں بیان کیں۔ (الکامل ج ۲ ص ۱۷۲۵، دوسرا نسخہ ج ٦ ص ۱۳۳)

ذہبی نے کہا: اس نے موضوع حدیثیں بیان کیں۔ (دیوان الضعفاء ۲/۲۱۳)

یعنی یہ روایت موضوع اور باطل ہے۔

۷: عدمِ ذکر والی روایات

ایک روایت میں ذکر ہو اور دوسری روایات میں ذکر نہ ہو تو عدمِ ذکر نفی ذکر کی دلیل نہیں ہوتا، لہٰذا ایسی تمام روایات سے صحیح بخاری و صحیح مسلم کے خلاف استدلال باطل ہے۔

۸: اونچ نیچ (بلکہ نیچ اونچ) میں رفع یدین والی روایات۔

یہ قاعدہ ہے کہ حدیث حدیث کی تشریح کرتی ہے، لہٰذا جزء رفع الیدین للبخاری کی صحیح روایت: "إذا ركع و إذا رفع "(ح ۱۵) سے ثابت ہوا کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں نیچ اونچ سے مراد رکوع کے لئے جانا (نیچ) اور رکوع سے سر اٹھانا (اونچ) ہے۔

۹: المحلی لابن حزم (۴/۹۳ مسئلہ ۴۴۲)

یہ روایت جزء رفع الیدین للبخاری (۸۰۰) سنن ابی داود (۷۴۱) اور صحیح بخاری (۷۳۸، ۷۳۹) وغیرہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے شاذ ہے اور ابن حزم کا اسے "لا داخلة فيه " کہنا غلط ہے۔

۱۰: بعض روایات میں الرکعۃ سے اٹھنے پر رفع یدین کا ذکر آیا ہے، ان میں الرکعۃ سے مراد الرکوع ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ "فلما رفع رأسه من الركعة قال سمع الله لمن حمده " (صحیح بخاری درسی نسخہ ج ۱ ص ۱۱۰ سطر ۵۔٦ ح ۷۹۹، موطأ امام مالک ج ۱ ص ۲۱۲ ح ۴۹۴)

اس حدیث کا ترجمہ ظہور الباری اعظمی دیوبندی نے درج ذیل الفاظ میں لکھا ہے:

"جب آپ رکوع سے سر اٹھاتے تو سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تھے۔"

(تفہیم البخاری ج ۱ص ۳۹۸ ح ۷۶۲ مع حواشی محمد امین اوکاڑوی دیوبندی)

ثابت ہوا کہ الرکعۃ عربی میں الرکوع کو بھی کہتے ہیں، لہٰذا رفع یدین کی جن روایات میں الرکعۃ کا لفظ آیا ہے، دوسری روایات کی روشنی میں اس سے مراد الرکوع ہے۔

۱۱: بعض صحیح احادیث میں دو رکعتوں کے بعد اٹھنے پر رفع یدین کا ذکر ہے اور بعض میں ذکر نہیں اور یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ ذکر ثابت ہونے کے بعد عدمِ ذکر نفی ذکر کی دلیل نہیں ہوتا، لہٰذا ریحان جاوید کا قول ''یہ روایت مضطرب ہے'' باطل بلکہ کالا جھوٹ ہے۔

صحیح بخاری کی حدیث پر جرح اور ''یہ روایت مضطرب ہے'' کو مدنظر رکھتے ہوئے عرض ہے کہ امام مسلم بن الحجاج رحمہ اللہ نے ابن فرقد شیبانی اور قاضی ابو یوسف وغیرہما کے مشہور استاذ کے بارے میں فرمایا: ''مضطرب الحدیث''

(کتاب الکنیٰ والاسماء للامام مسلم ص ۱۰۷ ☆ ۳۱۱، تاریخ بغداد ۱۳/ ۴۵۱ وسندہ صحیح)

بطورِ تنبیہ عرض ہے کہ امام مسلم رحمہ اللہ کو گالیاں دینا شروع نہ کر دیں، بلکہ اپنی عبارات پر غور کریں۔

اگر کوئی کہے کہ آپ نے بھی صحیح بخاری کے راوی علی بن الجعد پر جرح کی ہے تو عرض ہے کہ میں نے علی بن الجعد کو ضعیف نہیں کہا بلکہ لکھا ہے: ''علی بن الجعد مختلف فیہ راوی ہے، جمہور نے اس کی توثیق کی ہے، مگر...'' (اوکاڑوی کا تعاقب ص ۶۵)

اور لکھا ہے: ''اگرچہ وہ ثقہ وصدوق ہے، لیکن سخت بدعتی بھی ہے، ایسے راوی کی روایت اگر بالاتفاق ثقہ راویوں کے خلاف ہو تو مردود ہوتی ہے...'' (اوکاڑوی کا تعاقب ص ۶۷)

یعنی میں نے علی بن الجعد کو ثقہ وصدوق تسلیم کیا ہے اور ان کی صرف ایک روایت کو شذوذ (امام مالک کی مخالفت) کی وجہ سے شاذ قرار دیا ہے اور یہ روایت صحیح بخاری کی نہیں بلکہ بیہقی وغیرہ کی ہے، لہٰذا معارضہ پیش کرنا باطل ہے۔

ریحان جاوید نے حاکم نیشاپوری کے بارے میں لکھا ہے:

''یہ جرح امام حاکم کی سند سے ہے اور یہ شیعہ ہیں اسی وجہ سے یہ جرح معتبر نہیں کیوں کہ

شیعہ مذہب والے رفع یدین کرتے ہیں۔'' (قرہ...ص ۱۳۳۔۱۳۴)

عرض ہے کہ محمد تقی عثمانی دیوبندی نے حاکم کے بارے میں کہا ہے:

''بعض حضرات نے اُن پر تشیّع کا الزام لگایا ہے، لیکن یہ صحیح نہیں'' (درس ترمذی ج ۱ ص ۶۴)

حاکم کی توثیق کے لئے دیکھئے میری کتاب: توضیح الاحکام (ج ۱ ص ۵۷۲۔۵۷۷)

اور سرفراز خان صفدر دیوبندی کی کتاب احسن الکلام (ج ۱ ص ۱۰۴، دوسرا نسخہ ج ۱ ص ۱۳۴)

ماسٹر امین اوکاڑوی دیوبندی نے لکھا ہے: ''إمام أبو عبد الله الحاكم الحافظ الكبير إمام المحدثين ، إمام أهل الحديث في عصره العارف به حق معرفته ...''

(تجلیات صفدر ج ۵ ص ۱۶۲)

ریحان جاوید کے قول ''شیعہ مذہب والے رفع یدین کرتے ہیں۔'' کا اگر یہ مطلب ہے کہ اہلِ سنت رفع یدین نہیں کرتے، بلکہ صرف شیعہ رفع یدین کرتے ہیں تو یہ بات بالکل جھوٹ ہے، کیونکہ اہلِ سنت میں سے اہلِ حدیث، شوافع، حنابلہ اور بعض مالکیہ رفع یدین کرتے ہیں۔ اگر ریحان جاوید کا یہ مطلب ہے کہ بعض اہلِ سنت بھی اور شیعہ بھی رفع یدین کرتے ہیں، تو یہ بات یہاں مضر نہیں ہے۔

صوفی عبدالحمید سواتی دیوبندی نے لکھا ہے:

''رکوع جاتے وقت اور اس سے اٹھتے وقت رفع یدین نہ کرنا زیادہ بہتر اور اگر کرلے تو جائز ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ اس کو خلافِ اولیٰ کہتے ہیں اور عدم رفع والی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت کو ترجیح دیتے ہیں۔ لیکن اس کے خلاف عمل کرنے والے پر نکیر نہیں کرتے۔ کیونکہ یہ جواز عدم جواز کا مسئلہ نہیں۔ بلکہ اولیٰ۔ غیر اولیٰ کا مسئلہ ہے، اسی لیے بعض حضرات نے دونوں پہلوؤں کو سنت ہی قرار دیا ہے۔'' (نماز مسنون ص ۳۴۹)

اس عبارت میں کئی باتیں غلط ہیں، لیکن سواتی دیوبندی نے یہ تسلیم کرلیا تھا کہ اگر رفع یدین کرلے تو جائز ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ رفع یدین کے خلاف ریحان جاوید وغیرہ کی کتابیں باطل ہیں۔ (۱۹/ جنوری ۲۰۱۱ء)

محدثین کے ابواب: پہلے اور بعد؟!

دولت نگر سے خرم ارشاد محمدی نے لکھا ہے:

الیاس گھمن صاحب نے اپنی ایک تقریر میں کہا ہے کہ اہلحدیث جو ہیں وہ منسوخ روایات پر عمل کرتے ہیں اور ہم دیوبندی ناسخ روایات پر عمل کرتے ہیں۔

اور وہ ایک قاعدہ وقانون بتاتے ہیں کہ محدثین کرام رحمہم اللہ اجمعین اپنی احادیث کی کتابوں میں پہلے منسوخ روایات کو یا اعمال کو لائے ہیں پھر انھوں نے ناسخ روایات کو جمع کیا ہے۔ کیا واقعی یہ بات درست ہے؟ اور وہ مثال دیتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ محدثین نے اپنی کتابوں میں پہلے رفع یدین کرنے کی روایات ذکر کی ہیں پھر نہ کرنے کی روایات ذکر کی ہیں یعنی رفع الیدین منسوخ ہے اور رفع الیدین نہ کرنا ناسخ ہے، اسی طرح محدثین نے پہلے فاتحہ خلف الامام پڑھنے کی روایات ذکر کی ہیں پھر امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھنے کی روایات ذکر کی ہیں، اہلِ حدیث منسوخ روایات پر عمل کرتے ہیں اور ہم ناسخ پر۔

کیا... الیاس گھمن صاحب نے جو قاعدہ وقانون بیان کیا ہے وہ واقعی محدثینِ جمہور کا قاعدہ ہے اور دیوبندیوں کا اس قانون پر عمل ہے اور اہل حدیث اس قانون کے مخالف ہیں؟ اس کی وضاحت فرمائیں۔ (خرم ارشاد محمدی۔ دولت نگر)

عرض ہے کہ گھمن صاحب کی مذکورہ بات کئی وجہ سے غلط ہے، تاہم سب سے پہلے تبویبِ محدثین کے سلسلے میں دس (۱۰) حوالے پیشِ خدمت ہیں:

۱) امام ابوداود نے باب باندھا:

"باب من لم یر الجهر ببسم الله الرحمٰن الرحیم" (سنن ابی داود ص۱۲۲، قبل ح۷۸۲)

اس کے بعد امام ابوداود نے دوسرا باب باندھا:

"باب من جهر بها" (سنن ابی داود ص۱۲۲، قبل ح۷۸۶)

یعنی امام ابوداود نے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم عدمِ جہر (سرأفی الصلوٰۃ) والا باب لکھا اور بعد میں بسم اللہ بالجہر والا باب باندھا تو کیا گھمن صاحب اور اُن کے ساتھی اس بات کے لئے تیار ہیں کہ سراً بسم اللہ کو منسوخ اور جہراً بسم اللہ کو ناسخ قرار دیں؟ اور اگر نہیں تو پھر اُن کا اُصول کہاں گیا؟!

تنبیہ: امام ترمذی نے بھی ترکِ جہر کا پہلے اور جہر کا باب بعد میں باندھا ہے۔
دیکھئے سنن الترمذی (ص ٦٧۔٦٨ قبل ح ٢۴۴، ٢۴۵)

۲) امام ترمذی رحمہ اللہ نے باب باندھا:

''باب ما جاء فی الوتر بثلاث'' (سنن الترمذی ص ١٢٢، قبل ح ۴۵٩)

پھر بعد میں ''باب ما جاء فی الوتر برکعة'' کا باب باندھا۔ (سنن الترمذی قبل ح ۴٦١)

کیا گھمن صاحب اپنے خود ساختہ قاعدے وقانون کی رُو سے تین وتر کو منسوخ اور ایک وتر کو ناسخ سمجھ کر ایک وتر پڑھنے کے قائل وفاعل ہو جائیں گے؟!

۳) امام ابن ماجہ نے پہلے خانہ کعبہ کی طرف پیشاب کرنے کی ممانعت والا باب باندھا:

''باب النهي عن استقبال القبلة بالغائط والبول'' (سنن ابن ماجہ ص ۴٨ قبل ح ٣١٧)

اور بعد میں ''باب الرخصة في ذلك في الكنيف وإباحته دون الصحاری''

یعنی صحراء کے بجائے بیت الخلاء میں قبلہ رخ ہونے کے جواز کا باب، باندھا۔

(سنن ابن ماجہ ص ۴٩ قبل ح ٣٢٢)

کیا گھمن صاحب! قبلہ رخ پیشاب کرنے کی ممانعت کو اپنے اصول کی وجہ سے منسوخ سمجھتے ہیں؟!

٤) امام نسائی نے رکوع میں ذکر (یعنی تسبیحات) کے کئی باب باندھے۔ مثلاً:

''باب الذکر فی الرکوع'' (سنن النسائی ص ١۴۴، قبل ح ١٠۴٧)

اور بعد میں باب باندھا: ''باب الرخصة فی ترك الذکر فی الرکوع''

(سنن النسائی ص ١۴۵، قبل ح ١٠۵۴)

کیا گھمنی قاعدے کی رُو سے رکوع کی تسبیحات پڑھنا بھی منسوخ ہے؟!

۵) امام ابن ابی شیبہ نے نماز میں ہاتھ باندھنے کا باب درج ذیل الفاظ میں لکھا:

"وضع الیمین علی الشمال" (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/ ۳۹۰ قبل ح ۳۹۳۳)

اور بعد میں "من کان یرسل یدیہ فی الصلوۃ" یعنی نماز میں ہاتھ چھوڑنے کا باب باندھا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۳۹۱ قبل ح ۳۹۴۹)

ان دونوں بابوں میں سے کون سا باب گھمن صاحب کے نزدیک منسوخ ہے؟ پہلا یا بعد والا؟ کیا خیال ہے، اب دیوبندی حضرات ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھا کریں گے یا پھر الیاس گھمن صاحب کے اصول کو ہی دریا میں پھینک دیں گے؟!

٦) امام نسائی نے نمازِ عصر کے بعد نوافل پڑھنے سے منع والا باب باندھا:

"النھی عن الصلاۃ بعد العصر" (سنن النسائی ص ۷۸ قبل ح ۵٦۷)

اور بعد میں "الرخصۃ فی الصلاۃ بعد العصر"

یعنی عصر کے بعد نماز (نوافل) کی اجازت، کا باب باندھا۔ (سنن النسائی ص ۷۹ قبل ح ۵۷۴)

کیا گھمن صاحب کے اصول سے نمازِ عصر کے بعد نوافل پڑھنے سے ممانعت والی حدیث منسوخ ہے؟!

۷) امام ابوداود نے تین تین دفعہ اعضائے وضوء دھونے کا باب باندھا:

"باب الوضوء ثلاثاً ثلاثاً" (سنن ابی داود ص ۲۹ قبل ح ۱۳۵)

اور بعد میں ایک دفعہ اعضائے وضوء دھونے کا باب باندھا:

"باب الوضوء مرۃ مرۃ" (سنن ابی داود ص ۳۰ قبل ح ۱۳۸)

کیا وضوء کرتے وقت تین تین دفعہ اعضائے وضوء دھونا منسوخ ہے؟ اگر نہیں تو پھر گھمن صاحب کا قاعدہ کہاں گیا؟!

۸) امام نسائی نے سجدوں کی دعا (تسبیحات) کے کئی باب باندھے۔ مثلاً:

"عدد التسبیح فی السجود" (سنن النسائی ص ۱۵۷، قبل ح ۱۱۳٦)

اور بعد میں ''باب الرخصة في ترك الذكر في السجود ''یعنی سجدوں میں ترکِ ذکر (ترکِ تسبیحات) کی رخصت (اجازت) کا باب۔ (سنن النسائی ص ۱۵۷، قبل ح ۱۱۲۷)

کیا گھمنی قاعدے وقانون کی رُو سے سجدوں کی تسبیحات بھی منسوخ ہیں؟!

۹) امام ابن ابی شیبہ نے ''من قال: لا جمعة ولا تشريق إلا في مصر جامع ''کا باب باندھ کر وہ روایات پیش کیں، جن سے بعض لوگ یہ استدلال کرتے ہیں کہ گاؤں میں جمعہ نہیں پڑھنا چاہئے۔ دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ (۲/۱۰۱ قبل ح ۵۰۵۹)

اور انھوں نے بعد میں ''من كان يرى الجمعة في القرى وغيرها ''جو شخص گاؤں وغیرہ میں جمعہ کا قائل ہے، کا باب باندھ کر وہ صحیح روایات پیش کیں، جن سے گاؤں میں نماز جمعہ پڑھنے کا ثبوت ملتا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج۲ ص ۱۰۱۔۱۰۲، قبل ح ۵۰۶۸)

کیا گھمن صاحب اور اُن کے ساتھی اپنے نرالے قاعدے کی ''لاج'' رکھتے ہوئے گاؤں میں نمازِ جمعہ کی مخالف تمام روایات کو منسوخ سمجھتے ہیں؟! اگر نہیں تو کیوں اور اُن کا قاعدہ کہاں گیا؟

۱۰) امام ابن ابی شیبہ نے نمازِ جنازہ میں چار تکبیروں کا باب باندھا: ''ما قالوا في التكبير على الجنازة من كبّر أربعًا '' (مصنف ابن ابی شیبہ ۳/۲۹۹ قبل ح ۱۱۴۱۶)

اور اس کے فوراً بعد پانچ تکبیروں کا باب باندھا:

''من كان يكبّر على الجنازة خمسًا '' (مصنف ابن ابی شیبہ ۳/۳۰۲ قبل ح ۱۱۴۴۷)

کیا گھمن صاحب کی پارٹی میں کسی ایک آدمی میں بھی یہ جرأت ہے کہ وہ اپنے اس گھمنی قاعدے، قانون اور اصول کی لاج رکھتے ہوئے جنازے کی چار تکبیروں کو منسوخ اور پانچ کو ناسخ کہہ دے؟!

[نیز عرض ہے کہ خطیب بغدادی نے امام ابوحنیفہ کے حالات میں مناقب وفضائل والی روایات پہلے اور جرح والی روایات بعد میں لکھی ہیں۔]

اس طرح کی اور بھی کئی مثالیں ہیں۔ مثلاً امام نسائی نے ایک باب میں: سجدہ کرنے

سے پہلے گھٹنے زمین پر لگانے والی (ضعیف) حدیث لکھی اور پھر اس کے فوراً بعد دو حدیثیں لکھیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ پہلے دونوں ہاتھ لگائے جائیں۔

دیکھئے سنن النسائی (ص ۱۵۰۔۱۵۱، قبل ح ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲)

امام ابوداود نے آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو کے ترک کا باب پہلے باندھا ہے اور پھر دوسرے باب میں آگ پر پکا ہوا کھانا کھانے سے وضوء ٹوٹنے کی حدیثیں لائے ہیں۔ (دیکھئے سنن ابی داود ح ۱۸۷۔۱۹۳، اور ح ۱۹۴۔۱۹۵)

معلوم ہوا کہ گھمن صاحب کا مزعومہ قاعدہ، قانون اور اصول باطل ہے، جس کی تردید کے لئے ہمارے مذکورہ حوالے ہی کافی ہیں اور دیوبندی حضرات میں سے کوئی بھی اس اصول کو من و عن تسلیم کر کے دوسرے ابواب والی مذکورہ روایات کو منسوخ نہیں سمجھتا، لہٰذا اہلِ حدیث یعنی اہلِ سنت کے خلاف یہ خود ساختہ قاعدہ و اصول پیش کر کے پروپیگنڈا کرنا غلط اور مردود ہے۔ بطورِ لطیفہ اور بطورِ عبرت و نصیحت عرض ہے کہ نیموی حنفی صاحب نے مسجد میں دوسری نماز باجماعت کے مکروہ ہونے کا باب باندھا: ''**باب ما استدل به علٰی کراهة تکرار الجماعة في مسجد**'' (آثار السنن قبل ح ۵۲۶)

اور اس کے فوراً بعد دوسری جماعت کرانے کے جواز کا باب باندھا:

''**باب ما جاء في جواز تکرار الجماعة في مسجد**'' (آثار السنن قبل ح ۵۲۷)

کیا یہاں بھی گھمن صاحب اور آلِ گھمن جماعتِ ثانیہ کی تکرار کے بارے میں دعویٔ کراہت منسوخ اور جواز کو ناسخ سمجھ کر جائز ہونے کا فتویٰ دیں گے۔؟!

ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہئے کہ ایک اصول و قاعدہ خود بنا کر پھر خود ہی اُسے توڑ دیا جائے، پاش پاش کر دیا جائے بلکہ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا بنا کر ہوا میں اُڑا دیا جائے۔ اس طرح سے تو بڑی جگ ہنسائی ہوتی ہے۔

کیا آلِ دیوبند میں کوئی بھی ایسا نہیں جو گھمن صاحب کو سمجھائے کہ اپنی اوقات سے پاؤں باہر نہ پھیلائیں اور اپنے خود ساختہ اصولوں کی بذاتِ خود تو مخالفت نہ کریں۔!؟

ثابت ہوا کہ اہلِ حدیث (یعنی اہلِ سنت) منسوخ روایات پر عمل نہیں کرتے، لہٰذا گھمن صاحب نے اپنی مذکورہ تقریر میں خطیبانہ جوش کا مظاہرہ کرتے ہوئے اہلِ حدیث کے بارے میں غلط بیانی سے کام لیا ہے، جسے دوسرے الفاظ میں دروغ گوئی کہا جاتا ہے اور ایسا کرنا شریعتِ اسلامیہ میں ممنوع ہے۔

منسوخ روایات پر دیوبندی علماء وعوام کے عمل کی دو مثالیں درج ذیل ہیں:

۱: صبح کی نماز روشنی میں پڑھنا بھی ثابت ہے اور اندھیرے میں پڑھنا بھی ثابت ہے۔ ایک صحیح حدیث میں آیا ہے کہ ''**ما صلّی رسول اللّٰه ﷺ الصلوٰة لوقتها الآخر حتی قبضه اللّٰه**'' رسول اللہ ﷺ نے وفات تک آخری وقت میں کبھی نماز نہیں پڑھی۔

(المستدرک للحاکم ۱/۱۹۰ ح ۶۸۲ وسندہ حسن، وصححہ الحاکم علی شرط الشیخین ووافقہ الذہبی)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ صبح کی نماز روشنی میں پڑھنا منسوخ ہے۔ نیز دیکھئے الناسخ والمنسوخ للحازمی (ص ۷۷) اور میری کتاب ہدیۃ المسلمین (حدیث نمبر ۸ ص ۲۶۔۲۷)

عام دیوبندیوں کا عمل یہ ہے کہ وہ رمضان کے علاوہ باقی مہینوں میں نمازِ فجر خوب روشنی کر کے یعنی منسوخ وقت میں پڑھتے ہیں۔

۲: ایک روایت میں ''و إذا قرأ فانصتوا'' یعنی جب امام قراءت کرے تو تم خاموش ہو جاؤ، کے الفاظ آئے ہیں۔ دیکھئے صحیح مسلم (۴۰۴، ترقیم دارالسلام: ۹۰۵)

چونکہ اس حدیث کے ایک راوی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تھے۔ (صحیح مسلم: ۴۰۴، دارالسلام: ۹۰۵)

اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فاتحہ خلف الامام کا حکم ثابت ہے۔

دیکھئے جزء القراءۃ للبخاری (۱۵۳، وسندہ صحیح) آثار السنن (۳۵۸ وقال: واسنادہ حسن) اور میری کتاب: علمی مقالات (ج ۲ ص ۲۶۳)

حنفیوں کا مشہور اُصول ہے کہ اگر راوی اپنی روایت کے خلاف فتویٰ دے تو وہ روایت منسوخ ہوتی ہے، لہٰذا اس فتوے کی رُو سے ''و إذا قرأ فانصتوا'' والی روایت منسوخ ہے، لیکن دیوبندی حضرات فاتحہ خلف الامام کے مسئلے پر اپنی کتابوں اور مناظروں میں اس

منسوخ حدیث کو بطورِ حجت پیش کرتے ہیں۔

اپنے ہی اصول خود توڑ کر پاش پاش کر دینا مذہبی خودکشی کی بدترین مثال ہے۔

☆ فاتحہ خلف الامام کا منسوخ ہونا تو بہت دُور کی بات ہے، کسی ایک بھی صحیح حدیث میں صراحت کے ساتھ فاتحہ خلف الامام کی مخالفت ثابت نہیں۔ دیوبندیوں کے پیارے عبدالحیٔ لکھنوی صاحب نے علانیہ لکھا ہے: ''**انه لم يرد في حديث مرفوع صحيح النهي عن قراءة الفاتحة خلف الإمام و كل ما ذكروه مرفوعًا فيه اما لا اصل له و اما لا يصح ...**'' کسی مرفوع صحیح حدیث میں فاتحہ خلف الامام کی ممانعت نہیں آئی، لوگوں نے اس بارے میں جو مرفوع روایتیں ذکر کی ہیں اُن کی یا تو کوئی اصل نہیں یا وہ صحیح نہیں ہیں۔ (التعلیق الممجد ص ۱۰۱، حاشیہ نمبر ۱)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، سیدنا عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابۂ کرام فاتحہ خلف الامام کے قائل و فاعل تھے۔ دیکھئے میری کتاب الکواکب الدریہ (ص ۲۴۔۲۷)

کیا یہ جلیل القدر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین منسوخ پر عمل پیرا تھے؟

حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے فرمایا: اور یقیناً علماء کا اجماع ہے کہ جو شخص امام کے پیچھے (سورۂ فاتحہ) پڑھتا ہے، اس کی نماز مکمل ہے، اس پر کوئی اعادہ نہیں ہے۔

(الاستذکار ۲/ ۱۹۳، الکواکب الدریہ ص ۳۱، نیز دیکھئے میری کتاب: نصر الباری فی تحقیق جزء القراءۃ للبخاری)

☆ نماز میں رفع یدین قبل الرکوع و بعدہ کو منسوخ کہنا کئی وجہ سے باطل ہے، جس کی تفصیل میری کتاب نور العینین فی اثبات رفع الیدین میں دیکھی جا سکتی ہے۔

نیز دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو (شمارہ ۷ ص ۱۳ تا ۱۵)

❁❁❁

ساقی بریلوی کے دس (۱۰) جھوٹ، پانچ دھوکے اور خیانتیں

غلام مرتضٰی ساقی مجددی بریلوی رضا خانی کے دس (۱۰) جھوٹ باحوالہ اور ردپیشِ خدمت ہیں:

۱) ساقی بریلوی کی کتاب میں لکھا ہوا ہے کہ ''وہابی اکابرین اور خود زبیری پارٹی نے تسلیم کیا ہے کہ صحابہ کرام کے اقوال، اعمال اور فہم حجت نہیں اگر چہ صحیح سند سے ہی ثابت ہوں۔ (ملاحظہ ہو! الحدیث نمبر ۳۰ صفحہ ۱۴، نمبر ۲۷ صفحہ ۵۶، ۵۷، نمبر ۲۸، صفحہ ۲۱ وغیرہ...''

(مسئلہ رفع یدین پر امین محمدی اور علی زئی کا تعاقب ص ۱۳۱)

اس عبارت میں رسالہ الحدیث حضرو اور راقم الحروف پر متعدد جھوٹ بولے گئے ہیں، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱: رسالہ نمبر ۳۰ صفحہ ۱۴ پر ایسی کوئی عبارت نہیں جس میں یہ لکھا ہوا ہو کہ ''صحابہ کرام کے اقوال، اعمال اور فہم حجت نہیں اگر چہ صحیح سند سے ہی ثابت ہوں۔''

بلکہ صفحہ ۱۵ پر لکھا ہوا ہے کہ ''معلوم ہوا کہ اس مسئلے میں صحابۂ کرام کے درمیان اختلاف ہے۔ جب اختلاف ہو جائے تو کتاب وسنت کی طرف رجوع کرنے کا حکم ہے۔''

۲: الحدیث: ۲۷ ص ۵۶۔ ۵۷ پر بھی ایسی کوئی عبارت نہیں ہے، بلکہ ابراہیم بن بشیر الحسینوی کا قول ہے، جس میں اس نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کے عمل کے بارے میں ''دلیل نہیں بنتا'' لکھا ہے۔ جبکہ اس کے فوراً بعد تنبیہ کے عنوان سے صفحہ ۵۷۔ ۵۸ پر ابن بشیر کا زبردست رد لکھا گیا ہے، جسے چھپا کر ساقی نے کتمانِ حق کا ارتکاب کیا ہے۔

۳: الحدیث: ۲۸ ص ۲۱ پر بھی ایسی کوئی عبارت موجود نہیں ہے، جس کا ساقی نے ذکر کیا ہے۔ مذکورہ صفحے پر وضاحت کے عنوان سے صرف یہ اعلان شائع کیا گیا ہے کہ الحدیث: ۲۷ ص ۵۶۔ ۵۷ والی عبارت حافظ عبدالمنان نور پوری حفظہ اللہ کی نہیں بلکہ ابراہیم بن بشیر

حسینوی کی ہے۔ نیز دیکھئے فقرہ: ۷

تنبیہ: بریلوی کی اس کتاب کا تذکرہ آئندہ حوالوں میں ''ساقی بریلوی کی کتاب'' یا ''ساقی کی کتاب'' کے ذریعے سے ہوگا۔ ان شاء اللہ

۲) عوام میں سے عبدالرشید انصاری کی کتاب الرسائل کے بارے میں ساقی نے ''نوٹ'' کے عنوان سے لکھا ہے:

''زبیر علی زئی نے ان کو اپنے مسلک کی قابل اعتماد اور قابل فخر کتابوں کی فہرست میں پیش کر کے ان کی ثقاہت کی ذمہ داری قبول کر رکھی ہے۔ (نور العینین صفحہ ۵۴)''

(ساقی بریلوی کی کتاب ص ۲۹)

عرض ہے کہ نور العینین کے صفحہ مذکورہ (اور طبع جدید ص ۵۸) میں اہلِ حدیث کی طرف سے رفع یدین کے اثبات والی کتابوں کے نام لکھے گئے ہیں، لیکن ان کتابوں کو ''قابلِ اعتماد'' یا قابلِ فخر کتابیں نہیں لکھا گیا اور نہ اُن کی ثقاہت کی کوئی ذمہ داری قبول کی گئی ہے، لہٰذا عبارتِ مذکورہ میں ساقی نے دروغ بے فروغ لکھا ہے۔

۳) ساقی کی کتاب میں لکھا ہوا ہے:

''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اعرابی (دیہاتی) کیلئے وتر جائز نہ سمجھتے تھے۔ (ابوداود صفحہ ۲۰۰ جلد ۱)'' (ساقی بریلوی کی کتاب ص ۱۴۰)

سنن ابی داود میں ایسی کوئی روایت نہیں ہے کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ، اعرابی (دیہاتی) کے لئے وتر جائز نہ سمجھتے تھے، بلکہ مذکورہ صفحے پر عبداللہ (بن مسعود رضی اللہ عنہ) کی طرف منسوب ایک روایت کے آخر میں لکھا ہوا ہے کہ ایک اعرابی نے کہا: آپ کیا کہتے ہیں؟ تو انھوں (سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: ''لیس لک ولا لأصحابک'' یہ تیرے لئے نہیں اور نہ تیرے ساتھیوں کے لئے ہے۔ (سنن ابی داود ج ۱ ص ۲۰۰۔ ۲۰۱ ح ۱۴۱۷)

اس روایت کی سند دو وجہ سے ضعیف ہے:

۱: ابوعبیدہ بن عبداللہ بن مسعود کی اپنے والد سے روایت منقطع ہوتی ہے۔ (دیکھئے تقریب

التہذیب:۱/۲۲۳، ۸۲۱، طبقات ابن سعد ۶/۲۱۰ وسندہ صحیح، کتاب العلل ومعرفۃ الرجال للامام احمد: ۴۵۶ وسندہ حسن)

لہٰذا یہ سند منقطع ہے۔

۲: سلیمان الاعمش مدلس تھے۔ ان کے بارے میں عباس رضوی بریلوی نے لکھا ہے:

''اس روایت میں ایک راوی امام اعمش ہیں جو کہ اگرچہ بہت بڑے امام ہیں لیکن مدلس ہیں اور مدلس راوی جب عن: سے روایت کرے تو اس کی روایت بالاتفاق مردود ہوگی۔''

(واللہ آپ زندہ ہیں ص ۲۵۱)

اس ضعیف و مردود روایت سے ''وتر جائز نہ سمجھتے تھے'' کے استدلال پر بھی نظر ہے۔

۴) ساقی نے لکھا ہے:

''بشیر الرحمٰن مستحسن نے کہا: ہم بخاری کو آگ میں ڈالتے ہیں۔ (آتش کدۂ ایران ص ۱۰۹)''

(ساقی کی کتاب ص ۹۳)

عرض ہے کہ بشیر الرحمٰن مستحسن نام کا کوئی اہلِ حدیث عالم نہیں ہے اور نہ ''آتش کدۂ ایران'' نامی کتاب کا مصنف اہلِ حدیث ہے، بلکہ یہ ایک کذاب منکرِ حدیث کی لکھی ہوئی کتاب ہے۔

۵) غلام مرتضٰی ساقی بریلوی نے لکھا ہے:

''عطاء اللہ حنیف نے اپنا ''انصاف'' پر مبنی یہ فیصلہ دیا ہے کہ... کہا جائے گا کہ صحابہ اور تابعین کے فعل میں اختلاف ہے (کچھ رفع یدین کرتے تھے اور کچھ نہیں کرتے تھے)، رفع یدین اور ترک رفع یدین میں سے کوئی چیز لازم نہیں کہ اسے چھوڑنے والے کو ملامت کی جائے۔ البتہ رسول اللہ ﷺ سے ثبوت رفع کا قول راجح ہے... و یجوز اسنتان الامرین جمیعا. (تعلیقات سلفیہ علی سنن النسائی جلد 1 صفحہ 102)'' (ساقی کی کتاب ص ۶۸)

یہ استاذ محترم مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ کا قول نہیں بلکہ ابوالحسن السندھی کا قول ہے، جیسا کہ تعلیقات سلفیہ میں مذکورہ صفحے کے حاشیہ نمبر ۴ کی آخری سطر میں ''سندی'' کہہ کر وضاحت کردی گئی ہے۔

سندھی حنفی کے مذکورہ حاشیے کے لئے دیکھئے سنن النسائی بحاشیۃ السندھی ج۱ص۱۴۰
(مطبوعہ قدیمی کتب خانہ مقابل آرام باغ کراچی)

۶) ساقی بریلوی نے لکھا ہے:

''اس روایت کے پہلے راوی امام بیہقی ہیں جو امام شافعی کے نہ صرف مقلد تھے بلکہ امام شافعی کی تقلید نہ کرنے والوں کو بُرا سمجھتے تھے۔ (طبقات شافعیہ)'' (ساقی کی کتاب ص۹۸)

عرض ہے کہ ہمارے پاس طبقات شافعیہ للسبکی کے دو نسخوں میں امام بیہقی کا تذکرہ ہے:

۱: مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان (ج۲ص۳۴۸۔۳۵۴)

۲: مطبوعہ دار المعرفۃ للطباعۃ والنشر بیروت لبنان (ج۳ص۳۔۷)

ان دونوں نسخوں میں نہ تو امام بیہقی کو مقلد لکھا ہوا ہے اور نہ یہ لکھا ہے کہ وہ امام شافعی رحمہ اللہ کی تقلید نہ کرنے والوں کو بُرا سمجھتے تھے، لہٰذا اس عبارت میں ساقی نے دو جھوٹ بولے ہیں۔

فائدہ: امام بیہقی نے قاضی اور مفتی کے بارے میں لکھا ہے کہ ''**فإنه غیر جائز له أن یقلد أحدًا من أهل دهره ...**'' پس بے شک اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے زمانے والوں میں سے کسی کی تقلید کرے... (السنن الکبریٰ ج۱۰ص۱۱۳)

معلوم ہوا کہ امام بیہقی تقلید کے خلاف تھے۔ والحمد للہ

۷) ماہنامہ الحدیث حضرو: ۲۷ (ص۵۶۔۵۷) میں ابراہیم بن بشیر.... کی ایک عبارت بحوالہ مقالات نور پوری (ص۲۶۴، ۲۶۷) شائع ہوئی تھی، جس پر اس کے متصل بعد صفحہ ۵۷۔۵۸ پر ''تنبیہ'' کے عنوان سے رد لکھا گیا تھا جس میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کی زبردست تائید کی گئی تھی۔ راقم الحروف نے لکھا تھا:

''کسی صحابی سے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ پر اس سلسلے میں انکار ثابت نہیں ہے۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ جیسے متبع سنت صحابی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث سنیں اور پھر خود ہی

اس کی مخالفت بھی کریں۔'' (الحدیث: ۲۷ ص ۵۷)

ابراہیم بن بشیر کی عبارت کا حوالہ دے کر ساقی نے لکھا ہے:

''دیکھئے! کس طرح تکرار اور اصرار اور بار بار دہرا کر اپنے سینے کا ''غبار'' اگلا جا رہا ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا اپنا عمل دلیل نہیں، بلکہ غلط ہے۔

☆ اسی بات کی تائید الحدیث نمبر ۲۸، ص ۲۱ پر بھی کی گئی ہے۔'' (ساقی کی کتاب ص ۱۳۷)

عرض ہے کہ الحدیث: ۲۸ میں ابراہیم بن بشیر کی تائید قطعاً نہیں بلکہ ''ایک وضاحت'' کے عنوان سے ایک اعلان شائع کیا گیا ہے، جس میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ الحدیث: ۲۷ (ص ۵۶۔ ۵۷) کی عبارت حافظ عبدالمنان کی نہیں بلکہ ابراہیم بن بشیر کی عبارت ہے۔ لہٰذا ساقی نے صریح جھوٹ بولا ہے۔ نیز دیکھئے فقرہ: ۱

۸) ساقی کی کتاب میں لکھا ہوا ہے:

''زبیر علی زئی نے خود کہا ہے:

''یہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا اجتہاد ہے جو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح و ثابت سنت کے خلاف ہے۔''

(الحدیث نمبر ۲۶، ص ۵۶)'' (ساقی کی کتاب ص ۱۳۶)

عرض ہے کہ یہ میرا قول نہیں بلکہ عمرو بن عبدالمنعم (عربی) کا قول ہے، لہٰذا عبارتِ مذکورہ میں ساقی نے مجھ پر جھوٹ بولا ہے۔

تنبیہ: عمرو بن عبدالمنعم کی عبارتِ مذکورہ میں نظر ہے، اور اس پر ردسہواً رہ گیا ہے۔

۹) نورالعینین میں محمد بن احمد بن عصمہ الرملی اور حصین بن وہب کی دو روایتیں ذکر کر کے مذکورہ راویوں پر کلام کیا گیا ہے، اس کا تذکرہ کر کے ساقی نے لکھا:

''لیکن ان دونوں کی روایتوں کو باطل، مردود اور من گھڑت نہیں کہا بلکہ لکھا ہے:

''دونوں ثابت ہیں اور یہ بھی ثابت ہے الخ'' (ایضاً صفحہ ۲۴۸)'' (ساقی کی کتاب ص ۱۲۷)

نورالعینین کے مذکورہ صفحے پر لکھا ہوا ہے کہ

''اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے رفع الیدین کا کرنا اور اسے

رسول اللہ ﷺ سے روایت کرنا دونوں ثابت ہیں۔ اور یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے نبی ﷺ کی جو نماز روایت کی ہے وہ آپ کی آخری نماز ہے حتیٰ کہ آپ اس دنیا سے تشریف لے گئے۔ (رضی اللہ عنہ)'' (طبع سوم مارچ ۲۰۰۴ء ص ۲۴۸)

اس عبارت میں ساقی کی مذکورہ دو روایتوں کو ثابت نہیں کہا گیا، بلکہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی موقوف روایت بحوالہ جزء رفع الیدین (نورالعینین ص ۲۴۴) مرفوع روایت بحوالہ ابوداود (نورالعینین ص ۲۳۸) اور آخری نماز والی روایت بحوالہ صحیح بخاری (نورالعینین ص ۲۴۲) لکھا گیا ہے اور پہلی دو روایتوں کو ثابت قرار دیا گیا ہے، لہٰذا ساقی نے عبارتِ مذکورہ میں صریح جھوٹ بولا ہے۔

تنبیہ: نورالعینین کے جدید ایڈیشن میں ''رسول اللہ ﷺ کی وفات تک رفع الیدین کا ثبوت'' مضمون میں مناسب اصلاح کی گئی ہے اور حضرت کا لفظ کاٹ دیا گیا ہے۔

(طبع ستمبر ۲۰۰۹ء ص ۳۲۸۔۳۴۰)

اس طبع جدیدہ مع مراجعت میں مذکورہ مضمون کے آخر میں لکھا ہوا ہے کہ ''اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے باسند صحیح رفع الیدین کا کرنا ثابت ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کی جو نماز روایت کی ہے، وہ آپ کی آخری نماز ہے حتیٰ کہ آپ ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے۔ ﷺ'' (نورالعینین ص ۳۴۰)

۱۰) ساقی بریلوی نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی صحیح و ثابت حدیث رفع الیدین میں جعلی طور پر ''شدید اختلاف'' ثابت کرنے کی ناکام کوشش کے بعد لکھا:

''حضرت امام مالک (جو اس حدیث کے راوی ہیں) نے اس حدیث پر عمل کرنے سے انکار کر دیا اور صرف نماز کے شروع میں رفع یدین کا موقف اختیار کیا ہے۔''

(ساقی کی کتاب ص ۳۴)

ساقی نے اس سلسلے میں تین قسم کے حوالے دیئے ہیں:

۱: اصیلی، ابن رشد مالکی، عبدالرحمٰن جزری، نووی، کرمانی اور شوکانی وغیرہم کے بے سند

حوالے، جن کی کوئی صحیح متصل سند امام مالک تک موجود نہیں ہے۔

غلام رسول سعیدی بریلوی نے لکھا ہے کہ ''اور جو روایت بلا سند مذکور ہو وہ حجت نہیں ہے۔'' (شرح صحیح مسلم ج۱ ص۵۱۱ سطر نمبر۲)

۲: المدونۃ الکبریٰ کی غیر مستند اور مردود کتاب کا حوالہ ہے۔

۳: ابن فرقد الشیبانی (مجروح عند جمهور المحدثين و كذبه القاضي أبو يـــوسف) کی (غیر ثابت) الموطأ کا حوالہ، جس میں یہ قطعاً موجود نہیں کہ امام مالک نے حدیثِ ابن عمر (رضی اللہ عنہ) پر عمل کرنے سے انکار کر دیا۔

فائدہ: ابن فرقد الشیبانی (ضعيف جدًا) نے لکھا ہے:

''و قال أهل المدينة : يرفع يديه حذو منكبيه إذا افتتح الصلاة و إذا كبر للركوع و إذا رفع رأسه من الركوع رفعهما كذلك أيضًا ... ''

اہل المدینہ نے کہا: نماز شروع کرتے وقت رفع یدین کرنا چاہئے، رکوع کی تکبیر کے وقت اور رکوع سے سر اُٹھاتے وقت اسی طرح رفع یدین کرنا چاہئے... الخ

(کتاب الحجہ [علیٰ اہل المدینہ] ج۱ ص۹۴)

امام مالک اہلِ مدینہ میں سے تھے، لہٰذا ابن فرقد (ضعيف مجروح) کے مذکورہ قول سے اشارتاً ثابت ہوا کہ امام مالک تینوں جگہ پر رفع یدین کرتے تھے۔ والحمد للہ

امام عبداللہ بن وہب المصری رحمہ اللہ نے فرمایا: میں نے (امام) مالک بن انس کو دیکھا، آپ نماز شروع کرتے وقت، رکوع سے پہلے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کرتے تھے۔

اس حدیث کے راوی ابو عبداللہ محمد بن جابر بن حماد المروزی الفقیہ رحمہ اللہ نے کہا: میں نے محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم (ثقہ) سے یہ قول ذکر کیا تو انھوں نے فرمایا: یہ مالک کا قول اور فعل ہے جس پر وہ فوت ہوئے اور یہی سنت ہے۔ میں اسی پر عامل ہوں اور حرملہ بھی اسی پر عامل ہیں۔ (تاریخ دمشق ج۵۵ ص۱۳۴، وسندہ حسن، نور العینین ص۱۷۸)

امام ترمذی نے بھی امام مالک کی طرف رکوع والے رفع یدین کا اثبات منسوب کیا اور اپنی سند کے ساتھ نقل کیا کہ مالک بن انس نماز میں رفع یدین کے قائل تھے۔

(سنن الترمذی بتحقیق احمد شاکر ۲؍۳۷، ۳۹ وسندہ حسن)

غلام مرتضیٰ ساقی کے اور بھی کئی جھوٹ اس کی کتاب: ''مسئلہ رفع یدین پر امین محمدی اور علی زئی کا تعاقب'' میں موجود ہیں، اور اَب اُس کی چند خیانتیں اور دھوکے باحوالہ ورد پیشِ خدمت ہیں:

۱: عطیہ العوفی (شیعہ، مدلس اور ضعیف) کی ایک مردود روایت پیش کر کے ساقی نے لکھا ہے: ''بعض الوہابیہ آخری روایت کو ضعیف قرار دینے پر تل جاتے ہیں، جبکہ انہوں نے خود تسلیم کیا ہے کہ ضعیف روایت صحیح کی تائید میں پیش کی جا سکتی ہے۔ (امین اوکاڑوی کا تعاقب ص 58 وغیرہ)'' (ساقی بریلوی کی کتاب ص ۴۰)

عرض ہے کہ امین اوکاڑوی کا تعاقب نامی کتاب میں لکھا ہوا ہے کہ'' ظاہر ہے کہ اگر ایک روایت بالکل صحیح ہو تو اس کی تائید میں کمزور روایت پیش کرنا حرام وممنوع نہیں ہے۔ (تاہم ہمارے نزدیک یہ روایت پیش نہ کرنا اور صحیح بخاری والی روایت سے استدلال کرنا ہی راجح ہے)'' (ص ۵۸)

معلوم ہوا کہ ساقی نے حوالہ پیش کرنے میں خیانت کی ہے، دوسرے یہ کہ سیدنا ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ترکِ رفع یدین کسی '' بالکل صحیح'' روایت سے ثابت نہیں۔ اس سلسلے میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب روایت ابو بکر بن عیاش رحمہ اللہ کے وہم کی وجہ سے باطل اور مردود ہے۔

دیکھئے نور العینین (ص ۱۶۷۔۱۷۲)

۲: ساقی نے بحوالہ نصب الرایہ (۱؍۴۰۴) عبداللہ بن عون الخراز کی طرف منسوب ایک روایت پیش کر کے لکھا ہے:

''اس حدیث کے تمام راوی صحیح بخاری کی پیش کی گئی روایت کے راوی ہیں سوائے عبداللہ

بن عون کے اور وہ بھی زبردست ثقہ ہے۔'' (ساقی کی کتاب ص ۴۳)

روایتِ مذکورہ میں امام بیہقی سے لے کر عبداللہ بن عون تک تمام راویوں اور متصل سند کا کوئی ثبوت نہیں ہے، اگر ساقی اینڈ پارٹی اس روایت کی مکمل متصل اور صحیح سند پیش کر دیں تو انھیں نور العینین فی اثبات رفع الیدین کا ایک نسخہ انعام میں دیا جائے گا۔ دیدہ باید

تنبیہ: اصل کتاب سے شروع سے لے کر آخر تک مکمل سند کے بغیر مغلطائی (مجروح) کا حوالہ پیش کرنا فضول ہے۔

۳: مسند حمیدی کی ایک موقوف روایت میں ''کلما خفض ورفع'' کے الفاظ آتے ہیں۔ (ح ۶۱۵)

یہی روایت جزء رفع الیدین للبخاری (ح ۱۵) میں ''إذا رکع و إذا رفع'' کے الفاظ سے آئی ہے۔ (تحقیقی ص ۴۴)

جس سے اس بات کا قطعی فیصلہ ہو گیا کہ خفض ورفع سے مراد رکع ورفع من الرکوع ہے اور اسی بات کی وضاحت راقم الحروف نے جزء رفع الیدین کے حاشیے میں کی ہے۔ (ص ۴۵)

حدیث کے ساتھ حدیث کی تشریح کرنا بالکل صحیح اور جائز ہے، لیکن ساقی نے لکھا ہے:

''لیکن محض اپنے قیاس سے اس کی باطل تاویل کر رکھی ہے جو ان کے نزدیک ''کارشیطان'' ہے۔'' (ساقی کی کتاب ص ۱۳۳)

اگر حدیث کے ساتھ حدیث کی شرح ''کارِ شیطان'' اور ''باطل تاویل'' ہے تو پھر کیا گرنتھ اور بھاگوت گیتا وغیرہما کے ساتھ تشریح و تفہیم بیان کی جائے گی؟! (العیاذ باللہ)

ثابت ہوا کہ ساقی نے عبارتِ مذکورہ میں بہت بڑا دھوکا دیا ہے اور خیانت کی ہے۔

٤: راقم الحروف نے لکھا تھا:

''ابو بکر بن عیاش حافظے کی وجہ سے عندالجمہور ضعیف اور کثیر الغلط تھے جیسا کہ میں نے اپنی کتاب ''نور العینین فی مسئلہ رفع الیدین جدید'' میں ناقابل تردید دلائل سے واضح کر دیا ہے۔ ص ۱۸۱۔ ۱۸۷ و ص ۱۶۱۔ ۱۶۵'' (القول المتین فی الجہر بالتأمین طبع اول جنوری ۲۰۰۴ء ص ۳۰)

اس عبارت میں نور العینین سے مراد مکتبہ اسلامیہ فیصل آباد کی طرف سے اپریل ۲۰۰۲ء میں طبع اول کے نام سے شائع شدہ نسخہ ہے۔ اس نسخے کے صفحہ ۱۸۱۔۱۸۷، اور ص ۱۶۱۔۱۶۵ پر قاری ابوبکر بن عیاش رحمہ اللہ پر جرح موجود ہے۔

طبع سوم (مارچ ۲۰۰۴ء) میں بھی یہی جرحیں ص ۱۷۵ تا ۱۸۱، اور ص ۱۵۶ تا ۱۶۰ موجود ہیں۔ بعد میں راقم الحروف کی تحقیق اس وجہ سے بدل گئی کہ یہ ثابت ہوگیا: ابوبکر بن عیاش کو جمہور محدثین نے ثقہ و صدوق قرار دیا ہے، لہٰذا میں نے فوراً حق کی طرف رجوع کیا۔

دیکھئے نور العینین طبع جدید بعد از مراجعت (طبع دسمبر ۲۰۰۶ء، دسمبر ۲۰۰۷ء، ستمبر ۲۰۰۹ء) صفحہ ۱۶۸۔۱۷۰

میں کوئی بریلوی یا دیوبندی تو نہیں کہ باطل اور غلط بات پر ڈٹ جاؤں اور ضد کروں، میں تو اہلِ سنت اہلِ حدیث ہوں اور حق معلوم ہونے پر فوراً حق کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ والحمدللہ

تنبیہ: نور العینین کے مذکورہ رجوع کی وجہ سے "القول المتین فی الجہر بالتأمین" کی طبع دوم (جون ۲۰۰۷ء) میں ابوبکر بن عیاش پر جرح کو نکال کر انھیں ثقہ و صدوق اور حسن الحدیث قرار دیا گیا اور یہی حق ہے۔ والحمدللہ

نیز دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو: ۲۸ ص ۵۴ (تحریر ۲۲/ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ)

ساقی بریلوی نے اس فقرے کے شروع میں القول المتین کی عبارت نقل کر کے لکھا:

"یہ بھی سراسر تضاد گوئی اور لاشعوری ہے، کیونکہ نور العینین میں حضرت ابوبکر بن عیاش کی ثقاہت کو بیان کیا ہے..." (ساقی کی کتاب ص ۱۱۰)

عرض ہے کہ ساقی صاحب اپنے دماغ کا علاج کروائیں، کیونکہ القول المتین میں جس نور العینین کا حوالہ پیش کیا گیا ہے وہ اپریل ۲۰۰۲ء والا نسخہ ہے، جبکہ وہ دسمبر ۲۰۰۶ء والا نسخہ کھول کر اسے ۲۰۰۲ء والا نسخہ سمجھے بیٹھے ہیں اور اس مبلغِ علم پر اونچا اُڑنے، اَڑنگے لگانے اور اڑنگ بڑنگ باتوں میں مصروف ہیں۔

۵: غلام مرتضیٰ ساقی مجددی بریلوی رضا خانی نے صحیحین (صحیح بخاری اور صحیح مسلم) کی متفق علیہ حدیث کو عدمِ ذکر اور مصنوعی اختلاف ذکر کر کے مضطرب یعنی ضعیف قرار دینے کی کوشش کی ہے، حالانکہ عدمِ ذکر نفیِ ذکر کی دلیل نہیں ہوتا۔

قرآن مجید میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ بیان ہوا ہے کہ جب اُن کے پاس خوش خبری کے ساتھ فرشتے آئے، انھوں نے کہا: سلاماً۔

ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا: سلامٌ، پھر وہ تھوڑی دیر میں بھونا ہوا بچھڑا لے آئے۔

(دیکھئے سورۂ ھود: ۶۹)

دوسری جگہ آیا ہے کہ جب ابراہیم (علیہ السلام) کے مہمان اُن کے پاس آئے تو انھوں نے کہا: سلاماً، ابراہیم (علیہ السلام) نے فرمایا: ہم تو تم سے خائف ہیں۔

(سورۃ الحجر: ۵۲، ضیاء القرآن ج ۲ ص ۵۴۴)

اس سے اگر کوئی یہ نتیجہ نکالے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں کے سلام کا جواب ''سلامٌ'' کہہ کر نہیں دیا تھا تو یہ نتیجہ باطل ہے، کیونکہ عدمِ ذکر نفیِ ذکر کی دلیل نہیں ہوتا۔

اب اس مسئلے پر بعض علماء کے اقوال پیشِ خدمت ہیں:

۱: حافظ ابن حجر العسقلانی نے فرمایا: ''لکن لا یلزم من عدم الذکر عدم الوقوع'' لیکن عدمِ ذکر سے عدمِ وقوع لازم نہیں آتا۔ (فتح الباری ۱/ ۹۸ تحت ح ۴۰)

اور فرمایا: ''ولا یلزم من عدم ذکر الشئ عدم وقوعه'' کسی چیز کے عدمِ ذکر سے اس کا عدمِ وقوع لازم نہیں آتا۔ (الدرایہ ج ۱ ص ۲۲۵ ح ۲۹۲)

۲: عینی حنفی نے کہا: ''فلا یلزم من عدم الذکر عدم الوقوع'' پس عدمِ ذکر سے عدمِ وقوع لازم نہیں آتا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۵۷ تحت ح ۵۲۷۰)

۳: زیلعی حنفی نے کہا: ''ولا یلزم من عدم الذکر عدم الوقوع'' اور عدمِ ذکر سے عدمِ وقوع لازم نہیں آتا۔ (نصب الرایہ ج ۳ ص ۳۱۵)

۴: آلوسی بغدادی (متوفی ۱۲۷۰ھ) نے کہا: '' ثم عدم الذکر لا یدل علی عدم

الوجود ''پھر (یہ کہ) عدمِ ذکر سے عدمِ وجود لازم نہیں آتا۔ (روح المعانی ۱۳۵/۲۳)

☆ فرقۂ بریلویہ کے بانی احمد رضا خان بریلوی نے لکھا ہے:

''عدمِ ذکر ذکرِ عدم نہیں'' (فتاویٰ رضویہ ج ۱۸ص ۳۳۹)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں آیا ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو کھڑے ہوتے وقت تکبیر کہتے۔ پھر رکوع کرتے وقت تکبیر کہتے...''

(صحیح بخاری: ۷۸۹، صحیح مسلم: ۳۹۲، المنہاج السوی من الحدیث النبوی ص ۲۲۵)

اس حدیث سے طاہر القادری نے المنہاج السوی میں ''تکبیر اولیٰ کے علاوہ نماز میں رفع یدین نہ کرنے کا بیان'' پر استدلال کیا ہے۔

عرض ہے کہ اس حدیث میں پہلے رفع یدین یعنی تکبیر اُولیٰ والے رفع یدین کا بھی کوئی ذکر نہیں ہے، لہٰذا کیا عدمِ ذکر کی وجہ سے ساقی صاحب نفی ذکر مراد لیں گے اور تکبیرۃ الافتتاح والے رفع یدین کو بھی ترک کر دیں گے یا...!؟

اس طریقے سے وہ احمد رضا خان بریلوی کے قول ''عدمِ ذکر ذکرِ عدم نہیں'' کے مخالف بن جائیں گے اور بہت سے بریلوی مسئلے، مثلاً اذان سے پہلے صلوٰۃ وسلام خود بخود ان کے اپنے اصول سے ہی ختم ہو جائیں گے۔ کیا خیال ہے؟!

ساقی نے عدمِ ذکر اور نفیِ ذکر کے سلسلے میں میرے بارے میں لکھا ہے:

''جبکہ انہوں نے یہ قانون قرآن وحدیث سے ثابت نہیں کیا۔ بلکہ عبدالمنان نور پوری کی تقلید کی ہے۔ (صفحہ 55)'' (ساقی کی کتاب ص ۱۲۰)

ساقی نے اس عبارت میں راقم الحروف پر جھوٹ بولا اور بہتان باندھا ہے، کیونکہ قرآن وحدیث کے دلائل اور حافظ عبدالمنان نور پوری حفظہ اللہ کی پیدائش سے پہلے فوت شدہ علماء کی گواہیوں سے یہ صاف ثابت ہے کہ (ثبوتِ ذکر کے بعد) عدمِ ذکر نفیِ ذکر کی دلیل نہیں ہے۔ وما علینا إلا البلاغ

(۲۹/اپریل ۲۰۱۰ء)

عبدالشکور قاسمی دیوبندی کی کتاب
اور
ضعیف، مردود وموضوع روایات

قاری نفیس (سرکہ، تحصیل حضرو، ضلع اٹک) نے عبدالشکور قاسمی دیوبندی کی ''کتاب الصلوٰۃ'' اور اپنے پشتو لہجے میں درج ذیل تحریر لکھ کر دی:

''یہ ایک کتاب نماز کی جو آپ شیخ کی خدمت میں حاضر ہے دیوبندی حضرات کی طرف سے چیلنج کیا ہے کہ اگر اس کتابِ نماز میں کوئی حدیث ضعیف وکمزور یا من گھڑت یا موضوع ہوں تو ہمیں مطلع کریں اگر واقعی وہ حدیث کمزور وضعیف ہوں تو ہم دیوبندی مسلک چھوڑ کر اہلحدیث ہونے کا اعلان کریں گے وہ بھی ہم شیخ زبیر علی زئی کی موجودگی میں اعلان کریں گے۔ یہ چیلنج بیس (۲۰) آدمیوں کی طرف سے ہیں جو ہمارے گاؤں سرکہ میں رہائش پذیر ہیں۔.....از نفیس سلفی ۲۵ جنوری ۲۰۱۱ء ''

قاری نفیس صاحب کی اس تحریر کی وجہ سے عبدالشکور قاسمی کی کتاب الصلوٰۃ (جس کی ترتیب واضافہ کسی عبدالصبور علوی دیوبندی کے نام سے ہے؟ اس کتاب) کی دس (۱۰) ضعیف، مردود اور موضوع روایات باحوالہ ورد پیشِ خدمت ہیں:

۱) قاسمی دیوبندی نے ''صلوٰۃ الحاجت کا طریقہ'' کے عنوان سے سنن ترمذی (ج۱ ص۶۳) کی ایک روایت لکھی ہے کہ ''جس شخص کو اللہ تعالیٰ سے یا کسی آدمی کی طرف کوئی حاجت ہو تو اسے چاہئے کہ (پہلے) احسن طریقے سے وضو کرے پھر دو رکعت نماز پڑھے پھر اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرے اور نبی کریم ﷺ پر درود بھیج کر پھر یہ دعا پڑھے۔ **لا اِلٰه اِلا اللّٰه الحليمُ الكريم سبحان اللّٰهِ ربِّ العرشِ العظيمِ ....**

(ف) اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور نبی کریم ﷺ پر درود شریف بھیج کر اور مذکورہ دعائیہ کلمات

پڑھ لینے کے بعد جو حاجت وضرورت ہو اللہ جل شانہ کی بارگاہ میں پیش کرے، یعنی اللہ تعالیٰ سے مقصد برآری کیلئے دعا کرے۔

حاجت روائی اور مقصد برآئی کے لئے ''صلوٰۃ الحاجت'' بہت مجرب ہے۔''

(کتاب الصلوٰۃ ص ۱۴۰۔۱۴۱)

قاسمی کی بیان کردہ روایت سنن ترمذی میں ''فائد بن عبدالرحمٰن عن عبداللّٰه بن أبي أوفٰی رضي اللّٰه عنه'' کی سند سے مذکور ہے اور امام ترمذی نے فرمایا:

''هذا حديث غريب و في إسناده مقال . فائد بن عبدالرحمٰن يضعّف في الحديث ... '' یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند میں کلام ہے۔ فائد بن عبدالرحمٰن حدیث میں ضعیف قرار دیا جاتا ہے۔ (ح ۴۷۹)

ابوالورقاء فائد بن عبدالرحمٰن العطار الکوفی کیسا آدمی تھا؟ اس کے بارے میں محدثین کرام کی گواہیاں پیشِ خدمت ہیں:

امام احمد بن حنبل نے فرمایا: ''متروك الحديث '' وہ حدیث میں متروک ہے۔

امام ابن معین نے فرمایا: '' ليس بثقة و ليس بشيءٍ '' وہ ثقہ نہیں اور کوئی چیز نہیں۔

امام بخاری نے فرمایا: '' منكر الحديث '' وہ منکر حدیثیں بیان کرنے والا تھا۔

امام ابوحاتم الرازی نے فرمایا: '' و أحاديثه عن ابن أبي أوفٰی بواطيل ، لا تكاد ترى لها أصلاً كأنه لا يشبه حديث ابن أبي أوفٰی و لو أن رجلاً حلف أن عامة حديثه كذب لم يحنث '' اور (سیدنا) ابن ابی اوفیٰ (رضی اللہ عنہ) سے اس کی حدیثیں باطل ہیں، تم ان کی اصل نہیں دیکھو گے، گویا وہ ابن ابی اوفیٰ (رضی اللہ عنہ) کی احادیث کے مشابہ نہیں ہیں اور اگر کوئی آدمی قسم کھائے کہ اس (یعنی فائد) کی عام حدیثیں جھوٹ ہیں تو اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی۔

امام نسائی نے فرمایا: '' متروك الحديث ''

حاکم نیشاپوری نے فرمایا: '' روى عن ابن أبي أوفٰی أحاديث موضوعة ''

اس نے (سیدنا) ابن ابی اوفی (رضی اللہ عنہ) سے موضوع حدیثیں بیان کیں۔

نیز اس پر ابن حبان، عقیلی، دار قطنی اور ابن عدی وغیرہم نے جرح کی۔

(دیکھئے تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۲۵۰۔۲۵۱)

ثابت ہوا کہ یہ روایت موضوع اور باطل ہے، جسے عبدالشکور قاسمی نے بطورِ حجت پیش کیا ہے۔

۲) قاسمی اور علوی کی کتاب میں لکھا ہوا ہے کہ ''نیز اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں **قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ قال ابن عباس الذين لا يرفعون أيديهم في صلاتهم** (تفسیر ابن عباسؓ ص ۳۲۳) کامیاب ہوگئے وہ مؤمن جو اپنی نمازوں میں خشوع کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں یعنی جو نمازوں کے اندر رفع یدین نہیں کرتے۔'' (کتاب الصلوٰۃ ص ۱۸۴)

عرض ہے کہ تفسیر ابن عباس (تنویر المقباس) کے نام سے جو کتاب مطبوع ہے، اس کے بالکل شروع میں درج ذیل سند ہے:

''**.... عن محمد بن مروان عن الكلبي عن أبي صالح عن ابن عباس قال ...** '' (ص ۲)

اب اس سند کے پہلے راوی محمد بن مروان السدی کا تذکرہ سرفراز خان صفدر دیوبندی کی تحریر سے پیشِ خدمت ہے:

''اور محمد بن مروان السدی الصغیر کا حال بھی سُن لیجئے:۔

امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ اس کی روایت ہرگز نہیں لکھی جاتی۔ (ضعفاء صغیر امام بخاریؒ ص ۲۹) اور امام نسائیؒ فرماتے ہیں کہ وہ متروک الحدیث ہے۔ (ضعفاء امام نسائیؒ ص ۵۲) علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ حضرات محدثین کرامؒ نے اس کو ترک کر دیا ہے، اور بعض نے اس پر جھوٹ بولنے کا الزام بھی لگایا ہے۔ امام ابنِ معینؒ کہتے ہیں کہ وہ ثقہ نہیں ہے۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کو چھوڑ دیا تھا۔ ابن عدیؒ کا بیان ہے کہ جھوٹ اس کی روایات پر

بالکل بیّن ہے۔ (میزان الاعتدال ج۳ص ۱۳۲) امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ وہ متروک ہے۔ (کتاب الاسماء والصفات ص ۲۹۴)۔ حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ وہ بالکل متروک ہے۔ (تفسیر ابنِ کثیرؒ ج ۳ص ۵۱۵) علامہ سبکیؒ لکھتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے (شفاء السقام ص ۳۷) علامہ محمد طاہرؒ لکھتے ہیں کہ وہ کذاب ہے۔ (تذکرۃ الموضوعات ص ۹۰)
جریرؒ بن عبدالحمیدؒ فرماتے ہیں کہ وہ کذاب ہے۔ ابن نمیرؒ کہتے ہیں کہ وہ محض ہیچ ہے۔ یعقوب بن سفیانؒ کہتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے۔ صالحؒ بن محمدؒ فرماتے ہیں کہ وہ ضعیف تھا۔ وکان یضع ۔ (خود جعلی حدیثیں بھی بنایا کرتا تھا)۔ ابو حاتمؒ کہتے ہیں کہ وہ متروک الحدیث ہے، اس کی حدیث ہرگز نہیں لکھی جاسکتی۔ (تہذیب التہذیب ج ۹ص ۴۳۶)''

(ازالۃ الریب عن عقیدۃ علم الغیب ص ۳۱۶)

سرفراز خان صفدر نے دوسری جگہ لکھا ہے: ''سدی کذاب اور وضاع ہے جیسا کہ عنقریب آرہا ہے، انشاء اللہ تعالیٰ'' (اتمام البرہان ص ۴۵۵)

اور لکھا: ''صرف آپ نے خازن کے حوالہ سے سدی کذاب کے گھر میں پناہ لی ہے جو کہ آپ کی علمی رسوائی کے لیے بالکل کافی ہے اور یہ داغ ہمیشہ آپ کی پیشانی پر چمکتا رہے گا۔'' (اتمام البرہان ص ۴۵۸)

عرض ہے کہ عبدالشکور قاسمی اور عبدالصبور علوی دونوں کی پیشانیوں پر سدی کذاب کا داغ بھی ہمیشہ چمکتا رہے گا۔ ان شاء اللہ

اس سند کا دوسرا راوی محمد بن السائب الکلبی ہے، جس کے بارے میں سرفراز خان صفدر دیوبندی کڑمنگی نے لکھا ہے:

''کلبی کا نام محمد بن السائب بن بشر ابو النضر الکلبی ہے۔ امام معتمرؒ بن سلیمانؒ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ کوفہ میں دو بڑے کذاب تھے، ایک اُن میں سے کلبی تھا اور لیثؒ بن ابی سلیمؒ کا بیان ہے کہ کوفہ میں دو بڑے جھوٹے تھے، ایک کلبی اور دوسرا سدی۔ امام ابنِ معینؒ کہتے ہیں کہ لیس بشیٔ۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ امام یحییٰؒ اور ابن مہدیؒ نے اس کی روایت

بالکل ترک کر دی تھی۔ امام ابن مہدی فرماتے ہیں کہ ابو جزءؒ نے فرمایا کہ میں اس پر گواہی دیتا ہوں کہ کلبی کافر ہے۔'' (ازالۃ الریب ص ۳۱۴)

سرفراز خان نے مزید لکھا ہے:

'' بلکہ کلبی نے خود یہ کہا ہے کہ جب میں بطریق ابو صالح عن ابن عباسؓ کوئی روایت اور حدیث تم سے بیان کروں تو فھو کذب، (وہ جھوٹ ہے) امام ابو حاتمؒ فرماتے ہیں کہ حضرات محدثین کرامؒ سب اس امر پر متفق ہیں کہ وہ متروک الحدیث ہے۔ اس کی کسی روایت کو پیش کرنا صحیح نہیں ہے امام نسائیؒ کہتے ہیں کہ وہ ثقہ نہیں ہے اور اس کی روایت لکھی بھی نہیں جا سکتی۔ علیؒ بن الجنیدؒ، حاکم ابو احمدؒ اور دار قطنیؒ فرماتے ہیں کہ وہ متروک الحدیث ہے۔ جوز جانیؒ کہتے ہیں کہ وہ کذاب اور ساقط ہے۔ ابن حبانؒ کہتے ہیں کہ اس کی روایت پر جُھوٹ بالکل ظاہر ہے اور اس سے احتجاج صحیح نہیں ہے۔ ساجیؒ کہتے ہیں کہ وہ متروک الحدیث ہے اور بہت ہی ضعیف اور کمزور تھا کیونکہ وہ غالی شیعہ ہے۔ حافظ ابو عبداللہ الحاکمؒ کہتے ہیں کہ ابو صالحؒ سے اس نے جھوٹی روائتیں بیان کی ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ:-

و قد اتفق ثقات اهل النقل علی ذمه و ترك الرواية عنه في الاحكام والفروع	تمام اہلِ نقل ثقات اس کی مذمّت پر متفق ہیں اور اس پر بھی ان کا اتفاق ہے کہ احکام اور فروع اس کی کوئی روائت قابلِ قبول نہیں ہے۔

(تہذیب ج۹ ص ۱۷۸ تا ۱۸۱ ملتقطا)

اور امام احمدؒ بن حنبلؒ نے فرمایا کہ کلبی کی تفسیر اوّل سے لے کر آخر تک سب جھوٹ ہے اس کو پڑھنا بھی جائز نہیں ہے (تذکرۃ الموضوعات ص ۸۲)....'' (ازالۃ الریب ص ۳۱۵۔۳۱۶)

جس کذاب کی تفسیر کو پڑھنا بھی جائز نہیں، اسے قاسمی اور علوی دونوں بطورِ حجت پیش کر رہے ہیں۔ إنا للہ و إنا إليه راجعون .

۳) قاسمی وعلوی نے لکھا ہے:

''حضرت شعبیؒ جو بہت بڑے جلیل القدر تابعیؒ ہیں فرماتے ہیں میں نے ستر بدری صحابہ کرامؓ کو پایا وہ سب کے سب امام کے پیچھے قرات کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے۔
(تفسیر روح المعانی ج۹ ص۱۵۲)'' (کتاب الصلوٰۃ ص۱۸۲)

عرض ہے کہ یہ روایت آلوسی کی کتاب: روح المعانی میں بغیر کسی سند اور بغیر کسی حوالے کے مذکور ہے۔ روح المعانی کے مصنف محمود آفندی بغدادی آلوسی ۱۲۱۷ھ میں پیدا ہوئے۔ (دیکھئے محمد زاہد الحسینی دیوبندی کی کتاب: تذکرۃ المفسرین ص۱۸۰)

اور امام عامر بن شراحیل الشعبی رحمہ اللہ ۱۰۴ھ کو فوت ہوئے۔

(دیکھئے الاعلام بوفیات الاعلام للذہبی ۱/۶۳ ت ۲۹۰)

ہزار سال سے زیادہ عرصہ گزرنے کے بعد یہ بے سند روایت آلوسی تک کس طرح پہنچ گئی؟

سرفراز خان صفدر نے ایک جگہ لکھا ہے:

''اور امام بخاریؒ نے اپنے استدلال میں ان کے اثر کی کوئی سند نقل نہیں کی اور بے سند بات حجت نہیں ہوسکتی۔'' (احسن الکلام طبع جون ۲۰۰۶ء ص۳۰۴ ج۱)

جب امام بخاری کی ذکر کردہ بے سند روایت حجت نہیں تو تیرھویں صدی کے آلوسی کی بے سند روایت کس طرح حجت ہوسکتی ہے؟

امام ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے: ''**حدثنا وکیع قال: نا مالك بن مغول قال: سمعت الشعبي یحسن القراء ة خلف الإمام**'' ہمیں وکیع (بن الجراح) نے حدیث بیان کی، کہا: ہمیں مالک بن مغول نے حدیث بیان کی، کہا: میں نے شعبی سے سنا، وہ امام کے پیچھے قراءت کو اچھا سمجھتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج۱ ص۳۷۵ ح۳۷۷۲ وسندہ صحیح)

یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ شعبی نے ستر بدری صحابہ کو امام کے پیچھے قراءت کرنے سے منع فرماتے ہوئے سنا ہو اور وہ پھر بھی امام کے پیچھے قراءت کو اچھا سمجھتے ہوں، لہٰذا آلوسی کی مذکورہ بے سند روایت موضوع اور من گھڑت ہے۔

۴) قاسمی اور علوی نے لکھا ہے:

" عن عبد اللّٰه بن مسعود ان رسول اللّٰه ﷺ لا یرفع یده الا عند افتتاح الصلٰوۃ ثم لا یعود (مسند امام اعظم ج۱ص۳۵۲)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز شروع کرتے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے پھر کہیں ہاتھ نہ اٹھاتے تھے۔

یہ وہ حدیث شریف ہے جو سیدنا امام اعظم ابوحنیفہؒ نے مناظرہ میں امام اوزاعیؒ کے سامنے بیان فرمائی کہ اس کی سند کا ہر راوی اپنے دور کا سب سے بڑا فقیہ ہے اور امام اوزاعیؒ کو لاجواب ہو کر خاموش ہونا پڑا۔'' (کتاب الصلوٰۃ ص۱۸۶)

حوالۂ مذکورہ میں مسند امام اعظم سے مراد چھٹی صدی ہجری کے خوارزمی کی کتاب: جامع المسانید ہے اور جامع المسانید کے صفحہ ۳۵۳ پر اس روایت کی سند درج ذیل ہے:

" (اخرجه) ابو محمد البخاری (عن) محمد بن ابراهیم بن زیاد الرازی (عن) سلیمان الشاذکونی قال سمعت سفیان بن عیینة یقول: اجتمع ابوحنیفة والاوزاعی رضی اللّٰه عنهما."

اس کا پہلا راوی ابومحمد عبداللہ بن محمد بن یعقوب الحارثی البخاری سخت مجروح ہے اور دوسرے راوی محمد بن ابراہیم بن زیاد کے بارے میں امام دارقطنی نے فرمایا: ''متروك''

(دیکھئے میزان الاعتدال ج۳ص۴۴۸)

امام برقانی نے فرمایا: ''بئس الرجل'' بُرا آدمی۔ (تاریخ بغداد ج۱ص۴۰۷)

اب سلیمان الشاذکونی کے بارے میں بھی پڑھ لیں، سرفراز خان صفدر نے لکھا ہے:

''محدثین عظامؒ کے ضابطہ پر تو مؤلف خیر الکلام مطمئن نہیں ہیں اور سلیمان شاذکونیؒ کی لاتوں کا سہارا تلاش کرتے ہیں اور یہ بتانے کی زحمت ہی گوارا نہیں کرتے کہ وہ کون ہے؟ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ فیه نظر ابن معینؒ نے اس کو حدیث میں جھوٹا کہا ابوحاتمؒ اس کو متروک الحدیث اور نسائیؒ لیس بثقه کہتے ہیں اور صالح جزرہؒ فرماتے ہیں کان یکذب فی الحدیث کہ وہ حدیث میں جھوٹ کہتا تھا اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ وہ شراب پیتا اور

بیہودہ حرکتوں میں آلودہ تھا اور نیز فرمایا کہ درب دمیك میں شاذکونی سے بڑا جھوٹا اور کوئی داخل نہیں ہوا بغویؒ فرماتے ہیں کہ رماہ الائمة بالکذب ائمہ حدیث نے اس کو جھوٹ سے متہم کیا ہے اور امام یحییٰ بن معینؒ فرماتے ہیں کہ کان یضع الحدیث کہ وہ جعلی روایتیں بنایا کرتا تھا امام ابواحمد الحاکمؒ اس کو متروک الحدیث اور امام ابن مہدی اس کو خائب اور نامراد کہتے تھے امام عبدالرزاقؒ نے اسکو عدو اللہ، کذاب اور خبیث کہا اور صالح جزرہؒ کہتے ہیں کہ آناً فاناً سندیں گھڑ لیتا تھا اور صالح بن محمدؒ نے یہ بھی فرمایا کہ وہ کذب اور لونڈے بازی سے متہم تھا (محصلہ لسان المیزان ج ۳ ص ۸۴ تا ۸۷)''

(احسن الکلام ج ۱ ص ۲۰۴، دوسرا نسخہ ج ۱ ص ۲۵۴)

ثابت ہوا کہ یہ روایت دیوبندی اصول سے بھی موضوع (من گھڑت) اور باطل و مردود ہے۔

۵) قاسمی وعلوی دیوبندیان (یعنی دونوں دیوبندیوں یا اُن میں سے ایک) نے لکھا ہے:

''حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی مرفوع حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب عورت نماز میں بیٹھے تو دائیں ران بائیں ران پر رکھے اور جب سجدہ کرے تو اپنا پیٹ اپنی رانوں کے ساتھ ملا لے جو زیادہ ستر کی حالت ہے، اللہ تعالیٰ اسے دیکھ کر فرماتے ہیں کہ اے فرشتو! گواہ ہو جاؤ میں نے اس عورت کو بخش دیا۔ (بیہقی ج ۲، ص ۲۲۳)''

(کتاب الصلوٰۃ ص ۹۵)

السنن الکبریٰ للبیہقی میں اس روایت کی سند درج ذیل ہے:

''... عبید بن محمد السرخسی ثنا محمد بن القاسم البلخی ثنا أبو مطیع ثنا عمر بن ذر ...'' امام بیہقی نے فرمایا: ابواحمد (ابن عدی) نے فرمایا: ابومطیع کی حدیثوں پر ضعیف ہونا واضح ہے اور اس کی عام روایات کی متابعت نہیں کی جاتی۔ بیہقی نے کہا: اسے یحییٰ بن معین وغیرہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ (السنن الکبریٰ ج ۲ ص ۲۲۳)

ابومطیع الحکم بن عبداللہ البلخی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ

اس کی تعظیم کرتے تھے۔ (لیکن یہ بات باسند صحیح ثابت نہیں ہے)

اب اس کے بارے میں محدثین کرام کی گواہیاں حافظ ذہبی کے قلم سے پڑھ لیں:

ابن معین نے کہا: ''لیس بشئ'' وہ کوئی چیز نہیں۔

نسائی نے کہا: ''ضعیف''

احمد بن حنبل نے کہا: ''لا ینبغي أن یروی عنه شئ ...''

اس سے کوئی چیز روایت نہیں کرنی چاہئے۔

ابن حبان نے کہا: ''کان من رؤ ساء المرجئة ممن یبغض السنن و منتحلیها'' وہ مرجیہ (فرقے) کے سرداروں میں سے تھا، وہ ان لوگوں میں سے تھا جو سنتوں (احادیث) اور اہلِ سنت سے بغض رکھتے ہیں۔ (دیکھئے میزان الاعتدال ج ۱ ص ۵۷۴)

اور اصل کتابوں کے حوالوں کے لئے دیکھئے تاریخ ابن معین (روایۃ الدوری: ۴۷۶۰) کتاب الضعفاء للنسائی (۱۵۴) کتاب العلل للامام احمد (۲۹۹/۳۔۳۰۰ ت ۵۳۳۱) کتاب المجروحین لابن حبان (۲۵۰/۱ دوسرا نسخہ ۳۰۴/۱)

اسے دارقطنی اور عقیلی وغیرہما نے کتبِ ضعفاء میں ذکر کیا۔

(دیکھئے کتاب المتروکین للدارقطنی: ۱۶۲، الضعفاء الکبیر للعقیلی ۲۵۶/۱۔۲۵۷ دوسرا نسخہ ۲۷۶/۱)

ابن عدی کی جرح آپ پڑھ چکے ہیں اور ابو حاتم الرازی نے فرمایا:

''کان قاضي بلخ و کان مرجئاً ضعیف الحدیث'' وہ بلخ کا قاضی اور حدیث میں ضعیف مرجی تھا۔ (کتاب الجرح والتعدیل ج ۳ ص ۱۲۲)

حافظ ذہبی نے ایک روایت کے بارے میں فرمایا: یہ روایت ابو مطیع نے حماد بن سلمہ پر گھڑی ہے۔ (میزان الاعتدال ج ۳ ص ۴۲ ترجمۃ عثمان بن عبداللہ الاموی)

اس کے دوسرے راوی محمد بن القاسم البلخی کے بارے میں امام ابن حبان نے فرمایا:

''لا یحل ذکره'' اس کا ذکر کیا جانا حلال نہیں ہے۔

(دیکھئے میزان الاعتدال ج ۴ ص ۱۱، کتاب المجروحین لابن حبان ج ۲ ص ۳۱۱)

اس کے تیسرے راوی عبید بن محمد السرخسی کے حالات اور توثیق بالکل نامعلوم ہے۔
ثابت ہوا کہ یہ روایت موضوع (من گھڑت) اور باطل ہے۔

٦) قاسمی وعلوی نے لکھا ہے:

''حضرت انسؓ فرماتے ہیں **ثلاث من اخلاق النبوة تعجیل الافطار و تاخیر السحور و وضع الید الیمنی علی الیسری فی الصلوة تحت السرة** (محلی ابن حزم تعلیقاً، الجواہر النقی ج ۲ص ۳۲ علی البیہقی) ترجمہ: تین باتیں اخلاق نبوت سے ہیں (۱) روزہ افطار کرنے میں جلدی کرنا (۲) سحری کھانے میں تاخیر کرنا (۳) نماز میں دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے باندھ رکھنا۔'' (کتاب الصلوٰۃ ص ۱۷)

عرض ہے کہ ابن الترکمانی (حنفی) نے اس روایت کو محلی ابن حزم کے حوالے سے نقل کیا ہے اور محلی ابن حزم (ج ۳ص ۳۰) میں یہ روایت بے سند ہے اور خود قاسمی وعلوی نے بھی ''تعلیقاً'' کا لفظ لکھ کر یہ اشارہ کر دیا ہے کہ یہ بے سند روایت ہے۔

اس بے سند روایت کی سند ہمیں مل گئی ہے جو کہ درج ذیل ہے:

''**.... سعيد بن زربي عن ثابت عن أنس قال ...** ''

(مختصر الخلافیات للبیہقی ۱/۳۴۲، الخلافیات للبیہقی قلمی ص ۳۷)

امام بیہقی نے یہ روایت بیان کرنے کے بعد فرمایا: ''**تفرد به (سعيد بن) زربي وليس بالقوي**'' اس کے ساتھ سعید بن زربی منفرد ہے اور وہ قوی نہیں۔

اب دیگر محدثین کرام کی گواہیاں پیشِ خدمت ہیں:

ابن معین نے کہا: ''**ليس بشئ**'' وہ کوئی چیز نہیں۔

(نیز فرمایا: '' ليس حديثه بشئ '' اس کی حدیث کوئی چیز نہیں/ کتاب الجرح والتعدیل ۲۴/۴ وسندہ صحیح)

نسائی نے کہا: ''**ليس بثقة**'' وہ ثقہ نہیں۔

ابو حاتم الرازی نے کہا: '' **(ضعيف الحديث، منكر الحديث) عنده عجائب من المناكير** . (وہ حدیث میں ضعیف، منکر حدیثیں بیان کرنے والا) اس کے

پاس عجیب منکر روایتیں ہیں۔ (دیکھئے تہذیب التہذیب ج۴ص ۲۸، تاریخ ابن معین روایۃ الدوری: ۳۲۹۰، کتاب الضعفاء للنسائی: ۲۷۸، کتاب الجرح والتعدیل ۴/۲۴ت ۹۵)

امام بخاری نے فرمایا: " **لیس بقوي** " وہ قوی نہیں۔ (التاریخ الکبیر ۳/ ۳۷۰)

اور فرمایا: " **عنده عجائب** " اس کے پاس عجیب روایتیں ہیں۔ (التاریخ الصغیر ۲/ ۱۷۰)

حافظ ابن حجر نے فرمایا: " **منکر الحدیث** " (تقریب التہذیب: ۲۳۰۴)

ابواحمد الحاکم نے (کتاب الکنیٰ میں) فرمایا: " **منکر الحدیث جدًا** "

وہ بہت سخت منکر روایتیں بیان کرنے والا تھا۔ (دیکھئے تہذیب التہذیب ۴/ ۲۸)

ایسے شدید مجروح راوی کی روایت منکر، باطل اور مردود ہوتی ہے۔

۷) قاسمی وعلوی نے لکھا ہے:

" **عن عبد اللّٰہ بن مسعود قال صلیت خلف النبی ﷺ و ابی بکر و عمرؓ یرفعوا ایدیھم الا عند افتتاح الصلوٰۃ** (الجواہر النقی ج۱ص ۱۳۸) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے پیچھے نمازیں پڑھی ہیں تو یہ حضرات شروع نماز کے بعد کسی جگہ ہاتھ نہ اٹھاتے تھے۔" (کتاب الصلوٰۃ ص ۱۸۶)

آٹھویں صدی ہجری کے ابن الترکمانی حنفی کی کتاب: الجوہر النقی میں سفیان ثوری (ثقہ امام ومدلس) کی ضعیف روایت لکھنے کے بعد درج ذیل عبارت لکھی ہوئی ہے:

" **و قد جاء لحدیثه هذا شاهد جید و هو ما اخرجه البیهقی من حدیث محمد بن جابر (عن حماد بن ابی سلیمان عن ابراهیم عن علقمة عن ابن مسعود ...** " (ج۲ص ۷۸)

یہ روایت کئی وجہ سے ضعیف ومردود ہے۔ مثلاً:

۱: ابن سعد نے حماد بن ابی سلیمان کے بارے میں فرمایا: " ... **فاختلط في آخر أمره و کان مرجئاً و کان کثیر الحدیث** " پس وہ آخری دور میں اختلاط کا شکار ہو

گیااور وہ مرجی تھااور وہ کثرت سے حدیثیں بیان کرنے والا تھا۔

(طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۳۳۲)

حافظ نورالدین الہیثمی نے فرمایا: " و لا یقبل من حدیث حماد الا ما رواہ عنه القدماء شعبة و سفیان الثوري و الدستوائي و من عدا هولاء رووا عنه بعد الإختلاط ." اور حماد (بن ابی سلیمان) کی صرف وہی حدیث مقبول ہے جو اس کے قدیم شاگردوں شعبہ، سفیان ثوری اور (ہشام) الدستوائی نے بیان کی ہے، ان کے علاوہ جتنے بھی ہیں انھوں نے حماد سے اس کے اختلاط کے بعد والی روایتیں بیان کی ہیں۔

(مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۱۹۔۱۲۰، کتاب العلم باب فی طلب العلم)

یعنی یہ روایت حماد بن ابی سلیمان کے اختلاط کی وجہ سے ضعیف ہے۔

۲: محمد بن جابر بن سیار الیمامی کی بعض محدثین نے توثیق کی ہے، لیکن جمہور محدثین نے جرح کی ہے، لہٰذا یہ توثیق مردود ہے۔ حافظ ہیثمی نے فرمایا: " وھو ضعیف عند الجمھور" اور وہ جمہور کے نزدیک ضعیف ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۹۱)

سرفراز خان صفدر دیوبندی نے لکھا ہے:

''اور اپنے وقت میں اگر علامہ ہیثمیؒ کو صحت اور سقم کی پرکھ نہیں تو اور کس کو تھی؟''

(احسن الکلام، حاشیہ ج ۱ ص ۲۳۳، دوسرا نسخہ ج ۱ ص ۲۹۰)

۳: امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا: " أحادیثه عن حماد مضطربة ... "

اس (محمد بن جابر) کی حماد (بن ابی سلیمان) سے حدیثیں اضطراب والی ہیں۔

(مسائل ابن ہانی ج ۲ ص ۲۳۰ فقرہ: ۲۲۶۲)

یہ جرح خاص ہے اور خاص عام پر مقدم ہوتا ہے۔

۴: امام عبداللہ بن احمد بن حنبل نے اپنے والد سے ''محمد بن جابر عن حماد عن إبراھیم عن علقمة عن عبد اللّٰه ''والی ترکِ رفع یدین کی روایت ذکر کی تو انھوں نے فرمایا: ''ھذا حدیث منکر '' یہ حدیث منکر ہے/ اور انھوں نے اس پر بہت سخت

انکار کیا۔ (کتاب العلل ومعرفۃ الرجال ج۱ ص۳۷۴ فقرہ:۷۱۶)

میں حیران ہوں کہ قاسمی وعلوی نے کس طرح چن چن کر منکر، موضوع، بے اصل اور ضعیف روایات جمع کر رکھی ہیں اور اس کے باوجود بعض دیوبندیوں کا یہ خیال ہے کہ اس کتاب میں کوئی بھی ضعیف روایت نہیں۔!!

۸) قاسمی وعلوی نے لکھا ہے:

''حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں وضع الكف على الكف في الصلوٰة تحت السرة (ابوداود بروایت الاعرابی) نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ پر ہاتھ رکھا جائے۔''

(کتاب الصلوٰۃ ص۷۱)

ابن الاعرابی والے نسخے میں اس روایت کی سند درج ذیل ہے:

" حدثنا مسدد نا عبد الواحد بن زياد عن عبدالرحمٰن بن إسحاق الكوفي عن سيار أبي الحكم عن أبي وائل قال قال أبو هريرة ... "

یہ روایت بیان کرنے کے بعد امام ابوداود رحمہ اللہ نے فرمایا:

" سمعت أحمد بن حنبل يضعّف حديث عبدالرحمٰن بن إسحاق الكوفي "

میں نے احمد بن حنبل کو سنا، وہ عبدالرحمٰن بن اسحاق الکوفی کی حدیث کو ضعیف قرار دیتے تھے۔ (بذل المجہود فی حل ابی داود ج۴ ص۲۸۱ ح۷۵۸)

جب خود صاحبِ کتاب نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے تو قاسمی دیوبندی وغیرہ نے جرح نقل کرنے کے بغیر اس روایت کو بطورِ حجت کیوں پیش کیا ہے؟

اب عبدالرحمٰن بن اسحاق ابوشیبہ الکوفی الواسطی کے بارے میں محدثین کرام کی گواہیاں پیشِ خدمت ہیں:

امام احمد بن حنبل نے فرمایا: ''ليس بشيٍ منكر الحديث ''

امام احمد بن معین نے فرمایا: ''ضعيف ليس بشيٍ ''

اسے ابن سعد، یعقوب بن سفیان، نسائی اور ابن حبان نے ضعیف کہا۔

نسائی نے فرمایا: ''لیس بذاك'' یعنی وہ قوی نہیں۔
بخاری نے فرمایا: ''فیه نظر'' یعنی وہ متروک ہے۔
ابوزرعہ نے فرمایا: ''لیس بقوي'' وہ قوی نہیں۔
ابوحاتم الرازی نے فرمایا: ''ضعیف الحدیث منکر الحدیث یکتب حدیثه ولا یحتج به''
ساجی نے کہا: ''أحادیثه مناکیر'' اس کی (بیان کردہ) حدیثیں منکر ہیں۔
(دیکھئے تہذیب التہذیب ج ٦ ص ١٣٦۔١٣٧، دوسرا نسخہ ج ٦ ص ١٢۴۔١٢٥)
امام بیہقی نے فرمایا: ''متروك'' (السنن الکبریٰ ج ٢ ص ٣٢)
نیموی حنفی نے کہا: ''وھو ضعیف'' اور وہ ضعیف ہے۔ (آثار السنن: ٣٣٠ حاشیہ)
خلیل احمد سہارنپوری دیوبندی نے کہا: ''وھو ضعیف'' اور وہ ضعیف ہے۔
(بذل المجہود ٢/ ٢٨١)
جمہور کے نزدیک مجروح، نیز منکر الحدیث متروک راوی کی حدیث سے استدلال کرنا کس اصول سے صحیح ہے؟

٩) قاسمی وعلوی (یا دونوں میں سے کسی ایک) نے لکھا ہے:
''حضرت عمار بن یاسرؓ کے بیٹے محمد بن عمارؒ سے روایت ہے کہ میں نے اپنے والد ماجد عمار بن یاسرؓ کو دیکھا کہ وہ مغرب کے بعد چھ رکعتیں پڑھتے تھے اور بیان فرماتے تھے کہ میں نے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ مغرب کے بعد چھ رکعتیں پڑھتے تھے اور فرماتے تھے کہ جو بندہ مغرب کے بعد چھ رکعت نماز پڑھے اس کے (صغیرہ) گناہ بخش دیئے جائیں گے اگر چہ (وہ کثرت میں) سمندر کے کف (جھاگ) کے برابر ہوں۔ (معارف الحدیث بحوالہ معجم طبرانی)'' (کتاب الصلوٰۃ ص ١٣٩)
محمد منظور نعمانی دیوبندی کی کتاب: معارف الحدیث (ج ٣ ص ٣٢٦) میں یہ روایت جلد اور صفحے کے حوالے کے بغیر مذکور ہے اور ہیثمی نے اسے مجمع الزوائد (٢/ ٢٣٠) میں

بحوالہ طبرانی (معاجم ثلاثہ) ذکر کر کے کلام کیا ہے۔ اس روایت کی سند درج ذیل ہے:

''صالح بن قطن البخاري : حدثنا محمد بن عمار بن محمد بن عمار بن ياسر : حدثني أبي عن جده قال : رأيت عمار بن ياسر....''

(اخبار اصبہان لابی نعیم الاصبہانی عن الطبرانی ج ۲ ص ۲۲۳، العلل المتناہیہ لابن الجوزی ۱/ ۲۵۶۔ ۲۵۷ ح ۴۲۶)

حافظ ابن الجوزی نے فرمایا: یہ روایت اس (عمر بن ابی خثعم کی سند) سے بہتر سند سے مروی ہے، اگرچہ اس میں مجہول راوی ہیں۔ (العلل المتناہیہ ۱/ ۲۵۶)

صالح بن قطن کے بارے میں منذری نے کہا: مجھے اس کے بارے میں جرح و تعدیل معلوم نہیں ہے۔ (الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۴۰۴ ح ۸۵۲ وقال: غریب)

ہیثمی نے کہا: ''ولم أجد من ترجمه'' اور مجھے اس کا ترجمہ (حالات) نہیں ملا۔

(مجمع الزوائد ۲/ ۲۳۰)

نیز دیکھئے لسان المیزان (ج ۳ ص ۱۷۵۔ ۱۷۶، دوسرا نسخہ ۳/ ۵۴۷)

یعنی یہ راوی مجہول ہے، جیسا کہ ابن الجوزی نے اشارہ کر دیا تھا۔

محمد بن عمار بن محمد بن عمار بن یاسر کی توثیق بھی نامعلوم ہے اور ابن الجوزی نے اس کے مجہول ہونے کی طرف اشارہ کر دیا تھا۔ (دیکھئے لسان المیزان ۵/ ۳۱۸ دوسرا نسخہ ۶/ ۴۰۹)

عمار بن محمد بن عمار بن یاسر کی توثیق بھی نامعلوم ہے اور ابن الجوزی نے کتاب العلل میں اس کے مجہول ہونے کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔

(دیکھئے لسان المیزان ۴/ ۲۷۴ دوسرا نسخہ ۵/ ۱۲۵)

یعنی اس سند میں اوپر نیچے تین مجہول راوی ہیں، لہٰذا یہ سند ضعیف و مردود ہے۔

تنبیہ: اس روایت کی سند میں (اگر کاتب یا ناسخ کی غلطی نہ ہو تو) اضطراب بھی ہے۔ المعجم الاوسط للطبرانی (۸/ ۱۲۰ ح ۷۲۴۱) میں ''صالح بن قطن البخارى قال : حدثنا عثمان بن محمد بن عمار بن ياسر قال : حدثني أبي عن جدى قال : رأيت عمار بن ياسر...'' ہے۔

المعجم الصغیر للطبرانی (۲/ ۴۸ ح ۹۱۶) میں ”صالح بن قطن البخاری حدثنا محمد بن عمار بن یاسر حدثني أبي عن جدي قال: رأیت عمار بن یاسر...“ ہے۔

مجمع البحرین في زوائد المعجمین (۲/ ۲۷۱۔۲۷۲ ح ۱۰۵۶) میں ”صالح بن قطن البخاری ثنا [محمد بن عثمان بن] محمد بن عمار بن یاسر حدثني أبي عن جدي قال: رأیت عمار بن یاسر...“ ہے۔

جامع المسانید والسنن لابن کثیر (۹/ ۳۶۷ ح ۶۹۲۰) میں ”صالح بن قطر البخاری: حدثنا محمد بن عمار بن محمد بن عمار عن أبیه عن جده قال: رأیت عمار بن یاسر...“ ہے۔

ان اسانید میں اخبار اصبہان اور العلل المتناہیہ والی سند ہی راجح ہے جو کہ ضعیف ومردود ہے اور یہ اضطراب والی باقی سندیں بھی ضعیف ومردود ہیں۔

۱۰) قاسمی یا علوی یا دونوں نے لکھا ہے:

”وضو کے مستحبات وآداب کا بیان

.....(۱۳) اعضاء وضو کو نہ پونچھنا (جب کہ اس کی ضرورت نہ ہو اور جب پونچھے تو کچھ نمی باقی رہنے دے)۔ (ترمذی ج۱ ص۹ بسند ضعیف)“ (کتاب الصلوٰۃ ص۵۸)

آپ نے دیکھ لیا کہ اس روایت کو یہ کتاب لکھنے والے یا والوں نے بذاتِ خود ضعیف قرار دے رکھا ہے، لہٰذا خود صاحبِ کتاب کے اعتراف سے یہ ثابت ہوا کہ قاسمی کی کتاب الصلوٰۃ میں ضعیف روایتیں موجود ہیں۔

ان دس روایات کے علاوہ اور بھی کئی ضعیف روایتیں اس کتاب میں موجود ہیں اور بعض جگہ ضعیف روایتوں کو ”سند صحیح“ اور ”بسند صحیح“ بھی لکھا گیا ہے، جس کی دو مثالیں درج ذیل ہیں:

ا: قاسمی وعلوی نے لکھا ہے:

”(۱۲) نماز وتر میں رکوع میں جانے سے پہلے دونوں ہاتھ اٹھا کر تکبیر کہنا اور دعاء قنوت

پڑھنا(رواہ البخاری فی جز رفع الیدین سند صحیح، نماز مدلل ص ۱۱۰)
(دعاء قنوت سے پہلے تکبیر کہنا (رواہ البخاری فی جزء رفع الیدین بسند صحیح)''

(کتاب الصلوٰۃ ص ۷۰، نیز دیکھئے ص ۱۱۳)

عرض ہے کہ جزء رفع الیدین للبخاری (۹۹) اور مصنف ابن ابی شیبہ (۲/۳۰۷ ح ۶۹۴۷) کی اس روایت کی سند میں لیث بن ابی سلیم راوی ہے، جسے جمہور محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھئے زوائد ابن ماجہ للبوصیری (۲۰۸) البدر المنیر لابن الملقن (۷/۲۲۷) اور خلاصۃ البدر المنیر (۷۸)

ایک روایت (اثر) میں لیث بن ابی سلیم راوی آ گیا تو سرفراز خان صفدر دیوبندی نے لکھا:
''یہ اثر بھی ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی لیثؒ بن ابی سلیمؒ ہے امام دارقطنیؒ (جلد ۱ ص ۱۲۶ میں) امام بیہقیؒ (کتاب القرأۃ ص ۱۰۷ میں) اور امام احمدؒ، امام یحییٰؒ، اور امام نسائیؒ وغیرہ سب اس کو ضعیف اور کمزور کہتے ہیں (میزان جلد ۲ ص ۲۶۰، تھذیب التہذیب جلد ۸ ص ۴۶۷، قانون الموضوعات ص ۲۸۷)''

(احسن الکلام ج ۲ ص ۱۲۸، دوسرا نسخہ ۱/۱۴۰)

اس راوی پر آلِ دیوبند کی مزید جرح کے لئے دیکھئے تجلیاتِ صفدر از محمد امین اوکاڑوی (۵۹/۵) درسِ ترمذی از محمد تقی عثمانی (۱/۲۳۳) اور خاتمۃ الکلام (ص ۱۰۱)

زیلعی حنفی نے کہا: لیث بن ابی سلیم ضعیف ہے۔ (دیکھئے نصب الرایہ ۳/۹۶)

اس ضعیف و مردود روایت کو ''بسند صحیح'' لکھنا بہت غلط اور باطل ہے۔

تنبیہ: روایت مذکورہ میں لیث بن سعد راوی نہیں بلکہ لیث بن ابی سلیم ہی ہے، جیسا کہ تہذیب الکمال وغیرہ میں اس کے استاد اور شاگرد دیکھنے سے ثابت ہے۔

۲: امام طحاوی حنفی کی کتاب شرح معانی الآثار میں ایک روایت ہے کہ

''عیسی بن یونس عن الأعمش عن إبراهیم قال: ما اجتمع أصحاب محمد صلی اللہ علیه وسلم علیٰ شيء ما اجتمعوا علی التنویر'' محمد صلی اللہ علیہ وسلم

کے صحابہ جتنا روشنی (میں صبح کی نماز پڑھنے) پر جمع ہوئے اتنا کسی چیز پر جمع نہیں ہوئے۔

(ج ا ص ۱۸۴، باب الوقت الذی یصلی فیہ الفجر أی وقت ھو؟)

اس روایت کے بارے میں صاحبِ کتاب نے لکھا ہے:

''یہ حدیث صحیح سند سے طحاوی ج ا ص ۱۳۶ میں بھی مروی ہے۔'' (کتاب الصلوٰۃ ص ۲۹)

عرض ہے کہ اس کے راوی اعمش مشہور مدلس ہیں۔ حافظ ابن حجر نے انھیں مدلسین کے طبقۂ ثالثہ میں بھی ذکر کیا ہے۔ (دیکھئے النکت علی کتاب ابن الصلاح ج ۲ ص ۶۴۰)

نیز دیکھئے محمد الیاس فیصل کی کتاب: نمازِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم (ص ۸۶)

الیاس فیصل کی یہ کتاب محمد زاہد الحسینی دیوبندی، محمد اسعد مدنی دیوبندی اور ڈاکٹر شیر علی دیوبندی وغیرہم کی پسندیدہ ہے۔

مدلس راوی (اعمش) کی یہ روایت عن سے ہے اور ماسٹر محمد امین اوکاڑوی دیوبندی نے ایک روایت کے بارے میں لکھا ہے: ''اس کی سند میں محمد بن اسحاق کا عنعنہ ہے جو بالاتفاق ضعف کی دلیل ہے۔'' (جزء القراءۃ ترجمۃ اوکاڑوی ص ۲۷ ح ۶۲)

امداد اللہ انور دیوبندی نے لکھا ہے: ''اس کی سند میں اعمش راوی مدلس ہیں۔ اس نے عنعن سے روایت کی ہے اور اس کا سماع حکم سے ثابت نہیں ہے۔'' (مستند نماز حنفی ص ۳۵)

ثابت ہوا کہ یہ روایت ضعیف ہے، جبکہ مصنف یا مصنفینِ کتاب مذکورہ نے اسے صحیح لکھ دیا ہے۔!

عرض ہے کہ اس ضعیف ومردود روایت میں بیان شدہ بات کی تردید کے لئے یہی کافی ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھو۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ۱/۴۵۶ وسندہ حسن)

اور سیدنا ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ کو حکم دیتے ہوئے فرمایا: صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھو اور لمبی قراءت کرو۔

(الاوسط لابن المنذر ۲/۳۷۵ وسندہ صحیح، مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۳۲۰ ح ۳۲۳۵، شرح معانی الآثار للطحاوی ۱/۱۸۱)

سیدنا ابو موسیٰ الاشعری اور سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما دونوں صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۳۲۰ ح ۳۲۳۹ وسندہ صحیح، ح ۳۲۴۰ وسندہ صحیح)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے شاگرد سے فرمایا: صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھ۔ (موطأ امام مالک ۱/۸ ح ۷ وسندہ صحیح)

اس کتاب (کتاب الصلوٰۃ) میں کئی جہالتیں بھی ہیں۔ مثلاً:

۱: قاسمی یا علوی نے لکھا ہے: ''صحیح حمیدی ج ۲ ص ۲۲۷'' (ص ۱۸۵)

حالانکہ صحیح حمیدی کے نام سے دنیا میں کوئی باسند کتاب ہمارے علم میں نہیں ہے اور مسند حمیدی صحیح حمیدی نہیں ہے اور اس میں کئی روایات ضعیف بھی موجود ہیں۔

۲: قاسمی یا علوی نے لکھا ہے: ''امام مسلمؒ کے استاد عبد بن حمیدؒ نے ''مسند حمیدیؒ'' مین یہ حدیث روایت کی ہے۔'' (کتاب الصلوٰۃ ص ۱۸۰)

عرض ہے کہ مسند حمیدی امام عبد بن حمید رحمہ اللہ کی کتاب نہیں بلکہ امام ابو بکر عبداللہ بن الزبیر الحمیدی المکی رحمہ اللہ کی کتاب ہے۔

قاسمی کی کتاب الصلوٰۃ میں بہت سی روایات مکمل حوالوں کے بغیر مذکور ہیں۔ مثلاً:

۱: قاسمی نے لکھا ہے: ''(۴) حضور اکرمؐ سر ڈھانک کر اور جوتا پہن کر بیت الخلاء میں تشریف لے جاتے تھے۔ (ابن سعد)'' (کتاب الصلوٰۃ ص ۴۴)

یہ روایت طبقات ابن سعد میں نہیں ملی اور نہ کسی اور کتاب میں سند کے ساتھ ملی ہے۔

۲: قاسمی نے لکھا ہے: ''(۱) گردن کا مسح کرنا (مسند الفردوس لدیلمیؒ زجاجۃ المصابیح ج ۱، ص ۱۰۲)'' (کتاب الصلوٰۃ ص ۵۸)

زجاجۃ المصابیح تو فرقہ پرست آلِ تقلید کی کتاب ہے اور مسند الفردوس للدیلمی بے سند روایات کی کتاب ہے، لہٰذا جب تک اس روایت کے مکمل عربی الفاظ، مکمل سند تلاش کر کے اس کا صحیح یا حسن ہونا ثابت نہ کیا جائے تو یہ بے سند حوالہ ہے اور مردود ہے۔

وما علینا إلا البلاغ (۳/فروری ۲۰۱۱ء)

چن محمد دیوبندی کے پندرہ (15) جھوٹ

اب قاری چن محمد دیوبندی مماتی کے پندرہ جھوٹ پیش خدمت ہیں، چونکہ قاری چن صاحب کے نزدیک حوالے کی غلطی بھی جھوٹ ہوتی ہے، اس لئے ان کے اپنے غلط حوالوں کو بھی جھوٹوں میں ہی شامل کیا گیا ہے۔ یہ پندرہ جھوٹ قاری چن صاحب کے ایک پمفلٹ قرأۃ خلف الامام (۴۸ صفحے) اور ایک تقریر (۵ صفحے) سے جمع کئے گئے ہیں۔

جھوٹ نمبر: 1

چن صاحب لکھتے ہیں کہ ''کیونکہ نبی کریمؐ نے فرمایا ہے۔

من کان له اما م فقراة الامام له قراة (مؤطا مالک) ''

(قرأۃ خلف الامام، ناشر: اشاعت التوحید والسنۃ، موضع حمید ضلع اٹک ص ۳۲)

ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث موطأ امام مالک میں قطعاً موجود نہیں ہے۔

تنبیہ: یہ روایت سنن ابن ماجہ وغیرہ میں سخت ضعیف سندوں کے ساتھ مروی ہے۔ حافظ ابن حجر العسقلانی کہتے ہیں کہ **''وله طرق عن جماعة من الصحابة و كلها معلولة ''** صحابہ کی ایک جماعت سے اس کی (کئی) سندیں ہیں اور وہ ساری معلول (یعنی ضعیف) ہیں۔ (التلخیص الحبیر ج ا ص ۲۳۲ ح ۳۴۵)

جھوٹ نمبر: 2

قاری چن صاحب لکھتے ہیں:

''حضرت ابوسعید خدری فرماتے ہیں:

''**لا صلوة الا بفاتحة الكتاب و ماتيسر** (ابوداود ج ا ص ۱۱۸) کہ فاتحہ اور ما تیسر کے بغیر نماز نہیں ہوتی'' (قرأۃ خلف الامام ص ۳۲)

ان عربی الفاظ کے ساتھ یہ روایت سنن ابی داود میں قطعاً موجود نہیں ہے۔

تنبیہ: سننِ ابی داود میں سیدنا ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے کہ "أمرنا أن نقرأ بفاتحة الكتاب وما تيسر" (ح ۸۱۸) یہ روایت قتادہ کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "لم يذكر قتادة سماعاً من أبي نضرة في هذا" قتادہ نے اس روایت میں ابو نضرہ سے سماع کی تصریح نہیں کی ہے۔ (جزء القراءۃ:۱۰۴)

جھوٹ نمبر:3

قاری چمن صاحب نے تین روایتیں لکھی ہیں:

۱: ابوداود ج ۱ ص ۱۱۸ (ح ۸۱۸، اس میں قتادہ مدلس ہیں)

۲: ترمذی ج ۱ ص ۳۲ (ح ۲۳۸، اس میں ابو سفیان طریف السعدی ضعیف ہے)

۳: نصب الرایہ ج ۱ ص ۳۶۵ (اس روایت کے ساتھ ہی نصب الرایہ میں لکھا ہوا ہے کہ "وضعف عمر بن يزيد وقال: إنه منكر الحديث" یعنی اس کا راوی عمر بن یزید منکر الحدیث ہے)

یہ تین روایتیں لکھ کر قاری چمن صاحب لکھتے ہیں کہ "ان روایات صحیحہ کی رو سے ہمارے عاملین بالحدیث کو فاتحہ خلف الامام کیساتھ سورت بھی پڑھنی چاہیے" (قرأۃ خلف الامام ص ۳۲)

روایات ضعیفہ و مردودہ کو "روایات صحیحہ" کہنا قاری چمن صاحب جیسے لوگوں کا ہی کام ہے۔

جھوٹ نمبر:4

سیدنا ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ سے ایک مروی حدیث میں "واذا قرأ فانصتوا" کے الفاظ آئے ہیں، اس حدیث کے بارے میں حوالہ دیتے ہوئے قاری چمن نے لکھا ہے:

" رواہ مسلم ص ۱۷۴، النسائی ص ۱۴۶ ..." (قرأۃ خلف الامام ص ۱۱)

سنن نسائی میں سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت قطعاً موجود نہیں ہے۔

جھوٹ نمبر:5

جماعت حقہ اہل حدیث کے بارے میں قاری چمن محمد دیوبندی صاحب لکھتے ہیں کہ

''مگر افسوس صد افسوس کہ مسلمانوں کا ایک چھوٹا سا فرقہ جسے غیر مقلدین کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے اور وہ اپنے زعم باطل میں اہل حدیث ہونے کا مدعی ہے جو کہ بالکل خلاف حقیقت ہے جس کا وجود دورِ انگریز سے پہلے نہیں ملتا۔ اس نئے پیدا شدہ فرقے کو....'' (قرأۃ خلف الامام ص۲)

قاری چن صاحب کے نزدیک اہل حدیث کا وجود انگریزی دور سے پہلے نہیں ملتا، جب کہ مفتی رشید احمد لدھیانوی دیوبندی لکھتے ہیں کہ ''تقریباً دوسری تیسری صدی ہجری میں اہل حق میں فروعی اور جزئی مسائل کے حل کرنے میں اختلاف انظار کے پیش نظر پانچ مکاتب فکر قائم ہو گئے یعنی مذاہب اربعہ اور اہل حدیث۔ اس زمانے سے لے کر آج تک انہی پانچ طریقوں میں حق کو منحصر سمجھا جاتا رہا'' (احسن الفتاویٰ ج اص ۳۱۶)

مفتی رشید احمد کے نزدیک مذاہب اربعہ اور اہل حدیث کا وجود ۲۰۰ھ یا ۳۰۱ھ سے روئے زمین پر موجود ہے۔ قاری چن کی تکذیب کے لئے صرف یہی ایک بیان کافی ہے۔

جھوٹ نمبر: 6

قاری چن صاحب لکھتے ہیں کہ ''لیکن صرف ایک غیر مقلدین ہیں جو امام کے پیچھے فاتحہ فرض سمجھتے ہیں چاہے وہ جہر سے قرآن پڑھ رہا ہو۔'' (قرأۃ خلف الامام ص ۷)

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''کسی آدمی کی نماز جائز نہیں ہے جب تک وہ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ نہ پڑھ لے، چاہے وہ امام ہو یا مقتدی، امام جہری قراءت کر رہا ہو یا سری، مقتدی پر یہ لازم (فرض) ہے کہ سری اور جہری (دونوں نمازوں) میں سورہ فاتحہ پڑھے''

اس کے راوی ربیع بن سلیمان کہتے ہیں: ''یہ امام شافعی کا آخری قول ہے جو ان سے سنا گیا ہے'' (معرفۃ السنن والآثار ج ۲ ص ۵۸ ح ۹۲۸ وسندہ صحیح)

یاد رہے کہ اس آخری قول کے مقابلے میں ''کتاب الام'' وغیرہ کے کسی مجمل و مبہم قول کا کوئی اعتبار نہیں، بلکہ اسے اس صریح نص کی وجہ سے منسوخ سمجھا جائے گا۔

امام اہل شام، امام اوزاعی رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ ''امام پر یہ (لازم و) حق ہے کہ وہ نماز شروع کرتے وقت، تکبیر اولیٰ کے بعد سکتہ کرے اور سورہ فاتحہ کی قراءت کے بعد ایک سکتہ

کرے تاکہ اس کے پیچھے نماز پڑھنے والے سورہ فاتحہ پڑھ لیں اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو وہ (مقتدی) اسی کے ساتھ سورہ فاتحہ پڑھے اور جلدی پڑھ کر ختم کرے، پھر کان لگا کر سنے ''
(کتاب القراءۃ للبیہقی ص ۱۰۶ ح ۲۴۷ وسندہ صحیح)

جھوٹ نمبر: 7

سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ ''امام کے پیچھے کوئی قرأت نہیں ہے''

(مصنف ابن ابی شیبۃ ۱/ ۳۷۷ ح ۳۷۹۲)

اس کا ترجمہ قاری چن صاحب نے درج ذیل الفاظ میں کیا ہے:
''امام کے پیچھے کوئی قرأت فاتحہ یا غیر نہیں'' (قرأۃ خلف الامام ص ۲۴)
اور آخر میں لکھا ہے کہ ''یہ تمام آثار مصنف ابی بکر ابن شیبۃ میں بسند صحیح مذکور ہیں (ملاحظہ ہو مصنف ابی ابن شیبہ جلد اول ص ۳۷۶ و ص ۳۷۷ مطبوعہ دکن'' (قرأۃ خلف الامام ص ۲۵)
سیدنا سعید بن جبیر رحمہ اللہ کی طرف منسوب اثر کی سند درج ذیل ہے:
''حدثنا هشيم عن أبي بشر عن سعيد بن جبير '' (ج ۱ ص ۳۷۷ ح ۳۷۹۲)
ہشیم مشہور مدلس ہیں۔ دیکھئے طبقات المدلسین المرتبۃ الثالثۃ (۳/۱۱۱)
یہ روایت عن سے ہے۔ اصول حدیث کا یہ مسئلہ ہے کہ مدلس کی عن والی روایت ضعیف ہوتی ہے۔ قاری چن صاحب نے بذات خود محدث مبارکپوری رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ ''یعنی مدلس کا عنعنہ قبول نہیں'' (قرأۃ خلف الامام ص ۳۸)
معلوم ہوا کہ یہ روایت قاری چن صاحب کے نزدیک بھی ضعیف ہے جسے وہ ''بسند صحیح'' کہہ رہے ہیں۔ اس کے برعکس عبداللہ بن عثمان بن خثیم کہتے ہیں: میں نے سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے کہا: کیا میں امام کے پیچھے قراءت کروں؟ انھوں نے فرمایا: جی ہاں اور اگر چہ تو اس کی قراءت سن رہا ہو۔ (جزء القراءۃ للبخاری: ۲۷۳ وسندہ حسن)

جھوٹ نمبر: 8

قاری صاحب لکھتے ہیں کہ ''یہ حدیث مختصر ہے اس کے ساتھ اور الفاظ بھی ہیں جو امام

مسلم نے ذکر فرمائے ہیں، اصل حدث اس طرح ہے۔

" لا صلوة لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب فصاعدًا "

(مسلم ج ص ۱۲۹ انسائی ج ا ص ۱۰۵) [قرأة خلف الامام ص ۳۱]

مذکورہ عبارت کے ساتھ یہ روایت سنن نسائی میں ہے، لیکن صحیح مسلم میں موجود نہیں ہے۔ یادر ہے کہ "فصاعدًا " کا مطلب "پس زیادہ ہے" نہ کہ "اور زیادہ" یعنی فاتحہ فرض ہے اور اس کے علاوہ فرض نہیں ہے دیکھئے العرف الشذی ص ۷٦

جھوٹ نمبر:9

سیدنا عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث ہے کہ "جس نے سورہ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز نہیں ہوتی" اس کے بارے میں قاری چن صاحب لکھتے ہیں کہ

"یہ حدیث منفرد کے لئے ہے حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ یہ حکم منفرد ہے (موطا مالک ص ۲۹)" (قرأة خلف الامام ص ۳۰)

موطا امام مالک ہو یا حدیث کی کوئی دوسری کتاب، کہیں بھی یہ ثابت نہیں ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عبادہ (رضی اللہ عنہ) کی حدیث کو منفرد کے لئے قرار دیا ہے۔

جھوٹ نمبر:10

ایک روایت کے بارے میں قاری چن صاحب لکھتے ہیں کہ "اس کی سند میں ضعیف اور مجہول راوی ہیں مثلاً محمد بن یحییٰ الصفار وغیرہ ایسے مجہول جن کا اسماء رجال کی کتابوں میں عدالت تو در کنار ذکر تک نہیں ملتا" (قرأة خلف الامام ص ۴۳، ۴۴)

روایت مذکورہ کی سند درج ذیل ہے:

"وأخبر نا ابو محمد عبد الرحمن بن محمد بن أحمد بن بالویه الزکي : ثنا أبوالحسن أحمد بن الخضر الشامی ، ثنا ابو أحمد محمد بن سلیمان بن فارس: ثنا محمد بن یحییٰ الصفار والد ابراهیم الصیدلانی ح وأخبر ناأبو عبد الله الحافظ :ثنا ابوجعفر محمد بن صالح بن هانی وابو إسحاق

إبراهيم بن محمد بن يحی وأبو طیب محمد بن أحمدالذهلی قالوا :ثنا محمد بن سليمان بن فارس :حدثنی ابو ابراهيم محمد بن يحي الصفار وكان جارنا ثنا عثمان بن عمر عن يونس عن الزهری عن محمود بن الربيع عن عبادة بن الصامت ..." (كتاب القراءة للبیہقی ص ۷۰ ح ۱۳۳، ۱۳۵)

اس سند کا ایک راوی محمد بن یحییٰ الصفار ہے جس کے دو شاگرد ہیں:

۱۔ محمد بن سلیمان بن فارس

۲۔ محمد بن عبدالسلام (تاریخ بغداد ج ۶ ص ۳۴۹)

لہٰذا وہ مجہول العین نہیں ہے۔ اس کا ترجمہ تاریخ نیسابور للحاکم میں موجود ہے، جیسا کہ اس کی مختصر (شائع شدہ کتاب) سے ظاہر ہے۔ امام بیہقی نے اس کی حدیث کو "إسناده صحيح" کہہ کر اسے اپنے نزدیک ثقہ قرار دیا ہے۔ اس کے علاوہ اس سند کے سارے راوی مشہور و معروف ہیں، کوئی بھی مجہول نہیں ہے۔ (مثلاً دیکھئے تاریخ نیسابور ص ۷۱ ت ۱۰۰۰، سیر اعلام النبلاء ج ۱۷ ص ۲۴۰، ج ۱۵ ص ۵۰۱ و تاریخ الاسلام للذہبی ج ۲۳ ص ۴۴۰ والعبر للذہبی ج ۱ ص ۴۶۵)

تنبیہ: اس روایت میں امام زہری کا عنعنہ ہے، لہٰذا یہ سند صحیح نہیں۔

جھوٹ نمبر: 11

قاری چن صاحب لکھتے ہیں: "اقرأ بها في نفسك کا معنی غور اور تدبر کرنا ہے (القاموس ج ۱ ص ۱۵)" (قرأۃ خلف الامام ص ۴۷)

یہ دروغ بے فروغ ہے جو کہ القاموس المحیط پر بولا گیا ہے۔

جھوٹ نمبر: 12

قاری چن صاحب کہتے ہیں کہ "ابن عمرؓ بچے تھے وائل بن حجرؓ مسافر تھے غیر مقلدین یا تو مسافروں کی یا بچوں کی روایت پیش کرتے ہیں" (الدین ج ۱ شمارہ: ۲۵، اکتوبر ۲۰۰۰ء ص ۴۷)

قاری چن نے یہ جھوٹ بولا ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بچے تھے۔ اس کے برعکس نبی ﷺ نے فرمایا: ((إن عبد الله رجل صالح)) بے شک عبداللہ (بن عمر) نیک مرد

ہے۔ (صحیح بخاری:۷۰۲۹ واللفظ لہ، صحیح مسلم:۹:۲۴۷۹ ودارالسلام:۶۳۷۰)

جھوٹ نمبر:13

قاری چن صاحب کہتے ہیں کہ ”غیر مقلدین ہر روایت پر جرح کر دیتے ہیں“

(الدین مذکورہ شمارہ ص۲۶)

یہ بات کالا جھوٹ ہے۔

جھوٹ نمبر:14

صحیح بخاری کی ایک مرفوع حدیث کے بارے میں قاری چن صاحب لکھتے ہیں کہ ”ورفع ذلك والے یہ الفاظ امام بخاری کے ہیں اور مرفوع بیان کیا گیا ہے نبی کی طرف اس کو۔ تو امام بخاری نے اس کو مرفوع بیان کرنے کی کوشش کی ہے جبکہ امام ابی داود نے اس کو عبداللہ بن پر موقوف کیا ہے“ (الدین ایضاً ص۲۵)

حالانکہ سنن ابی داود (۱/۱۱۵ ح۷۴۱) میں لکھا ہوا ہے کہ

”ویرفع ذلك إلى رسول الله ﷺ“ اور وہ اسے رسول اللہ ﷺ تک مرفوع بیان کرتے تھے۔ (سنن ابی داود ۱/۱۱۵ ح۷۴۱)

معلوم ہوا کہ مرفوع کے الفاظ امام بخاری کی کوشش نہیں بلکہ روایت حدیث میں موجود ہیں۔

تنبیہ: صحیح بخاری کی اس حدیث پر امام ابوداود کی جرح جمہور کے مخالف ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

جھوٹ نمبر:15

محدث ابن جریج کے بارے میں قاری چن صاحب لکھتے ہیں کہ ”ایک سند میں ابن جریج راوی ہیں اور ابن جریج نے 90 عورتوں سے متعہ کیا ہے“ (الدین ایضاً ص۲۶)

ابن جریج کا 90 عورتوں سے متعہ کرنا کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں ہے۔

یہ چند نمونے اس کی دلیل ہیں کہ قاری چن صاحب نے بہت جھوٹ بولے ہیں، لہٰذا وہ بذات خود اپنی تحقیق میں بھی بڑے جھوٹے اور کذاب ہیں۔ وما علینا إلا البلاغ

محمد طاہر نامی دیوبندی اشاعتی کے جھوٹ، دھوکے اور خیانتیں

الحمد للّٰہ ربّ العالمین والصّلوٰۃ و السّلام علٰی رسوله الأمین . أما بعد :

راویانِ حدیث کی چار بڑی قسمیں ہیں:

۱: جن کے ثقہ وصدوق ہونے پر اہلِ حق یعنی اہلِ سنت محدثین کرام کا اتفاق (اجماع) ہے۔ مثلاً سالم بن عبداللہ بن عمر وغیرہ۔

۲: جن کے ضعیف و مجروح ہونے پر اہلِ حق یعنی اہلِ سنت محدثین کرام کا اتفاق (اجماع) ہے۔ مثلاً ابوالبختری وھب بن وھب القاضی وغیرہ

۳: جن کے ثقہ وصدوق یا ضعیف و مجروح ہونے پر اہلِ حق یعنی اہلِ سنت محدثین کرام کا اختلاف ہے۔ مثلاً عبدالرحمٰن بن ابی الزناد اور شہر بن حوشب وغیرہما (اور راجح تحقیق میں یہ دونوں جمہور کے نزدیک موثق یعنی حسن الحدیث ہیں۔)

۴: جو مجہول العین یا مجہول الحال ہیں۔

ثالث الذکر کے بارے میں راجح یہی ہے کہ تعارض کی حالت میں جمہور محدثین کو ترجیح حاصل ہے۔

محمد ادریس کاندھلوی دیوبندی نے کہا: ''جب کسی راوی میں توثیق اور تضعیف جمع ہو جائیں تو محدثین کے نزدیک اکثر کے قول کا اعتبار ہے اور فقہاء کا مسلک یہ ہے کہ جب کسی راوی میں جرح و تعدیل جمع ہو جائیں تو جرح مبہم کے مقابلے میں تعدیل کو ترجیح ہوگی اگرچہ جارحین کا عدد معدلین کے عدد سے زیادہ ہو اور احتیاط بھی قبول ہی کرنے میں ہے رد کرنا خلافِ احتیاط ہے'' (سیرت المصطفیٰ ج ۱ ص ۷۹)

سرفراز خان صفدر کڑمنگی دیوبندی نے لکھا ہے: ''بایں ہمہ ہم نے توثیق و تضعیف میں جمہور آئمہ جرح و تعدیل اور اکثر آئمہ حدیث کا ساتھ اور دامن نہیں چھوڑا۔ مشہور ہے کہ

ع زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو۔'' (احسن الکلام ج۱ ص۴۰، دوسرا نسخہ ج۱ ص۶۱)

محمد تقی عثمانی دیوبندی نے ایک راوی ابوالمنیب العتکی کے بارے میں کہا:

''بہر حال جارحین کے مقابلہ میں ان کی توثیق کرنے والوں کی تعداد زیادہ ہے لہٰذا حدیث قابل استدلال ہے...'' (درس ترمذی ج۲ ص۲۰۸)

اور جرح وتعدیل کے اقوال متعارض ہوں (تو کیا کرنا چاہئے؟ کے بارے میں) کہا:

''پہلا طریقہ جو کہ جرح وتعدیل کے دوسرے اصول کی حیثیت رکھتا ہے خطیب بغدادیؒ نے ''الکفایہ فی اصول الحدیث والرّوایۃ'' میں یہ بیان کیا ہے کہ ایسے موقع پر یہ دیکھا جائے گا کہ جارحین کی تعداد زیادہ ہے یا معدّلین کی، جس طرف تعداد زیادہ ہوگی اس جانب کو اختیار کیا جائے گا، شافعیہ میں سے علامہ تاج الدین سبکیؒ بھی اسی کے قائل ہیں''

(درس ترمذی ج۱ ص۱۰۱)

تاج الدین عبدالوہاب بن علی السبکی (متوفی ۷۷۱ھ) نے لکھا ہے:

''والجرح مقدّم إن کان عدد الجارح أکثر من المعدّل إجماعًا و کذا إذا تساویا أو کان الجارح أقل...'' اگر تعدیل کرنے والے سے جرح کرنے والے کی تعداد زیادہ ہو تو بالا جماع جرح مقدم ہے اور اسی طرح اگر برابر ہو یا جرح کرنے والے کم ہوں [تو جرح مقدم ہے]... (قاعدہ فی الجرح والتعدیل ص۵۰)

اس قول میں آخری بات جرح خاص ومفسر پر محمول ہے اور صحیح یہی ہے کہ تعارض وعدمِ تطبیق کی صورت میں جمہور قابلِ اعتماد محدثین کو ہی ترجیح حاصل ہے۔

راویانِ حدیث میں سے کسی ایک راوی سے بھی ہماری ذاتی دشمنی یا مخالفت نہیں، بلکہ ہم اُصولِ حدیث، اُصولِ سلف صالحین اور اسماء الرجال میں صحیح العقیدہ حفاظِ حدیث میں سے جمہور محدثین کی ترجیح عند التعارض کے پابند ہیں، جیسا کہ راقم الحروف نے لکھا تھا:

''ہم چونکہ اسماء الرجال میں جمہور محدثین کرام کو ہمیشہ ترجیح دینے کے پابند ہیں، لہٰذا جمہور کے مقابلے میں مذکورہ توثیق مردود ہے۔'' (تحقیقی مقالات ج۳ ص۳۶۸)

اس اصول کی وجہ سے ابوبکر بن عیاش اور احمد بن کامل القاضی وغیرہما کے بارے میں جب معلوم ہوا کہ جمہور نے ان کی توثیق کی تھی، تو فوراً اپنے سابقہ موقف سے علانیہ رجوع کیا اور رجوع کرنا غلطی نہیں بلکہ بہت اچھی بات ہے۔

بعض فتنہ پرور لوگ رجوع، یا تراجعات کا مذاق اُڑایا کرتے ہیں، لہٰذا اُن کی ''خدمت'' میں عرض ہے کہ ملا مرغینانی حنفی نے امام ابوحنیفہ کے بارے میں لکھا ہے:

"ولا یجوز المسح علی الجوربین عند أبي حنیفة إلا...وعنه أنه رجع إلی قولهما وعلیه الفتویٰ." ابوحنیفہ کے نزدیک جرابوں پر مسح جائز نہیں إلا یہ کہ...اور ان سے روایت ہے کہ انھوں (امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ) نے ان دونوں (ابن فرقد اور یعقوب بن ابراہیم) کے قول کی طرف رجوع کر لیا (کہ جرابوں پر مسح جائز ہے اگر وہ موٹی ہوں، ان میں سے نظر نہ آتا ہو) اور اسی پر فتویٰ ہے۔ (الہدایہ اولین ص ۶۱ باب المسح علی الخفین)

محمد منظور نعمانی دیوبندی نے گھوڑے کے حرام یا حلال ہونے کے بارے میں لکھا ہے:

''لیکن فقہ حنفی کی بعض کتابوں میں یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ آخر میں امام ابوحنیفہؒ نے اس مسئلہ میں دوسرے ائمہ کے قول کی طرف رجوع فرما لیا تھا اور جواز کے قائل ہو گئے تھے جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مندرجۂ بالا حدیث سے معلوم ہوتا ہے جو صحیحین کی حدیث ہے۔ واللہ اعلم'' (معارف الحدیث ج ۶ ص ۲۱۶)

راقم الحروف نے یہ بھی لکھا تھا کہ ''ہم اپنی مرضی کی روایت کو صحیح اور مرضی کے خلاف روایت کو ضعیف نہیں کہتے بلکہ ہمیشہ اصول کی پابندی اور عدل و انصاف سے کام لیتے ہیں۔ والحمدللہ'' (الحدیث حضرو: ۷۰ ص ۳)

انھی اصول کی روشنی میں راقم الحروف نے ابن فرقد اور یعقوب بن ابراہیم کے بارے میں تحقیقی مضامین شائع کئے جن سے بعض لوگوں نے ناراضی اور غضبنا کی کا مظاہرہ کیا مگر ہم کیا کر سکتے ہیں؟ کیا اصول اور محدثین کرام کا منہج چھوڑ دیں؟ ہرگز نہیں!

محلہ مسلم گنج (سابقہ نام کشن گنج) حضرو کے محمد طاہر دیوبندی اشاعتی بن ماسٹر رحمت

دین بن فضل دین نے ابن فرقد اور یعقوب وغیرہما کے دیوبندیانہ دفاع پر ''ائمہ ثلاثہ احناف کا دفاع مع آئینہ غیر مقلدیت'' کتاب لکھی ہے جو دشنام طرازیوں ،غضبنا کیوں، منطقی وغیر منطقی دھوکوں اور اکاذیب وغیرہا سے بھری پڑی ہے۔

ہمارے اس مضمون میں اس کتاب کے پندرہ (۱۵) جھوٹ، دھوکے اور خیانتیں باحوالہ اور ان کا رد پیش خدمت ہے:

۱) ط دیو یعنی محمد طاہر دیوبندی اشاعتی حضروی نے لکھا ہے:

''اور ابن حبانؒ نے ایک روایت کی تشریح کے متعلق امام محمدؒ کا قول نقل کیا ہے۔

النهى عن ذلك لئلا تختنق الدابة بها عند شدة الركض ويحكى ذلك عن محمد بن الحسن صاحب ابى حنيفةؒ. (صحیح ابن حبان، ص 552۔حدیث 4698۔باب التقلید والجرس للدواب)

ابن حبانؒ نے فرمایا۔(جانوروں کی گردنوں میں دھاگہ وغیرہ ڈالنے) سے نہی اسوجہ سے ہے تا کہ سخت کھینچنے کی وجہ سے ان کا گلا گھونٹا نہ جائے اور یہ بات نقل کی گئی ہے امام محمد بن الحسنؒ جو امام ابوحنیفہ کے شاگرد ہیں۔'' (ط دیو کی کتاب: دفاع ص ۴۳)

تنبیہ: اس مضمون میں ط دیو کے مخفف سے مراد محمد طاہر دیوبندی حضروی اشاعتی ہے۔

اس عبارت میں اشاعتی مفتری نے امام ابن حبان رحمہ اللہ پر صریح جھوٹ بولا ہے، کیونکہ یہ عبارت یقیناً امام ابن حبان کی نہیں، بلکہ شعیب ارناووط نامی ایک معاصر کی ہے جسے اس نے نیچے حاشیے میں لکھا ہے۔شعیب ارناووط نے یہ عبارت فتح الباری (ج ۶ ص ۱۶۴۔۱۶۵، ہمارا نسخہ ج ۶ ص ۱۴۱۔۱۴۲) سے نقل کی ہے اور اشاعتی دیوبندی نے جھوٹ بولتے ہوئے اسے امام ابن حبان کی طرف منسوب کر دیا ہے۔

۲) ط دیو نے راقم الحروف کے بارے میں لکھا ہے: ''لیکن جہاں خود پھنس جاتا ہے تو تحقیق یہ ہو جاتی ہے کہ دلائل پانچ ہیں بلکہ پھر اس سے بھی زیادہ ہو جاتے ہیں ۔قرآن، حدیث، اجماع، قیاس، اقوال سلف اور عقل (ماہنامہ الحدیث نمبر 56، ص 37)''

(دفاع ص ۱۲)

عرض ہے کہ راقم الحروف نے لکھا تھا: ''اہلِ حدیث (اہلِ سنت) کے نزدیک قرآن مجید، احادیث صحیحہ اور ثابت شدہ اجماع شرعی حجت ہیں۔ احادیث سے اجتہاد کا جواز ثابت ہے، لہٰذا اہلِ حدیث کے نزدیک ہر سوال کا جواب ادلۂ ثلاثہ اور اجتہاد سے جائز ہے۔ اجتہاد کی کئی اقسام ہیں، مثلاً: نص پر قیاس، عام دلیل سے استدلال، اولیٰ کو ترجیح، مصالح مرسلہ اور آثارِ سلف صالحین وغیرہ۔ اہلِ حدیث کے اس منہج کو ماہنامہ الحدیث حضرو میں بار بار واضح کر دیا گیا ہے، مثلاً دیکھئے الحدیث نمبر ا ص ۴، ۵'' (الحدیث: ۵۶ ص ۳۷)

اس عبارت اور الحدیث حضرو نمبر ا کی عبارتوں میں ''عقل'' کا لفظ بطورِ دلیل موجود نہیں، لہٰذا مفتری نے جھوٹ بولا ہے۔

۳) ط دیو نے کہا: ''شعیب بن اسحاق بن عبدالرحمٰن الدمشقی نے کہا۔ ابو یوسف ثقه اذا کان یروی عن ثقة۔ ابو یوسف ثقہ ہیں جب ثقہ سے روایت کریں۔ (السنن الکبریٰ 1/347۔ معرفۃ السنن والآثار 1/381)'' (دفاع ص ۲۴)

یہ شعیب بن اسحاق کا قول نہیں، بلکہ امام بیہقی کا قول ہے۔ دیکھئے ماہنامہ الحدیث (عدد ۱۹ ص ۴۸) لہٰذا اشاعتی نے شعیب بن اسحاق پر غلط بیانی کی ہے۔

٤) ط دیو نے ایک روایت کے بارے میں بطورِ تنبیہ لکھا ہے:

''اسکی سند میں الہیثم بن خلف کی وجہ سے کلام ہے۔'' (دفاع ص ۲۶)

عرض ہے کہ امام ابو محمد الہیثم بن خلف بن محمد بن عبدالرحمٰن بن مجاہد الدوری البغدادی رحمہ اللہ (متوفی ۳۰۷ھ) کے بارے میں محدثین کرام کی گواہیاں درج ذیل ہیں:

۱: امام ابوبکر الاسماعیلی نے کہا: ''کان أحد الأثبات'' وہ ثقہ راویوں میں سے ایک تھے۔ (سوالات حمزہ السہمی: ۳۷۵)

۲: احمد بن کامل القاضی نے کہا: ''وکان کثیر الحدیث جدًا ضابطًا لکتابه'' وہ بہت زیادہ حدیثیں بیان کرنے والے (اور) اپنی کتاب کو مضبوطی سے یاد رکھنے والے

تھے۔ (تاریخ بغداد ۱۴/ ۶۳ وسندہ صحیح)

۳: ابن الجوزی نے کہا: ''وكان كثير الحديث حافظًا ثبتًا'' وہ بہت زیادہ حدیثیں بیان کرنے والے حافظ ثقہ تھے۔ (المنتظم ۱۳/ ۱۹۳ ت ۲۱۶۵)

۴: حافظ ذہبی نے کہا: ''المتقن الثقة'' (سیر اعلام النبلاء ۱۴/ ۲۶۱)

اور فرمایا: ''الحافظ الثقة'' (تذکرۃ الحفاظ ۲/ ۷۶۵ ت ۷۶۶)

۵: ابن حبان نے صحیح ابن حبان میں ان سے احادیث بیان کیں۔

(دیکھئے الاحسان: ۲۲۸۳[۲۲۸۰]، ۵۰۷۵[۵۰۵۲]، ۵۲۲۴[۵۲۰۱])

۶: حاکم نے ان کی بیان کردہ احادیث کو صحیح کہا۔

(مثلاً دیکھئے المستدرک ۱/ ۴۶۵ ح ۱۷۰۷، ۲/ ۵۲۱ ح ۳۹۲۳)

۷: ضیاء مقدسی نے اپنی کتاب المختارہ (۴/ ۱۱۱ ح ۱۳۲۲) میں ان سے حدیث بیان کی۔

۸: ابن ناصر الدین الدمشقی (متوفی ۸۴۲ھ) نے کہا:

''وكان حافظًا مكثرًا، ثقة متقنًا لهذا الشأن'' وہ حافظ کثرت سے روایتیں بیان کرنے والے، اس حیثیت (یعنی فنِ حدیث) میں ثقہ متقن تھے۔

(التبیان لبدیعۃ البیان ج ۲ ص ۸۹۱)

۹: ابن العماد الحنبلی نے کہا: ''وكان ثقة'' اور وہ ثقہ تھے۔

(شذرات الذہب ج ۲ ص ۲۵۱)

۱۰: ابن عبدالہادی الدمشقی الصالحی (متوفی ۷۴۴ھ) نے کہا: ''الحافظ الثقة''

(طبقات علماء الحدیث ج ۲ ص ۴۸۲ ت ۳۴۰)

☆ اس تمام توثیق کے مقابلے میں اگر امام اسماعیلی کا قول پیش کیا جائے کہ ہیثم بن خلف اپنی کتاب (میں لکھی ہوئی تحریر) کی مخالفت نہیں کرتے تھے اور ان کا یہ عمل غلط ہے۔

(دیکھئے لسان المیزان ۶/ ۲۰۶ دوسرا نسخہ ۷/ ۲۹۱)

تو عرض ہے کہ یہ جرح نہیں بلکہ اجتہادی مسئلہ ہے اور ہیثم بن خلف کے بہت زیادہ

ثقہ وصادق ہونے کی دلیل ہے۔اس معمولی سی بات کو دلیل بنا کر دھوکا دینا کہ ''ہیثم بن خلف کی وجہ سے کلام ہے۔'' بہت بڑا فراڈ ہے۔

کتنا بڑا ظلم ہے کہ امام ہیثم بن خلف الدوری وغیرہ ثقہ راویوں کو مجروح ثابت کیا جائے اور حسن بن زیاد اللؤلؤی وغیرہ مجروحین کو ثقہ امام ثابت کرنے کی کوشش کی جائے۔

کیا ''تیمور لنگ'' کے گھر سے غیرت اور انصاف کا جنازہ نکل چکا ہے؟!

۵) ایک آیت کی تشریح میں قاضی ابوبکر بن العربی المالکی نے لکھا ہے:

''ولکنّ الفرق بین علماء الأصول والمرجئة أن المرجئة قالت : لیست من الإیمان وتارکھا في الجنة وھؤلاء قالوا: لیست من الإیمان وتارکھا في المشیئة، وعلماء نا الفقھاء قالوا: ھي من الإیمان وتارکھا في المشیئة، قضت بذلك آي القرآن و أحادیث النبي ﷺ . ''

لیکن علمائے اصول اور مرجیہ کے درمیان یہ فرق ہے کہ مرجیہ نے کہا: (اعمال) ایمان میں سے نہیں اور ان کا تارک جنت میں ہے اور ان (علمائے اصول) نے کہا: ایمان میں سے نہیں اور ان کا تارک مشیتِ الٰہی کے تحت ہے اور ہمارے علماء: فقہاء نے کہا: یہ ایمان میں سے ہیں اور ان کا تارک مشیتِ الٰہی کے تحت ہے، قرآن کی آیات اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث نے یہی فیصلہ کیا ہے۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۴۲)

اس عبارت کو اشاعتی دیوبندی نے درج ذیل الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے:

''لیکن فرق علماء اصول (اہلسنت والجماعت) اور مرجئہ (اہل بدعت) کے درمیان یہ کہ مرجئہ کہتے ہیں نماز ایمان کا جزء نہیں اور اس کا تارک جنت میں جائیگا اور یہ (علماء اصولیین اہلسنت والجماعت) نے کہا کہ نماز ایمان کا جزء نہیں اور اس کا تارک (اللہ عزوجل کی مشیت میں ہوگا (چاہے عذاب دے یا بخش دے)۔'' (دفاع ص ۳۱، نیز دیکھئے دفاع ص ۴۵)

ابن العربی نے علماءِ اصول کو اہلِ سنت والجماعت نہیں کہا، بلکہ علمائے اصول اور مرجیہ دونوں کا ذکر کر کے اپنے علماء یعنی فقہاء سے نقل کیا کہ نماز ایمان میں سے ہے اور

قرآن وحدیث سے اس کی تائید فرمائی، لیکن اشاعتی نے دھوکا دیتے ہوئے اس عبارت کو ہی حذف کر دیا ہے جو کہ بہت بڑی خیانت ہے۔

٦) ط دیو نے راقم الحروف کو ''غیر مقلد'' کی گالی دیتے ہوئے لکھا ہے:

''کیونکہ خود یہ غیر مقلد لکھتا ہے۔ روایت حدیث میں اصل بات راوی کی عدالت اور ضبط ہے، اس کا بدعتی مثلاً مرجی، شیعی، قدری (جہمی) وغیرہ ہونا چنداں مضر نہیں ہے۔ اور جس راوی کی عدالت ثابت ہو جائے اسکی روایت مقبول ہے اگر چہ اس کی بدعت کو اس سے بظاہر تقویت ہی پہنچتی ہو۔ (ماھنامہ الحدیث نمبر 2 ص 9)'' (دفاع ص ۴۲)

عرض ہے کہ ماہنامہ الحدیث حضرو کا شمارہ نمبر ۲ ص ۹ میرے سامنے کھلا پڑا ہے اور اس میں ''(جہمی)'' کا لفظ قطعاً موجود نہیں، لہٰذا اشاعتی دیوبندی نے عبارتِ منقولہ میں جھوٹ بولا ہے۔ نیز دیکھئے IRCPK (الحدیث حضرو: ۲ ص ۹)

٧) ط دیو نے لکھا ہے: ''شیخ فالح وہی ہیں جنہوں نے کہا تھا اِنَّ التقلیدَ واجب تو زبیر .....سامان اٹھا کر، انکے پاس سے فرار اختیار کر گئے۔'' (دفاع ص ۵۲)

عرض ہے کہ شیخ فالح الحربی المدنی نے مذکورہ بات قطعاً نہیں لکھی، بلکہ یہ کلام ربیع مدخلی کا ہے، لہٰذا مفتری نے حوالۂ مذکورہ میں جھوٹ بولا ہے۔

٨) ط دیو نے راقم الحروف کی طرف منسوب کر کے لکھا ہے:

''معلوم ہوا کہ دیوبندیوں و بریلویوں کے عوام سب لامذہب ہیں۔

(ماہنامہ الحدیث، ص 23۔ الحدیث 5، ص 20)'' (دفاع حصہ دوم ص ۴)

عرض ہے کہ دونوں مذکورہ حوالوں میں مفتری کی منقولہ عبارت نہیں ہے، لہٰذا اس نے جھوٹ بولا ہے۔ ابن عابدین شامی نے لکھا تھا کہ ''العامي لامذهب له'' عامی کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ (ردالمحتار علی الدرالمختار ج ۳ ص ۲۰۹)

اس عبارت کو ذکر کر کے راقم الحروف نے لکھا تھا: ''ابن عابدین کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ تمام دیوبندی مقلدین لامذہب ہیں۔'' (الحدیث: ۲۳ ص ۳۸)

ابن عابدین کی عبارت کو میرے سر تھوپنا اور پھر اس میں ''عوام'' کا اضافہ کرنا مفتری کا جھوٹ بھی ہے اور دھوکا بھی ہے۔

الحدیث نمبر ۵ کے صفحہ ۲۰ پر لا مذہب والی کوئی بات نہیں بلکہ ''لا مذہب'' کا لفظ تک موجود نہیں، لہٰذا مفتری نے حوالۂ مذکورہ میں دو جھوٹ بولے ہیں۔

۹) ط دیو نے اہلِ حدیث یعنی اہلِ سنت کو ''غیر مقلدین'' کے قبیح لقب اور تنابز بالالقاب سے کام لیتے ہوئے لکھا ہے: ''(جبکہ غیر مقلدین کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی کو امام ماننا شرک ہے)'' (دفاع حصہ دوم ص ۹)

عبارتِ مذکورہ میں اشاعتی حضروی نے صریح جھوٹ بولا ہے۔ نیز دیکھئے فقرہ: ۱۴

۱۰) ط دیو نے ماہنامہ الحدیث حضرو (شمارہ نمبر ۱ ص نمبر ۴) کے حوالے سے مولانا حافظ عبداللہ محدث غازیپوری رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۳۷ھ) کا ایک قول درج ذیل الفاظ میں نقل کیا ہے:

''واضح رہے کہ ہمارے مذہب (اہلحدیث) کا اصل الاصول صرف اتباع کتاب وسنت ہے۔'' اس کے بعد اشاعتی محرف نے ''فائدہ'' کے عنوان سے لکھا:

''معلوم ہوا زبیر علیزئی صاحب اصل الاصول قرآن وسنت کے علاوہ اجماع کو مان کر عبداللہ غازی پوری صاحب کے نزدیک اہلحدیث سے خارج ہوگئے۔'' (دفاع حصہ دوم ص ۱۳)

قارئین کرام! ماہنامہ الحدیث کی اصل عبارت (جو کہ جون ۲۰۰۴ء میں شائع ہوئی تھی) درج ذیل ہے:

''حافظ عبداللہ محدث غازی پوری رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۳۷ھ) فرماتے ہیں:

''واضح رہے کہ ہمارے مذہب کا اصل الاصول صرف اتباع کتاب وسنت ہے۔''

''اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ اہل الحدیث کو اجماع امت وقیاس شرعی سے انکار ہے کیونکہ جب یہ دونوں کتاب وسنت سے ثابت ہیں تو کتاب وسنت کے ماننے میں ان کا ماننا بھی آ گیا'' (ابراء اہل الحدیث والقرآن ص ۳۲، الحدیث: ۱ ص ۴)

حافظ عبداللہ غازیپوری رحمہ اللہ نے اجماع امت کو عبارت مذکورہ میں تسلیم کیا اور اس کے انکار سے علانیہ انکار کیا، لیکن آلِ دیوبند کے محرف نے آدھی عبارت نقل کر کے انھیں اجماع کا مخالف قرار دیا۔ کیا یہ ظلم نہیں؟!

۱۱) ط دیو نے میرے ایک شاگرد اور ہندوؤں میں سے علانیہ مسلمان ہو جانے والے محترم ابو جبیر محمد اسلم السندھی حفظہ اللہ کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے:

''غیر مقلد ابو جبیر محمد اسلم السندھی صاحب لکھتے ہیں۔ظاہری مذہب یہ ہے، کہ قیاس وتقلید وغیرہ کو رد کر کے فقط قرآن وحدیث کے ظاہر پر عمل کیا جائے اور تاویل سے بچا جائے۔یہی اھلحدیث کا مذہب ہے۔(ماہنامہ الحدیث 19 ص 30)'' (دفاع حصہ دوم ص ۱۴)

عرض ہے کہ محترم محمد اسلم حفظہ اللہ نے لکھا تھا:

''ظاہری مذہب یہ ہے کہ قیاس وتقلید وغیرہ کو رد کر کے فقط قرآن وحدیث کے ظاہر پر عمل کیا جائے اور تاویل سے بچا جائے یہی اہلحدیث کا مذہب ہے، ظاہری مذہب میں اجماع بھی حجت ہے۔'' (الحدیث:۱۹ص۳۰)

اس عبارت میں سے ''ظاہری مذہب میں اجماع بھی حجت ہے۔'' کو حذف کر کے اشاعتی دیوبندی نے بڑا دھوکا دیا ہے اور یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ گویا محمد اسلم صاحب اجماع کو حجت نہیں سمجھتے۔یہ کتنا بڑا بہتان ہے؟!

بطورِ فائدہ عرض ہے کہ تلمیذِ محترم محمد اسلم صاحب حفظہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے دو دفعہ حج ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائی اور مدینہ طیبہ میں مسجد نبوی وغیرہ کی زیارات سے بھی مستفید ہوئے، انھوں نے قرآن مجید کے تقریباً پندرہ پارے حفظ بھی کر لئے اور تصنیف وتدریس وغیرہ حسنات میں بھی مشغول ہیں۔(وفقه الله لما يحبه)

۱۲) ط دیو نے اپنے دیوبندی انداز میں لکھا ہے: ''غیر مقلد حافظ زبیر....تحریر کرتے ہیں، اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ اھل الحدیث کو اجماع امت اور قیاس شرعی سے انکار ہے۔ (ماہنامہ الحدیث 1 ص 4)'' (دفاع حصہ دوم ص ۱۴)

عرض ہے کہ یہ حافظ محمد عبداللہ غازیپوری رحمہ اللہ کی عبارت ہے، جسے راقم الحروف نے ان کی مشہور کتاب: ابراء اہل الحدیث والقرآن سے الحدیث نمبر ا ص ۴ پر نقل کیا ہے، لہٰذا لوگوں کو دھوکا نہ دیں۔

تنبیہ: راقم الحروف حافظ صاحب کی مذکورہ عبارت سے متفق ہے۔

۱۳) ط دیو نے مولانا ثناء اللہ امرتسری سے نقل کیا کہ ''اہلحدیث کا مذہب کہ خطبہ دیسی زبان (یعنی غیر عربی) میں بھی جائز ہے۔'' اور پھر اس پر درج ذیل الفاظ میں تبصرہ کیا:

''جسکا اہلسنت والجماعت میں سے کوئی بھی قائل نہیں'' (دفاع حصہ دوم ص ۱۷)

عرض ہے کہ چوتھی صدی ہجری کے حنفی فقیہ ابواللیث السمر قندی نے کہا:

''قال أبو حنيفة ...أو خطب للجمعة بالفارسية ...جاز''

ابوحنیفہ نے کہا: یا اگر فارسی میں خطبہ جمعہ دے تو جائز ہے۔

(مختلف الروایہ ج ا ص ۸۰۔۸۱ فقرہ: ۴)

برہان الدین محمد بن احمد الحنفی نے کہا:

''ولو خطب بالفارسية جاز عند أبي حنيفة علٰى كل حال.''

اور اگر فارسی میں خطبہ دے تو ابوحنیفہ کے نزدیک ہر حال میں جائز ہے۔

(المحیط البرہانی ج ۲ ص ۴۵۰ فقرہ: ۲۱۶۶)

تنبیہ: اس فتوے سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا رجوع کسی صحیح یا حسن سند سے ثابت نہیں اور نہ غیر عربی میں خطبۂ جمعہ کی کراہت آپ سے یا سلف صالحین میں سے کسی ایک سے ثابت ہے۔اس سلسلے میں آلِ دیوبند وآلِ بریلی جو کچھ بیان کرتے ہیں، وہ سب غلط اور باطل ہے۔'' (دیکھئے تحقیقی مقالات ج ۳ ص ۱۶۳۔۱۶۴)

حنفی علماء کی منقولہ عبارات کی روشنی میں عرض ہے کہ کیا محمد طاہر دیوبندی اشاعتی کے نزدیک امام ابوحنیفہ اہلِ سنت والجماعت سے خارج ہیں یا پھر یہ کہ محمد طاہر دیوبندی اشاعتی نے عبارت مذکورہ میں جھوٹ بولا ہے؟!

۱۴) ط دیو نے لکھا ہے: ''غیر مقلد حافظ زبیر علیزئی.... علامہ سیوطیؒ کا قول لکھتے ہیں، اھل حدیث کیلئے اس سے زیادہ کوئی فضیلت نہیں ہے کہ نبی ﷺ کے سواان کا کوئی امام نہیں، ہے۔ (ماہنامہ الحدیث 12، ص32)'' (دفاع حصہ دوم ص ۱۸)

عرض ہے کہ رسالۂ مذکورہ کی عبارت درج ذیل ہے:

''اہلِ حدیث کے لئے اس سے زیادہ کوئی فضیلت نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سواان کا کوئی (متبوع) امام نہیں ہے۔'' (الحدیث: ۱۲ ص ۳۲ سطر ۶)

متبوع کا مطلب یہ ہے کہ جس کی اتباع کی جاتی ہے اور مراد ہے واجب الاتباع اور اس لحاظ سے امتِ مسلمہ کے لئے ہر قول و فعل میں واجب الاتباع صرف محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات بابرکات ہے۔ اشاعتی دیوبندی نے عبارتِ مذکورہ سے ''متبوع'' کا لفظ حذف کر کے خیانت کی ہے اور دھوکا بھی دیا ہے۔

۱۵) ط دیو نے راقم الحروف کے بارے میں لکھا ہے: ''زبیر علیزئی...نہیں مانتے کہ کسی غلطی کو کمپوزنگ کی غلطی کہہ کر جان بچالی جائے'' (دفاع حصہ دوم ص ۳۸)

یہ بالکل جھوٹ اور افتراء ہے، اس کے برعکس راقم الحروف نے علانیہ لکھا ہے:

''تحریر لکھتے وقت مصنف سے بعض اوقات سہواً غلطیاں ہو ہی جاتی ہیں اور کاتب، کمپوزر اور ناسخ سے بھی بہت سی خطاء و اوہام کا صدور ہوتا ہے اور اس طرح جتنی بھی کوشش کریں، کتاب اور تحریر میں کچھ نہ کچھ غلطیاں باقی رہ جاتی ہیں۔'' (الحدیث: ۶۶ ص ۳۵)

اور لکھا ہے:

''یہ پچاس حوالے اس لئے پیش کئے ہیں تاکہ دیوبندیوں کو آئینہ دکھایا جائے کہ کمپوزنگ، کتابت اور تحریر کی نادانستہ غلطیاں جھوٹ نہیں ہوتیں۔'' (الحدیث: ۶۶ ص ۴۶، تحریر ۷ رد سمبر ۲۰۰۸ء)

تنبیہ: ماسٹر امین اوکاڑوی کی لکھی ہوئی توہینِ رسالت والی عبارت کے سیاق و سباق سے صاف ظاہر ہے کہ یہ کتابت کی غلطی نہیں، بلکہ امینِ اوکاڑوی کی دانستہ غلطی ہے، لہٰذا اس سے توبہ کا اعلان ضروری تھا۔

☆ اشاعتی دیوبندی کی کتاب میں ضعیف ومردود روایتیں بھی موجود ہیں، جن کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

۱: عبدالسلام دیوبندی اشاعتی حضروی نے لکھا ہے:

"وقال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ما من مسلم یرد عن عرض اخیہ الا کان حقًا علی اللّٰہ ان یرد عنہ نار جہنم یوم القیامۃ ثم تلاھذہ الآیۃ وکان حقًا علینا نصر المؤمنین . (مشکوٰۃ ص 424)" (دفاع، تقریظ ص ۵)

یہ روایت مشکوٰۃ (ح ۴۹۸۲) میں بحوالہ شرح السنہ (۱۳/۱۰۶ ح ۳۵۲۸) مذکور ہے۔

شرح السنہ میں اس کا ایک راوی لیث بن ابی سلیم ہے، جس کے بارے میں سرفراز خان صفدر دیوبندی کڑمنگی نے لکھا ہے: "یہ اثر بھی ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی لیث بن ابی سلیمؒ ہے امام (دارقطنیؒ (جلد ا ص ۱۲۶ میں) امام بیہقیؒ (کتاب القراءۃ ص ۱۰۷ میں) اور امام احمدؒ، امام یحییٰؒ، اور امام نسائیؒ وغیرہ سب اس کو ضعیف اور کمزور کہتے ہیں (میزان جلد ۲ ص ۲۶۰، تہذیب التھذیب جلد ۸ ص ۴۶۷، قانون الموضوعات ص ۲۸۷)" (احسن الکلام ج ۲ ص ۱۲۸، دسرانسخہ ۲/۱۴۰)

ماسٹر امین اوکاڑوی نے کہا: "حکیم صاحب نے حضرت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا سے جو روایت نقل کی ہے اولاً تو وہ صحیح نہیں کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی لیث بن ابی سلیم ہے جو ضعیف ہے (میزان الاعتدال)" (تجلیاتِ صفدر ج ۵ ص ۵۹)

زیلعی حنفی نے لیث بن ابی سلیم کے بارے میں لکھا ہے: "وھو ضعیف" اور وہ ضعیف ہے۔ (نصب الرایہ ج ۳ ص ۹۶)

عرض ہے کہ جو راوی خود آلِ دیوبند کے نزدیک ضعیف ہے، اس کی روایت پیش کرنے کی کیا ضرورت تھی؟!

۲: ظہور الحق دامانوی دیوبندی نے لکھا ہے: "جہاں فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد...." (دفاع، تقریظ ص ۷)

عرض ہے کہ یہ روایت مشکوٰۃ (ح ۲۱۷) میں بحوالہ ترمذی (۲۶۸۱) وابن ماجہ (۲۲۲) مذکور ہے۔ یہ روایت روح بن جناح نے مجاہد (تابعی) سے بیان کی ہے اور روح بن جناح کے بارے میں امام حاکم نے فرمایا: اس نے مجاہد سے موضوع حدیثیں بیان کیں۔ (المدخل الی الصحیح ص ۱۳۷ ت ۵۹)

ابونعیم اصبہانی نے کہا: وہ مجاہد سے منکر حدیثیں بیان کرتا تھا، وہ کوئی چیز نہیں ہے۔
(کتاب الضعفاء لابی نعیم ص ۸۱ ت ۶۷)

ابن حبان نے کہا: وہ سخت منکر الحدیث تھا، ثقہ راویوں سے ایسی روایتیں بیان کرتا، جنھیں حدیث میں زیادہ مہارت نہ رکھنے والا انسان بھی سن کر گواہی دیتا کہ یہ موضوع ہیں۔
(المجروحین ۱/۳۰۰، دوسرا نسخہ ۱/۳۷۴)

ثابت ہوا کہ یہ روایت سخت ضعیف، بلکہ موضوع ہے۔ نیز دیکھئے ماہنامہ الحدیث: ۱۷ ص ۶

۳: قاری چن محمد دیوبندی اشاعتی نے لکھا ہے:

''اور پیشگوئی نبوی صلی اللہ علیہ وسلم **لعن اخر ھٰذہ الامۃ اولھم** کہ اس امت کے پچھلے لوگ پہلوں پر طعن کریں گے، (مشکوۃ ص 470) ثابت ہوئی۔'' (دفاع، التقریظ ص ۹)

یہ روایت محمد طاہر نے دفاع دوم کے دوسرے حصے یعنی اپنے نام نہاد آئینے میں بھی پیش کی ہے۔ (دیکھئے ص ۳)

یہ روایت مشکوٰۃ (ح ۵۴۵۰) میں بحوالہ ترمذی (۲۲۱۱) مذکور ہے اور اس کے راوی ربیع الجذامی کے بارے حافظ ذہبی اور حافظ ابن حجر دونوں نے کہا: ''**مجھول**''
(الکاشف ۱/۲۴۳ ت ۱۶۰۲، تقریب التہذیب: ۱۹۵۷)

کیا صحیح و حسن لذاتہ روایتیں تھوڑی ہیں جو تقریظات میں بھی ضعیف و مردود روایات پیش کی گئی ہیں؟ یا پھر ان بیچاروں کا مبلغِ علم یہی ہے؟!

تنبیہ: راقم الحروف نے ۳۰ ستمبر ۲۰۰۸ء کو ایک بدعتی کے رد میں لکھا تھا:

''میرا نام محمد زبیر ہے اور قبیلہ علی زئی....'' (الحدیث حضرو: ۵۴ ص ۷!)

یعنی اصل نام محمد زبیر اور تحریر و تقریر کی دنیا میں عرفی نام زبیر علی زئی ہے، تکمیلِ حفظِ قرآن کی سعادت کے بعد اب عرفی نام حافظ زبیر علی زئی ہے۔ والحمدللہ

راقم الحروف نے محمد طاہر دیوبندی کی کتاب کے سلسلے میں اسماعیل دیوبندی اشاعتی کو ایک خط لکھا تھا، اس خط کی نقل درج ذیل ہے:

'' بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسماعیل دیوبندی (حال مقیم: پیرداد) کے نام!

آپ کی طرف سے ایک کتاب: ''ائمہ ثلاثہ احناف کا دفاع...'' بذریعہ ابن شیر بہادر موصول ہوئی جس میں صاحبِ کتاب:......... دیو___ بندی نے جھوٹ، افتراء اور تحریفات سے کام لیا ہے۔ مثلاً:

۱: دیوبندی نے بحوالہ ماہنامہ الحدیث (نمبر ۵۶ ص ۳۷) لکھا ہے:

''اور عقل'' (ائمہ ثلاثہ... ص ۱۲)

حالانکہ یہ الفاظ مذکورہ حوالے میں موجود نہیں ہیں۔

۲: دیوبندی نے بحوالہ السنن الکبریٰ (للبیہقی ۱/۳۴۷) اور معرفۃ السنن والآثار (۱/۳۸۱) شعیب بن اسحاق بن عبدالرحمٰن الدمشقی سے قاضی ابو یوسف کی توثیق نقل کی۔ (ص ۲۴)

حالانکہ مذکورہ حوالوں میں شعیب بن اسحاق کی بیان کردہ توثیق نہیں بلکہ امام بیہقی کا اپنا قول موجود ہے۔

۳: دیوبندی نے امام ابوحنیفہ کے بارے میں لکھا ہے:

''آپ نے بالاتفاق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا زمانہ پایا اور بعض صحابہؓ (مثلاً انس بن مالک انصاریؓ، اسعد بن سہل بن حنیف انہیاری، عامر بن واثلہ ابو الطفیلؓ وغیرہم) کو بھی دیکھا اس وجہ سے آپ قول راجح میں تابعی ہیں۔'' (ص ۱۶)

اس پر کوئی اتفاق نہیں ہے کہ امام ابوحنیفہ نے بعض صحابہ کو دیکھا ہے بلکہ امام دارقطنی رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ کیا ابوحنیفہ کا انس (رضی اللہ عنہ) سے سماع صحیح ہے؟ تو انھوں نے فرمایا:

نہیں اور نہ ابو حنیفہ کا انس (رضی اللہ عنہ) کو دیکھنا ثابت ہے بلکہ ابو حنیفہ نے کسی صحابی سے ملاقات نہیں کی ہے۔ (ماہنامہ الحدیث: ۱۷ص ۱۹)

خود امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا: میں نے عطاء (بن ابی رباح: تابعی) سے زیادہ افضل کوئی (انسان) نہیں دیکھا۔ (الکامل لابن عدی ۲۴۷۳/۷ وسندہ صحیح، الحدیث: ۱۷ص ۲۰)

یعنی امام ابو حنیفہ نے خود اپنے تابعی ہونے کی نفی کی ہے، لہٰذا محمد طاہر دیوبندی (اشاعتی) تابعیتِ امام پر اپنے دعویٔ اتفاق میں جھوٹا ہے۔

۴: دیو۔۔۔بندی نے لکھا ہے: ''شیخ فالح وہی ہیں جنھوں نے کہا تھا اِنَّ التــقــلیــدَ واجِب'' (ص ۵۲)

یہ شیخ فالح کا قول نہیں بلکہ ربیع بن ہادی المدخلی کا قول ہے۔

دیکھئے ماہنامہ الحدیث: ۱۱ص ۴۱

صاحبِ کتاب (دیوبندی) کی تحریفات میں سے دو مثالیں پیشِ خدمت ہیں:

۱: دیوبندی نے کہا: ''غیر مقلد حافظ عبداللہ غازی پوری صاحب فرماتے ہیں، واضح رہے کہ ہمارے مذہب (اہلحدیث) کا اصل الاصول صرف اتباع کتاب وسنت ہے۔ (ماہنامہ الحدیث نمبر ۱، ص ۴)'' (آئینہ غیر مقلدیت ص ۱۳)

حالانکہ ماہنامہ الحدیث کے اسی صفحے پر اس عبارت کے متصل بعد لکھا ہوا ہے:

''اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ اہل حدیث کو اجماع امت وقیاس شرعی سے انکار ہے کیونکہ جب یہ دونوں کتاب وسنت سے ثابت ہیں تو کتاب وسنت کے ماننے میں ان کا ماننا بھی آگیا'' (شمارہ: ۱ص ۴)

یاد رہے کہ یہ عبارت حافظ غازیپوری رحمہ اللہ کی ہے جس میں سے اجماع اور قیاس شرعی کے الفاظ کو چھپا کر دیوبندی مذکور نے اُن لوگوں کی تقلید کی ہے جنھیں بندر اور خنزیر بنا دیا گیا تھا۔

۲: دیوبندی نے اہلِ حدیث کے بارے میں لکھا ہے:

''اور کبھی یہ کہہ کر رد کرتے ہیں، صحابی کا اپنا قول اور اپنا عمل دین میں دلیل نہیں بنتا۔ (الحدیث نمبر ۲۷، ص ۵۶)'' (آئینہ..... ص ۲۱)

حالانکہ ماہنامہ الحدیث کے مذکورہ شمارے میں ''تنبیہ'' کے ذریعے سے دو صفحات پر اس بات کا رد کیا گیا ہے اور لکھا ہے:

''ہم تو وہی فہم مانتے ہیں جو صحابہ، تابعین، تبع تابعین ومحدثین اور قابلِ اعتماد علمائے امت سے ثابت ہے۔'' (شمارہ ۲۷ ص ۵۸)

اس رد کو مصنف مذکور....... سمجھ پر پی گئے ہیں۔

آخر میں عرض ہے کہ محمد طاہر دیوبندی (اشاعتی) نے اپنے آئینے میں کذب وافتراء اور تحریفات کا ارتکاب کرتے ہوئے انسان کے بارے میں السید کے لفظ کو شرک قرار دیا ہے۔ (دیکھئے ص ۶، ۷...)

حالانکہ دیوبندیوں کی مشہور کتاب: المهند علی المفند میں احمد الجزائری کو "السیــــد" (ص ۱۲۳، مطبوعہ ادارہ اسلامیات لاہور) اور محمد بن عابدین کو ''مـــو لانــــا السیـد'' (ص ۱۳۱) لکھا ہوا ہے۔

ابوالحسن الندوی کے والد عبدالحئ بن فخر الدین الحسنی کی کتاب نزہۃ الخواطر میں بہت سے لوگوں کے بارے میں "السید" لکھا ہوا ہے، بلکہ آقا حسن لکھنوی (شیعہ) کے بارے میں عبدالحئ نے کہا: "السید" (نزہۃ الخواطر ج ۸ ص ۹)

اسی طرح ابوالحسن لکھنوی (شیعہ رافضی) کے دادا اصفدر شاہ کے بارے میں لکھا ہے:

''السید صفدر شاہ الحسینی الکشمیری'' (ایضاً ص ۱۶)

محمد طاہر کو چاہئے کہ اپنی کتاب المہند والوں اور عبدالحئ الحسنی پر شرک کا فتویٰ لگائے۔!

اسماعیل دیوبندی! چونکہ آپ نے مذکورہ کتاب بھیجی ہے، لہٰذا آپ کے لئے یہ مختصر جواب لکھا گیا ہے ورنہ آپ جیسے لوگوں کا جواب سورۃ الفرقان کی آیت نمبر ۶۳ کے آخر میں ہے۔ وما علینا إلا البلاغ (۱۵/ جولائی ۲۰۰۹ء)

حافظ زبیر علی زئی

مکتبہ الحدیث حضرو۔ ضلع اٹک "

آخر میں عرض ہے کہ اشاعتی دیوبندی کی کتاب میں کئی منطقی وغیر منطقی دھوکے اور دیگر بہت سی غلط باتیں ہیں، لیکن اس مضمون میں ردودِ مذکورہ پر ہی اکتفا کرتا ہوں۔

فيه كفاية لمن له دراية . (۳۱/جنوری ۲۰۱۱ء)

❀❀❀

متفرق مضامین وزیادات

رحمت للعالمین کی سیرت طیبہ کے چند موتی

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ مَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ﴾
اور ہم نے آپ کو جہانوں (دنیاوالوں) کے لئے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے۔ (الانبیاء:۱۰۷)
آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو سارے عالَم یعنی تمام لوگوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے، جیسا کہ امام ابن جریر الطبری رحمہ اللہ نے اس آیت کی تشریح میں فرمایا: ''وهو أن الله أرسل نبيه محمدًا ﷺ رحمة لجميع العالمين : مؤمنهم و كافرهم، فأما مؤمنهم فإن الله هداه به وأدخله بالإيمان به وبالعمل بما جاء به من عند الله الجنة . وأما كافرهم فإنه دفع به عنه عاجل البلاء الذي كان ينزل بالأمم المكذّبة رسلها من قبله .''
اور (اس سے مراد) یہ ہے کہ بے شک اللہ نے اپنے نبی محمد ﷺ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا: مومن ہو یا کافر، مومن کو تو اللہ نے آپ کے ذریعے سے ہدایت نصیب فرمائی اور اللہ کی طرف سے آپ جو لے کر آئے، اس پر ایمان اور عمل کے ذریعے سے اسے جنت میں داخل کر دیا، اور رہا کافر تو اللہ نے اسے بڑے دنیاوی عذاب سے بچالیا جو کہ ان پہلی اُمتوں پر آتا رہا ہے، جو اپنے نبیوں کو جھٹلاتی تھیں۔

(تفسیر ابن جریر نسخہ محققہ ج ۸ ص ۱۳۱ تحت ح ۲۴۹۲۲)

رحمت للعالمین ہونا نبی آخر الزمان سیدنا رسول اللہ ﷺ کی صفت خاصہ ہے جس میں کوئی بھی آپ کا شریک نہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر بہت بڑا انعام ہے۔
ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ آپ مشرکین کے خلاف بددعا کریں تو آپ نے فرمایا: ((إني لم أبعث لعّانًا وإنما بعثت رحمةً .)) مجھے بہت زیادہ لعنتیں کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا، اور مجھے تو صرف رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔

(صحیح مسلم:۲۵۹۹ ترقیم دارالسلام:۶۶۱۳)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:((و إنما بعثني رحمة للعالمين))اور اس (اللہ) نے مجھے رحمت للعالمین بنا کر ہی بھیجا ہے۔(سنن ابی داود:۴۶۵۹ ملخصاً وسندہ حسن)

نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ رحمت و مودت کے واقعات سے بھری ہوئی ہے اور اس مختصر مضمون میں ان واقعات میں سے چند ایک پیشِ خدمت ہیں:

۱) مشہور ثقہ تابعی اور مفسرِ قرآن امام مجاہد بن جبر رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ہم (سیدنا) عبداللہ بن عمرو (بن العاص رضی اللہ عنہ) کے پاس آتے تو ان کے پاس بکریاں ہوتی تھیں، پھر وہ ہمیں گرم، یعنی تازہ دودھ پلاتے اور ایک دفعہ انھوں نے ہمیں ٹھنڈا دودھ پلایا تو ہم نے پوچھا: دودھ (آج) ٹھنڈا کیوں ہے؟ انھوں نے فرمایا: میں بکریوں سے دور چلا گیا تھا، کیونکہ بکریوں کے پاس کتا موجود تھا۔ انھوں نے اپنے غلام کو دیکھا کہ (ذبح شدہ) بکری کی کھال اُتار رہا ہے تو کہا: اے لڑکے! جب تو فارغ ہو جائے تو سب سے پہلے ہمارے یہودی پڑوسی کو (گوشت) بھیجنا۔ انھوں نے یہ کام تین دفعہ کیا تو لوگوں میں سے ایک آدمی جسے مجاہد پہچانتے تھے، نے کہا: اللہ آپ کو نیک رکھے، آپ کتنی دفعہ یہودی کو یاد کرتے ہیں؟ انھوں (سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو پڑوسی کے ساتھ (اچھے سلوک کا) حکم دیتے ہوئے سنا حتیٰ کہ ہمیں خوف لاحق ہوا کہ کہیں آپ اسے وارث نہ بنا دیں۔

(شرح مشکل الآثار للطحاوی ۲۲۰/۷ ح ۲۷۹۲ وسندہ صحیح پرانا نسخہ ۲۶/۴)

ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ میں کفار، مثلاً اہلِ ذمہ میں سے یہودیوں کے ساتھ بھی انتہائی نرمی اور بہترین سلوک کا درس ہے۔

۲) سیدنا عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو قضائے حاجت کے لئے پردہ کرنے کے لئے دو مقامات زیادہ پسند تھے: اونچا مقام یا کھجوروں کا جھنڈ۔ آپ ایک انصاری آدمی کے باغ میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ایک اونٹ

ہے، جب اونٹ نے نبی ﷺ کو دیکھا تو اپنی آواز سے رونے لگا، اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ نبی ﷺ اُس اونٹ کے پاس تشریف لے گئے اور اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تو وہ خاموش ہو گیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اس اونٹ کا مالک کون ہے؟ یہ کس کا اونٹ ہے؟ ایک انصاری نوجوان نے آ کر کہا: یا رسول اللہ! یہ میرا اونٹ ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم اس جانور کے بارے میں اللہ سے نہیں ڈرتے جس نے تمھیں اس کا مالک بنایا ہے، اس نے میرے سامنے تمھاری شکایت کی ہے کہ تم اسے بھوکا رکھتے ہو اور (زیادہ) کام لے کر اسے تھکاتے ہو۔

(سنن ابی داود: ۲۵۴۹ وسندہ صحیح واصلہ فی صحیح مسلم: ۳۴۲)

نبی کریم ﷺ کتنے مہربان تھے کہ آپ جانوروں تک کا بھی پورا خیال رکھتے تھے۔

۳) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دفعہ) ایک اعرابی نے آکر مسجد (مسجد نبوی) کے ایک حصے میں پیشاب کر دیا تو لوگوں نے اُسے ڈانٹنا شروع کر دیا نبی ﷺ نے لوگوں کو منع فرمایا اور جب وہ اعرابی اپنے پیشاب سے فارغ ہوا تو نبی ﷺ نے پانی کا ایک ڈول منگوا کر اس جگہ پر بہا دیا۔ (صحیح بخاری بعد ح ۲۲۱)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب لوگوں نے اسے پکڑنے کی کوشش کی تو نبی ﷺ نے انھیں کہا: اسے چھوڑ دو اور اس کے پیشاب کی جگہ پانی کا ایک ڈول بہا دو، تمھیں آسانی کرنے والا بنایا گیا ہے، سختی کرنے والا نہیں بنایا گیا۔ (صحیح بخاری: ۲۲۰)

ایک روایت میں آیا ہے کہ جب وہ مسجد میں پیشاب کرنے لگا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اُٹھ کھڑے ہوئے اور کہا: نہ کر، نہ کر، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس کا پیشاب نہ روکو، اسے چھوڑ دو۔ صحابہ نے اسے چھوڑ دیا، حتیٰ کہ اس نے پیشاب کر لیا، پھر رسول اللہ ﷺ نے اسے بلایا اور فرمایا: یہ مسجدیں ہیں، ان میں پیشاب یا گندگی کرنا جائز نہیں، یہ تو اللہ کے ذکر، نماز اور قراءت قرآن کے لئے بنائی گئی ہیں۔ پھر آپ نے ایک آدمی کو حکم دیا تو اس جگہ پانی کا ایک ڈول بہا دیا گیا۔ (صحیح مسلم: ۶۶۱)

آپ ﷺ نے مسئلہ بھی سمجھا دیا اور لوگوں کو اس اعرابی کو تکلیف پہنچانے سے بھی روک دیا۔

٤) سیدنا معاویہ بن الحکم السلمی رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ مسئلہ نہ معلوم ہونے کی وجہ سے حالت نماز میں باتیں کیں، جس سے دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس بات کا (غصے کے ساتھ) اظہار کیا کہ خاموش ہو جاؤ۔ وہ خود فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھ لی تو میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں! میں نے آپ جیسا بہترین تعلیم دینے والا استاد نہ پہلے دیکھا اور نہ بعد میں، اللہ کی قسم! آپ نے نہ تو مجھے ڈانٹا، نہ مارا اور نہ بُرا بھلا کہا، آپ نے فرمایا: اس نماز میں لوگوں کے کلام میں سے کوئی چیز بھی جائز نہیں، یہ تو تسبیح تکبیر اور قراءت قرآن ہے۔ (صحیح مسلم: ۵۳۷، دارالسلام: ۱۱۹۹)

سبحان اللہ! نبی کریم ﷺ کتنے مہربان، صابر، مدبّر، معلّم اعظم اور رحمت للعالمین تھے کہ آپ کی رحمت انسانوں، جانوروں حتیٰ کہ درختوں کو بھی محیط ہے۔

آپ کی جدائی میں کھجور کا تنا (جس کے ساتھ سہارا لے کر آپ ﷺ جمعہ کے دن خطبہ دیتے تھے) رونے لگا اور اس وقت تک خاموش نہ ہوا جب تک آپ نے اسے سینے سے نہیں لگا لیا۔ (دیکھئے صحیح بخاری: ۳۵۸۳۔۳۵۸۵)

[۲۲/ دسمبر ۲۰۱۰ء]

نزع کے عالم میں توبہ قبول نہیں ہوتی

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إن الله يقبل توبة العبد ما لم يغرغر .))

اللہ تعالیٰ بندے کے غرغرے (نزع کے عالم) سے پہلے اُس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔

(سنن ترمذی: ۳۵۳۷ وقال: ''ھذا حدیث حسن غریب'' وسندہ حسن وحسنہ البغوی فی شرح السنۃ: ۱۳۰۶، وصححہ ابن حبان [الموارد: ۲۴۴۹، الاحسان: ۶۲۷] والحاکم ۴/ ۲۵۷ ووافقہ الذہبی)

اس روایت میں عبدالرحمٰن بن ثابت بن ثوبان جمہور کے نزدیک موثق ہونے کی وجہ سے حسن الحدیث ہیں اور مکحول الشامی بریٔ من التدلیس تھے۔ والحمدللہ

حدیثِ مذکور کی تائید قرآنِ مجید سے بھی ہوتی ہے۔

دیکھئے سورۃ النساء (۱۷۔۱۸) اور سورۃ المؤمن (۸۴۔۸۵)

معلوم ہوا کہ جب موت یعنی جان کنی کا وقت قریب آجائے تو اُس وقت (کافر کی) توبہ قبول نہیں ہوتی۔ فرعون نے جب موت کے وقت اللہ پر ایمان کا اقرار کیا اور اپنے آپ کو مسلمین میں سے شمار کیا تو اسے کہا گیا: کیا اب؟! اور اس سے پہلے تُو نافرمانی کرتا تھا اور فسادیوں میں سے تھا۔ (یونس: ۹۱)

فرعون نے اس وقت ایمان لانے کا اقرار کیا جب ایمان کوئی نفع نہیں دیتا۔ (دیکھئے تفسیر ابن کثیر ۳/ ۵۰۹) اس کے سراسر برعکس ابن عربی (صوفی وحدت الوجودی) نے کہا:

''فرعون ڈوبتے ڈوبتے ایمان سے مرا ہے، پاک صاف مرا ہے۔''

(فصوص الحکم ص ۱۸۷۔۱۸۸، ولفظہ: " فقبضه طاهراً مطهّرًا ليس فيه شيئٌ من الخبث لأنه قبضه عند ايمانه ...'' إلخ فص حكمة علوية فى كلمة موسوية، مع شرح الجامی ص ۴۷۹، اردو ترجمہ عبدالقدیر صدیقی ص ۴۱۳ واللفظ لہ)

ابن عربی کی یہ بات کہ ''فرعون مومن ہو کر مرا تھا'' بالکل غلط اور باطل ہے، بلکہ حق یہی ہے کہ ''فرعون کافر مرا تھا اور موت کے وقت اس کا دعویٰ ایمان مردود ہے'' اور اسی پر مسلمانوں کا (بلکہ یہود و نصاریٰ کا بھی) اجماع ہے۔

دیکھئے مجموع فتاویٰ لابن تیمیہ (۲/۲۷۹)

روزے کی حالت میں ہانڈی وغیرہ سے چکھنا؟

امام بخاری نے فرمایا: " و قال ابن عباس : لا بأس أن يتطعم القدر أو الشئ "
اور ابن عباس نے فرمایا: ہانڈی یا کسی چیز کو چکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔
(صحیح بخاری، کتاب الصوم باب اغتسال الصائم ح ۱۹۳۰، سے پہلے)

یہ روایت "شريك عن سليمان عن عكرمة عن ابن عباس"
کی سند سے درج ذیل کتابوں میں ہے:

۱: مصنف ابن ابی شیبہ (۳/۴۷ ح ۹۲۷۸) عن شريك
۲: مسند علی بن الجعد (۲۴۰۶) من حديث شريك و عنه علي بن الجعد
۳: السنن الکبریٰ للبیہقی (۴/۲۶۱) من حديث علي بن الجعد عن شريك
۴: تغلیق التعلیق (۳/۱۵۲) للحافظ ابن حجر من طريق علي بن الجعد

یہ روایت دو وجہ سے ضعیف ہے:

۱: شریک بن عبداللہ القاضی مدلس ہیں اور سند عن سے ہے۔
شریک کی تدلیس کے لئے دیکھئے نصب الرایہ (۳/۲۳۴) المحلی (۸/۲۶۳، ۱۰/۳۳۳)
اور طبقات المدلسین لابن حجر (۲/۵۶) وهو من المرتبة الثالثة فى القول الراجح .

۲: سلیمان بن مہران الاعمش مدلس تھے اور سند عن سے ہے۔
اعمش کی تدلیس کے لئے دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو: ۶۶ ص ۷

☆ اس روایت کی دوسری سند میں جابر بن یزید الجعفی ہے۔
دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ (۳/۴۷ ح ۹۲۷۷)

جابر جعفی سخت ضعیف اور گمراہ شخص تھا۔ دیکھئے تہذیب التہذیب، میزان الاعتدال اور تقریب التہذیب وغیرہ، لہٰذا یہ سند باطل ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ روایت اپنی دونوں سندوں کے ساتھ ضعیف ہے۔

فائدہ: عروہ بن الزبیر رحمہ اللہ (تابعی) روزے کی حالت میں مٹی میں شہد چکھ لیتے تھے۔
دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ (۴۷/۳ ح ۹۲۸۰ وسندہ حسن)

ثابت ہوا کہ اگر شدید شرعی عذر ہو، مثلاً کسی عورت کا شوہر سخت مزاج ہو تو اس کے لئے روزے کی حالت میں ہانڈی وغیرہ چکھنے میں کوئی حرج نہیں اور اسی طرح خریدتے وقت بھی اس چیز کو چکھا جاسکتا ہے جس میں یہ احتمال ہو کہ بیچنے والا دھوکا دے رہا ہے، یا یہ خوف ہو کہ دھوکا نہ دے دے تو بھی ایسی چیز کو معمولی سا چکھ لینا جائز ہے، لیکن نہ چکھے تو بہتر ہے۔ واللہ اعلم

تنبیہ: اسے ضرورت کے وقت چکھنے کے بعد تھوک دینا چاہئے۔

(۲۹/ اگست ۲۰۱۰ء)

تقدیم کتاب: نور من نور اللہ

الحمد للّٰہ ربّ العالمین والصّلوٰۃ والسّلام علٰی رسولہ الأمین، أما بعد:

اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی اکرم ﷺ رسول اللہ ہونے کے ساتھ ساتھ انسان اور بشر تھے، جیسا کہ قرآن مجید، احادیثِ متواترہ اور اجماع سے ثابت ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((إنما أنا بشر)) إلخ میں تو بشر ہوں۔ الخ

(صحیح بخاری: ۷۱۶۹، صحیح مسلم: ۱۷۱۳)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''کان بشرًا من البشر'' آپ (ﷺ) انسانوں میں سے ایک بشر تھے۔ (الادب المفرد للبخاری: ۵۴۱ وسندہ صحیح، روایۃ البخاری عن عبداللہ بن صالح کاتب اللیث صحیحۃ وتابعہ عبداللہ بن وھب عند ابن حبان فی صحیحہ، الاحسان: ۵۶۴۶، دوسرا نسخہ: ۵۶۷۵)

تمام صحابہ وتابعین کا یہی عقیدہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ سیدنا آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے اور بشر تھے۔ کسی ایک آیت یا حدیث سے آپ کی بشریت کی نفی ثابت نہیں ہے۔

انگریزوں کے دور میں پیدا ہونے والے بریلوی فرقے کی مشہور کتاب ''بہارِ شریعت'' میں لکھا ہوا ہے کہ ''عقیدہ۔ نبی اس بشر کو کہتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے لئے وحی بھیجی ہو۔ اور رسول بشر ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ملائکہ میں بھی رسول ہیں۔

عقیدہ۔ انبیاء سب بشر تھے اور مرد، نہ کوئی جن نبی ہوا نہ عورت۔'' (حصہ اول ص ۷)

اس میں کوئی شک نہیں کہ رسول اللہ ﷺ بشر ہونے کے ساتھ رسول، نبی اور نورِ ہدایت بھی تھے، لیکن یہ کہنا کہ آپ بشر نہیں بلکہ نور من نور اللہ تھے، کتاب وسنت کے خلاف اور باطل عقیدہ ہے اور یہ کہنا بھی غلط ہے کہ آپ نوری مخلوق تھے جو لباسِ بشریت میں دنیا میں تشریف لائے تھے، کیونکہ اس عقیدے کی بھی کوئی دلیل نہیں ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ سے جو

بھی سنتا تو ہر شے لکھ لیتا تھا، میں اسے یاد کرنا چاہتا تھا (لیکن) قریشیوں نے مجھے منع کر دیا اور کہا: ''تم رسول اللہ ﷺ سے سن کر ہر چیز لکھ لیتے ہو اور رسول اللہ ﷺ بشر ہیں، کبھی آپ غصے میں ہوتے ہیں اور کبھی خوشی کی حالت میں'' تو میں نے لکھنا چھوڑ دیا پھر رسول اللہ ﷺ سے اس بات کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: ((**اکتب فو الذي نفسي بیده ما خرج مني إلا حق.**)) لکھو! اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میری زبان سے صرف حق ہی نکلتا ہے۔

(مسند احمد ۲/۱۶۲ ح ۶۵۱۰، مصنف ابن ابی شیبہ ۹/۴۹، ۵۰، سنن ابی داود: ۳۶۴۶، مسند دارمی: ۴۹۰ وسندہ صحیح)

معلوم ہوا کہ تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا یہ اجماعی عقیدہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ بشر ہیں۔

دوسری طرف یہ بھی ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ آپ ﷺ نورِ ہدایت ہیں، جیسا کہ حافظ ابو جعفر بن جریر الطبری رحمہ اللہ نے ﴿ قَدْ جَآءَكُم مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴾ [المائدہ: ۱۵]

کی تفسیر میں فرمایا: '' **یعني بالنور محمدًا ﷺ الذي أنار اللّٰه به الحق و أظهر به الإسلام و محق به الشرك فهو نور لمن استنار به ...** ''

یعنی نور سے مراد محمد ﷺ ہیں، جن کے ذریعے سے اللہ نے حق کو روشن اور واضح کر دیا، آپ کے ساتھ اسلام کو غالب اور شرک کو (مکہ و مدینہ اور جزیرۃ العرب میں) ختم کر دیا، پس آپ اُس کے لئے نور ہیں جو آپ سے نور حاصل کرنا چاہتا ہے... (تفسیر طبری ج ۶ ص ۱۰۴)

یعنی آپ اہلِ ایمان کے لئے نورِ ہدایت ہیں اور سب جہانوں کے لئے رحمت (رحمۃ للعالمین) ہیں۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

بعض لوگ آپ کو اللہ تعالیٰ کی ذاتِ مبارکہ کا ایک جزء اور حصہ سمجھتے ہیں اور نور من نور اللہ کا عقیدہ رکھتے ہیں، حالانکہ یہ عقیدہ قرآن مجید اور دینِ اسلام کے سراسر خلاف ہے۔ مثلاً دیکھئے سورۃ الزخرف آیت: ۱۵

ڈاکٹر ابو جابر عبداللہ دامانوی حفظہ اللہ نے اہلِ بدعت کے اس باطل عقیدے ''نور من نور اللہ'' کے رد میں یہ کتاب لکھی ہے...اور اس موضوع پر یہ جامع اور مفید کتاب ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ انھیں اس کی جزائے خیر عطا فرمائے اور اس کتاب کے ذریعے سے اہلِ بدعت کو ہدایت نصیب فرمائے۔ آمین

آخر میں بطورِ فائدہ عرض ہے کہ غلام مہر علی بریلوی خطیب چشتیاں نے لکھا ہے:

''ہمارے عقیدہ کی تشریح یہ ہے کہ رسولِ خدا علیہ السلام خدا کے پیدا کیے ہوئے نور ہیں (فتاوے ثنائیہ حصہ اول ص ۲۳۷) ہم کہتے ہیں کہ ہمارا بھی عقیدہ یہی ہے۔ باقی یہ کہ ہم اہل سنت حضور کو نور قدیم یا خدا کا جز مانتے ہیں یہ محض افتراء اور صریح بہتان ہے جس کا بدلہ قیامت میں دیوبندی اور وہابی پالیں گے۔ ہم تو یہی کہہ دیتے ہیں کہ لعنة اللّٰہ علی الکاذبین'' (دیوبندی مذہب ص ۲۴۳)

فرقۂ بریلویہ کا اپنے آپ کو اہلِ سنت کہنا تو بالکل غلط ہے، لیکن اُن کی خدمت میں درخواست ہے کہ وہ اس عقیدے میں اپنے عوام کی اصلاح فرمائیں اور دیگر عقائدِ باطلہ سے رجوع کر کے اپنی بھی اصلاح فرمالیں۔ و ما علینا إلا البلاغ (۲/مئی ۲۰۱۰ء)

❀❀❀

حدیث کا دفاع کرنے والے زندہ ہیں

الحمد لله ربّ العالمين والصّلوٰة والسّلام علٰى رسوله الأمين ، أما بعد:

قرآن مجید کے بعد صحیح بخاری سب کتابوں سے زیادہ صحیح کتاب ہے، جیسا کہ اُمتِ مسلمہ کے متفقہ تلقي بالقبول والے اصول (أصح الكتب بعد كتاب الله) اور اجماع سے ثابت ہے، یہی وجہ ہے کہ منکرینِ حدیث نے صحیح بخاری کو اپنے حملوں کا نشانہ بنایا ہے اور اسی سلسلے میں شبیر احمد میرٹھی نامی ایک منکرِ حدیث نے اسماء الرجال کے بھیس میں ایک کتاب لکھی ہے:

''صحیح بخاری کا مطالعہ بخاری کی کچھ کمزور احادیث کی تحقیق وتنقید''

یہ کتاب ''دارالتذکیر'' سے دو جلدوں میں ۶۶۴ صفحات (۲۸۰+۳۸۴) پر مطبوع ہے۔

امام عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ یہ موضوع احادیث یعنی ان کا کیا ہوگا؟ تو انھوں نے فرمایا: '' يعيش لها الجهابذة '' ان کے لئے کھرے کھوٹے کو پرکھنے والے ماہر محدثین زندہ ہیں۔ (تقدمۃ الجرح والتعدیل ص ۳ وسندہ صحیح)

اسی طرح منکرینِ حدیث کے مقابلے میں کتاب وسنت کا دفاع کرنے والے علمائے حدیث ہر دور میں دلائل قاطعہ اور ثابت قدمی کے ساتھ کھڑے ہیں، بلکہ اس عظیم الشان جہاد میں جان و مال کا نذرانہ پیش کر کے اپنے رب کی رضا مندی تلاش کرنے والے بھی موجود ہیں۔ والحمدللہ

صحیح عقیدے اور منہجِ حق کی دولت سے مالا مال برادر محترم حافظ محمد اعجاز بن نذیر احمد عرف حافظ ابو یحیٰی نور پوری حفظہ اللہ نے میرٹھی مذکور کی درج بالا کتاب کو اصولِ حدیث، علمِ اسماء الرجال اور اصولِ محدثین کی روشنی میں آڑے ہاتھوں لیا اور ''صحیح بخاری کا مطالعہ اور فتنۂ انکارِ حدیث'' کی کتابی صورت میں پیش کر دیا، تاکہ منکرینِ حدیث کے فتنے اور

تلبیسات سے عامۃ المسلمین محفوظ رہیں۔

میں نے حافظ ابو یحییٰ نور پوری صاحب کی اس ساری کتاب کو لفظ بلفظ پڑھا ہے اور دینِ حق کے دفاع میں انتہائی مفید پایا ہے، جس کے جواب الجواب سے منکرینِ حدیث ہمیشہ عاجز رہیں گے۔ ان شاء اللہ

مشہور ثقہ امام ابو عبید القاسم بن سلام البغدادی رحمہ اللہ (متوفی ۲۲۴ھ) نے فرمایا:
متبعِ سنت (سنت کی اتباع کرنے والا) ہاتھ میں انگارے پکڑنے والے کی طرح ہے اور وہ میرے نزدیک آج اللہ کے راستے میں تلوار چلانے (جہاد وقتال) سے زیادہ افضل ہے۔
(عقیدۃ السلف واصحاب الحدیث للصابونی ص ۲۵۲ ح ۹۳ وسندہ صحیح، تاریخ بغداد ۱۲/ ۴۱۰)

امام ابو بکر عبد اللہ بن الزبیر الحمیدی المکی رحمہ اللہ (متوفی ۲۱۹ھ) نے فرمایا:
اللہ کی قسم! اگر میں ان لوگوں سے جہاد کروں جو رسول اللہ ﷺ کی حدیث رد کرتے ہیں تو یہ میرے نزدیک اُن جتنے (کافر) ترکوں سے جہاد کرنے سے زیادہ پسندیدہ ہے۔
(ذم الکلام للہروی: ۲۲۸ وسندہ صحیح، دوسرا نسخہ: ۲۳۶)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کتاب کے مصنف کو اس کا بہت بڑا اجر عطا فرمائے، اُن پر اپنی رحمتوں اور فضل وکرم کی بارش نازل فرمائے اور کتاب وسنت کے دفاع اور دینِ حق کے فروغ کی مزید توفیق بخشے۔ آمین

انکارِ حدیث کے مجرم ڈاکٹر بشیر نامی ایک منکرِ حدیث کی کتاب: ''اسلام کے مجرم'' کا جواب راقم الحروف نے ''صحیح بخاری پر اعتراضات کا علمی جائزہ'' کے نام سے لکھا ہے جو مکتبہ اسلامیہ سے مطبوع ہے۔ والحمد للہ

منکرینِ حدیث پر دیگر ردود کے لئے دیکھئے ماہنامہ محدث لاہور (ج ۴۲ شمارہ ۸، ۹)

من اللہ عزوجل الرسالۃ و علی رسول اللہ ﷺ البلاغ و علینا التسلیم .

(۱۹/ جولائی ۲۰۱۰ء)

شذرات الذهب

☆ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: ''إنّ حقًا علی من طلب العلم أن یکون له وقار وسکینة وخشیة، وأن یکون متبعًا لأثر من مضی قبله.''
طالب علم پر یہ ضروری ہے کہ اس پر وقار، سکون اور خوفِ الٰہی کے آثار ہوں، اور وہ اپنے اسلاف کے آثار کا متبع ہو۔ (الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع [تحقیق محمد عجاج الخطیب] ۲۳۲/۱ ح ۲۱۲ وسندہ حسن، تحقیق محمود الطحان ۱۵۶/۱ ح ۲۰۹)

☆ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا: ''صاحب الحدیث عندنا من یستعمل الحدیث'' ہمارے نزدیک صاحبِ حدیث (اہلِ حدیث) وہ ہے جو حدیث پر عمل کرے۔ (الجامع للخطیب، تحقیق محمد عجاج الخطیب ۲۱۹/۱ ح ۱۸۶، وسندہ صحیح، تحقیق محمود الطحان ۱۴۴/۱ ح ۱۸۳، مناقب الامام احمد لابن الجوزی ص ۲۰۷۔ ۲۰۸)

☆ سعید بن جبیر رحمہ اللہ مشہور ثقہ تابعی تھے، جنہیں حجاج بن یوسف (ظالم) نے شہید کیا تھا۔ سعید بن جبیر نے ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث بیان کی تو اہلِ مکہ میں سے ایک آدمی نے کہا: اللہ تو اپنی کتاب میں یہ کہتا ہے؟ پس وہ (سعید بن جبیر رحمہ اللہ) بہت زیادہ غضبناک ہوئے اور فرمایا: میں یہی سمجھتا ہوں کہ تم کتاب اللہ کو رسول اللہ ﷺ کی حدیث سے ٹکراتے ہو اور رسول اللہ (ﷺ) اللہ کی کتاب کو تم سے زیادہ جانتے تھے۔
(الجامع للخطیب تحقیق محمد عجاج الخطیب ۳۰۲/۱ ح ۳۵۳ وسندہ صحیح، تحقیق محمود الطحان ۲۲۰/۱ ت ۳۵۰)

معلوم ہوا کہ صحیح حدیث کے خلاف عمومِ قرآن سے استدلال نہیں کرنا چاہیے، جیسا کہ امام خطیب بغدادی نے اثر مذکور سے پہلے لکھا ہے: ''وکذلك یجب أن لا یعترض علیه بعموم القرآن لجواز أن یکون ذلك الحدیث مما خُصّ به کتاب اللّٰه عزوجل'' اور اسی طرح ضروری ہے کہ اس (حدیث) کے خلاف عمومِ قرآن سے اعتراض

نہ کیا جائے، کیونکہ یہ جائز ہے کہ اس حدیث نے کتاب اللہ عزوجل کے عموم کی تخصیص کررکھی ہو۔ (الجامع ۱/۳۰۲، دوسرا نسخہ ۱/۱۹۹۔۲۰۰)

☆ امام ابن شہاب الزہری رحمہ اللہ (ثقہ تابعی) نے فرمایا: میں عروہ (بن الزبیر رحمہ اللہ) کے (گھر کے) دروازے کے پاس آتا تو بیٹھ جاتا، پھر واپس چلا جاتا تھا اور (گھر میں) ان کی تعظیم (وعزت) کی وجہ سے داخل نہ ہوتا اور اگر داخل ہونا چاہتا تو داخل ہوسکتا تھا۔

(کتاب العلل للامام احمد ۱/۱۸۶ ح ۱۵۷، وسندہ صحیح، الجامع للخطیب ۱/۲۳۷ ح ۲۲۲، دوسرا نسخہ ۱/۱۵۹ ح ۲۱۸)

معلوم ہوا کہ امام زہری اپنے استادوں کا بہت زیادہ احترام کرتے تھے اور صحیح العقیدہ لوگوں کی یہی نشانی ہے کہ وہ اپنے علماء کا بہت زیادہ احترام کرتے ہیں۔

☆ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے (محمد بن السائب) الکلبی کی تفسیر کے بارے میں پوچھا گیا تو امام احمد نے فرمایا: "من أوله إلى آخره كذب" شروع سے لے کر آخر تک (ساری تفسیر) جھوٹ ہے۔ پوچھا گیا: کیا اسے (عوام کے لئے) دیکھنا (یعنی مطالعہ کرنا) حلال ہے؟ تو انھوں نے فرمایا: نہیں۔

(طبقات الحنابلہ لابن ابی یعلیٰ ۱/۲۱۸ ت ۲۸۹ وسندہ حسن، فیہ أبو عبداللہ بن معمر البلخی والصواب: عبداللہ بن معمر البلخی کما فی الجامع للخطیب ۲/۲۳۲ ح ۱۵۳۹، دوسرا نسخہ ۲/۱۶۳ ح ۱۴۹۴)

☆ امام یحییٰ بن سعید القطان رحمہ اللہ نے فرمایا: " **لا تنظروا إلى الحديث ولكن انظروا إلى الإسناد فإن صحح الإسناد وإلا فلا تغتر بالحديث إذا لم يصح الإسناد** " حدیث (کے الفاظ) نہ دیکھو، بلکہ سند دیکھو، پس اگر سند صحیح ہو تو ٹھیک ہے، اور اگر سند صحیح نہ ہو تو حدیث (کے متن) سے دھوکا نہ کھاؤ۔

(الجامع للخطیب ۲/۱۴۰ ح ۱۳۳۶، وسندہ صحیح، دوسرا نسخہ ۲/۱۰۴ ح ۱۳۰۱)

☆ ابو عبداللہ عمرو بن قیس الملائی الکوفی رحمہ اللہ نے فرمایا: صاحبِ حدیث کو اس آدمی کی طرح ہونا چاہیے جو دراہم (درہم و دینار یعنی روپوں) کی جانچ پڑتال کرتا ہے، دراہم میں جعلی اور کھوٹے بھی ہوتے ہیں اور اسی طرح احادیث میں جعلی اور کھوٹی بھی ہوتی ہیں۔

(الجامع للخطیب ۲/۲۴۰ ح ۱۳۴۷، وسندہ حسن، دوسرا نسخہ ۲/۲۰۲ ح ۱۳۰۲)

☆ سخاوی نے لکھا ہے کہ بعض حنفیہ نے حافظ ابن حجر العسقلانی (رحمہ اللہ) سے پوچھا: ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے کتنی تعداد میں صحابہ رضی اللہ عنہم سے ملاقات کی ہے؟ تو انھوں نے فرمایا: صرف انس (بن مالک رضی اللہ عنہ) سے۔ پوچھنے والے نے کہا: ہمارے علماء تو سات یا چودہ (صحابیوں) تک یہ تعداد پہنچاتے ہیں؟ تو حافظ ابن حجر نے فرمایا: ''من یقدر ینازعکم و أنتم أصحاب السیف والرمح والخوذۃ؟ والذي أعرفه ما قلته لك.''

تمہارے ساتھ کون اختلاف کر سکتا ہے تم تو تلوار، نیزے اور لوہے کے خود (یعنی حکومت و اقتدار) والے ہو؟! جو میں جانتا ہوں وہ میں نے تجھے بتا دیا ہے۔ (الجواہر والدرر للسخاوی ۳/۹۸۶)

معلوم ہوا کہ گزشتہ ادوار میں حنفی حکمرانوں نے طاقت اور جبر کے زور پر لوگوں کو دبا رکھا تھا۔

تنبیہ: کتاب الکنیٰ لابی احمد الحاکم میں سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی ملاقات والی روایت ضعیف و مردود ہے۔ (دیکھئے توضیح الاحکام ج ۲ ص ۴۰۵)

اور غالباً یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن حجر نے امام ابو حنیفہ کے بارے میں فرمایا: ''فقیه مشهور، من السادسة'' فقیہ مشہور، چھٹے طبقے میں سے ہیں۔ (تقریب التہذیب: ۷۱۵۳)

اور چھٹے طبقے کے بارے میں کہا: ''طبقة عاصروا الخامسة، لکن لم یثبت لهم لقاء أحد من الصحابة کابن جریج'' یہ وہ طبقہ ہے جو طبقۂ خامسہ کے معاصرین تھے، لیکن ان میں سے کسی ایک کی بھی صحابہ میں سے کسی ایک صحابی سے بھی ملاقات ثابت نہیں ہے، جیسے ابن جریج۔ (تقریب التہذیب ص ۱۵، مقدمۃ المؤلف)

یعنی حافظ ابن حجر نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے امام ابو حنیفہ کی مبینہ ملاقات کے بارے میں رجوع کر لیا تھا۔

☆ سخاوی نے لکھا ہے کہ (مصر کے) بعض علاقوں مثلاً سکندریہ میں سونے (کی دھات) پر ٹیکس (محصول) لیا جاتا تھا تو حافظ ابن حجر العسقلانی (اس ٹیکس سے بچنے کے لئے) یہ حیلہ کرتے تھے کہ گھی، شہد یا اس جیسی کسی چیز کے برتن میں (کسی چیز میں) سونا رکھوا دیتے، پھر

اس (چیز) پر مہر لگا دیتے، پھر برتن کو گھی یا شہد وغیرہ سے بھر دیتے تو اس طریقے سے (ٹیکس لینے والوں کو) پتا نہیں چلتا تھا۔ (الجواہر والدرر ۳/۱۰۵۸)

معلوم ہوا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ہر ممکن طریقے سے اپنے آپ کو ٹیکس سے بچاتے تھے۔

☆ سخاوی نے لکھا ہے کہ حافظ ابن حجر العسقلانی (رحمہ اللہ) علانیہ ابن عربی اور اس جیسے لوگوں پر رد کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ کا ابن عربی کے ایک معتقد سے مباہلہ ہوا تھا تو وہ شخص سال ختم ہونے سے پہلے ہی ہلاک ہو گیا تھا۔ (الجواہر والدرر ۳/ ۱۰۴۷۔۱۰۴۸)

سخاوی نے مزید لکھا ہے کہ حافظ ابن حجر نے ابن عربی کے ایک جیالے سے بحث و مباحثہ کیا اور ابن عربی کو اس کے برے کلام کی وجہ سے برا کہا... پھر کہا: آؤ ہم دونوں مباہلہ کر لیں، عام طور پر دو مباہلہ کرنے والوں میں سے جو جھوٹا ہوتا ہے وہ مصیبت کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس آدمی نے کہا: اے اللہ! اگر ابن عربی گمراہ تھا تو تُو مجھ پر لعنت فرما۔

اور حافظ ابن حجر نے کہا: اے اللہ! اگر ابن عربی ہدایت پر تھا تو تُو مجھ پر لعنت فرما۔

وہ معاند شخص روضہ میں رہتا تھا، وہ رات کو کسی مہمان کے ساتھ گھر سے باہر نکلا اور واپسی پر کہنے لگا کہ مجھے کسی چیز نے پاؤں پر ڈس لیا ہے، جب وہ گھر پہنچا تو اندھا ہو گیا تھا اور صبح سے پہلے مر گیا۔ مباہلہ رمضان ۷۹۷ھ میں ہوا تھا اور وہ شخص ذوالقعدہ ۷۹۷ھ میں مر گیا تھا۔

(ملخصاً از الجواہر والدرر ج ۳ ص ۱۰۰۱۔۱۰۰۲)

اس مباہلے کا ذکر حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں بھی کیا ہے۔ (دیکھئے ج ۸ ص ۹۵ ح ۴۳۸۰۔ ۴۳۸۲ باب قصۃ أہل نجران، کتاب المغازی)

☆ سخاوی نے حافظ ابن حجر سے نقل کیا ہے کہ میری ایک کاپی (کراس) گم ہو گئی تھی تو میں نے کہا: ''یَا سَمِیْعُ یَا بَصِیْرُ، بِقُدْرَتِكَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ وَ بِعِلْمِكَ كُلَّ شَيْءٍ، دُلَّنِي عَلٰی هٰذَا الْكُرَّاسِ '' تو وہ فوراً مل گئی۔ (الجواہر والدرر ۲/۹۶۳)

اس مجرب دعا پر عمل کے لئے یہ ضروری ہے کہ جو چیز گم شدہ ہو ''ھذا'' کے بعد ''الکراس'' کی بجائے اس چیز کا نام لیا جائے۔

(۲۰/ جنوری ۲۰۱۱ء)

کلمہ طیبہ: کلمۃ التقویٰ

امام ابو القاسم الحسین بن محمد بن ابراہیم بن الحسین الدمشقی الحنائی رحمہ اللہ (متوفی ۴۵۹ھ) نے فرمایا: ’’أخبرنا أبو محمد عبدالرحمٰن بن عثمان بن القاسم بن معروف بن حبيب بن أبان التميمي قراءةً عليه وأنا أسمع قثنا أبو الحسن أحمد بن سليمان بن أيوب بن حذلم القاضي الأسدي قثنا أبو زرعة عبدالرحمٰن بن عمرو النصري قثنا أبو اليمان قال أبنا شعيب عن الزهري قال أخبرني سعيد بن المسيب أن أباهريرة أخبره أن رسول الله ﷺ قال: أمرت أن أقاتل الناس حتى يقولوا لا إله إلا الله، ومن قال لا إله إلا الله فقد عصم مني نفسه وماله إلا بحقه وحسابه على الله، قال: فأنزل الله عزوجل في كتابه وذكر قومًا استكبروا فقال: ﴿ اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴾ ، وقال الله تبارك وتعالىٰ: ﴿ اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا ط ﴾

وهي: **لا إله إلا الله محمد رسول الله**، استكبر عنها المشركون يوم الحديبية فكاتبهم رسول الله ﷺ على قضية مدة. **هذا حديث صحيح** من حديث أبي بكر محمد بن مسلم بن عبيد الله ابن عبد الله بن شهاب الزهري، عن أبي محمد سعيد بن المسيب بن حزن المخزومي القرشي، أحد الأئمة بالمدينة، من التابعين‘‘

(سیدنا) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک قتال کروں جب تک وہ لا الٰہ الا اللہ کہہ دیں اور جس نے

لا الٰہ الا اللہ کہہ دیا تو اس نے مجھ سے اپنی جان اور مال کو بچالیا، سوائے اس کے حق کے اور اس کا حساب اللہ پر ہے۔

فرمایا: پس اللہ عزوجل نے اپنی کتاب میں نازل فرمایا اور تکبر کرنے والی ایک قوم کا ذکر کر کے فرمایا: جب کفر کرنے والوں نے اپنے دلوں میں جاہلیت والی ضد رکھی تو اللہ نے اپنا سکون واطمینان اپنے رسول اور مومنوں پر اتارا اور ان کے لئے کلمۃ التقویٰ کو لازم قرار دیا اور وہ اس کے زیادہ مستحق واہل تھے۔ (الفتح:۲۶)

اور وہ (کلمۃ التقویٰ) **لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ** ہے۔

(صلح) حدیبیہ والے دن جب رسول اللہ ﷺ نے مدت (مقرر کرنے) والے فیصلے میں مشرکین سے معاہدہ کیا تھا تو مشرکوں نے اس کلمے سے تکبر کیا تھا۔ یہ حدیث صحیح ہے، اسے ابوبکر محمد بن مسلم بن عبیداللہ بن عبداللہ بن شہاب الزہری نے مدینہ میں تابعین کے اماموں میں سے ایک امام ابومحمد سعید بن المسیب بن حزن المخزومی القرشی سے روایت کیا ہے۔ (فوائد الحنائی أو الحنائیات، تخریج ابی محمد عبدالعزیز بن محمد النخشبی ج۱ص۱۵۴ح۱۵۴، وسندہ صحیح)

اس صحیح روایت سے بھی کلمۂ طیبہ مذکورہ الفاظ کے ساتھ ثابت ہے۔ والحمد للہ

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے ماہنامہ الحدیث (عدد ۵۳ص ۱۱۔۱۶) اور توضیح الاحکام (ج۱ص۷۵۔۸۰)

❀❀❀

فضائلِ اذکار

ذکر یاد کرنے کو کہتے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کو ہر وقت یاد کرتے رہنا چاہئے۔

۱) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿فَاذْكُرُونِيٓ أَذْكُرْكُمْ﴾

پس میرا ذکر کرو، میں (فرشتوں کے سامنے) تمھارا ذکر کروں گا۔ (البقرہ:۱۵۲)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا﴾ اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والے مرد اور عورتیں، ان کے لئے اللہ نے بخشش اور اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے۔ (الاحزاب:۳۵)

۲) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اپنے رب کا ذکر کرتا ہے اور جو ذکر نہیں کرتا، ان کی مثال زندہ اور مردہ کی طرح ہے۔ (صحیح بخاری: ۶۴۰۷)

نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے ذکر کو سونا چاندی خرچ کرنے اور میدانِ قتال میں حاضر ہونے سے بہتر اور درجات بلند کرنے کا ذریعہ قرار دیا۔

(دیکھئے سنن الترمذی: ۳۳۷۷، وسندہ حسن وصححہ الحاکم ۱/۴۹۶ ووافقہ الذہبی)

۳) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص کتاب اللہ (قرآن مجید) میں سے ایک حرف پڑھے تو اسے اس کے بدلے میں نیکی ملتی ہے اور ایک نیکی کا اجر دس گنا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ الٓمٓ ایک حرف ہے، بلکہ الف ایک حرف ہے، لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے۔

(سنن الترمذی: ۲۹۱۰ وقال: ''ھذا حدیث حسن صحیح غریب'' وسندہ حسن)

٤) نبی کریم ﷺ کی ایک حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ جو لوگ ایسی مجلس میں بیٹھتے ہیں، جس میں وہ اللہ کا ذکر نہیں کرتے اور نبی (ﷺ) پر درود نہیں پڑھتے تو قیامت کے دن اُن پر حسرت ہی طاری ہوگی۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۴۶۳ ح ۹۹۶۵ وسندہ صحیح)

دعاء کے فضائل و مسائل

دعا کا لفظی معنی پکارنا اور بُلانا ہے۔

۱) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ﴾ اور تمھارے رب نے کہا: مجھ سے دعا مانگو، میں تمھاری دعا قبول کروں گا، بے شک جو لوگ میری عبادت (دعا) سے تکبر کرتے ہیں تو وہ ذلیل و رُسوا ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔ (المؤمن:۶۰)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ﴾ جب دعا کرنے والا دعا کرتا ہے تو میں اُس کی دعا قبول کرتا ہوں، لہٰذا مجھ سے (ہی) دعا مانگو۔ (البقرہ:۱۸۶)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((الدعاء هي العبادة .)) دعا عبادت ہی ہے۔

(سنن ابی داود:۱۴۷۹، وسندہ صحیح وصححہ الترمذی:۲۹۶۹ وابن حبان:۲۳۹۶ والحاکم ۴۹۰/۱۔۴۹۱ ووافقہ الذہبی، ولفظ الترمذی: الدعاء هو العبادة)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((إذا سألت فاسأل الله و إذا استعنت فاستعن بالله .)) جب تُو سوال کرے تو اللہ سے سوال کر (یعنی اللہ سے دعا مانگ) اور جب مدد مانگے تو اللہ سے مدد مانگ۔ (سنن الترمذی:۲۵۱۶ وقال: "هذا حديث حسن صحيح" وسندہ حسن و أوردہ الضیاء فی المختارۃ ۲۲/۱۰۔۲۶ ح ۱۲)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے ہر آدمی اپنے رب سے ہی ہر حاجت (دعا) مانگے، حتیٰ کہ جوتے کا تسمہ اگر ٹوٹ جائے تو وہ بھی اللہ ہی سے مانگے۔

(سنن الترمذی: ۳۶۰۴/۸ وسندہ حسن، وصححہ ابن حبان، الاحسان: ۸۶۳، ۸۹۱۔۸۹۲)

ثابت ہوا کہ اپنی تمام مصیبتوں، بیماریوں، ضرورتوں اور حاجات میں صرف ایک اللہ

سے ہی دعا مانگنی چاہئے۔

۲) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو مسلم (مسلمان) دعا کرتا ہے، جس میں گناہ یا قطع رحمی نہیں ہوتی تو اسے تین چیزیں دی جاتی ہیں: یا تو اس کی دعا جلدی قبول کر لی جاتی ہے، یا اس دعا کو اس کے لئے قیامت کا ذخیرہ بنا دیا جاتا ہے، یا اُس سے کسی مصیبت کو ٹال دیا جاتا ہے۔ (الادب المفرد للبخاری: ۷۱۰ وسندہ حسن)

۳) اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور نبی ﷺ پر درود پڑھنے کے بعد مانگی ہوئی دعا قبول ہوتی ہے۔ دیکھئے سنن الترمذی (۵۹۳ وقال: ''حسن صحیح'' وسندہ حسن، میری کتاب: فضائل درود و سلام ص ۲۸ فقرہ: ۱۹)

۴) دعا میں ہاتھ اُٹھانا، یعنی ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگنا بہت سی صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ مثلاً دیکھئے صحیح بخاری (۴۳۲۳، ۴۳۳۹، ۶۳۴۱) و صحیح مسلم (۲۴۹۸) وغیرہما۔

۵) دعا میں چہرے پر ہاتھ پھیرنا بالکل صحیح ہے۔

ثقہ تابعی امام ابو نعیم وہب بن کیسان نے فرمایا: میں نے (سیدنا) ابن عمر اور ابن زبیر (رضی اللہ عنہما) کو دیکھا، وہ دونوں دعا کرتے، اپنی دونوں ہتھیلیاں (اپنے) چہرے پر پھیرتے تھے۔ (الادب المفرد: ۶۰۹ وسندہ حسن، میری کتاب: ہدیۃ المسلمین ح ۲۲)

اس روایت پر بعض الناس کی جرح جمہور کی توثیق کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

امام معمر بن راشد رحمہ اللہ (متوفی ۱۵۴ھ) دعا میں سینے تک ہاتھ اُٹھاتے اور پھر اپنے چہرے پر پھیرتے تھے۔ (مصنف عبدالرزاق ۲/۱۲۳ ح ۵۰۰۳ وسندہ صحیح)

امام اسحاق بن راہویہ ان احادیث (جن میں چہرے پر ہاتھ پھیرنے کا ذکر ہے) پر عمل کرنا مستحسن سمجھتے تھے۔ (مختصر قیام اللیل للمروزی ص ۳۰۴)

۶) رات کے آخری حصے میں دعا قبول کی جاتی ہے۔ دیکھئے صحیح بخاری (۱۱۴۵) و صحیح مسلم (۷۵۸)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اذان اور اقامت کے دوران میں دعا رد نہیں ہوتی، لہٰذا

دعامانگو۔ (صحیح ابن خزیمہ: ۷۲۷ وسندہ صحیح)

بندہ جب سجدے میں ہو تو وہ اپنے رب کے بہت قریب ہوتا ہے، لہٰذا سجدہ میں کثرت سے دعامانگیں۔ (دیکھئے صحیح مسلم: ۴۸۲)

جمعہ کے دن خطبے سے نماز کے اختتام تک کے درمیانی وقت میں دعا قبول ہوتی ہے۔ (دیکھئے صحیح مسلم: ۸۵۳)

جمعہ کے دن آخری گھڑی (یعنی عصر کے بعد مغرب تک) میں دعا قبول ہوتی ہے۔ دیکھئے موطأ امام مالک (تحقیقی ۱/۱۰۸۔۱۰۹ ح ۲۳۹، وروایۃ ابن القاسم: ۵۱۵) سنن ابی داود (۱۰۴۶) اور سنن الترمذی (۴۹۱ وقال: ''حسن صحیح '')

تلک الغرانیق کا قصہ اور اس کا رد

ایک قصہ بیان کیا جاتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سورۃ النجم کی درج ذیل آیات تلاوت فرمائیں:

﴿ اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَ الْعُزّٰى ۙ وَ مَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ﴾

کیا تم نے لات اور عزّیٰ کو دیکھا (غور وفکر کیا) ہے اور منات کو جو تیسری ہے؟ (۱۹۔۲۰)

تو شیطان نے آپ ﷺ کی زبان مبارک پر درج ذیل الفاظ جاری کر دیے:

" تِلْكَ الْغَرَانِيقُ الْعُلٰى. وَ شَفَاعَتُهُنَّ لَتُرْتَجٰى "

یہ بلند و بالا دیویاں ہیں اور ان کی شفاعت کی اُمید ہے۔

پھر نبی ﷺ نے سجدہ کیا، مسلمانوں نے سجدہ کیا اور مشرکین نے بھی سجدہ کیا۔

یہ قصہ کئی سندوں سے اس مفہوم اور بعض لفظی اختلاف کے ساتھ مروی ہے، جن میں سے چھ (٦) مشہور سندیں درج ذیل ہیں:

۱) امام سعید بن جبیر الاسدی الکوفی رحمہ اللہ (ثقہ ثبت فقیہ/ مشہور تابعی)

قال ابن جرير: " حدثنا ابن بشار قال: ثنا محمد بن جعفر قال: ثنا شعبة عن أبي بشر عن سعيد بن جبير ... "

(تفسیر ابن جریر الطبری ۸/۲۳۳ ح ۲۵۳۶۴، پرانا نسخہ ج ۱۷ ص ۱۳۲)

وقال ابن أبي حاتم: " حدثنا يونس بن حبيب : حدثنا أبو داود : حدثنا شعبة عن أبي بشر عن سعيد بن جبير ... "

(تفسیر ابن کثیر تحقیق عبدالرزاق المہدی ۴/۴۴۹)

وقال الواحدي: " أخبرنا أبو بكر الحارثي قال : أخبرنا أبو بكر بن حيان قال: أخبرنا أبو يحيى الرازي قال: أخبرنا سهل العسكري قال: أخبرنا يحيى

عن عثمان بن الأسود عن سعيد بن جبير ... "

(اسباب النزول للواحدی ص ۲۵۶۔۲۵۷ سورة الحج)

قلت: أبو بكر الحارثي هو أحمد بن محمد بن أحمد بن عبد الله بن الحارث التميمي الأصبهاني النيسابوري (و كان ثقة) و أبو بكر ابن حيان هو أبو الشيخ الأصبهاني و أبو يحيى هو عبد الرحمٰن بن محمد بن سلم الرازي الأصبهاني (مقبول القول توفي ۲۹۰ ھ) و سهل هو ابن عثمان بن فارس العسكري و يحيى لم يتبن لي من هو ؟

و لكن قال الألباني :"قلت هو القطان" (نصب المجانيق ص ۷)

سیدنا سعید بن جبیر رحمہ اللہ تک اس مرسل روایت کو سیوطی اور البانی دونوں نے صحیح قرار دیا ہے۔ (دیکھئے الدر المنثور ۴/۳۶۶ و قال :" بسند صحيح " نصب المجانيق ص ۸ و قال: "مرسل وهو الصحيح")

☆ ان روایات کی سند سعید بن جبیر تک صحیح ہے۔

۲) امام ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن الحارث بن ہشام بن المغیرہ المخزومی المدنی رحمہ اللہ (ثقہ فقیہ عابد/ مشہور تابعی، من الثالثۃ: الطبقۃ الوسطیٰ من التابعین)

قال ابن جرير :" حدثنا يونس قال : أخبرنا ابن وهب قال: أخبرني يونس عن ابن شهاب ... قال ابن شهاب : ثني أبو بكر بز عبد الرحمٰن بن الحارث ... " (تفسیر طبری ۸/۲۳۳ ح ۲۵۳۶۶، دوسرا نسخہ ۱۷/۱۳۳)

اس روایت کی سند کو ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن الحارث تک سیوطی اور البانی دونوں نے صحیح قرار دیا ہے۔ (دیکھئے الدر المنثور ۴/۳۶۷، نصب المجانیق ص ۹)

اس روایت کی سند ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن الحارث المدنی تک صحیح ہے۔

۳) ابوالعالیہ رفیع بن مہران الریاحی البصری رحمہ اللہ (ثقہ کثیر الارسال/ تابعی)

قال ابن جرير : " حدثنا ابن المثنّى قال : ثنا أبو الوليد قال : حدثنا حماد

ابن سلمة عن داود بن أبي هند عن أبي العالية ..."

(تفسیر طبری ۲۳۲/۸ ح ۲۵۳۶۱، دوسرا نسخہ ۱۳۲/۱۷۔۱۳۳)

اس روایت کی سند کو ابوالعالیہ الریاحی تک سیوطی اور البانی دونوں نے صحیح قرار دیا ہے۔ (دیکھئے الدرالمنثور ۳۶۷/۴، نصب المجانیق ص ۱۱)

اس روایت کی سند ابوالعالیہ تک صحیح ہے۔

۴) قتادہ بن دعامہ البصری رحمہ اللہ (ثقہ ثبت/مشہور تابعی)

قال ابن جرير: "حدثنا ابن عبد الأعلى قال: ثنا ابن ثور عن معمر عن قتادة ...

(وقال ابن جرير:) حدثنا الحسن قال: أخبرنا عبد الرزاق قال: أخبرنا معمر عن قتادة ..." (تفسیر طبری ۲۳۵/۸ ح ۲۵۳۷۳۔۲۵۳۷۴، دوسرا نسخہ ۱۳۴/۱۷)

یہ روایت تفسیر عبدالرزاق میں بھی موجود ہے۔ (ج ۲ ص ۳۵ ح ۱۹۴۵۔۱۹۴۶)

اس روایت کی قتادہ تک سند کو البانی نے صحیح قرار دیا ہے۔ (نصب المجانیق ص ۱۲)

☆ اس روایت کی سند قتادہ تک صحیح ہے۔

۵) سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ (جلیل القدر صحابی)

قال الإمام أحمد بن موسى بن مردويه: "حدثني إبراهيم بن محمد: حدثني أبو بكر محمد بن علي المقرئ البغدادي: ثنا جعفر بن محمد الطيالسي: ثنا إبراهيم بن محمد بن عرعرة: ثنا أبو عاصم النبيل: ثنا عثمان بن الأسود عن سعيد بن جبير عن ابن عباس ..."

(المختارہ للضیاء المقدسی ۲۳۴/۱۰۔۲۳۵ ح ۲۴۷، نصب المجانیق ص ۸)

شیخ البانی نے فرمایا: اس سند کے سارے راوی ثقہ ہیں اور تمام کے تمام تہذیب التہذیب کے راویوں میں سے ہیں سوائے ابن عرعرہ سے نیچے والے راوی اور ان میں سے صرف ابوبکر محمد بن علی المقری البغدادی میں نظر ہے... اور یہ مجہول الحال ہے اور یہی اس سند

کی وجہ سے ضعف ہے۔ (نصب المجانیق ص ۸۔۹)

یعنی یہ راوی مجہول الحال ہے، لہٰذا یہ سند ضعیف ہے۔

دوسری سند: قال الطبراني : " حدثنا الحسين بن إسحاق التستري و عبدان ابن أحمد قالا : ثنا يوسف بن حماد المعني : ثنا أمية بن خالد : ثنا شعبة عن أبي بشر عن سعيد بن جبير لا أعلمه إلا عن ابن عباس ... "

(المعجم الکبیر ۱۲/ ۵۳ ح ۱۲۴۵۰، ومن طریقہ الضیاء فی المختارة ۱۰/ ۸۹ ح ۸۴)

وقال البزار :" حدثنا يوسف بن حماد قال : نا أمية بن خالد قال :نا شعبة عن أبي بشر عن سعيد بن جبير عن ابن عباس فيما أحسب الشك فی الحديث ... " (البحر الزخار ۱۱/ ۲۹۶۔۲۹۷ ح ۵۰۹۶ وتکلم بکلامہ، کشف الاستار ۳/ ۷۲ ح ۲۲۶۳)

یہ سند راوی کے شک کی وجہ سے ضعیف ہے۔

چار مرسل اور دو متصل معمولی ضعف والی ضعیف روایتیں مل کر کل چھ روایتیں ہوئیں اور یہ ساری کی ساری ضعیف ہیں۔

حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ کا خیال ہے کہ یہ روایتیں کثرتِ طرق سے مروی ہیں اور اس پر دلالت کرتی ہیں کہ اس قصے کی اصل ہے۔ (دیکھئے فتح الباری ۸/ ۴۳۹ قبل ح ۴۷۴۱)

حافظ ابن حجر نے مزید فرمایا:" فهذه مراسيل يقوي بعضها بعضًا ... "

پس یہ مرسل روایتیں ایک دوسرے کی تقویت کرتی ہیں... (تخریج الکشاف ج ۳ ص ۱۶۵)

جو لوگ خیر القرون کا سنہری زمانہ گزرنے کے بعد **ضعیف + ضعیف + ضعیف =** حسن لغیرہ کا نظریہ و عقیدہ بنائے بیٹھے ہیں، اُن کی شرط پر تلک الغرانیق والا جھوٹا قصہ حسن لغیرہ ضرور بن جاتا ہے، لہٰذا انھیں چاہئے کہ حافظ ابن حجر کی عبارات مذکورہ ومشار الیہا اور اپنے ''حسن لغیری'' اصول کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس قصے کے حسن لغیرہ اور حجت ہونے کا اعلان کر دیں، اس میں شرم یا تقیے کی کیا بات ہے؟ اور اگر وہ اس روایت کو حسن لغیرہ نہیں سمجھتے تو بتائیں کہ روایت حسن لغیرہ کس طرح بن جاتی ہے؟

حق یہ ہے کہ ''حسن لغیرہ'' نام کی خودساختہ (مُوَلَّد) اصطلاح خیر القرون کے کسی ایک بھی صحیح العقیدہ معتدل عالم سے ثابت نہیں، نہ امام بخاری، امام شافعی، امام سفیان بن عیینہ اور امام ابو حاتم الرازی وغیرہم سے ثابت ہے اور نہ کسی دوسرے ثقہ عالم سے، بلکہ ضعیف روایت ضعیف ہی رہتی ہے اِلا یہ کہ اس کی صحیح یا حسن لذاتہ سند ثابت ہو جائے۔

بعض لوگوں میں سے ایک نے امام بیہقی رحمہ اللہ (متساہل) وغیرہ سے ضعیف + ضعیف + ضعیف والی روایت کا حسن لغیرہ قرار دینا اور (مطلقاً) حجیت منسوب کی ہے، لیکن یہ انتساب غلط اور باطل ہے۔

ایک دفعہ امام ابو حاتم الرازی اور امام ابو زرعہ الرازی رحمہما اللہ کے مابین قنوت میں رفع یدین پر بحث و مباحثہ (یا دوسرے لفظوں میں مناظرہ) ہوا۔

امام ابو زرعہ نے تین روایتیں پیش کیں:

۱: لیث بن ابی سلیم کی روایت

۲: ابن لہیعہ کی روایت

۳: عوف کی روایت

امام ابو حاتم نے تینوں روایتوں کے راویوں پر جرح کی اور سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ صحیح حدیث پیش فرمائی تو امام ابو زرعہ رحمہ اللہ خاموش ہو گئے۔

(دیکھئے تاریخ بغداد ۲/ ۷۶ ت ۴۵۵ وسندہ صحیح)

ثابت ہوا کہ امام ابو حاتم الرازی حسن لغیرہ کو حجت نہیں سمجھتے تھے، ورنہ ابو زرعہ کی پیش کردہ تینوں ضعیف روایتوں (جن کا ضعف شدید نہیں تھا) کو رد نہ کرتے۔!

غالباً یہی وہ موقف ہے جس کے بارے میں حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے:

"قلت : يكفي في المناظرة تضعيف الطريق التي أبداها المناظر و ينقطع ، إذ الأصل عدم ما سواها حتى يثبت بطريق أخرى . والله أعلم"

میں (ابن کثیر) نے کہا: مناظرے میں یہ کافی ہے کہ (مخالف) مناظر نے جو سند پیش کی

ہے اُس کا ضعیف ہونا ثابت کر دیا جائے، وہ (لاجواب ہوکر) چپ ہو جائے گا کیونکہ اصل یہی ہے کہ دوسری کوئی روایت (اس مناظر کی مؤید) نہیں ہے الا یہ کہ دوسری کوئی ثابت سند پیش کر دی جائے۔ واللہ اعلم (اختصار علوم الحدیث ۲۷۴/۱۔ ۲۷۵، اردو مترجم ص ۵۷)

اس اعتراف کے ساتھ کہ حافظ ابن کثیر متاخرین میں سے اور متساہل تھے، ان کے اس قول سے یہی ظاہر ہے کہ حسن لغیرہ حجت نہیں اور امام ابو حاتم الرازی کا مذکورہ واقعہ (اور سلف صالحین کی متعدد تحقیقات جن میں وہ کئی سندوں سے مروی ضعیف روایتوں کو حسن لغیرہ کہنے کے بجائے ضعیف قرار دیتے تھے) سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ حافظ ابن کثیر نے دوسری جگہ لکھا ہے:

''بعض ضعف متابعت سے زائل ہو جاتا ہے جیسا کہ راوی سیٔ الحفظ (بُرے حافظے والا) ہو یا حدیث مرسل ہو تو اس وقت متابعت فائدہ دیتی ہے اور حدیث ضعف کی گہرائیوں سے بلند ہو کر حسن یا صحیح کے درجے کو پہنچ جاتی ہے۔'' (بحوالہ اختصار علوم الحدیث اردو ص ۲۹)

عرض ہے کہ اس عبارت سے متصل پہلے حافظ ابن کثیر نے کذابین و متروکین کا ذکر کیا ہے لہٰذا عین ممکن ہے کہ اُن کے نزدیک اگر ایک سند میں کذاب یا متروک راوی ہو (مثلاً سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ایک روایت) اور دوسری سند حسن یا صحیح عن ابن عمر رضی اللہ عنہ وارد ہو تو اس سے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب روایت صحیح نہیں ہو جاتی۔ دوسری طرف ایک سند اگر ضعیف راوی کی وجہ سے ضعیف ہو اور وہی روایت دوسرے صحابی سے حسن یا صحیح سند سے ثابت ہو تو پہلی روایت بھی صحیح ہو جاتی ہے۔ واللہ اعلم

بطورِ مثال عرض ہے کہ حارثہ بن ابی الرجال (ضعیف) کی سند سے دعائے استفتاح:

سبحانك اللّٰهم ... الخ مروی ہے۔ (سنن ابن ماجہ: ۸۰۶ عن عائشہ رضی اللہ عنہا)

یہی روایت حسن سند کے ساتھ سیدنا ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے۔

(ابن ماجہ: ۸۰۴)

لہٰذا ابن کثیر کے اصول پر حارثہ والی روایت بھی حسن بن جاتی ہے اور اگر اس کے

خلاف کوئی دوسرا مفہوم بیان کیا جائے تو وہ خیر القرون اور کبار علماء کے موافق نہ ہونے کی وجہ سے مرجوح ہے۔

حسن روایت پر بحث کرتے ہوئے حافظ ابن حجر نے فرمایا:

" و إذا تقرر ذلك بقي وراء ه أمر آخر. و ذلك أن المصنف وغير واحد نقلوا الاتفاق على / أن الحديث الحسن يحتج به كما يحتج بالصحيح ، وإن كان دونه في المرتبة . فما المراد على هذا بالحديث الحسن الذي اتفقوا فيه على ذلك هل هو القسم الذي حرره المصنف و قال :ان كلام الخطابي ينزل عليه . وهو رواية الصدوق المشهور بالأمانة ... إلى آخر كلامه أو القسم الذي ذكرناه آنفًا عن الترمذي مع مجموع أنواعه التي ذكرنا أمثلتها ، أو ما هو أعم من ذلك ؟ لم أر من تعرض لتحرير هذا . والذي يظهر لي أن دعوى الاتفاق إنما تصح على الأول دون الثاني و عليه أيضًا يتنزل قول المصنف أن كثيرًا من أهل الحديث لا يفرق / بين الصحيح والحسن كالحاكم كما سيأتي و كذا قول المصنف :" ان الحسن إذا جاء من طرق ارتقى إلى الصحة " كما سيأتي إن شاء اللّٰه تعالى. فأما ما حررنا عن الترمذي أنه يطلق عليه اسم الحسن من الضعيف والمنقطع إذا اعتضد، فلا يتجه إطلاق الاتفاق على الاحتجاج به جميعه ولا دعوى الصحة فيه إذا أتى من طرق . ويؤيد هذا قول الخطيب :" أجمع أهل العلم أن الخبر لا يجب قبوله إلا من العاقل الصدوق المأمون على ما يخبر به . " و قد صرح أبو الحسن ابن القطان أحد الحفاظ النقاد من أهل المغرب في كتابه " بيان الوهم والإيهام " بأن هذا القسم لا يحتج به كله بل يعمل به في فضائل الأعمال و يتوقف عن العمل به في الأحكام إلا إذا كثرت طرقه أو عضده اتصال عمل أو موافقة شاهد صحيح / أو ظاهر

القرآن .و هذا حسن قوي رايق ما أظن منصفًا / يأباه والله الموفق . و يدل/ على أن الحديث إذا وصفه الترمذي بالحسن لا يلزم [عنده] أن يحتج به أنه أخرج حديثًا من طريق خيثمة البصري عن الحسن عن عمران بن حصين - رضي الله تعالى عنه - وقال بعده هذا حديث حسن و ليس إسناده بذاك . وقال في كتاب العلم بعده : أن أخرج حديثًا في فضل العلم :" هذا حديث حسن قال : و إنما لم نقل هذا الحديث : صحيح ، لأنه يقال : ان الأعمش دلس فيه فرواه بعضهم عنه ، قال : حدثت عن أبي صالح عن أبي هريرة - رضي الله عنه " انتهى . فحكم له بالحسن للتردد الواقع فيه و امتنع عن الحكم عليه بالصحة لذلك ، لكن في كل المثالين نظر، لاحتمال أن يكون سبب تحسينه لهما كونهما جاءا من وجه آخر كما تقدم تقريره.
لكن محل بحثنا هنا هل يلزم من الوصف بالحسن الحكم له بالحجة أم لا؟.
(هذا الذي يتوقف فيه والقلب إلى ما حرره ابن القطان أميل)- والله أعلم"

جب یہ مقرر ہو گیا تو اس کے بعد ایک دوسری بات رہ گئی اور وہ یہ ہے کہ مصنف (ابن الصلاح) اور کئی (علماء) نے اس پر اتفاق نقل کیا ہے کہ جس طرح صحیح حدیث حجت ہے اسی طرح حسن حدیث (بھی) حجت ہے، اگرچہ وہ مرتبے میں اس سے نیچے ہے۔

جس حسن حدیث (کے حجت ہونے) پر اتفاق ہے، اس سے کیا مراد ہے؟ کیا وہی قسم ہے جسے مصنف نے تحقیق کر کے لکھا ہے اور فرمایا: خطابی کا کلام اسی پر فٹ ہوتا ہے اور وہ امانت کے ساتھ مشہور صدوق (سچے) راوی کی روایت ہے...الخ یا اس سے مراد وہ قسم ہے جس کا ہم نے ابھی (امام) ترمذی کے حوالے سے ذکر کیا ہے، ان مجموعی اقسام کے ساتھ جنھیں ہم نے مثالوں کے ساتھ ذکر کیا ہے، یا یہ اس سے بھی عام ہے؟

میں نے نہیں دیکھا کہ کسی نے اس کے بارے میں تحقیق کی طرف توجہ کی ہو اور مجھ پر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ (حجیتِ حسن کا) دعویٰ اتفاق صرف پہلی قسم (حسن لذاتہ) پر ہے، دوسری

قسم (حسن لغیرہ) پر نہیں ہے اور اسی پر مصنف کا قول فٹ ہوتا ہے کہ بہت سے اہلِ حدیث مثلاً حاکم (وغیرہ) صحیح اور حسن میں فرق نہیں کرتے، جیسا کہ آگے آرہا ہے اور اسی طرح مصنف کا قول: جب حسن روایت کئی سندوں سے آئے تو صحیح کے درجے پر پہنچ جاتی ہے، جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ ان شاء اللہ

ہم نے ترمذی کی طرف سے جو تحقیق بیان کی کہ وہ ضعیف اور منقطع پر حسن کا حکم لگاتے تھے، جب اس کی تقویت دوسری روایتوں سے ہوتی تھی، لہٰذا (حسن کی) تمام اقسام پر مطلق حجت ہونے کے اتفاق اور کئی سندوں سے آنے والی روایت کے صحیح ہونے کا دعویٰ قابلِ توجہ (یعنی صحیح) نہیں ہے۔ اس کی تائید خطیب (بغدادی) کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ اہلِ علم کا اس پر اجماع ہے کہ صرف اسی روایت کا قبول کرنا واجب ہے جسے عاقل صدوق مامون (یعنی ثقہ وصدوق راوی) نے ہی بیان کیا ہو۔

اہلِ مغرب (مراکش وغیرہ) کے حفاظِ حدیث اور ناقدین میں سے ابو الحسن ابن القطان (الفاسی متوفی ۶۲۸ھ) نے اپنی کتاب: بیان الوہم والایہام میں اس بات کی صراحت کی ہے کہ یہ قسم کُلی طور پر قابلِ حجت نہیں ہے بلکہ فضائل اعمال میں اس پر عمل کیا جاتا ہے اور احکام میں اس پر عمل کرنے سے توقف کیا جاتا ہے۔ اِلا یہ کہ

۱: اس کی سندیں بہت زیادہ ہوں۔

۲: یا متصل عمل (یعنی متواتر عمل) سے اس کی تائید ہوتی ہو۔

۳: یا صحیح شاہد سے اس کی موافقت ہوتی ہو۔

۴: یا قرآن کا ظاہر (عموم) اس کا مؤید ہو۔

اور یہ اچھا مضبوط (اور) بہترین (کلام) ہے، میں نہیں سمجھتا کہ کسی انصاف پسند کو اس سے انکار ہوگا اور اللہ توفیق دینے والا ہے۔

اس پر یہ بھی دلالت کرتا ہے کہ جب ترمذی کسی روایت کو حسن قرار دیتے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا تھا کہ وہ اس سے حجت پکڑتے تھے۔ انھوں نے خیثمہ البصری عن عمران بن حصین

رضی اللہ عنہ کی سند سے ایک حدیث روایت کرنے کے بعد فرمایا: یہ حدیث حسن ہے اور اس کی سند مضبوط نہیں ہے۔ انھوں نے کتاب العلم میں فضیلتِ علم کی ایک حدیث ذکر کرنے کے بعد فرمایا: ہم نے اس حدیث کو صحیح نہیں کہا، کیونکہ کہا جاتا ہے کہ اعمش نے اس میں تدلیس کی ہے، کہا: مجھے ابو صالح کی سند سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی (یہ) حدیث بیان کی گئی ہے۔ انتھیٰ

تردد واقع ہونے کی وجہ سے انھوں نے حسن کا حکم لگا دیا اور اس وجہ سے اسے صحیح کہنے سے رُک گئے لیکن دونوں مثالوں میں نظر ہے، اس احتمال کی وجہ سے کہ ان کی تحسین کا کوئی دوسرا سبب ہو، وہ دوسری سند سے آئی ہو جیسا کہ اس کی بحث گزر چکی ہے، لیکن ہماری یہاں اس تحقیق سے کیا یہ لازم آتا ہے کہ حسن (لغیرہ) روایت کو حجت قرار دیا جائے یا نہیں؟ (یہ وہ بات ہے جس کے بارے میں توقف کیا جاتا ہے اور ابن القطان کی تحقیق کی طرف دل زیادہ مائل ہے) واللہ اعلم (النکت علی ابن الصلاح ۱/۴۰۱۔۴۰۲)

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ

۱: حسن لغیرہ پر حافظ ابن حجر سے پہلے کسی نے مفصل بحث نہیں کی۔

۲: حسن لغیرہ کے حجت ہونے پر کوئی اجماع نہیں ہے۔

۳: حسن لذاتہ بالاتفاق حجت ہے۔

۴: حسن لغیرہ کے بارے میں توقف کیا جاتا ہے، لہٰذا یہ احکام و عقائد میں حجت نہیں ہے۔

۵: نیز اس سے یہ بھی ظاہر ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ مطلقاً حسن لغیرہ کو حجت نہیں سمجھتے تھے اور اگر ابن القطان سے ان کی نقل صحیح ہے تو ابن القطان بھی اسے مطلقاً حجت نہیں سمجھتے تھے، ورنہ چار شرائط، احکام میں اس کی نفی اور فضائلِ اعمال کی صراحت کا کیا مقصد ہے؟ اگر حسن لغیرہ مطلقاً حجت ہے تو پھر توقف کرنے کیا مطلب ہے؟

یہاں بطورِ تنبیہ عرض ہے کہ راقم الحروف کو ابن القطان کا مذکورہ قول بیان الوہم والایہام میں نہیں ملا۔ واللہ اعلم

ضعیف + ضعیف + ضعیف = حسن لغیرہ قرار دینے اور اسے حجت سمجھنے والوں کے لئے تلک الغرانیق کے ضعیف قصے کے بعد چار مزید مثالیں پیشِ خدمت ہیں:

۱) ترکِ رفع یدین

ا: حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ (بحوالہ ترمذی وغیرہ)

یہ سند سفیان ثوری کے عن کی وجہ سے ضعیف ہے۔

۲: حدیث البراء بن عازب رضی اللہ عنہ (بحوالہ ابوداود وغیرہ)

اس روایت کی دو سندیں ہیں: ایک میں یزید بن ابی زیاد ضعیف ہے اور دوسری میں محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ ضعیف ہے۔

۳: حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ (المعجم الکبیر للطبرانی ۱۱/۴۵۲)

یہ روایت عطاء بن السائب کے اختلاط کی وجہ سے ضعیف ہے۔

نیز دیکھئے میری کتاب: تحقیقی مقالات (ج ۳ ص ۱۲۰۔۱۳۰)

کیا ان روایات کو حسن لغیرہ قرار دے کر حجت پکڑنا جائز ہے؟ یاد رہے کہ شیخ البانی رحمہ اللہ نے حدیثِ سفیان ثوری کو صحیح قرار دے رکھا ہے۔

۲) من کان له إمام والی حدیث

یعنی: جس کا امام ہو تو امام کی قراءت مقتدی کی قراءت ہے۔

ا: عن عبداللہ بن شداد رحمہ اللہ (مصنف ابن ابی شیبہ بحوالہ ارواء الغلیل ۲/۲۷۲)

یہ سند مرسل ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

۲: عن جابر رضی اللہ عنہ (مسند احمد ۳/۳۳۹)

اس سند میں ابوالزبیر مدلس ہیں اور سند عن سے ہے۔

اس کی دوسری سند (سنن دارقطنی ۱/۳۲۳ ح ۱۲۲۰) میں اسحاق الازرق کے استاد کو جمہور محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔

۳: عن رجل من اہل البصرہ (شرح معانی الآثار ۱/۲۱۷)

یہ سند رجل مذکور کے نامعلوم (مجہول) ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

کیا ان روایات کو حسن لغیرہ قرار دے کر ان سے حجت پکڑنا جائز ہے؟

یاد رہے کہ شیخ البانی رحمہ اللہ نے ضعیف + ضعیف + ضعیف اور جمع تفریق کے اصول سے روایتِ مذکورہ کو حسن قرار دیا ہے۔ (دیکھئے ارواء الغلیل ۲/۲۶۸ ح ۵۰۰)

۳) مدرکِ رکوع کی رکعت ہو جاتی ہے، کے بارے میں مروی حدیث

۱: حدیث رجل (السنن الکبریٰ للبیہقی ۸۹/۲)

اس کی سند میں رجل نامعلوم یعنی مجہول ہے۔

۲: ابن مغفل (یا) ابن معقل ؟ (مسائل احمد واسحاق بحوالہ الصحیحہ: ۱۱۸۸)

یہ روایت مسائل احمد واسحاق میں نہیں ملی اور راوی کے تعین میں نظر ہے۔

۳: عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ (المستدرک للحاکم ۱/۲۱۶، ۲۷۳، ۲۷۴ح ۱۰۰۶ وصححہ، دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو: ۳۰ ص ۱۲)

اس روایت کی سند میں یحییٰ بن ابی سلیمان جمہور کے نزدیک ضعیف ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

صحیح ابن خزیمہ (۱۵۹۵) وغیرہ میں اس کی دوسری سند بھی ہے، جس میں قرہ بن عبدالرحمٰن بن حیویل ضعیف ہے۔

۴: حدیث ابی بکرہ رضی اللہ عنہ موقوف (بحوالہ حدیث علی بن حجر ۱/۷ ا/ انیما بلغنی)

کیا خیال ہے کہ اس روایت کو حسن لغیرہ بنا کر غرباء والے بھائیوں کی طرح یہ سمجھنا صحیح ہے کہ مدرکِ رکوع کی رکعت ہو جاتی ہے؟!

٤) حنفیہ کی طرح دوھری اذان اور دوھری اقامت والی حدیث

۱: عن عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ (مصنف ابن ابی شیبہ بحوالہ آثار السنن: ۲۳۳۰)

یہ سند سلیمان بن مہران الاعمش مدلس کے عن کی وجہ سے ضعیف ہے۔

دوسری سند میں عبداللہ بن محمد مستور ہے۔ (انوار السنن فی تحقیق آثار السنن: ۲۳۵)

تیسری سند (ابوعوانہ ۱/۳۳۱) مرسل یعنی منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

۲: عن بلال رضی اللہ عنہ موقوف (آثار السنن: ۲۴۰)

یہ سند ابراہیم نخعی مدلس کے عنعنہ اور حماد بن ابی سلیمان کے اختلاط کی وجہ سے ضعیف ہے۔

دوسری سند (معانی الآثار ۱/۱۳۴) میں شریک القاضی مدلس کا عنعنہ ہے۔

تیسری سند میں زیاد بن عبداللہ بن الطفیل ضعیف ہے۔

(دیکھئے سنن دارقطنی ۱/۲۴۲ ح ۹۲۸ و آثار السنن: ۲۴۲)

ان کے علاوہ اور بھی کئی ضعیف روایات ہیں، مثلاً پندرہ شعبان کی فضیلت والی روایات وغیرہا۔ کیا ان روایات کو حسن لغیرہ قرار دے کر ان پر عمل صحیح ہے؟

حنفیہ، آلِ دیوبند اور آلِ بریلی بھی اہلِ حدیث کی کئی روایات کو حسن لغیرہ قرار دے کر حجت نہیں سمجھتے بلکہ ضعیف قرار دیتے ہیں۔ مثلاً:

۱: جہری نمازوں میں فاتحہ خلف الامام کی احادیث (حالانکہ یہ احادیث صحیح ہیں)

۲: سینے پر ہاتھ باندھنے کی احادیث (حالانکہ سیدنا ہلب الطائی رضی اللہ عنہ کی مسند احمد والی حدیث حسن لذاتہ ہے)

۳: نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنے کی حدیث

☆ عن ام شریک الانصاریہ رضی اللہ عنہا (ابن ماجہ: ۱۴۹۶)

اس کی سند میں حماد بن جعفر ضعیف ہے۔

المعجم الکبیر للطبرانی (۲۵/۹۷ ح ۲۵۲) میں اس کی دوسری سند ہے، جس میں حماد بن بشیر الجہضمی ضعیف ہے۔

☆ اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا (المعجم الکبیر ۲۴/۱۶۲ ح ۴۱۳، مجمع الزوائد ۳/۳۲)

اس کی سند میں معلّٰی بن حمران نامعلوم ہے اور ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد محمد بن حمران القیسی ہو۔ دیکھئے کتاب الثقات لابن حبان (۹/۴۰)

☆ ام عفیف رضی اللہ عنہا (المعجم الکبیر ۲۵/۱۶۹ ح ۴۱۰)

اس کی سند میں عبدالمنعم ابوسعید ضعیف ہے۔ (مجمع الزوائد ۳/۳۲)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ (صحیح بخاری) اور سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ وغیرہما کی احادیث بھی اس کی مؤید ہیں، لیکن دیوبندیہ و بریلویہ کو پھر بھی اس سے انکار ہے۔

۴: جرابوں پر مسح والی حدیث

☆ عن المغيرة بن شعبة رضی اللہ عنہ (سنن ترمذی:۹۹وغیرہ)

اس روایت کی سند صرف اس وجہ سے ضعیف ہے کہ سفیان ثوری مدلس نے عن سے روایت بیان کی ہے اور باقی ہر اعتراض باطل ہے۔

☆ عن ابی موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ (سنن ابن ماجہ:۵۶۰)

اس کی سند میں عیسیٰ بن سنان ضعیف ہے اور ضحاک بن عبدالرحمٰن کی سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت منقطع ہے۔

☆ عن بلال رضی اللہ عنہ (معجم الطبرانی بحوالہ تحفۃ الاحوذی ۱؍۱۰۱)

اس کی سند میں ابو معاویہ، اعمش اور حکم بن عتیبہ تینوں مدلس ہیں اور روایت عن سے ہے۔ دوسری سند میں یزید بن ابی زیاد ضعیف ہے۔

صحابۂ کرام کا اتفاق (اجماع) بھی جرابوں پر مسح کی تائید کرتا ہے مگر دیوبندیہ و بریلویہ کو احادیث مذکورہ سے انکار ہے اور وہ انھیں حسن لغیرہ قرار دے کر حجت نہیں سمجھتے۔ ایمان و عقائد کا مسئلہ ہو یا اصول و احکام کا، ہمیشہ اپنے تسلیم کردہ اصول و قواعد پر عمل کرنا چاہئے، دوغلی پالیسی اور منافقت سے ہر وقت بچنا چاہئے ورنہ پھر جس دن رب العالمین کے دربار میں پیش ہوں گے، اس دن کیا جواب ہوگا؟

کیا صحیح اور حسن لذاتہ روایات تھوڑی ہیں کہ بعض لوگ ضعیف + ضعیف + ضعیف کر کے ضعیف روایات کو قابلِ حجت باور کرانے پر مصر ہیں؟!

آخر میں چند اہم باتیں پیشِ خدمت ہیں:

۱: صحیح حدیث کی طرح حسن لذاتہ بھی حجت اور معیارِ حق ہے۔

۲: ہر وہ حدیث حسن لذاتہ ہے، جس میں درج ذیل پانچ شرائط موجود ہوں:

(۱) ہر راوی موثق عند الجمہور یعنی جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ وصدوق حسن الحدیث ہو (۲) سند متصل ہو (۳) شاذ نہ ہو (۴) معلول نہ ہو (۵) خاص سند پر محدثین کی متفقہ جرح نہ ہو یعنی راوی کا وہم وخطا ثابت نہ ہو۔

۳: حسن لغیرہ کی وہ قسم مقبول ہے، جس میں ایک سند (مثلاً سنن ابی داود کی روایت) ضعیف ہو اور دوسری (مثلاً ترمذی کی روایت) حسن لذاتہ ہو۔

۴: ضعیف + ضعیف والی روایت کو حسن لغیرہ بنا کر حجت سمجھنا غلط ہے، بلکہ حق یہی ہے کہ ضعیف ضعیف ہوتی ہے، اِلا یہ کہ صحیح یا حسن لذاتہ سند سے ثابت ہو جائے۔

۵: جس شخص کو ہمارے اس موقف سے اختلاف ہے تو وہ پہلے حسن لغیرہ کی تعریف بیان کرے، پھر ہماری طرح (یا کم از کم تین) مثالیں پیش کر کے ثابت کرے کے یہ روایات حجت ہیں۔

٦: ہمارے اس مضمون کا مکمل جواب دے اور ہر قسم کی دوغلی پالیسی سے کلی اجتناب کرے۔

(۱۲/فروری ۲۰۱۱ء)

فہارس

فہرس الآیات

فہرس الأحادیث والآثار

اسماء الرجال

اشاریہ

❁❁❁

ضروری یادداشت